

حضرت عثمان اور حضرت علی

طہ حسین المصری

Handwritten text in Urdu script, possibly a signature or name, located in the upper right quadrant of the page.

ماحول تک پہنچوں جس نے طرفین کو فتنے میں مبتلا کیا، اور اسے ہمیشہ
حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کی تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

ٹری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

DATA REVEALED
مصنف کا لفظ نظر

بس بھر میری کوشش ہوگی کہ یہ بحث حق اور صرف حق کی خاطر ہو، میرے پیش نظر اصلیت
رہے اور انصاف میں حضرت عثمانؓ کے قضیے میں حصہ لینے والے اسلامی فرقوں میں سے کسی
ایک کی ہوا خواہی نہیں چاہتا، میں عثمانی حمایت اور علوی شیعیت دونوں سے علیحدہ ہوں۔
میرے فکر و نظر کا گوشہ اس معاملے میں وہ نہیں جو خود حضرت عثمانؓ کے معاصرین کا تھا، جنہوں
نے اس کشمکش کے مصائب برواشت کئے اور ان کے ساتھ یا ان کی وفات کے بعد اس سے
پیدا ہونے والے نتائج کا شکار بنے رہے۔

میں جانتا ہوں کہ لوگ آج بھی اس مسئلے میں اسی طرح مختلف خیالات رکھتے ہیں، جس
طرح حضرت عثمانؓ کے عہد میں رکھتے تھے، ایک طرف عثمانی ہیں جو صحابہؓ ہیں شیخینؓ کے بعد حضرت
عثمانؓ کا درجہ سب سے اونچا جانتے ہیں، دوسری طرف شیعی ہیں جو نبی کریم ﷺ کے بعد
حضرت علیؓ ہی کا درجہ مانتے ہیں، ان کے خیال میں شیخینؓ کے لئے بھی قدر و منزلت کی کوئی گنجائش
نہیں، کچھ لوگ بیچ میں ہیں، معتدل عثمانیت اور معتدل تشیع، یہ لوگ تمام صحابہؓ کی عظمت و
احترام کے قائل ہیں، اَلسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ کا درجہ بھی پہنچاتے ہیں، پھر صحابہؓ ہیں باہمی فضیلت
ان کے نزدیک ضروری نہیں، ان کا خیال ہے کہ تمام صحابہؓ نے پوری سرگرمی کے ساتھ کوششیں
کیں۔ اللہ کے، اللہ کے رسولؐ کے، اسلام کے، اور مسلمانوں کے منہل رہے، بعضوں سے
کچھ کوتاہیاں بھی ہوئیں۔ لیکن وہ سب کے سب اجر عظیم سے مستحق ہیں، اس لئے کہ ان کا مقصد
نیک تھا۔ ان کی نیت قصور اور کوتاہی کی نہ تھی، اسلام کے مؤ

ہیں جن پر وہ پوری شدت کے ساتھ جے ہوتے ہیں، اور جن کی مدافعت اور حفاظت میں مرٹنے کو تیار ہیں، اس لئے کہ ان خیالات کا مرکز دین اور ایمان ہے! اور ایک بندہ مومن کے اعمال و معتقدات کی تمنا اپنے دین کی حفاظت، اپنے یقین کی مضبوطی اور خدا کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔

میں اس معاملے کو ایک ایسی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں جو جذبات اور تاثرات کی عینک سے ہو کر نہ گذرتی ہو، جو مذہب کی تاثیر اور عقیدے کے اثر سے خالی ہو، یہ نگاہ ایک مورخ ہی کی ہو سکتی ہے۔ جو اپنے آپ کو رجحانات، جذبات اور خواہشات سے بالکل الگ کر لیتا ہے، جن کے مظاہر خواہ کتنے ہی مختلف ہوں،

مسلمانوں کی ایک جماعت اور کہنا چاہیے بہترین مسلمانوں کی جماعت اس فساد آفریں حادثے سے قبل ہی اللہ کی رحمت کو پہنچ چکی تھی، اس کا دنیا سے اٹھ جانا اس کے ایمان اور اس کی قدر و منزلت میں کسی کمی کا باعث نہ ہو سکا بلکہ ان کی موت نے ان کو لغزش کے مواقع اور مشتبہہ پوزیشن سے بچا لیا۔ اور وہ دنیا سے کامیاب اور شرف و فساد سے محفوظ رخصت ہوتے، لیکن صحابہ کی ایک پوری جماعت قضیہ عثمانی کے وقت موجود تھی، جب مسلمان اپنی تاریخ میں شدید ترین بے رحمی کے ساتھ اس قضیے میں حصہ لے رہے تھے، بعض صحابہؓ نے اس میں حصہ نہیں لیا، نہ کم نہ زیادہ، وہ حصہ لینے والوں سے کنارہ کش رہے۔ انہیں میں کے ایک خدا کی ان پر رحمت ہو، سعد بن وقاصؓ ہیں جنہوں نے فرمایا میں تو اسی

لا اقاتل حتی تاكوني بسيف يقتل
ديبمرو ينطق فيقول اصاب هذا
والخطا ذاك۔

وقت لڑاؤں گا جب تم مجھے ایسی تلوار لا کر
دو گے جو فکر و نظر رکھتی ہو اور جو یہ بولتی ہو

کہ اس نے غلطی کی ہے اور یہ حق بجانب ہے۔

میں حضرت سعدؓ اور ان کے ساتھیوں کی راہ چلنا چاہتا ہوں۔ رضی اللہ عنہم۔
میں سے مجھے کہنا ہے پرغاش ہے نہ دوسرے سے بحث و تکرار، میں تو صرف
اور لوگوں کی اطلاع کے

ماحول تک پہنچوں، جس نے طرفین کو فتنے میں مبتلا کیا، اور باہمی خصومت کا جال بچھا کر بڑی بے وردی کے ساتھ ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا، اور اب تک کرتا جا رہا ہے، اور غالباً قیامت تک کرتا جائے گا۔

اس کتاب کو پڑھنے والے آگے چل کر پڑھیں گے کہ حالات کی نزاکت اور معاملات کی خطرناکی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور ان کے موافقین و مخالفین سب کے بس سے باہر تھی، وہ واقعات میں پڑھیں گے کہ جن حالات میں حضرت عثمانؓ مسند نشین خلافت ہوتے، اگر اس وقت دوسرے کو بھی تختِ خلافت پر بٹھا دیا جاتا تو وہ بھی ان ہی کی طرح فتنہ و فساد کے مصائب میں مبتلا ہوتا اور لوگ اس سے بھی جدال و قتال کرتے۔

سیاسی تجربہ

میں تو اس خیال کا ہوتا جا رہا ہوں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے تشکیل میں جو اسلامی خلافت تھی وہ ایک دلیرانہ تجربہ اور فداکارانہ اقدام تھا جس کی تکمیل نہ ہو سکی، اور شاید اس کی تکمیل کے مواقع ممکن نہ تھے، اس لئے کہ یہ تجربہ وقت سے بہت پہلے شروع کر دیا گیا۔

اب تک انسانیت نے تجربہ اور آزمائش کی کتنی ہی منزلیں طے کر لی ہیں، حکومت اور تشکیلِ حکومت کے سلسلے میں اس کی ترقی اور تجربہ کی پرواز اپنی سے اپنی چوٹی تک پہنچ چکی ہے، لیکن کیا خیال فرماتے ہیں آپ؟ کیا انسانیت ان ترقیوں اور تجربوں کے بعد بھی ایک ایسے نظامِ حکومت کی تشکیل میں کامیاب ہو سکی جس میں سیاسی - اور سماجی انصاف کے تقاضے ٹھیک اسی طرح پورے ہوتے ہوں جس طرح حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنے اپنے عہد میں پورا کرنا چاہتے تھے؟

انسانیت نے طرح طرح کی حکومتیں بنائیں، ایک حکومت تو وہ بنائی جس میں بادشاہ اپنے آپ کو خدا تصور کرتے تھے، دوسری حکومت ایسی بنائی جس میں بادشاہ خدا تو نہیں لیکن دیوتاؤں کا سایہ تسلیم کیا گیا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ بادشاہ کی ذات کسی ایک

خدا کا ہر ثواب ہے، یہ سارے بادشاہ غلط یا سچ خیال کرتے تھے کہ ان کا اقتدار عوام کا عطیہ نہیں ہے، بلکہ یہ تو ان کے آباؤ اجداد سے اُن کو ملا ہے جو خود خدا تھے یا ان دیناژوں کا عطیہ ہے جن کا روپ انہوں نے لیا ہے۔

اب اس قسم کے بادشاہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں جو احکام بھی صادر فرماتے اس میں صرف ان کی خواہش اور خوشی کا فرما ہوتی، عوام خوش ہوں گے یا ناراض؟ اس کی ذرا بھی پروا نہ ہوتی، اور ہوتی بھی کیسے، عوام تو پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ اطاعت کریں، حکم بجالائیں، انہیں ناراض یا خوش ہونے کا کوئی حق نہیں، ان کی مرضی یا ناپسندیدگی بادشاہوں کی طبیعت میں کسی تبدیلی کا باعث نہیں ہو سکتی تھی، بالکل اسی طرح جیسے آپ آفتاب کے نکلنے سے خوش اور اس کے ڈوب جانے پر ناراض ہوتے ہوں لیکن وہ نہ آپ کی خوشی پر طلوع ہوگا اور نہ آپ کا غم اس کو غروب ہونے سے روک سکتا ہے انانیت کو اس قسم کے بادشاہوں اور ان کی حکومتوں کے تجربے سے برائے نام اوست

لی، زیادہ تر تو عذاب ہی عذاب رہا۔ تب اس نے اس میں انقلاب لانے کی کوشش کی، اسکی یہ کوشش کہیں کہیں کامیاب بھی ہوتی۔ چنانچہ سبھی بھراشراف اور امراء کی حکومت تلہود میں آئی جو اپنے درمیان تو مساوات کے قائل تھے لیکن عوام کے لئے وہ بھی اس کے روادار نہ تھے، اسی طرح مطلق اللتان ظالموں اور سفاکوں کا دور حکومت آیا۔ یہ مظالم عوام کی دست گیری کے نام سے میدان میں آئے اور اعلان کیا کہ وہ امرانہ سرداروں کے مظالم سے عوام کو نجات دلائیں گے لوگوں میں عدل و مساوات پھیلائیں گے، قوی اور کمزور، غریب اور امیر کا فرق مٹا دیں گے، مضبوط اور معذور دونوں اُن کی نگاہوں میں ایک ہوں گے۔ لیکن یہ سب تو وہ نہ کر سکے، اٹک لوگوں پر مظالم کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع کر دیا۔ اور عوام کے ساتھ اشراف کو بھی ذلیل کر کے انانیت کو اسی ذلت اور بدستی کے گڑھے میں پہنچا دیا جہاں سے وہ نکلنا چاہتی تھی، بلکہ اس سے بھی زیادہ گہرے غار میں،

اس کے بعد انانیت نے ایک ایسے نظام حکومت کا منہ دکھا جس کے متعلق اسکا

خیال ہے کہ وہ بہترین اور معقول ترین دستور حکومت ہے، عوام اس کے ذریعے سیاسی انصاف اور سماجی مساوات کا پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہ نظام حکومت یہی جو عوام کو اپنے معاملات کا خود مختار بنانا ہے، اور ان کو حق دیتا ہے کہ اپنے لئے جیسا نظم چاہیں بنائیں۔ انسانیت نے اس نظام کا تجربہ کیا، بلاشبہ اس کے ذریعہ اس کو انصاف کی ایک قسط مل گئی۔ لیکن پوری پوری وہ بھی وصول نہ ہو سکی، اور جو ہوئی وہ بالکل سطحی، اور سرسری، چنانچہ آج بھی لوگ کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے اور ایک جہتی اور اشتراک سے محروم ہیں۔ عوام کی لگام بظاہر بلاشبہ عوام کے ہاتھ میں ہے، لیکن حقیقت کچھ بھی نہیں۔ پوچھا یہ جاتا ہے کہ عوام کیا چاہتے ہیں؟ اب اگر جواب میں اختلاف ہوا۔ اور اختلاف کا ہونا یقینی ہے تو فیصلہ اکثریت کے حق میں ہو جاتا ہے اور اقلیت کی پرواہ نہیں کی جاتی، اس طرح اکثریت کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اقلیت کو پامال کرے اس کی مرضی کے خلاف اس پر حکمراں ہو، اگر اکثریت کو یہ موقع دیا جاتا کہ وہ براہ راست اپنے اوپر اور اقلیت پر حکمرانی کرتی تو شاید یہ نظام انصاف سے قریب تر اور مظالم سے بڑی حد تک خالی ہوتا۔ لیکن اکثریت کی براہ راست حکومت کی کوئی شکل نہیں اس لئے ہوتا یہ ہے کہ اکثریت حکومت کرنے کے لئے اپنے نمائندے چنتی ہے یہ چناؤ تشدد، دھمکی، مکر، رشوت، اور لالچ کے بل بوتے پر ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ بھی ہو، لیکن اس سے تو مجال انکار نہیں کہ یہ نمائندے جنہیں اکثریت پسند کرتی ہے اور حکومت کی لگام ان کے ہاتھ میں دیتی ہے انسانوں ہی میں سے کچھ انسان ہوتے ہیں، جن میں پختگی بھی ہوتی ہے اور خامی بھی۔ سختی بھی ہوتی ہے اور نرمی بھی، انصاف بھی ہوتی ہے اور حرص بھی، ایشیا بھی ہوتا ہے اور خود غرضی بھی، پس یہ ہر وقت راہ سے ہٹ جانے کی زد میں ہیں، اور ان سے خطرہ ہے کہ اعتدال کی حد سے بڑھ جائیں اور اپنے ساتھ عوام کو بھی غلط راہ پر لے جائیں اور بالآخر بے انصافی کی وہی فضا پیدا کر دیں جو مستبد بادشاہوں، خود غرض اشراف اور خونخوار سفاکوں کے عہد حکومت میں تھی۔

اتنی ساری مشکلات اور ابھی ہم سیاسی انصاف کی منزل میں ہیں، پھر آپاندرہ کیجئے کہ سماجی مساوات کی اُمید کس طرح کی جاسکتی ہے جس کا مقصد صرف یہی نہیں کہ سب لوگ حکومت کی نگاہ میں برابری کا درجہ رکھتے ہوں، بلکہ زندگی کے وسائل اور اور ذرائع سے بھی تمام لوگ یکساں مستفید ہو سکیں، اب تک انسانیت نے مختلف زمانوں مختلف خاندانوں اور مختلف حالات میں جتنے بھی نظام حکومت دیکھے ان میں سے ایک بھی اس سماجی مساوات کا حامل نہیں ہو سکا جو عوام میں وہ اطمینان وہ خوشگواہی اور وہ امن پیدا کر دے جو بے چینی، بے زاری، اور خوف سے خالی ہو، پھر عہدِ حاضر کی انسانیت کو جو کچھ حاصل ہے وہ کسی طویل بحث کا محتاج نہیں، ڈیپاکریسی نے قانون کی نگاہ میں عوام کو ضرور کسی حد تک آزاد اور مساوی بنا دیا ہے، لیکن وہ ان کے لئے سماجی مساوات کی ضامن نہیں، اشتراکیت نے ضرور کم و بیش سماجی مساوات اور انصاف کے تقاضے پورے کئے، چنانچہ اس نے طبقاتی فرق کو دور کیا، مزدوروں کو اپنی محنت سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ محتاجوں اور معذوروں کے لئے باعزت زندگی گزارنے کی سبیل نکالی، لیکن یہ سب کچھ دے کر ان سے ان کی آفاقی چھین لی، اور ڈکٹیٹر شپ تو سبھی کچھ غصب کر لیا۔ نہ آزادی باقی رہی نہ مساوات! عوام کو بری طرح شرمناک حد تک غلام اور حکومت کا آلہ کار بنایا۔ اور اس غلامی کے بدلے میں بھی اس نے ان کو کچھ نہیں دیا ایک صالح حکومت کی تلاش میں انسانیت نے یہ سارے راستے طے کئے۔ اور نظامِ حکومت کے خوب خوب تجربے کرتی رہی، لیکن ہنوز دلی دور است، اب تک وہ ظلم و ستم کی شاکھی ہے اور غلامی کی زلتوں سے تنگ آچکی ہے، وہ متلاشی ہے ایک ایسے صحیح اور مستقیم نظامِ حکومت کی جو انسانوں کو آزادی اور انصاف کی نعمت عطا کرے، یہ صحیح اور مستقیم نظامِ حکومت وہی ہے جس کے قیام کی کوشش اسلامی خلافت نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے عہد میں کی تھی۔ لیکن ابھی اس تجربے کی ابتدا بھی نہ ہو سکی تھی کہ صدیق اکبرؓ اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے، ابھی اس تجربے کی راہ میں چند بڑے بڑے قدم ہی اٹھائے تھے کہ فاروق اعظمؓ شہید کر دیئے

گئے، مزید برآں حضرت عمرؓ ان اقدامات سے پوری طرح مطمئن بھی نہیں ہو سکے، اپنی فطرت کے آخری دنوں میں آپ فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے آخر میں کیا اگر وہ پہلے کرتا۔

لو استقبلت من امری ما

استدبرت لاخذت من الا

غنیاء فضول اموالهم

فرودتها علی الفقواء

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ سماجی مساوات کا تقاضا اچھی طرح پورا نہیں کر سکے۔ پھر کسی امیر یا حاکم کا کیا ذکر؟ مسلم اور غیر مسلم سبھی جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی طرح قیامِ عدل کا نہ کسی امیر نے ارادہ کیا اور نہ پورا کر دکھایا، پھر یہ کہ لوگ بھی حضرت عمرؓ کے تجربات سے خوش نہ تھے، عوام آپ سے خائف اور مرعوب تھے، اور ڈر کر آپ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، آپ کا بڑے سے بڑا چاہنے والا ہو یا زیادہ سے زیادہ محبوب، کسی کو بھی اس بات کی کامیاب سفارش کا حوصلہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ خود اپنی ذات کے متعلق یا دوسروں کے بارے میں کچھ نرمی اور چشم پوشی سے کام لیں۔ کیونکہ آپ عدل کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے، اور مفتوحین کو بھی یہ تجربات آخر کار خوش نہ رکھ سکے، وہ خیال کرتے تھے کہ ان کی مرضی کے خلاف اور ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام لیا جاتا ہے، انہیں یہ بھی خیال تھا کہ تمدن اور تہذیب میں ان کا درجہ پہلے ہے۔ عرب تو نو تہذیب ہیں اور ابھی ابھی تمدن آشنا ہوتے ہیں، پس یہ بات ان کی مرضی کے بالکل خلاف تھی کہ تمدن اور تہذیب لوگوں پر وحشی دیہانتوں کو مسلط کر دیا جاتے۔ حضرت عمرؓ اسی قسم کی ناراضگی کے نتیجے میں شہید کر دیئے گئے، ان ہی مفتوحین میں سے ایک نے جب اپنے آقا مغیر بن شعبہ کی شکایت کی، اور حضرت عمرؓ نے تحقیق کے بعد کچھ عتاب نہیں کیا تو اس نے آپ کے خنجر بھونک دیا جب کہ آہل نماز کے لئے بڑھ رہے تھے۔

لیکن یہ بڑی زیادتی ہوگی کہ ہم اس دلیرانہ تجربے پر اس قدر غیر معمولی عملت کے ساتھ رائے قائم کر لیں، ہمارا فرض ہے کہ پوری توجہ اور بصیرت کے ساتھ غور کریں کہ کیا یہ کوئی پائدار چیز تھی، اور کیا یہ ممکن تھا کہ یہ تجربہ کامیاب ہو جاتا اور اس سے جو مقصد تھا وہ پورا ہو جاتا۔ ہم غور و فکر کے بعد ہی اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو انصاف کی خاطر ہم نے اپنے سر لی ہے اور پھر یہ غور و فکر بہت سی ان مشکلات کے سمجھنے میں ہماری مدد کرے گا۔ جو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتنہ و فساد کا باعث بنیں یا بنائی گئیں اس لئے نہیں کہ حضرت عثمانؓ غلیفہ تھے بلکہ اس لئے کہ وہ وقت ہی ایسا تھا کہ فتنہ ہو اور بعض لوگ فساد کریں

اسلام کی سیاسی نظام کی بنیاد مساوات پر ہے

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نظام حکومت کی بنیاد یہ تھی کہ وہ اپنے بس بھر مسلمانوں کے معاملات میں نبیؐ کے نقش قدم پر چلیں، یہ نقش قدم مسلمانوں پر پوری طرح واضح ہو چکا تھا۔ اس کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ تمام انسانوں کو سچا اور بے لاگ انصاف مل سکے، اس کے لئے ہمیں کسی بحث اور دلیل کی ضرورت نہیں، بھول جانے والوں کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اسلام نے دنیا کے سامنے سب سے پہلے دو باتیں پیش کیں، توحید اور انسانی مساوات۔ ارشاد خداوندی ہے،

إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَ
جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ
عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ خَبِيرٌ

ہم نے تم کو نر اور مادہ سے پیدا
کیا اور تمہیں پہچاننے کے لئے قبائل اور
شعوب میں تقسیم کر دیا۔ تم میں سب سے زیادہ
برگزیدہ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے
زیادہ خدا سے ڈرتا ہے۔

قریش کو سب سے زیادہ غصہ آپ کی اسی دعوت پر تھا، کہ آپ لوگوں کو اس عدل اور مساوات کی سرپرستی بلاتے تھے، آپ کی نگاہ میں حاکم اور محکوم کا آزاد اور غلام کا، قوی

اور کمزور کا، امیر اور غریب کا کوئی فرق نہ تھا اور سبھی کنگھی کے دانتوں کی طرح ایک سے تھے، آپ لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ آپس میں نیچ اونچ کا برتاؤ نہ کرو، شاید کسی کے دل میں خیال پیدا ہو کہ آپ نے غلامی کا تو خاتمہ نہیں کیا اور نہ اس کی ممانعت کی کہ کوئی کسی کا مالک نہ رہے، لیکن جو لوگ اسلام کو جانتے ہیں اور اس کی حقیقت کے آشنا ہیں، ان کے نزدیک خدا کے دربار میں آقا اور غلام کا درجہ ایک کر دینا ہی اسلام کا وہ اقدام ہے جو انسانیت کی تاریخ میں ایک عظیم الشان واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر پیش آنے والے واقعات فتنہ و فساد بن کر مسلمانوں کی راہ میں حائل نہ ہو گئے ہوتے تو یہ واقعہ اپنی عظمت بعد میں بھی باقی رکھتا، اس لئے کہ خدا نے آقا و غلام دونوں پر نماز فرض کی، دونوں کو روزے کا حکم دیا اور دونوں کو تاکید کی کہ دلوں کو پاک اور نیتوں کو خالص کریں، اس نے دونوں کے لئے ایک ہی دین کا اعلان کیا۔ دونوں کا خون حرام کیا۔ ایسا نہیں کیا کہ غلاموں کا دین الگ ہے اور مالکوں کا الگ، اگر مسلمانوں کے معاملات اپنے رُخ پر چلتے تو یہ باتیں غلامی کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیتیں، مزید برآں خدا نے غلاموں کے آزاد کر دینے کو ان نیکیوں میں شمار کیا ہے جن کے لئے مسلمان پیش قدمی کر کے اجر عظیم کے مستحق نہیں۔ اس نے دین میں بہت سے ایسے مواقع پیش کئے جہاں تک پہنچنے کے بعد غلام آزاد بن جاتا ہے۔ چنانچہ غلاموں کی آزادی عمل صالح بنائی گئی۔ بعض گناہوں کا کفارہ قرار دی گئی۔ اس طرح ہر وہ دروازہ کھولا گیا جس میں داخل ہو کر مسلمان ذوق اور شوق کے ساتھ اس فرض کو پورا کریں۔

یہی وہ باتیں ہیں جن کو سنکر قریش آگ بگولا ہو جاتے تھے اور آنحضرت ﷺ پر غصے میں دانت پستے تھے، میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ قریش کو صرف توحید کی دعوت دیتے اور ان کے سماجی اور اقتصادی نظام کو نہ چھڑتے، قوی، کمزور، امیر، غریب، آقا۔ اور غلام کا فرق بدستور باقی رہنے دیتے، سوو خواری کو حرام قرار نہ دیتے، دولت مندوں سے مال لینے اور فقروں پر تقسیم کر دینے کا کام نہ کرتے تو قریش کی آشریت

بڑی آسانی کے ساتھ آپؓ پر ایمان لے آئی اس لئے کہ قریش کے لوگ اخلاص کے ساتھ
توں سے نہ عقیدت رکھتے تھے اور نہ سچا جذبہ ان کی کیفیت تو تذبذب کی سی تھی اور وہ
بھی شوخی اور تمسخر کے انداز میں یہ سارے بت ان کی نگاہ میں اصل مقصود نہ تھے، بلکہ عام
عربوں کو قابو میں رکھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ تھے۔ پھر اگر قریش کی بڑی
اکثریت ایمان نہ لاتی تو جو بھی ایمان لاتے، لائے، جو نہ لاتے وہ رکے رہتے، لیکن آپؓ کے
لئے کسی آویزش یا عناد کا باعث نہ بنتے، الغرض قریش کا غیظ و غضب جس قدر بتوں کی
ندمت سے تھا، اس سے کہیں زیادہ اس بات پر تھا کہ آپؓ ان کے سماجی نظام پر تنقید
فرماتے تھے۔ اور آپؓ ایک ایسے انصاف کی دعوت دیتے تھے جو ان کی سیادت اور قیادت
کے مفاد کے خلاف تھا۔

سب جانتے ہیں کہ آپؓ نے محض اسلام کی طرف رغبت دلانے کی خاطر بعض شران
قریش کی طرف توجہ کی، جس میں غریبوں سے کچھ بے التفاتی کا رنگ پیدا ہو گیا۔ تو
اللہ نے شدید لہجے میں عتاب نازل کیا، آج تک لوگ وہ آیتیں تلاوت کرتے ہیں جو
ام مکتوم کے واقعے سے متعلق وارد ہیں،

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنۡ جَاۤءَهُ الْاَعۡمٰی

وَمَا یُذۡرِیۡكَ لَعَلَّہٗ یَٰرَکَّ اٰذٌ

یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعُہَا الذِّکۡرٰی

اَمَّا مِّنۡ اِسۡتَغۡنٰی فَاِنَّ لَہٗ

تَمَدِّیۡ وَاَمَّا عَلَیۡكَ اِلَّا

یَٰرَکَّ وَاَمَّا مِّنۡ جَاۤءَکَ لَبِیۡۤیۡ

وہُوَ یَخۡشٰی فَاِنَّتَ عِنۡہٗ

تَلۡمٰی کَلَّا اِنَّہَا تَذِکۡرَةٌ

فَمَنۡ شَاءَ ذِکَّرَ اِنۡیۡ صَحِیۡ

مُکَرَّمَةٌ مَّرۡفُوعَةٌ مُّطَهَّرَةٌ

تیوری پڑھائی اور روگردانی کی اس

بات پر کہ آگیا ان کے پاس نابینا اور

آپؓ کو کیا خبر کہ شاید سنور جائے یا نصیب

حاصل کرے، پس فائدہ پہنچائے اس کو

نصیب، وہ جو پرواہ نہیں کرتا سولہ اس

کی فکر میں ہے اور تجھ پر کچھ الزام نہیں

کہ وہ نہیں درست ہوتا اور وہ جو آیا

تیرے پاس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے سولہ

اس سے تفاعل کرتا ہے یوں نہیں یہ تو نصیب

ہے پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے لکھا ہے

دعوت کے وقتوں میں اور بچے کے ہونے نہایت مستحسن

پس انسانوں کی مساوات کی دعوت، توحید و عدل کی ان دو بنیادوں میں سے ایک کا مظہر تھی جس پر اسلامی عمارت کا قیام ہے، نبی کریم ﷺ کی اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں اور پھر مدینہ طیبہ میں جو زندگی رہی خود اس کا قوام اور مزاج تمام اہم معاملات میں عدل کا تقاضا پورا کرتا تھا۔ اور وہ اس اہتمام اور توجہ کے ساتھ کہ عام مسلمان اس بات کا یقین کرنے لگیں کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں عدل بھی ایک رکن ہے، جس سے سرتابی اسلام سے سرتابی اور جس میں کوتاہی دین میں کوتاہی ہوگی، یہی جذبہ تھا جس نے اس وقت جب کہ خود نبی کریم ﷺ غزوہ حنین کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم فرما رہے تھے اور دل جوئی کی خاطر بعض عربوں کو ان کے حق سے زیادہ کچھ دے دیا تو ایک حقیقت سے بے خبر مسلمان اس پر معترض ہوا اور بول اٹھا۔

یعنی انصاف فرمائیے انصاف یہ

اعدل یا محمد فانك

انصاف نہیں ہے،

لم تعدل

پہلے تو آپ نے توجہ نہیں کی لیکن جب اس نے دوبارہ کہا تو آپ کے چہرہ انور پر غصے کے آثار نمایاں ہو گئے، اور آپ نے فرمایا افسوس تجھ پر اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا؟

یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے چاہا کہ معترض کی خبر لیں لیکن آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس سے باز رکھا اس لئے کہ آپ اپنے ساتھیوں کے لئے مشورے کی آزادی اور تنقید و اعتراض کا حق تسلیم فرماتے تھے اور پھر آپ نے یہ دل جوئی کا عمل بھی اللہ کی وحی اور قرآن کی اجازت سے کیا تھا سورہ برات میں صدقات سے بعض لوگوں کی دل جوئی کی اجازت ہے اور مصارف صدقات میں تالیف قلوب بھی ایک مصرف بتایا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اگر مالِ غنیمت میں سے بعض عربوں کو کچھ زیادہ دیدیا تو یہ انصاف کے خلاف کوئی بات نہ تھی، آپ نے تو عدل کا تقاضا پورا کرنے میں انتہائی باریک بینی سے کام لیا ہے۔ حد یہ ہے کہ خود اپنی ذات تک بدلے میں پیش کر دی ہے آپ کے خلفاء نے بھی چاہا تھا کہ ایسا ہی کریں لیکن وہ نہ کر سکے، حضرت عمرؓ نے اپنے

عہدِ خلافت میں اعلان کر رکھا تھا کہ جس افسر سے بھی کسی کو بلا وجہ تکلیف پہنچے گی وہ اس کا بدلہ چکانے کے لئے تیار رہے، کہا جاتا ہے کہ حج کے موقع پر حضرت عمرؓ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ ان کے گورنر نے بلا وجہ اس کو مارا پٹیا ہے، تحقیق کے بعد آپ نے فیصلہ کر دیا کہ فریادی اپنا بدلہ لے لے، اب افسروں میں اس فیصلے سے بڑی بے چینی پھیلی اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ وہ گورنر کو معاف کر دیں، اس لئے کہ بدلہ چکانے کا فیصلہ حکومت کا وقار کم کر دے گا۔ اور پھر عوام کا حوصلہ افسروں کے خلاف بڑھ جانے گا۔ حضرت عمرؓ نے یا وجود انتہائی اصرار کے ساتھ دلیل کو ماننے سے انکار کر دیا، لیکن آخر کار اس بات پر راضی ہو گئے کہ اگر فریادی رضامند ہو گیا تو میں معاف کر دوں گا چنانچہ گورنر نے فریادی کو رضامند کر لیا۔ اور قصاص سے بچ گیا حضرت عمرؓ کا کہنا یہ تھا کہ امت میں سب سے زیادہ برگزیدہ ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ نے بدلہ دیا ہے پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کے خلفاء اور حکمران بدلہ چکانے کی جگہ شاکہ کو رضامند کر لیا کریں۔ یا بدلہ پیش کرنے میں جبر و اکراہ کا اظہار کریں، حضرت عثمانؓ سے حج کر کے کرنے والے اپنی دلیل میں پیش کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے بدلہ چکایا ہے اور حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف سے رعایا کو بدلا دلانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی بات نہیں مانی، جو لوگ آنحضرت ﷺ کی سیرت پر نظر رکھتے ہیں اور جو آپ کے سنن سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ آپ کسی بات میں بھی اپنے ساتھیوں پر اپنی برتری تصور نہیں فرماتے تھے، بجز ایک بات کے اور وہ وحی الہی کا آپ پر نازل ہونا۔ چنانچہ آپ اپنے صحابہؓ سے مشورہ کرتے تھے، ان کا مشورہ قبول فرماتے تھے، وہ اگر جنگ کرتے تو آپ بھی لڑتے، وہ صلح کرتے تو آپ بھی صلح کی باتیں کرتے، ان ہی کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر کرتے۔ خندق کھودتے، زمین کھودنے اور عمارت بنانے کی مشقت میں تنخیف کے خیال سے صحابہؓ کے ساتھ آپ بھی نغمات گنگناتے، انہیں کے ساتھ پتھر اٹھاتے، مٹی ڈھوتے، غرض اپنے آپ کو انہیں میں سے ایک تصور فرماتے، ہاں امتیاز تھا تو صرف یہ کہ اللہ نے آپ کو نبوت عطا کی تھی چنانچہ آپ اس سے زیادہ کسی امتیاز کے روادار نہ تھے۔ سنن اور سیرت کی روایات بتاتی ہیں کہ مرض الموت

میں آپ نے سونے کی وہ مخمورٹی مقدار جو مسلمانوں کے مال میں سے آپ کے پاس بچ رہی تھی منگوائی اور لوگوں کے حوالے کر دی۔ اور دنیا سے اس طرح رخصت ہوتے کہ نہ سونے کے مالک تھے نہ چاندی کے، اس معاملے میں آپ نے اپنے نفس پر انتہائی سختی کی، خدا نے بھی یہ شدت روارکھی اور چونکہ آپ کے ارشادات ذاتی خواہشوں کی بنا پر نہیں بلکہ وحی الہی کے تقاضے سے ہیں، اس لئے نہ صرف یہ کہ صحابہؓ میں آپ نے اپنے لئے کوئی امتیاز کو گوارا نہیں بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی اپنی طرح پابند رکھا اور فرمایا۔

ہم انبیاء لوگ کسی کو وارث نہیں بناتے

نحن معاشر الانبیاء لا

ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے،

نورث ما ترکنا صدقہ

آپ کی وفات کے بعد حضرت قاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس باغ فدک باپ کی وراثت میں مانگنے آئیں تو آپ نے دینے سے انکار کر دیا۔ اور مذکورہ بالا حدیث ان کو پڑھ کر سنائی۔

پس سیرت نبویؐ نے لوگوں کے باہمی تعلقات میں، اپنے اور لوگوں کے تعلقات

میں، نیز اپنے اہل بیت اور عام مسلمانوں کے تعلقات میں انصاف کو بنیاد قرار دیا تھا آپ کے خلفاء نے پوری کوشش کی کہ اپنے بس بھر آپ ہی کا راستہ چلیں، بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے تو اپنی طاقت سے باہر کام کرنے کا ارادہ فرمایا اور چاہا کہ بیک وقت مسلمانوں کے امام بھی رہیں اور اپنے گھر کے کاروباری بھی، خلافت کے کاموں کے لئے بھی اپنا وقت اور قوت رکھیں اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی کمانے کی مشقت بھی اٹھائیں، مسلمانوں نے ایک دن دیکھا کہ آپ معمول کے مطابق کچھ سامان اٹھاتے بازار کی طرف لپکے جا رہے ہیں تاکہ اسے فروخت کر کے کچھ چیزیں خریدیں، تب مسلمانوں نے توجہ کی یا باختلاف روایت خود حضرت ابوبکرؓ نے محسوس فرمایا کہ وہ بیک وقت خلافت اور فکر معاش دونوں ذمہ دار پوری نہیں کر سکتے، اس لئے مسلمانوں نے ان کے لئے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیا۔ اور اس میں بھی فراخی یا فیاضی کی شان نہ تھی۔ اتنی ہی مقدار مقرر کی جس سے گذر بسر ہو سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اتباع میں حضرت ابوبکرؓ نے حرج تصور فرمایا کہ دنیا

سے ایسی حالت میں جاتیں کہ ان کے پاس مسلمانوں کا کچھ مال رہ جاتے چنانچہ آپ نے گھر والوں کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو ہنات رکھے ہیں وہ عمرؓ کو دے دیتے جائیں حضرت عمرؓ انھیں دیکھ کر رونے لگے، عبدالرحمن بن عوفؓ نے مناسب نہ سمجھا کہ حضرت عمرؓ انھیں لے لیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جس بات کو اپنے لئے حرج تصور فرمایا، اسے اپنے ساتھی کے لئے بھی منظور نہیں کیا، اور یہ نہ ہونے دیا کہ ابو بکرؓ اپنے رب سے ایسی حالت میں ملیں کہ وہ ان سے سوال کرے کہ کیا تم نے ہنات عمرؓ کو واپس کر دیتے تھے، پھر ابو بکرؓ جواب دیں کہ میرے گھر والوں نے تو پیش کر دیا تھا لیکن عمرؓ نے لینے سے انکار کر دیا۔

انصاف قائم کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی آرزو اور حرص میں شدت کا یہ عالم تھا کہ پاکبازی اور نیک نیتی کی نگاہ میں جو بات حرج کی نہ تھی اس سے بھی احتیاط فرماتے تھے، بلاشبہ اگر حضرت ابو بکرؓ کی اخلافت کا زمانہ کچھ طویل ہوتا تو ہم حیرت انگیز واقعات پڑھتے، جب کہ دس ہی سال کے فرق نے حضرت عمرؓ کے دور میں وہ کچھ کر دکھایا جس کی تصدیق لوگوں کے لئے مشکل ہے چنانچہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے متعلق راویوں نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے، اور ان کی شدت اور احتیاط کے بیان میں مبالغے سے کام کیا ہے، لیکن جو لوگ سنن اور طبقات میں نیز تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی سیرت پڑھتے ہیں وہ نہایت آسانی سے واقعات و حوادث میں یہ پتہ چلا سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مزاج اور ان کی افتاد طبع کیا ہے؟ اور راویوں کا اضافہ کتنا؟

واقعہ یہ ہے کہ خدا کی ذات سے متعلق معاملات میں حضرت عمرؓ لوگوں کے لئے بڑے سخت گیر تھے، لیکن اپنی ذات کے لئے ان کی شدت لوگوں سے کہیں زیادہ تھی انسانیت کی پوری تاریخ میں میں نے بجز اولوالعزم کے کوئی فرد عمرؓ جیسا زندہ دل، حساس اور محتاط نہیں پایا۔ جو نہ ڈرنے والی باتوں سے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتا ہو

لے معمولی ساہن

جو اپنی ذات میں ان باتوں کو عیب اور قصور تصور کرتا ہو جو نہ عیب ہیں نہ قصور، جو اپنے اوپر ایسی سختی اور پابندی عاید کرتا ہے جیسی کوئی نہیں کرتا۔ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عام الرماد ہیں جب حضرت عمرؓ نے عوام کی تنگدستی اور فقر کو دیکھا تو خود انتہائی تنگدستی اور فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی۔

جب آپ کو پتہ چلا کہ لوگوں کو گھی نہیں مل رہا ہے تو آپ نے اس کا استعمال چھوڑ دیا۔ سوکھی روٹی اور تیل پر صبر کرتے رہے، پھر یہ تیل بھی آپ پر گراں گزرنے لگا۔ آپ کو خیال آیا کہ شاید پکنے کے بعد تیل اپنی تیزی کھودے اور ہاضم اور لذیذ ہو جائے چنانچہ اپنے غلام کو تیل پکانے کا حکم دیا۔ لیکن جب آپ نے کھایا تو سخت تکلیف ہوئی۔ اس کی وجہ سے آپ کی صحت پر بھی بُرا اثر پڑا۔ حتیٰ کہ آپ کا رنگ یک خراب ہو گیا۔ لیکن مسلمان آپ کو اس سے نہ روک سکے۔ اس لئے کہ آپ نے اپنی خوش خوراک سے اس وقت تک کے لئے انکار کر دیا جب تک کہ عام مسلمان خوشحال نہ ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں گذرا کہ وہ اتنی بڑی عظیم الشان طویل اور عریض سلطنت چلا رہے ہیں، جو اپنے اندر غیر معمولی وسعت اور فتوحات رکھتی ہے، وہ تو اس کو ایک حیرت کی بات خیال کرتے تھے اور تنہائی میں اپنے نفس کو یاد دلاتے تھے کہ اے خطاب کے لڑکے! آج تو امیر المؤمنین بن گیا ہے کل تک اسلام سے قبل تو ایک چرواہا تھا اور اپنے باپ خطاب کی بکریاں چراتا تھا لوگ ابھی یہ بھولے نہیں، ان کو تو وہ جگہ بھی معلوم ہے جہاں تو جانور چراتا تھا۔ اور یہ بھی یاد ہے کہ خطاب تجھ سے کتنی سخت محنت اور کڑی خدمت لیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے کسی کام میں خواہ وہ کتنا ہی سخت اور شاق ہو پہلو نہیں نہیں فرماتے تھے چنانچہ ایک دن وہ صدقات کے اونٹوں کے باڑے میں چلے گئے اور ان کی کیفیت اور گنتی کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کر کے حضرت علیؓ کو بتاتے اور حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے جبر میں درج کرواتے حضرت علیؓ فاروق اعظمؓ کی اس کارروائی سے بہت محظوظ ہوئے اور

قرآن مجید کی وہ آیت تلاوت کی جو حضرت شعیبؑ کی لڑکی کی زبانی ہے۔

یا ابت استأجروا ان خیر من استأجرت القوی الامین

اس کے بعد فرمایا یہ ہیں ”قوی امین“ لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ چرواہوں اور معمولی آدمیوں کی طرح اونٹ کے پھٹن کے مقام پر قطران لگا رہے ہیں اور ایسا کرنے میں کوئی تکلف اور حرج تصور نہیں فرماتے، اپنی ذات پر اتنی سختی برداشت کرنے کے بعد گھر والوں کو بھی مجبور کرتے تھے، جب کبھی عوام میں کسی بات کی مخالفت کا اعلان فرماتے اور متنبہ کرتے کہ خلافت ورزی پر سزا دی جائے گی تو گھر والوں کو اکٹھا کرتے اور ان سے فرماتے کہ میں نے مسلمانوں کو فلاں کام سے منع کیا ہے اور خلافت ورزی پر سزا دینے کا اعلان کیا ہے لوگ میرے تعلق کی وجہ سے تم پر نظر رکھیں گے۔ اگر مجھے تپ چلا کہ تم میں سے کسی نے خلافت ورزی کی ہے تو اسے دوہری سزا دوں گا۔

عام الرماد کے زمانہ فحط میں حضرت عمرؓ اپنے گھر کے کھانے پر بڑی کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ اگر کوئی اچھا کھانا یا زیادہ کھاتا تو بڑی سختی کے ساتھ اس کو روکتے پھر جب خود سختی اٹھاتے گھر والوں کو برداشت پر مجبور کرتے تو اس میں کچھ مضائقہ نہ دیکھتے کہ لوگوں کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کیا جائے جس میں سختی ہو لیکن جبر نہ ہو۔ نرمی ہو لیکن کمزوری کا پہلو نہ رکھتی ہو۔

سلا روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ لوگوں میں کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے آپ کے گرد و پیش لوگوں کا غیر معمولی ہجوم ہو گیا، اتنے میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی آگئے۔ اور ہجوم کو چیرنے پھاڑتے حضرت عمرؓ تک پہنچ گئے، سعد بن ابی وقاصؓ کا دربار نبویؐ میں جو درجہ ہے وہ سب جانتے ہیں پھر فارس کی فتح کے سلسلے میں ان کی قربانیاں مسلم ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے دتے سے ان کی خبر لی اور فرمایا۔

ذین پر اللہ کی قوت سے تجھے خوف

نہیں تو میں تجھے بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ

ان لم تهب سلطان اللہ فی

الارض فاردت ان اعلمک

لہ بعض دہنوں سے نکلنے والے روغنی مادے

ان سلطان اللہ لایہا بلک کی نوت بھی تجھ سے نہیں ڈرتی۔

اس طرح حضرت عمرؓ انتہائی آرزو رکھتے تھے کہ لوگ آپس میں برابری کا سلوک کریں اور وہ خود اور ان کے گھر کے لوگ بھی عام مسلمانوں کے بالکل برابر ہوں، یہ تمام باتیں حضرت عمرؓ کی خاص زندگی کے روزانہ معمولات سے متعلق ہیں اور ان میں خواہ کتنی ہی شدت اور مشقت کا پہلو ہو لیکن پھر بھی وہ آسان ہیں البتہ آپ کا وہ طرز عمل جسے آپ نے اپنے اور خلافت کے لئے ایک دستور العمل کی حیثیت دیدی تھی ایک مشکل مہم تھی، جس کا ایک گوشہ آپ کا وہ طریقہ کار جو جلیل القدر صحابہؓ اور اکابر انصار و مہاجرین سے تعلقات میں آپ نے برتا، یہ لوگ دربار نبوت کے مقربان خاص اور اسلام کے سابقین اولین میں تھے۔ مسلمانوں کے تمام معاملات کی گتھی یہی سلجھاتے تھے حضرت عمرؓ عوامی معاملات میں اپنے تمام اقدامات کی منظوری ان ہی حضرات سے لے لیتے تھے، اور تمام اہم امور میں مشورہ فرماتے تھے آپ خیال کرتے تھے کہ گو میں ان کا والی ہو گیا ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ کے یہ صحابہؓ مجھ سے زیادہ بہتر ہیں۔ نواب مجھے کیا روش اختیار کرنی چاہیے اور ان کے لئے میرے طرز عمل کی نوعیت کیا ہو؟ آپ نے سبھوں کے ساتھ نرمی اور دُور اندیشی کا معاملہ کیا، اور سب کو اپنا ساتھی، منگھل، پارغا اور مشیر بنا لیا پھر بھی آپ ہر وقت چوکنا تھے کہ کہیں ان حضرات پر کوئی مصیبت نہ آ پڑے یا یہ خود کسی مصیبت کا سبب نہ بن جائیں، چنانچہ آپ نے ان سبھوں کو مدینہ منورہ ہی میں روک رکھا اور بغیر اجازت کہیں باہر جانے نہیں دیا مفتوحہ ممالک میں بھی اجازت کے بغیر انھیں جانے کا حکم نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ کو اول تو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ ان کے گرد دیدہ نہ ہو جائیں۔ پھر یہ کہ کہیں یہ لوگ عام مسلمانوں کی عقیدت کے فریب میں نہ آجائیں اور یہ کہ کہیں ان تمام چیزوں کا خمیازہ حکومت کو نہ بھگتنا پڑے، اور یہ واقعہ ہے کہ بہت سے صحابہؓ اور خصوصاً مہاجرین پر یہ قید و بند بڑی شاق تھی اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی یہ بندش اٹھا دی اور ان کو باہر جانے کی اجازت دے دی اور وہ مختلف مقامات پر جا لے اور حضرت عثمانؓ کی

اس پالیسی سے بہت خوش ہوئے لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان ہی لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی جان ضیق میں ڈال دی اور وہی مصیبت پیش آتی جس سے حضرت عمرؓ ڈرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے بہر صحابیؓ کو اس کے مرتبے، اسلام سے اس کی اسبقیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی قربت کے اعتبار سے روزیہ مقرر کر دیا تھا اور ان کی رائے یہ تھی کہ یہ روزیہ مزید کاروبار سے ان کی بے نیازی کا باعث ہوتا چاہیے لیکن انھوں نے اس وظیفے کے باوجود تجارت کی اور دولت کماتی اور تجارت سے تمول میں غیر معمولی اضافہ کر لیا۔ اور وظیفہ کی مقدار بھی ترقی پذیر رہی، حضرت عمرؓ دیکھتے تھے لیکن وہ ان کو روک نہیں سکتے تھے اس لئے کہ وہ لوگ عہد نبویؐ میں بھی کاروبار اور تجارت کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ کسی کاروبار سے روکا اور نہ تجارت سے، حضرت عمرؓ صحابہؓ اور غیر صحابہؓ کی اس قسم کی دولت و ثروت کو اس فضلِ خداوندی کا ثمرہ تصور فرماتے تھے جو مالِ عنیت اور سالانہ عطیات کی شکل میں ان پر تقسیم ہو رہا تھا پس جو کچھ ہو رہا تھا۔ اس سے وہ خوش نہ تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے،

جو کام میں نے بعد میں کیا اگر پہلے کرتا تو دولت مندوں سے ان کی بڑھی ہوئی دولت لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔

لو استقبلت من امری ما استديرت لآخرت من الاغنياء فحنول اموالهم فردتها على الفقراء

اور اگر حضرت عمرؓ کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو تاریخ اسلامی ہمیں حیرت انگیز واقعات سناتی۔

فتوحات کی بدولت عہدِ فاروقی میں مسلمانوں میں مال و دولت کی ایسی بہتات ہوئی کہ حضرت عمرؓ دنگ رہ گئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ کی رائے گذشتہ روایت کی حمایت میں تھی، جس میں زندگی اور اس کے تغیر اور ترقی کی رعایت نہ تھی فرمایا کہ آیا ہوا سب مال تقسیم کر دیا جائے اور سال کے آخر میں ایک درہم و دینار بھی بیت المال

میں ایسا نہ رہ جائے، جو اس کے مستحق کے پاس نہ پہنچ گیا ہو، حضرت عثمانؓ کی رائے تھی کہ دولت کی موجودہ کثرت سے خدشہ ہے کہ اس کا نظم قائم نہیں کیا گیا تو معاملات کا شیرازہ بکھر جائے گا پھر حضرت عمرؓ نے رجسٹریا کرانے لوگوں کے لئے روئے مقرر کیے اور جو کچھ بچ رہا اسے مسلمانوں کے عام مصالح اور مفاد کے لئے بیت المال میں محفوظ رکھا۔

ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ واقعات نے حضرت عثمانؓ کی رائے کو صحیح ثابت کر دیا جو ایک متمدن یا متمدن بننے والی حکومت کو پیش آنے والے معاملات کے موافق تھی، جب عام الرماہ میں قحط کے دن آتے تو حضرت عمرؓ بیت المال کے اندوختہ سے عوام کو اس وقت تک مدد پہنچاتے رہے جب تک کہ دوسرے صوبوں سے امداد نہیں پہنچ گئی، قاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے، ہم بیت المال سے مسلمانوں کو کھلاتے رہیں گے اور جب دیکھیں گے کہ بیت المال خالی ہو چکا ہے تو محتاجوں کو حسب حیثیت دولت مندوں کے گھروں میں داخل کر دیں گے، اس طرح کسی مسلمان کو ہم بھوکا نہیں رہنے دیں گے،

پہر چند کہ حضرت عمرؓ کی مالی سیاست کا یہ ایک مختصر گوشہ تھا اور اس میں بھی آپ کو عوام سے ہمدردی اور ان میں بے لاگ انصاف کی روح پھونکنے کا موقع ملا، لیکن مالیات میں آپ کی نگاہیں ایک اور راستہ بھی دیکھ رہی تھیں، جس پر بہت دور تک آپ چل چکے تھے، میں خیال کرتا ہوں کہ متمدن تو ہیں آج اس راستے تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں، لیکن شاید وہ بڑی مشکل سے وہاں تک پہنچ سکیں۔

حضرت عمرؓ اپنی اس رلتے کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو خراج، جزیہ اور محاصل سے زمینیں آتی ہیں یہ سب کی سب مسلمانوں کی ملکیت ہیں، یہ کسی ایک فرد یا ایک جماعت کو نہیں دی جا سکتیں، آپ کا یہ بھی خیال تھا کہ اس مال کی حفاظت اور مستحق تک اس کو پہنچا دینے کی ذمہ داری انہیں کے سر ہے، چنانچہ فرماتے تھے کہ اگر صدقات کے اونٹوں میں سے کوئی اونٹ زمین کے دور دراز حصہ میں کہیں بھاگ جائے یا اسے کہیں

کوئی تکلیف پہنچ جاتے تو میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن خدا مجھ سے اس کے متعلق بازپرسی کرے گا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو وہ دن آتے گا جب جیل صنعا کے ایک چرواہے تک اس مال سے اس کا حصہ پہنچے گا۔

آپ نے بیت المال سے ہر ایک کا روزینہ مقرر کر دیا تھا، مردوں کے لئے، عورتوں کے لئے، بچوں کے لئے، خستہ حال بوڑھوں کے لئے، معذوروں کے لئے، سب کے لئے الگ الگ اور مطمئن تھے گویا جس انصاف کی آرزو رکھتے تھے وہ پورا ہو گیا۔ لیکن ایک رات جب آپ راہ سے گذر رہے تھے ایک بچے کو روتے ہوئے سنا اور چلے گئے۔ جب دوسری بار گزرتے پھر رونے کی آواز سنی آپ نے اس کی مال سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے یونہی کچھ کہہ کر ٹال دیا۔ لیکن جب آپ تیسری بار ادھر سے گذرے اور پھر بچے کو روتا پایا اصرار کے ساتھ وجہ دریافت کی مال نے کہا اجی میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں اس لئے کہ عمر بچوں کا روزینہ اسی وقت مقرر کرتے ہیں جب وہ دودھ چھوڑ چکا ہو یہ جواب سن کر بنیاب ہو گئے اور صبح ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلی نہ کی جائے۔ ہم بچوں کے لئے پیدائش کے بعد ہی سے روزینہ مقرر کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ صدقات کی وصولی میں احکام خداوندی نافذ فرماتے تھے لیکن وصولی اور تقسیم میں حد درجہ احتیاط ملحوظ تھی، لوگ جانتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کسی دن نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ یہ مال آپ ہمارے دولت مندوں سے وصول کریں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیں۔ حضور ﷺ نے جواب دیا۔ مال اس کے پیش نظر حضرت عمرؓ وصول کرنے والوں کو سخت تاکید فرماتے تھے کہ وہ جس قبیلے سے بھی صدقات اکٹھا کریں وصولی میں عدل و انصاف کی پوری شدت کے ساتھ پابندی کریں۔ اور ہر قبیلے کے فقرا کو اس کے صدقات واپس کئے جائیں تاکہ وہ سوا کرنے کی ذلت سے بچ سکیں پھر جو رقم بچ جائے اسے واپس کر دیں اس قسم کی بھی ہو رقم جب واپس آتی تو آپ اس کو ان مصارف کے لئے محفوظ کر لیتے جن کا تذکرہ قرآن مجید نے کیا۔ چنانچہ اس سے فقیر، مسکین، مسافر اور مفروضوں کی امداد فرماتے۔

مجھے نہ تو اشتراکیت سے بحث ہے اور نہ شیوعیت سے اس لئے کہ حضرت عمرؓ شولسٹ
 تحریک کے علمبردار تھے نہ کمیونسٹ تحریک کے لیڈر انھوں نے تو ملکیت کو تسلیم کیا ہے جس
 طرح نبیؐ اور قرآن نے اس کو تسلیم کیا ہے انھوں نے سرمایہ داری اور دولت مندی کی
 اجازت دی جس طرح قرآن اور نبیؐ نے اجازت دی ہے، مجھے تو یہ عرض کرنا ہے، کہ
 سماجی انصاف، ملکیت کو باطل اور سرمایہ داری کو حرام کئے بغیر بھی قائم کیا جاسکتا ہے
 جس کے لئے آج بعض جمہوریتیں کوشاں ہیں۔ اور چاہتی ہیں کہ مالکوں کی ملکیت اور
 دولت مندوں کی سرمایہ داری کے باوجود سماجی انصاف عملی طور پر پیش کر دیں۔

میرے سامنے بیورج کا نظریہ ہے، جس نے کوشش کی کہ حکومت عوام کو
 بلا آئہ کار بنائے ان کی معاش اور ضروریات زندگی کی ضامن ہو، وہ بے کاری اور دولت
 سے دور رکھ کر ان کے لئے باعزت زندگی کا سامان کرے۔

میرے سامنے موجودہ جمہوریت کے دعوے اور حوصلے ہیں اور ان کی درماندگی
 اور ناکامی، پھر میری نگاہ حضرت عمرؓ کے ارادوں اور ان کی تکمیل کی طرف جاتی ہے تو
 بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے کہ شاعر نے آپ کے لئے بالکل سچ کہا۔

حضرت عمرؓ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر
 اور برکت عطا فرمائے لغامہ پر سوار
 ہو کر بھی اگر کوئی چاہتا کہ جو کچھ آپ
 نے حاصل کیا ہے وہ پالے تو وہ پیچھے ہی رہ
 جاتا آپ نے بہت سے کام انجام تک پہنچائے
 لیکن بعض باتیں کھل کر سامنے نہ آسکیں۔

جزی اللہ خیر امن امام و بارکت
 ید اللہ فی ذالک الادیما المموق
 فتم یجرا دیرکب جناحی لغامہ
 لیدرک ما ادرکت بالامس بسبق
 قضیت امورا ثم غادرت بحدھا
 یوائق فی اصمامہا لم تفتنق

اور پھر حضرت عمرؓ اپنے عالموں اور والیوں کے ساتھ نرمی اور چشم پوشی کا بزناؤ روا نہیں رکھتے
 تھے، بلکہ ان پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے، عامل بنانے وقت اس کے تمام مال و جائداد کی ایک
 فہرست تیار کرتے اور سبکدوشی کے موقع پر سخت جانچ فرماتے اگر فرق پاتے تو اس کے ددھے
 کر کے ایک حصہ بیت المال میں داخل کر دیتے علاوہ ازیں بڑی باریک بینی سے دیکھتے کہ ان

عالموں کا رعایا کے ساتھ کیا سلوک سے اور ان کو خفیہ اور کھلم کھلا سخت تاکید فرماتے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں نہ جسمانی اور نہ مالی اس سلسلے میں آپ نے اپنے بعض عالموں کو سرزنش کی اور فرمایا۔

مَنْدُكُم تَعْبُدُ تَمَالِئُاسٍ وَقَدْ
تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے

وَلَدَتُهُمَا مَهَاتُهُمَا حَرَاوَا
ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد بنا ہے۔

روزانہ جب کوئی اہم اور مشکل امر پیش آ جاتا۔ تو آپ مدینہ میں رہنے والے صحابہ کو مشورہ کے لئے طلب فرمالتے۔ حج کے موقعہ پر اپنے عالموں سے ملاقات اور بات کے لئے جگہ اور وقت مقرر فرما دیتے پھر رعایا کی باتیں عالموں سے کرتے اور عالموں کے بارے میں رعایا سے حالات سنتے اور تمام معاملات کا ٹھیک انتظام فرماتے، یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ کی زندگی کچھ اور وفا کرتی تو بلاشبہ آپ مسلمانوں کے شوریٰ کا ایک ایسا نظم تیار کر جاتے جو باقی رہتا اور مسلمانوں کو فساد و اختلات سے اور حاکموں کو ظلم و تکبر سے بچاتا۔ میں نے ان مصائب اور مشکلات کا تذکرہ نہیں کیا جو حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کے معاملات کے ٹھیک کرنے میں پیش آئیں اور جس کے بعد انھوں نے ملک پر ملک فتح کئے اور بڑے بڑے شہر بسائے اور ایک عظیم الشان عربی اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی، اس لئے کہ میرے پیش نظر حضرت عمرؓ کی تاریخ لکھنا نہیں ہے اور نہ ان کی سوانح کا تذکرہ میرا مقصود ہے ان سطروں میں تو مجھے صرف یہ دکھانا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے جو زندگی پیش فرمائی اور جس کی اتباع میں آپ کے دونوں ساتھیوں نے کوشش کی اس زندگی کی جوہری شے وہ بے لاگ اور سچا انصاف تھا جو حق کے اظہار میں کسی ملامت کرنے والے کا اثر قبول نہیں کرتا اور جس کی موجودگی میں دن ہو یا رات، ظاہر ہو یا پوشیدہ، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خدا کی عبادت ہے اور نگرانی کر رہا ہے اور وہ باز پرس کرے گا۔ اور پھر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ لوگ بھی تاک میں لگے ہیں اور ان کو حکم ہے کہ ہر وقت جانچ کرتے رہیں اور خلیفہ کی اطاعت ان پر اسی وقت تک ہے جب تک وہ سیدھی راہ پر چلے اگر وہ غلطی کر رہا ہو تو اسے راہ راست پر لائیں، اگر اس کے کردار کے بارے میں کھوک و شبہات ہوں تو اس سے سوال

کریں۔ اور یہ سب اس لئے کہ خلیفہ کی فرماں برداری علم و آگہی کے ساتھ ہو، بصیرت کی روشنی
روشنی میں اس کو مشورہ دیا جاسکے، سچتہ ارادے اور معقول اسباب کی بنا پر اس کی لغت
کی جاسکے،

پس کیا یہ سیرت جو نبی کریم ﷺ نے پیش کی اور جس کی روشنی میں چلنے کی آپ کے
صحابین نے اپنے بس بھر کوشش کی، فوری نفع کے حرص اور فطری طور پر خود غرضی اور طمع
کے دلدادہ انسان کے مناسب حال تھی، اور کیا اس سیرت میں ایسی قدرت تھی کہ وہ برقرار
رہے تا آنکہ انسانوں کی طبیعتیں بدل دے،

اسلامی نظریہ حکومت الہی نہ تھا

اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ بات صاف کر لینی چاہیے کہ اس حاکم
نظام کی حقیقت کیا ہے جو ہجرت کے وقت سے لے کر حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت
عثمانؓ کی خلافت تک قائم ہو چکا تھا بعض وہ لوگ جنہیں معاملات کی ظاہری سطح بتلا
قریب بنا سکتی ہے، خیال کرتے ہیں کہ یہ حکومت یا زیادہ جامع تعبیر میں اس مختصر سے عہد کا
نظام حکومت الہی تھا جس کی بنیاد سر سے پاؤں تک دین پر تھی اب دین کا مفہوم اس
اس خاص ماحول میں چونکہ آسمان سے نازل شدہ ایک حقیقت ہے اس لئے اس خیال کے
حامی اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اس عہد میں جس حکومت نے مسلمانوں کا نظم سنبھالا اس کی
قوت اور سلطانی کا مدار خدا اور اس کی امداد غیبی تھی۔ لوگوں کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔
نہ وہ اس میں شرکت کر سکتے تھے، نہ اس پر معترض ہو سکتے تھے، اور نہ وہ اس سے انکار کے
مجاز تھے۔ اس خیال کے لوگ محسوس کرتے ہوں گے کہ ان کے حق میں ایک صاف اور سچی دلیل
یہ ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے اللہ جل شانہ کے حکم سے اس حکومت کی بنیاد رکھی۔ اسی
نے آپ کو مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور مکہ کے مسلمانوں کو آپ کا ساتھ دینے کی ہدایت
کی پھر خدا ہی نے نبی کریم ﷺ پر حکومت کے محل اور مفصل احکام وحی کئے سورہ نجم

میں اسی کا ارشاد ہے کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا

يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا

وَحْيٌ يُوحَىٰ

تمہارا ساتھی راہ سے بھٹکا نہیں وہ

اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ جو

کچھ پیش کرتا ہے وحی الہی ہے۔

اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اس کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں اس

نے کھلے طور پر اعلان کر دیا کہ مسلمان ایمان دار اسی وقت ہو سکتے ہیں جب وہ اپنے اختلافی

معاملات میں نبی کریم ﷺ کو حکم بنائیں، ان کے لئے اس دلیل میں اس سے بھی قوت

پہنچ سکتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے اور حضرت عمرؓ حضرت

ابوبکرؓ کے پس مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو حضرت نے حکم دیا اور خود حضرت نے اللہ سے

حکم پایا، ان وجوہ کی بنا پر اس عہد کا نظام حکومت بالکل الہی نظام تھا، بلاشبہ اس خیال

سے زیادہ کوئی خیال غلط نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اسلام کی حیثیت بہر حال ایک دین کی

ہے جس نے اپنے ان احکام اور حدود میں جن کا تعلق سب سے پہلے خدا کی توحید اور پھر

نبوت کی تصدیق اور اس کے بعد نیک اور صالح زندگی سے ہے عام انسانوں کو ان کی

دنیاوی اور اخروی نلاح کی طرف متوجہ کیا لیکن اس نے ان کی آزادی نہیں چھینی، ان کا

پورا پورا مالک و مختار نہیں بنا۔ اور نہ ان کے ارادوں کو معطل کیا، اس نے تو مقررہ حد میں

انہیں مختار بنایا۔ کل مستحبات اور تمام مکروہات گناہے البتہ عقل اور دل کی قوت ساتھ کر

دی، کہ غور و فکر کریں، اور اس بات کی اجازت دی کہ سبھلائی اور سچائی، رفاہ عام اور

مصالح خاص میں اپنے بس بھر حصہ لیں،

خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کریں اگر حکم کا تعلق

آسمان ہی سے ہوتا تو نبی خدا کے حکم کے مطابق ہر بات کی تکمیل بلا کسی کے مشورہ کے کر

لیتا حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

لَأَنْفَضْنَا مِنْ حَوْلِكَ فَأَعْمَتْ

اور اگر تو تندخو اور سخت دل ہوتا تو

متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے موتی

عَنْهُمْ وَاسْتَخْفِرُكُمْ وَيُخَافُكُمْ وَان كُمْ مَعَهُ

ہم فی الامر

ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں۔ اور پھر اُحد کے ابتلا کے بعد اس آیت کے نزول سے قبل نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر میں اپنے صحابہ کا مشورہ قبول کیا تھا جب آپ ان کو ایک مقام پر ٹھہرانا چاہتے تھے اور بعضوں نے دریافت کیا کہ اس مقام کا انتخاب تدبیر اور مصلحت کے ماتحت ہے یا اس کے لئے خدا کا حکم ہے تو آپ نے جواب دیا کہ یہ خدا کا حکم نہیں تو پھر آپ کو مشورہ دیا گیا کہ یہ مقام جنگی مصالح کے مناسب نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو یہاں سے ہٹا کر پانی سے قریب کسی جگہ جمنے کا حکم دیا جائے۔ پھر واقعہ بدر کے بعد قیدیوں کے سلسلے میں آپ نے صحابہ کا مشورہ قبول کیا۔ جس کے متعلق غناب امیر آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا۔

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَقُولَ لِمَ آتَىٰ
حَتَّىٰ يُلَاقِيَنِي فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ
عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ
الْآخِرَةَ

نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے ہاں قیدیوں کو رکھے جب تک خوب خوں ریزی نہ کرے تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ کے ہاں چاہیے آخرت

اُحد کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ کو قریش کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے خیال کیا کہ مدینے ہی میں قیام کریں اور باہر نکل کر ان سے مقابلہ نہ کریں ہاں اگر وہ مدینہ پر حملہ آور ہوں تو پھر مدافعت کریں لیکن صحابہ اور خصوصاً انصار نے آپ پر زور ڈالا کہ دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلنا ضروری ہے چنانچہ آپ نے ان کی بات مان لی اور مقابلے کی تیاری فرمائی لگے مسلمانوں نے اس عرصہ میں ہدایت سی محسوس کی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور کیا، چنانچہ انھوں نے آپ کو مسلح آتے دیکھ کر معذرت کی اور اس بات کی اجازت چاہی کہ حضرت ہی کی رائے پر عمل کیا جائے۔ لیکن آپ نے اس سے انکار کیا اور جو مشورہ منظور کر لیا تھا اسی پر اڑے رہے اگر الٰہی نظام ہوتا اور ہر کام کے لئے آسمان سے حکم کا نزول ضروری ہوتا تو مسلمان رسول اللہ ﷺ کو مجبور نہیں کر سکتے تھے، خود رسول اللہ ﷺ ان کا مشورہ قبول نہیں فرماتے، خواہ

حالات کی نزاکت کا تقاضا کچھ ہی ہوتا، غزوہ احزاب کے موقع پر آپ نے صحابہ کے مشورے اور ان کی رائے پر اعتماد کر کے خندق کھودنے کا آغاز خود کیا۔

یہ اور اسی طرح بہت سے دوسرے مواقع پر نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور ان کی رائے پوری رضامندی کے ساتھ قبول فرمائی، حدیبیہ کا موقع تھا قریش چاہتے تھے کہ اس سال زیارت بیت الحرام کے بغیر آپ واپس ہو جائیں، قریش کی اس خواہش سے صحابہ کسی طرح متفق نہ تھے، آپ نے اس سلسلہ میں جب ان سے مشورہ چاہا تو سبھوں نے مخالفت کی، بعضوں نے حد درجہ اصرار کیا، حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

لم نعطي الدنيا
اپنے مذہب کے معاملہ میں ہم اتنے

دیننا نیچے کیوں اتریں

اب تو چہرہ انور پر غصے کے آثار نمودار ہو گئے اور فرمایا ہیں اللہ کا رسول اور اس کا بندہ ہوں، مسلمانوں نے محسوس کیا کہ معاملہ مشورہ اور گفت و شنید کا نہیں، شاید آسمان سے وحی نازل ہو چکی ہے، چنانچہ سبھوں نے خدا سے توبہ اور نبیؐ سے معذرت کی اور اللہ نے

إِنَّا نَتَنَزَّلُكَ فَتَحْنَامُنِيَا كِ آیت نازل کی۔

اگر ہم ان تمام مواقع کی تفصیل پر متوجہ ہوں تو بات ضرورت سے بہت زیادہ لمبی ہو جاتے گی، پھر جو تھوڑے سے واقعات پیش کئے گئے وہ اس ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ عہد نبویؐ میں احکام کا نزول پوری تفصیل کے ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ وحی خداوندی آتی تھی اور رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کو عام اور خاص مصالح کی طرف متوجہ کر دیتی تھی بلا اس کے کہ ان کی اس آزادی کی راہ میں حائل ہو جو انھیں حق دیتی ہے کہ سچائی بھلائی اور انصاف کے حدود میں اپنے معاملات کے لئے اپنی مرضی کے مطابق تدبیریں کریں اور شاید ہمارے اس خیال کی سب سے زیادہ قطعی اور صحیح دلیل یہ ہوگی کہ قرآن کریم نے سیاسی امور کی مجمل یا مفصل کوئی تنظیم نہیں پیش کی اس نے صرف "عدل" "احسان" اور رشتہ داروں کی خیرگیری کا حکم دیا "مخشاء" "منكر" اور "بخی" سے بچنے کی تاکید کی اور اس کے لئے عام حدود مقرر کر دیئے اور پھر مسلمانوں کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ ان حدود کے اندر رہ کر

اپنی مرضی کے مطابق انتظامات کریں، خود نبی کریم ﷺ اپنی سنت کے ذریعے حکومت یا سیاست کے لئے کسی مقررہ نظم کا نقشہ نہیں بنا گئے۔ بیماری شدید ہو جانے پر بھی آپ نے مسلمانوں کے لئے اپنے صحابہ میں سے کسی کو اپنا خلیفہ کسی تحریری حکم کے ذریعہ مقرر نہیں فرمایا ہاں آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، پھر مسلمانوں نے خیال کیا کہ صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو کیا مضائقہ ہے اگر ہم انہیں اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کر لیں؟ اگر مسلمانوں کے لئے کوئی سیاسی آسمانی نظام ہوتا تو یقیناً قرآن میں اس کی شکل بتائی جاتی اور بلاشبہ نبی کریم ﷺ اس کے حدود اور اصول بیان فرماتے اور بلا کسی بحث و حجت کے مسلمانوں کے لئے اس پر ایمان لانا فرض کیا جاتا۔

ایک اور بات جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کا نظام عہد نبویؐ میں اور آپ کے دونوں خلفاء کے زمانے میں آسمانی نہ تھا بیعت کا سلسلہ ہے جس کا اجراء خود نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد سے کیا سب لوگ جانتے ہیں کہ بدر کے موقع پر صحابہؓ کو نبی کریم ﷺ نے صاف صاف حکم نہیں دیا تھا ہاں آپ نے تحریک کی تھی اور رغبت دلائی تھی اور اللہ کی طرف سے دو میں سے ایک نیکی کا وعدہ کیا تھا، اور انصار سے اس بات پر معاملہ طے ہوا تھا کہ آپ ان کو جہاد پر نہیں لے جائیں گے البتہ اگر آپ پر کوئی افتاد آ پڑے تو وہ مدافعت میں حصہ لیں گے ان حالات میں غزوة بدر کا موقع آیا تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ اور منتظر رہے کہ صحابہؓ اپنے خیالات پیش کریں گے بہر حال میدان جنگ میں آپ ان لوگوں کو لے کر اس وقت تک نہیں گئے جب تک انصار ہی سرداروں نے یہ نہیں کہا دیا کہ اگر آپ ہمیں اس دریا میں بھی لے چلتے تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ ہوتے، اس طرح آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ جہاد کے لئے راضی تھے، لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ فریب کیا ہے تو آپ نے قریش سے لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ کچھ توجہ دلائی تھی جس پر لوگوں نے جان تک کی بازی لگا دینے کی بیعت کی۔ اس وقت اگر کوئی بیعت نہیں کرتا تو اس کے

لئے گنجائش تھی لیکن بلا استثناء سبھوں نے بیعت کی، کیونکہ وہ رسول پر اور رسول بھیجنے والے خدا پر ایمان رکھتے اور اس کی پکار کا جواب دینے کے لئے تیار تھے اسی بیعت کے متعلق سورہ فتح میں خدا نے آیت نازل فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا
يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۖ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ
أَيْدِيهِمْ ۗ

کہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت
کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے
بیعت کر رہے ہیں انکے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہے

اور پھر قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں جن میں مسلمانوں کو جہاد کے لئے دعوت اور رغبت دلائی گئی ہے ان میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو اس فرض کی ادائیگی میں پچھڑ گئے اور خدا اور اس کے رسولؐ نے انہیں معذور سمجھا اور ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کا عذر نہیں سنا گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کو نبیؐ نے خود کوئی سزا نہیں دی بلکہ معاملہ خدا پر چھوڑ دیا، چاہے معاف کرے چاہے سزا دے،

پھر یہ بات بھی اہمیت سے خالی نہیں کہ خلافت کی بنیاد بیعت پر قائم ہے یعنی عوام کی مرضی پر اس کے معنی یہ ہیں کہ خلافت حاکم اور محکوم کے درمیان ایک معاہدہ ہے جو ایک طرف خلیفہ کو اس بات کا ذمہ دار بناتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر حق اور انصاف کی حکومت کریں گے ان کے مصالح کی رعایت کریں گے اور ان کے معاملات میں بس بھر رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر عمل کریں گے، اور دوسری طرف مسلمانوں کو ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کریں گے اور اس کے لئے خیر خواہی اور نصرت کا باعث ہوں گے۔

بلاشبہ کسی خلیفہ کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی سلطانی اور حکمرانی مسلمانوں پر اپنی طرف سے فرض کر دے، تا آنکہ مسلمانوں سے قول و قرار نہ کرے اور ان سے بھی عہد نہ لے لے اور اس طرح ایک مشترک معاہدے کی روشنی میں حکومت ہو، یہی وجہ ہے کہ اقتدار اور سلطانی نبی کریمؐ کی وراثت میں زخیل نہ ہو سکی، اور آپ نے اہل بیت کو اس کا وارث نہیں بنایا، اور خود ابوبکرؓ کو بھی یہ منصب جماعت کی بیعت اور اعتماد کے بغیر نہیں ملا، پھر ابوبکرؓ نے اپنی اولاد کو اور عمرؓ بن خطاب نے اپنے بیٹوں کو وارث نہیں

بنایا، حضرت عمرؓ کی خلافت عام مسلمانوں کے مشورے کی بنیاد پر ہے، اس لئے کہ جب تک صدیق اکبرؓ کی رائے کو ایک قابل قبول مشورہ جان کر عوام نے اپنی رضا مندی اور بیعت کا اعلان نہیں کر دیا حضرت عمرؓ خلیفہ نہیں بن سکے، چنانچہ حضرت عثمانؓ صدیق اکبرؓ کی رحلت سے پہلے ان کا چہرہ کردہ لفاقہ لے کر مسلمانوں تک پہنچے اور ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ اس لفاقہ میں لکھے ہوئے شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، لوگوں نے جواب دیا ہاں کیونکہ ان کو حضرت ابو بکرؓ پر اعتماد تھا اور آپ کو اپنا سچا خیر خواہ اور مخلص دردمند یقین کرتے تھے، حضرت عمرؓ کا کوئی لڑکا خلافت کا وارث نہیں ہو سکا، آپ نے ہرگز گوارا نہیں کیا کہ آپ کے بعد آپ کا کوئی لڑکا خلیفہ ہو، ہاں آپ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو مجلس شوریٰ میں شرکت کی اجازت ضروری لیکن اس شرط پر کہ وہ بحث میں کوئی حصہ نہ لیں، اور یہی وجہ تھی کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں جب حکومت میں وراثت کا پیوند لگ گیا تو عام مسلمانوں نے اپنی بیزاری کا اظہار کیا اور کہنے والوں نے کہہ دیا۔ کہ "معاویہ خلافت کو ہرقل اور کسریٰ کی چیز بنا رہے ہیں" پس ان تمام باتوں سے اگر کچھ نتیجہ نکلتا ہے تو وہ یہی کہ عہد نبوی میں جو نظام حکومت تھا وہ کوئی الہی نظام نہ تھا جس میں لوگوں کی رائے اور مشورے کو کچھ دخل نہ ہو۔ پھر جب عہد نبوی میں یہ بات نہ تھی جب کہ وحی کا سلسلہ جاری تھا تو پھر اس سلسلے کے ٹوٹ جانے کے بعد صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے دور میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا،

جو لوگ اس نظام کو الہی نظام تصور کرتے ہیں وہ حقیقت میں ان الفاظ اور کلمات سے دھوکا کھانے ہیں جو وہ خلفاء کے خطبات میں پڑھتے ہیں۔ نیز ان روایات سے جو خلفاء کے بارے میں عام طور سے مشہور ہیں، اور جن میں اللہ کا ذکر اللہ کا حکم اور اس کی سلطانی اور اطاعت کا تذکرہ ہے، یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ الفاظ اور یہ روایات اس امر کا ثبوت ہیں کہ نظام حکومت آسمانی تھا حالانکہ ان میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جو بالکل عام لیکن ساتھ ہی بڑی اہم ہے، اور وہ یہ ہے کہ خلافت خلفاء اور عام مسلمانوں کے مابین ایک معاہدہ ہے اور اللہ نے مسلمانوں

کو حکم دیا ہے کہ جب وہ معاہدہ کر لیں تو اس کو پورا کر لیں خواہ اس معاہدے کا تعلق حکومت کے معاملات سے ہو یا خارجی تعلقات سے یا چند اشخاص کے درمیان کسی معاملے سے، بہر حال اللہ قول و قرار کی پاسداری کا حکم دیتا ہے اور وہ انسانوں کے دلوں کا شاہد ہے کہ وہ وفاداری کرتے ہیں یا غداری، وہ وفاداری پر ثواب اور غداری پر شدید عذاب دے گا۔

پس اس نقطہ نظر سے اسلام اور مسیحیت میں کوئی فرق نہیں، اسلام بھلائی پھیلانا اور برائی روکنا چاہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ عوام کی زندگی عدل و انصاف کی بنیاد پر قائم ہو، اور ہر قسم کی زیادتی سے خالی ہو، اسلام ان حدود کے قیام کے بعد عوام کو آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنے معاملات کی تنظیم اپنی مرضی کے مطابق کریں مسیحیت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی، حضرت مسیحؑ نے کسی موقع پر بنی اسرائیل کے بعض معترضین سے کہا "قیصر کا حق قیصر کو اور اللہ کا حق اللہ کو دو" میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کا منشا اس سے ہرگز یہ نہیں تھا کہ قیصر کا حق انصاف اور صداقت کو پامال کر کے دیا جائے، یا یہ کہ قیصر اور عوام کے تعلقات کی بنیاد ظلم اور خوف پر رکھی جائے اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ آپ پڑھیں گے کہ عہد عثمانی میں کچھ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے بعض گورنروں سے اس بات پر اتفاق نہیں کیا کہ تراج اور سکیوں کی یہ رقم جو جمع کی جاتی ہے اللہ کا مال ہے، وہ کہتے تھے یہ مسلمانوں کا مال ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے کچھ مصیبتیں بھی اٹھائیں، اگر مسلمان اس زمانہ کے نظام کو نظام الہی تسلیم کرتے تو ان کو مال اللہ کہنے سے ہرگز انکار نہ ہوتا، حضرت امیر معاویہؓ نے جب ان کے سامنے یہ تعبیر پیش کی گئی تو اس طرح بات بنا دی کہ "لوگ اور ان کے پاس جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اس لئے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں پس ان کا مال اللہ کا مال ہے، (خلاصہ کلام یہ کہ عہد نبویؐ کا نظام الہی نظام نہ تھا بلکہ اس کی حیثیت انسانی معاملات کی سی تھی، جس میں صحت اور غلطی دونوں کا امکان تھا جس میں لوگوں کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کو جانچیں دیکھیں پھر اپنی رضا مندی یا ناپسندیدگی کا اظہار کریں)

اسلام کا نظامِ حکومت جمہوری نہ تھا

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ اور شیخین کا دور، جمہوریت کا دور تھا۔ لیکن یہ الفاظ کو ان کے مقررہ حدود سے آگے بڑھا دینا ہے اور اس کے لئے ہم کو جمہوری یا غیر جمہوری ہونے کا حکم لگانے سے پہلے پوری باریکی کے ساتھ خود جمہوریت کا مفہوم مقرر کرنا ہوگا۔ جمہوریت یعنی وہ حکومت جو عوام نے عوام کے لئے بنائی ہو، جس کے حاکم کا انتخاب عوام نے اپنے آزاد اختیار سے کیا ہو اور جس میں حاکم کے آزاد انتخاب اور نگرانی کا حق عوام کو حاصل ہو، تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ ان کا حاکم جمہور کی مصلحتوں کے لئے کام کر رہا ہے یا ذاتی مصلحت کا پابند ہے پھر یہ کہ وہ اگر مطمئن نہ ہوں تو اسے معزول کر سکیں،

یونانی عہدِ قدیم میں جمہوریت کا یہی مطلب سمجھتے تھے، اور آج عہدِ جدید میں بھی جن قوموں نے اپنا نظامِ جمہوری بنایا ہے اس کا مطلب یہی بتاتے ہیں ہاں لفظ عوام کے مفہوم میں اختلاف رہا ہے، اس لفظ کے مفہوم کا دائرہ یونانیوں کے عہد میں تنگ تھا اس سے وہ ہم وطنوں کی ایک مختصر جماعت مراد لیتے تھے جس کے افراد تمام حقوق کے مالک ہوتے اور قانون کی نگاہ میں باہم مساوی، لیکن عام انسانوں کا نہ مساوات میں کچھ حصہ تھا اور نہ حکومت میں 'فرانس' کی بغاوت کے بعد اس لفظ کے مفہوم میں کچھ اور وسعت پیدا ہوئی اور اب اس کے دائرے میں اہل وطن کی ایک بہت بڑی تعداد داخل ہو گئی جسے سیاسی حقوق سے استفادے کا حق دیا گیا۔ لیکن یہ وسعت بھی تمام اہل وطن کو اپنے اندر شامل نہ کر سکی اس لئے کہ عوام کے مفہوم میں اب تک اس قید کی تنگی تھی کہ وہ یا تو ایک مقررہ معیار کے دولت مند ہوں یا ٹیکس کی ایک مقررہ مقدار ادا کرتے ہوں یا تعلیم و تہذیب میں کوئی خاص درجہ رکھتے ہوں، گذشتہ صدی کے اواخر میں اس وسعت کا دامن کچھ اور پھیلا۔ اور وطن کے تمام بالغ مرد عوام میں شامل کر لئے گئے پھر اس موجودہ صدی میں بات یہاں تک بڑھی کہ تمام بالغ عورتیں بھی جمہور کا جز و تسلیم کر لی گئیں۔ بہر حال

جمہوریت خواہ تنگ ہو یا کشادہ اپنا ایک مقررہ نظام رکھتی ہے، وہ نظام، جمہور کو حقوق کا مالک بناتا ہے اور اس کو اختیار دیتا ہے کہ اپنے حکام پر جانچ اور احتساب کی نظر رکھے (اگر ہم جمہوریت کے اسی مفہوم کو پوری باریکی کے ساتھ سامنے رکھیں تو یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ابتدائی دور میں حکومت کا نظام جمہوری نہ تھا، اس لئے کہ حکام کا انتخاب اس باریکی سے جمہور نے نہیں کیا تھا، نبیؐ کو عوام نے اللہ کے احکام کی تفسیر کرنے اور حق و انصاف قائم کرنے کے لئے پسند نہیں کیا، بلکہ خود اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا پھر جس کا جی چاہا ایمان لایا جس کا جی چاہا مخالفت کرتا رہا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والے صحابہؓ نے آپ کو اپنا حاکم پسند کیا تو کہتے جاتے گا کہ یہ پسندیدگی جمہوریت کے نظام کے مطابق نہ تھی اور نہ یہ پسند کرنے والے اپنے حاکم پر احتساب اور نگرانی رکھتے تھے، وہاں تو حالت یہ تھی کہ خود نبیؐ جب ان سے مشورہ چاہتے تھے تو اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور یہ مشورہ بھی بہت مختصر اور کبھی کبھو پھر وہ بھی قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی حکومت کو بھی پورے معنی میں جمہوری نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ تمام مسلمانوں نے ان کو تختہ کے لئے منتخب نہیں کیا تھا انصار اور مہاجرین کے ارباب حل و عقد کی ایک جماعت نے اپنے ابتدائی اختلاف کے باوجود ان دونوں حضرات کو پسند کیا۔ پھر ان عربوں سے تو مشورہ ہی نہیں لیا گیا جو کہ، طائف اور قریب و جوار کے دیہاتوں میں آبا تھے، اور حضورؐ کی وفات کے وقت مسلمان، مدینہ والوں نے صدیق اکبرؓ اور فاروقؓ کو پسند کیا باقی تمام مسلمانوں نے یہ بات سنی اور تسلیم کر لیا، ایسی حالت میں مزدلوں میں سے بعض کا یہ کہنا محل تعجب نہیں

اطعنا رسول الله ما كان بيننا
فيا الحباد الله ما لا بى بقر

رسول اللہ جب تک ہم میں تھے ہم نے ان کی اطاعت کی، اللہ کے بندہ و رسول کے بعد

یہ ابو بکرؓ کون ہوتے ہیں؟

پھر عوام بلکہ انصار و مہاجرین کی یہ جماعت کوئی ایسا مقررہ نظام نہیں رکھتی تھی جس سے

خلفاء کی کارروائیوں پر احتساب کیا جاسکے، اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر باز پرس ہو سکے صورت حال یہ تھی کہ خلفاء اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے اور یہ ساتھی کبھی انفرادی حیثیت میں کبھی اجتماعی طور پر اپنے خیالات پیش کر دیتے، اور خلفاء سے منظور یا مسترد کر دیتے، پس اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے صدر اول کا نظام حکومت ان حدود کے اندر جو جمہوری دستور نے مقرر کی ہیں جمہوری نہ تھا نہ قدیم نقطہ نظر سے اور نہ موجودہ معیار کے ماتحت،

اب اگر جمہوریت کا مطلب وہ عام مفہوم لیا جائے جس میں یہ بات شامل ہے کہ حاکم کو عوام کا پسندیدہ اور معتاد ہونا ضروری ہے نیز یہ کہ وہ عدل و مساوات کے اعتبار سے ایسے کردار کا مالک اور ایسی سیرت کا حامل ہو جس میں اوپن نیچ اور ظلم و زیادتی کے لئے کوئی جگہ نہ ہو تو بلا شک کہا جاسکتا ہے کہ اس عام معنی میں جو حد تبدیلیوں اور معیاروں سے خالی ہے اسلام کا دور اول جمہوریت کا دور تھا جس کے بعد آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے لئے عہد عثمانی میں کیسے کیسے فتنے آئے؟

اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہی نہ تھا

کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور کا نظام حکومت ایک انفرادی شاہی عادلانہ نظام تھا جس میں صحابہؓ نبیؐ کے یا شیخینؓ کے شریک حکومت نہ تھے بلکہ ان کی حیثیت مشیروں کی تھی اور یہ مشیر بھی لازمی اور ضروری نہ تھے، نبیؐ اور ان کے دونوں خلفاء عدل کا حد درجہ خیال رکھتے تھے اس کے سوا کوئی بات ان کی نگاہ میں اہم نہ تھی، اس قسم کا تخیل مسلمانوں کے نظام کو اس طرز حکومت سے قریب کرتا ہے جو رومیوں میں شاہی اور قبضری دور میں رائج تھا، روم کے بادشاہ بھی بطور وارث، حکومت کے قطعی حقدار نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا انتخاب ہونا تھا اور جب کوئی ایک مرتبہ منتخب ہو جاتا تو پھر عمر بھر وہ حکومت کرتا۔ البتہ شدید بغاوت اور

عام نافرمانی کی حالت میں اسے معزول ہونا پڑتا، عہد نبوی اور عہد شیخین کے اسلامی نظام میں اگر کچھ فرق ہے تو وہ یہ کہ مسلمانوں کی حکومت کا قوام عدل و انصاف تھا اور رومی بادشاہوں اور قیصروں کا دربار اس سے یکسر و بیشتر خالی تھا لیکن یہ خیال بھی پہلی دو رالیوں کی طرح کچھ بڑی گہرائی اور دقت نظر پر مبنی نہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ رومیوں کے یہاں بادشاہوں کے انتخابات میں مذہب ایک زبردست طاقت تھی جو خود ان بادشاہوں کی سیرتوں پر بھی اثر انداز تھی پس رومی اور اسلامی نظاموں میں مذہب، مذہب کا فرق ہے، جس طرح قومیت اور ماحول کا فرق ہے وہ مذہب جو رومی بادشاہوں پر غالب تھا اپنے اندر رفعت اور پاکیزگی کی کوئی ایسی شان نہیں رکھتا تھا جو اس کو آسمانی مذاہب سے کم و بیش مشابہ بنا دے۔ اس کی بنیاد تو بدشگون اور نیک فالی پر تھی آج جب ہم پڑھتے ہیں کہ اس مذہب کی روشنی میں کس طرح غیب کی باتیں معلوم کرنے کی ترکیبیں کی جاتی تھیں تو بے ساختہ منہی آجاتی ہے۔

وہ ارتقار جس نے رومی عوام کو ان کی ابتدائی اور سادہ زندگی سے نکال کر ایک پر تکلف اور پیچیدہ حیات سے آشنا کیا اس ارتقار سے کوئی نسبت نہیں رکھتا جس نے عربوں کو ان کے دور جاہلیت سے کھینچ کر اسلام تک پہنچایا۔ رومی انقلاب ایک مادی انقلاب تھا۔ اگر یہ تعبیر درست سمجھی جائے جو تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ تدریجی طور پر ظہور پذیر ہوا۔ اور عربی انقلاب ایک معنوی انقلاب تھا جس کی تبدیلی طبیعتوں کی تبدیلی تھی جو عربوں میں اسلام کی تاثیر سے ہوتی پس کہنا چاہیے کہ عربی انقلاب اندر سے باہر آیا، طبیعتیں بدلیں اور عربوں نے اپنی زندگی کا مادی نقشہ بدلا ہوا پایا۔ اور رومی انقلاب باہر سے اندر آیا۔ خارجی حالات نے پٹا کھایا اور رومیوں کے دل اور طبیعتیں بدل گئیں،

پھر رومی اور عربی ماحول جدا جدا ہیں، اتنے جدا، جتنا اٹلی سے حجاز، تو کیا تعجب کہ اسلام کے صدر اول کا نظام حکومت رومیوں کے شاہی دور کے نظام حکومت سے بالکل جدا ہو

میں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ رومیوں کا وہ نظامِ حکومت جو ان کے جمہوری دور سے وفاتِ نبوی کے بعد والے نظامِ حکومت سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتا ہے، اس دور میں رومی اپنے قنصل کا انتخاب تقریباً اسی طرح کرتے تھے جیسے مسلمان اپنے خلفاء کا اور مہاجرین سے انصار کا یہ کہنا۔

منا امیر ومنصم امیر
ایک امیر تھا اور ایک امیر ہمارا

اسی طرزِ فکر کی ایک آواز ہے۔

رومی قنصل منتخب ہو جانے کے بعد اسلامی خلفاء کی طرح موثر اور شاندار حیثیت کے مالک ہو جاتے تھے لیکن ان میں اور خلفاء میں یہ فرق ہے کہ قنصل صرف ایک سال کے لئے منتخب ہوتا تھا۔ اور خلیفہ زندگی بھر کے لئے، قنصل کا اقتدار ان احکامِ دقوانین کا پابند تھا جو مجلس شیوخ اور مجلس عوام کی طرف سے صادر کئے جاتے، اور خلیفہ کی حکمرانی پابند تھی دین کے مقررہ حدود کی، یا جلیل القدر صحابہؓ میں سے کسی ایک کے مسلک کی یا عامۃ المسلمین کے مصالح کی، لیکن عرب اور اٹلی میں مشابہت کی یہ باتیں بناوٹی معلوم ہوتی ہیں، اور اگر ہم ان باتوں میں قنصل کی حکومت کے تکلفات اور تزک و احتشام کی داستانیں بھی جوڑ دیں جس کا خلیفہ کے ماحول میں کہیں بھی پتہ نہیں یا بعض ان اقدامات کا تذکرہ کریں جو رومی جمہوریت نے عوام کی حمایت میں، قنصل کے اقتدار پر کنٹرول کرنے کے لئے حالات سے مجبور ہو کر کئے تو مطلع بالکل صاف ہو جاتا ہے اور نظر آنے لگتا ہے کہ عربی نظامِ حکومت کے اس مختصر عہد کا رومی نظام سے دورِ نزدیک کا کوئی رشتہ نہیں، چاہے شاہی دور کا نظام ہو چاہے جمہوری دور کا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے سیاسی امور میں، انتظامی معاملات میں اور جنگی فنون میں قیصری و کسروی نظاموں سے بہت کچھ اقتباس کیا، لیکن جس زمانے سے متعلق ہم یہ بحث کر رہے ہیں، یہ اقتباس اس کے بہت بعد کا ہے، اس لئے ہمیں یہ مشابہت والی باتیں ختم کر دینی چاہیے، جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اسلام کا نظام حکومت خالص عربی نظام تھا

پس اس وقت کا اسلامی نظام حکومت نہ استبدادی تھا نہ یونانیوں کا بنا ہوا جمہوری اور نہ رومیوں کا شاہی، جمہوری یا مشروط اور مقید قیصری، بلکہ وہ تو ایک خالص عربی نظام تھا جس کے مانے اسلام نے بنائے اور مسلمانوں نے ان کو پُر کرنے کی کوشش کی، میں نے اپنی بعض تحریروں میں عربی نثر کی ابتدا سے بحث کرتے ہوئے بتایا تھا کہ قرآن نہ شعر ہے نہ نثر، خفایق کی تعبیر میں، مسائل کی تصویر میں اور احکام کے بیان میں اس کے خاص خاص اسلوب ہیں اور مختصر طرز ادا، اس میں موسیقی کی بعض خصوصیتیں پا کر سادہ طبیعتوں نے خیال کر لیا کہ قرآن شعر ہے، توانی کی پابندی دیکھ کر خیال کیا گیا وہ کلام مقفی ہے۔ بعض دوسرے سادگی پسندوں نے اس کی سلاست اور روانی اور قیود و شرائط کی عدم پابندی دیکھ کر نثر کا حکم لگا دیا، قریش کے مشرکین کو یہی دھوکا ہوا اور انہوں نے قرآن کو شعر کہہ دیا۔ جس کی تردید کی گئی، اسی طرح بعض اُن محققین نے دھوکا کھایا جو عربی نثر کی تاریخ تلاش کر رہے تھے اور کہہ دیا کہ قرآن سب سے پہلی عربی نثر ہے، واقعات اس قول کی شدید تیز تکذیب کرتے ہیں اگر عربی کے نثر نگار قرآن جیسی عبارت لکھنے کی کوشش کرتے (اور بعضوں نے کی بھی) تو یہ عمل مذاق اور مضحکہ کی حد سے آگے نہ بڑھتا۔

یہ بات میں نے قرآن کے بارے میں کہی تھی اس وقت اس قسم کی ایک اور بات ابتدائی عربی اسلامی نظام حکومت کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں کہ وہ کوئی ملوک نظام نہ تھا نئی اور نئی کے دونوں خلفاء کے لئے اس سے زیادہ تکلیف پہنچانے والی کوئی اور بات نہ تھی کہ ان کو بادشاہ کہا جائے، اور نہ جمہوری نظام تھا اس لئے کہ جمہوری نظام میں ایسا کوئی پہلو نہیں ہے جو منتخب صدر کو زندگی بھر صدر بنائے رکھے اور نہ رومی نقطہ نظر کا قیصری نظام تھا اس لئے کہ خلیفہ کا انتخاب فوجی حلقے نہیں کرتے

تھے، پس وہ خالص عربی نظام تھا جس کی نظیر عربوں کے پاس نہ تھی پھر وہ اس کی تقلید بھی نہ کر سکے، لیکن اس کے باوجود ہمارے لئے گنجائش ہے کہ ہم اس کی تحلیل کریں اس کی باریکیوں کی چھان بین کر کے اس کا پتہ چلائیں کہ کیا اس نظام میں برقرار رہنے کی طاقت تھی یا وہ اپنی تخلیق اور ترقی سے محیط حالات کے بدلتے ہی اپنی جگہ سے ہٹ جائے یا لا

اسلامی نظام حکومت کے عناصر

پہلا عنصر دین

اس نظام کے اجزا میں وہ جز جس کی طرف ہماری نظر سب سے پہلے جاتی ہے مذہبی عنصر ہے، اس لئے کہ آسمانی نہ ہونے کے باوجود یہ نظام آسمان یعنی سے بہت زیادہ متاثر ہے، اور خلیفہ کے احکام ہر چیز کہ وحی والہام نہ تھے لیکن وہ بہر حال حدود اللہ کے تابع تھے، یعنی حق و انصاف کا قیام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

وحی الہی کا یہ سلسلہ جو پورے تیس سال جاری رہا، اور صبح و شام کبھی آیات قرآنی کی شکل میں، کبھی نبیؐ کی زبان سے حدیث بن کر، اور کبھی سیرت نبویؐ میں عملی زندگی ہو کر مسلمانوں سے متصل رہا۔ اس نے خاصانِ نبیؐ کی طبیعتوں کو جگا دیا ان کے سینوں میں ایک زندہ قوی اور دین آشنا دل روشن کر دیا، پھر غیر ممکن ہو گیا کہ مسلمان اپنے نول، اپنے عمل، اپنے فکر بلکہ اپنے سونے اور جاگنے میں بھی دل زندہ کی زد سے بچ سکے۔

چنانچہ وہ جس حال میں بھی رہا، حاکم رہا تو رعایا کے ساتھ تعلقات میں، رعیت رہا تو حاکم سے ربط و ضبط میں، نیز ساتھیوں سے میل جول اور روزمرہ کی زندگی میں، اپنے زندہ اور ایمان دار دل کی روشنی سے الگ نہیں رہا۔ یہی نقشہ دیکھ کر اکثر لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اس عہد کا نظام ایک الہی نظام ہے جو آسمان سے اترا ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، اصل بات خلیفہ اور اس کی رعایا کے دلوں کا متاثر ہونا ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت دوسرا عنصر

دینی سیادت

اس نظام کا دوسرا جز، وہ نسبتی شرف اور بزرگی ہے، جس کی بنیاد نہ نسل پر ہے نہ دولت پر اور نہ سماج کے کسی بڑے درجے اور منصب پر بلکہ اس کی بنیاد ان تمام باتوں سے زیادہ اہم ایک حقیقت پر ہے اور وہ ہے نبیؐ کی مقدس زندگی میں اس کا نبیؐ سے تعلق، ارشاداتِ نبویؐ پر اس کا درجہ لائقین اور بحالات امن و جنگ اللہ کی راہ میں مصائب اور مشقتوں کا برداشت کرنا۔

ان اوصاف نے اسلام کے آغاز ہی میں ممتاز افراد کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا تھا، جو اپنے اتنیازی درجے کی وجہ سے کسی دنیاوی حق کا خواہاں نہ تھا اپنی ذات کے لئے کوئی فوری یا متوقع منفعت نہیں چاہتا تھا۔ خود رسولؐ نے ان کو اپنی محبت سے نوازا اور عوام کو مطلع کیا کہ خدا بھی اسی طبقہ سے محبت رکھتا ہے، وہ لوگ جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت دکھائی، جو اللہ کی راہ میں مصیبتیں اور عذاب برداشت کرتے رہے جو اپنا دین ساتھ لئے حبش اور پھر مدینہ ہجرت کر گئے، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے دھن دولت اور جاہیں نثار کر دیں پر دانے کی طرح شمعِ نبوت کا ماحول نہیں چھوڑا۔ جو کچھ کہا جاتا سنتے جو کچھ بیان ہوتا قلمبند کرتے یہی لوگ ہیں جن سے اس طبقہ کی تشکیل ہوئی۔ اس طبقہ کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے کو دوسروں سے ممتاز اور برتر خیال نہیں کرتا تھا۔ اپنا درجہ عام انسانوں کے درجے کے برابر جانتا تھا۔ یہی انکسار اور فروتنی اللہ کے نزدیک اس کے درجات کی بلندی کا باعث تھی، عوام کی نگاہوں میں بھی اس تو واضح سے اس کی عظمت اور منزلت بڑھتی جاتی تھی، یہ طبقہ بڑے بڑے نامی گرامی خاندان والوں کا نہ تھا۔ اس کے افراد غیر معمولی دولت مند اور لکھتی نہ تھے،

ادھر اُدھر کے معمولی لوگ، جن میں وہ غلام بھی تھا جو دین کی سزا میں عذاب دیا جا رہا تھا جس کو بعض مسلمانوں نے خرید کر آزاد کر دیا، ان ہی میں وہ کمزور اور بے سروسامان بھی تھا جو پناہ کی تلاش میں مکہ آیا اور زندگی کے دن قریش کے کسی قبیلے یا کسی سردار کی حمایت میں بسر کرنا چاہتا تھا، ان ہی میں بعض وہ بھی تھے جو کہیں سے مکہ آئے اور امن و امان اور کاروبار دیکھ کر وہیں رہ پڑے اور وہ بھی جو خاندان اور نسب کے اونچے لیکن زر ندارد، مفلوک الحال چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن کٹ جائیں، یہ تھے اس طبقہ کے افراد اور اسلام نے ان سب کو ایک ہی درجہ دیا تھا، اگر کوئی امتیاز کی بات تھی تو وہ اسلام کی راہ میں آزمائشوں کا حصہ، مصائب اور آلام کے نزول کے وقت صبر و ثبات کی کیفیت، ضرورت کے وقت نبیؐ کی جان و مال سے امداد، اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس طبقے کے افراد کا امتیاز عوام میں قدرتی طور پر بڑھا، جن حقوق اور درجات کا عوام ان کو حق دار خیال کرتے تھے، وہ اپنی ذات کو اس کا مستحق تصور نہیں کرتے تھے اسی طبقہ کے افراد عام مسلمانوں کو دین سکھاتے اور جو کچھ انہیں معلوم نہ ہوتا اس سے باخبر کرتے تھے، بسا اوقات جب قبائل کے لوگ نبیؐ سے درخواست کرتے کہ ان کے پاس دین سکھانے والے بھیجے جائیں تو حضرتؐ اسی طبقہ کے افراد کو معلم، نقیبہ اور امام بنا کر بھیجتے تھے، پھر ابھی ہجرت پر چند ہی ماہ گزرے تھے کہ معرکہ بدر نے پوری سرزمین عرب میں اسلام کی عزت دو بالا کر دی اور اس کا رعب تمام عربوں پر چھا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اس معرکہ میں شریک ہونے والے بدری کہلائے اور مسلمانوں میں ایک خاں امتیاز کے مالک بنے۔ اب اگر نبیؐ کے ساتھ کسی اور غزوہ میں کسی کو شرکت کا موقع ملا تو وہ مزید امتیاز کا مستحق ہوا اور اگر اُحد کے موقع پر اقلیت کی فضا میں ثابت قدم رہنا کسی کے نصیب میں تھا تو وہ اور بھی ممتاز ہوا، کسی صحابیؓ کے لئے امتیاز کا آخری درجہ یہ تھا کہ نبیؐ اس کی تعریف کریں اسے دوسروں کے لئے امام اور رہنما کا درجہ دیں، اسے جنت کی بشارت سنائیں اور اعلان کر دیں کہ وہ اس سے راضی اور خوش ہیں، ان تمام باتوں میں کوئی حیرت اور تعجب والی

چیز نہیں اس لئے کہ یہ حالات کے تقاضے ہیں اس سلسلے میں ترجمہ کے قابل بات یہ ہے کہ صحابہؓ کا یہ ممتاز گروہ جو باہم مختلف امتیازات اور فضائل کا حامل تھا، نبیؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے تمام معاملات کا منوٹی ہوا۔

اسی گروہ سے اس فرد کو پسند کیا جائے گا جو امت میں نبیؐ کا جانشین ہوگا، اسی گروہ پر خلیفہ کو اعتماد کرنا ہوگا تاکہ لوگ اس کو مائیں اور اس کی اطاعت کریں اور یہی گروہ ہے جس کے مشورے کا ضرورت کے مواقع پر خلیفہ محتاج ہے،

لیکن صورت حال یہ ہوئی کہ نبیؐ کی وفات پر چند دن نہیں چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ اسلام نے سیادت کی ایک نئی شکل دیکھی جو بذات خود حکومت سے شدید اتصال رکھتی ہے، چنانچہ جب خلافت پر بحث شروع ہوئی، انصار نے قریش سے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے، حضرت ابو بکرؓ نے نبیؐ کی حدیث سنائی "خلفاء قریش میں سے ہوں" اور اس کے بعد انصارؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہم امیر ہوں اور تم وزیر انصار یوں نے یہ بات قبول کر لی اور بجز سعد بن عبادہ کے کوئی اعتراض نہیں کیا، رحمۃ اللہ علیہ

قریشی سیادت

اسی وقت سے اسلام میں ایسی سیادت کی بنیاد پڑی جس کا قوام یعنی جوہری جو رسول اللہ ﷺ سے قرب اور آپ کی صحبت تھی، چنانچہ قریش کے لئے حکومت اور انصار کے لئے مشورہ طے پایا اور مشورہ دینا ہر مسلمان کا عام حق بھی ہے، پس قریش حکومت کریں اور مشورہ لیں اور عرب، انصار اور غیر انصار ان کے مشیر ہوں ان کے لئے حکومت کرنے کا موقع نہیں، لیکن اس سیادت کی حقیقت سمجھنے میں ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے، اور غور کرنا چاہیے کہ حضرت ابو بکرؓ اور آپ کے ہاجر ساتھیوں کا مطلب کیا تھا، اور قریش والوں نے بعد میں کیا مطلب نکالا؟ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ ابن جراح کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ "خلفاء قریش

میں سے ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ عام قریشی خلافت کے حق دار ہیں، اندازہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھیوں نے ہاجرین پر نظر ڈالی جو سب سے پہلے اسلام لائے اور اشاعتِ دین کے لئے مکہ کی اتہائی تنگی اور سختی کی زندگی میں اپنے مال و متاع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی انہیں معلوم ہوا کہ ان ہاجرین کی اکثریت قریشی ہے نیز قرآن و حدیث میں اور عوام کی زبان پر ہاجرین کا ذکر پہلے اور انصار کا بعد میں ہے میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ کا مطلب قریش کے اسی ممتاز طبقے سے ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا اور جس نے مکہ کی پُراشوب اور پرخطر زندگی میں نبیؐ کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور جس کے ساتھ مدینہ کی باثوکت زندگی میں انصار نے مل کر کام کیا۔

اگر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہ نے ایک قبیلہ کی حیثیت سے قریش کا تصور کیا ہوتا جس کا تعلق نسبی اور قرابتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس تخیل کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خلافت کے لئے اس شخص کو پسند کرتے جو قریشیوں میں قرابت کے اعتبار سے رسول اللہ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا وہ آپ کے چچا عباسؓ یا حضرت علیؓ کو امیدوار بناتے جو نہ صرف آپ کے داماد تھے، بلکہ پرورش کردہ بھی، پس حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھیوں کا مقصود قریش سے یہی مخصوص اور ممتاز ہاجرین تھے، اور یہ تو سب سے بڑی حماقت ہوگی اگر کوئی سمجھے کہ صدیق اکبرؓ اور ان کے ساتھیوں نے نبیؐ سے قریش کی قرابت ہی کو خلافت کا سبب اور سرچشمہ قرار دیا، اگر اس قسم کی کوئی گنجائش ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ کے نزدیک بہت سے سربراہان اور وہاں امان یافتہ قریشی ان بہادروں سے زیادہ خلافت کے حقدار ہوتے جنہوں نے ہاجر مجاہدوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، اور انصاری بزرگوں میں سے ابوسفیان، صفوان بن امیہ اور عارف بن ہشام ان ممتاز انصاریوں سے امامت کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے جنہوں نے پہلے سے اپنی جگہ اور ایمان پختہ کر لیا تھا، بہر حال قریش نے حضرت ابوبکرؓ کی بات کا وہ مطلب نکالا جو ان کا اور ان کے ساتھیوں کا مقصد نہ تھا اور یہ یقین کر لیجئے کہ امامت قریش کا حق ہے، جو کسی اور طرف منتقل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس کی بنیاد

نئی سے قرابت پر ہے، بلاشبہ قریش کا یہ مطلب نکالنا زبردستی کی کھینچ تان اور کھلی ہوئی غلطی تھی قریش کی رائے اگر معقول ہوتی تو بنی ہاشم دلیل میں غالب آجاتے اور وہ جب تک بھی سنبھال سکتے خلافت کا ہار اٹھانے کے زیادہ مستحق تھے لیکن اسلام نسب اور کسی منصب کی بنا پر کسی کو کسی پر فضیلت کا قائل نہیں وہ تو فضیلت کی بنیاد، تقویٰ، قابلیت اور آزمائش میں ثابت قدمی پر رکھتا ہے،

ہمارے خیال کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ وہ کسی کو خلیفہ بنا دیں تو آپ نے فرمایا اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا، اگر سالم مولیٰ ابی عذیفہ زندہ ہوتے تو انہیں یہ امانت سپرد کرتا اور یہ سالم مولیٰ ابی عذیفہ قریشی نہیں تھے، بلکہ وہ نسبا عرب بھی نہ تھے وہ بچپن ہی میں اصطفیٰ سے لئے گئے تھے، ایک انصاری عورت نے جوان کی مالک تھی ان کو آزاد کیا۔ پھر ابو عذیفہ قریشی ولا میں آئے، بنی کی زندگی ہی میں لوگ انہیں دینی معاملات میں پیش پیش رکھتے تھے، وہ اس زمانے میں جب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کا انتظار کیا جا رہا تھا، مہاجرین کو نماز پڑھا یا کرتے تھے، جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، عہد صدیقی میں وہ یمامہ میں مرتدوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

یہ سن کر کہ سالم ولہار کی بنا پر قریشی تھے کوئی صاحب یہ منطق نہ پیش کر دین کہ اگر وہ زندہ ہوتے اور حضرت عمرؓ ان کو خلیفہ بنا دیتے تو بہر حال امامت قریش ہی میں رہتی، اس لئے کہ یہ ایک فضول سی بات ہے ہم جانتے ہیں کہ ولہار کی بنا پر جو تعلقات قائم ہوتے ہیں وہ متعلقہ افراد کو آزادوں کے مساوی نہیں بنا دیتے۔ عرب سالم کے نسب سے واقف نہیں تھے اور چونکہ خدا نے حکم دیا تھا کہ "مولیٰ" کو اس کے باپ کے نام سے پکارا جائے اور اسی لئے زیدؓ کو ان کے والد عارثہ کے ساتھ ملا کر زید بن عارثہ کہا جانے لگا، سالم کو عرب "مِن الصَّالِحِينَ" کہا کرتے تھے کیوں کہ وہ ان کے والد کے نام سے واقف نہ تھے ہاں تو حضرت عمرؓ کوئی حرج نہیں

سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا خلیفہ اس کو بنا دیں جو قریشی نہ تھا بلکہ عرب بھی نہ تھا حضرت عمرؓ اپنے اس خیال میں بالکل صحیح راہ پر تھے اور اصول اسلامی کے ماتحت نسب اور نسل کی بنیاد پر فضیلت دینا نہیں چاہتے تھے وہ تقویٰ، قابلیت اور آزمائش کے قائل تھے اور سالم میں یہ تمام خوبیاں موجود تھیں،

بہر حال قریشی سیادت کی یہ بات جو ایک بیک سامنے آئی اور اس طرح آئی کہ عوام کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ غلط طور پر سمجھی گئی، حضرت ابو بکرؓ نے چاہا تھا کہ خلافت ہاجرین میں اس وقت تک رہے جب تک ان میں اس کا ہارا اٹھانے کی قدرت اور قابلیت ہے۔ مگر قریش نے اس خواہش کا رخ اپنی منفعت اور خاندان کی طرف پھیر دیا۔ اور اسلام کی ایک اہم بنیاد "مسلمانوں میں مساوات" کی پروا نہ کی، اس راہ پر آجانے کے بعد قریش نے ایک قدم اور بڑھایا جس کے اثرات مسلمانوں کی زندگی پر بہت دور تک پہنچے، انھوں نے عرب کو ان تمام مسلمانوں پر فضیلت دی جن کا تعلق عرب خاندان سے نہ تھا، چنانچہ سب جانتے ہیں کہ خلافت کو قریش سے مخصوص کر دینے کی بنا پر مسلمان کیسے کیسے فتنوں میں مبتلا ہو گئے، اور اسی برتری اور فضیلت کے تصور نے بنی امیہ سے حکومت چھین کر بنی عباس کے حوالے کر دی،

نظامِ حکومت کے عناصر میں انقلاب

پس معلوم ہوا کہ صدر اول میں اسلام کا نظامِ حکومت دو ممتاز عنصر رکھتا تھا، ایک معنوی جو حاکم اور محکوم دونوں کو یکساں طور پر نیکی اور انصاف کا حکم دیتا تھا دوسرا عنصر ان خواص و اشراف کا وجود جو قابلیت، تقویٰ، آزمائش اور رسول اللہ ﷺ سے قربت اور صحبت کا، غیر معمولی درجہ رکھتے تھے، اس دوسرے عنصر سے قریش نے کنارہ کشی کر لی، اب یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ دونوں عناصر مسلسل انقلابات اور حوادث کی موجودگی میں زمانہ کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتے تھے، دین آشنا زندہ اور مضبوط دل

کچھ لوگوں کو مل سکتا ہے لیکن اس کی ضمانت نہیں دی جاسکتی کہ بیٹوں اور پوتوں کو بھی وراثت میں وہی دل ملے گا، بلاشبہ جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل رہا۔ جو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے تعلیم و تربیت کی روشنی حاصل کرتے رہے وہ اپنے اعمال، اقوال اور افکار میں وہ کیفیت پیدا کر سکتے ہیں جو سیرت نبوی کی تکرار کرتی ہو، لیکن ان کی آنے والی نسل میں ایسی اولاد بھی ہو سکتی ہے جو ان کا نمونہ نہ ہو ان میں ایسے افراد بھی ہو سکتے ہیں جنہیں نبی کی صحبت کا موقع بہت کم یا مطلق نہ ملا ہو، ایسی حالت میں اگر ان کے دلوں میں وہ مذہبیت رہے قوت اور وہ زندگیاں نہ ہو جو خدا کا رسول کا حصہ تھی تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

نظام حکومت کی راہ میں پہلی مشکل

پھر ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ حکومت کے معاملات اسی وقت ٹھیک ہوتے ہیں جب حاکم اور محکوم دونوں میں نظام حکومت سے متعلق تعاون اور اشتراک ہو، چنانچہ سیاسی مشکلات اور آویزشوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ حاکم زندہ دل ہے انصاف اور نیکی کے پھیلائے میں مؤثر اور اللہ کی رضا مندی کا حریص ہے، بلکہ اس کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ رعایا کے دل بھی زندہ ہوں ان میں انصاف اور نیکی کے لئے تڑپ ہو اور وہ بھی خدا کی خوشنودی کے لئے بیتاب ہوں،

یہی وہ سب سے پہلی رکاوٹ تھی جو اس نئے نظام کی راہ میں حائل ہوتی، عرب سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے صحابی نہ تھے ان کی اکثریت آپ کی صحبت نہ پاسی اور صحابہ کی تعداد کچھ بہت زیادہ بھی نہ تھی، پھر عام عربوں کے ایمان کو صحابہ کے ایمان سے کوئی نسبت نہ تھی، بعضوں کا حال ٹھیک تھا اور بعض تو مسلمان تھے لیکن ایمان دار نہ تھے، خود قرآن مجید کا ارشاد ہے،

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ

دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

تُؤْمِنُوا وَلَعِنَ قَوْلُكُمْ
 آسَلَّمْنَا وَكَمَا بَدَّ حُنَّ
 الْإِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ فَإِنْ
 تَطِيعُوا نَزَّاهُ وَرَسُولَهُ
 لَا يَلِيْسْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ
 شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں
 کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان
 تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل
 ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم خدا اور اس
 کے رسول کی سزاؤں کو قبول کرو گے
 تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم
 نہیں کرے گا، بے شک خدا بخشنے
 والا مہربان ہے،

اور بعض تو ایسے تھے کہ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے لیکن دل میں پوری جاہلیت
 بسا رکھی تھی خدا نے ان ہی کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے،

دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق
 ہیں جو احکام شریعت خدا نے اپنے
 رسول پر نازل فرمائے ہیں ان
 سے واقفیت کے نااہل،

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا
 وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَنْ لَا
 يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا نَزَّلَ
 اللَّهُ

پس حاکم اور محکوم میں کوئی توازن نہیں تھا اور نہ خلیفہ اور اس کی زبردست
 عرب اکثریت رعایا میں کوئی صحیح اشتراک اور سچا اتحاد تھا، ہاں ممتاز صحابہ کا طبقہ
 بلاشبہ خلیفہ کا معاون اور سچا مخلص تھا اور دونوں میں صحیح اشتراک اور سچا اتحاد
 تھا اور اسی اخلاص و اتحاد کی بدولت حضرت ابو بکرؓ نہ صرف فتنہ ارتداد کو فرو
 کرنے میں کامیاب رہے، بلکہ آپ نے عربوں کا رخ فتوحات کی طرف پھیر دیا

مشکل دوسری

پھر ہمیں یہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہیے خواہ انسان کے بارے میں حسن ظن رکھنے والے کتنا ہی پیچ و تاب کھاتیں کہ یہ دین آشنا پیدار اور زندہ دل اکثر ابتلا اور آزمائش کی آماجگاہ ہوتا ہے، اور بڑے بڑے حوادث اور مصائب سے گذرتا ہے، انسان بہت کوشش کرتا ہے کہ اس کا قلب حق اور انصاف کا گھر بنا رہے، لیکن فتنہ و فساد کی لپیٹ اتنی سخت اور اس قدر پیہم ہوتی ہے کہ بعض معاملات میں مجبور ہو کر شروع شروع میں تاویل کی زمین پر پاؤں ٹیک ہی دیتا ہے، پھر تاویل اور تحلیل کی مختلف منزلوں سے گذرنا گزارنا بالکل نئی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جب وہ مڑ کر دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص ویریتہ اور اس کے درمیان ایک بڑی لمبی مسافت حائل ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے، نبیؐ نے اور خلفائے و صالحین نے لوگوں کو دنیا اور فریب دنیا سے ڈرایا ہے، اور ان تمام سرگرمیوں سے بچنے کی تاکید کی ہے جو ان کو فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیں جو ان کے سامنے ایسی برائیاں لائیں جو نیکیوں کو بہالے جائیں، اور اچھے بڑے ارادے اور بڑے کام سے دوچار کریں جو نیکیوں اور بھلائیوں کو لکڑی کی طرح جلا کر خاک کر دیں ان حالات میں ذرا بھی حیرت نہ ہونی چاہیے اگر بہت سے بزرگ حتیٰ کہ بعض صحابہؓ بھی فتنہ اور فریب کی لپیٹ میں آگئے ہوں، اور ان پر ایسے مصائب اور حوادث گذرے ہوں جنہوں نے ان کو اس فتنے سے دور کر دیا ہو جس میں وہ دن رات نبیؐ کی صحبت میں رہتے تھے اور جن کا یہ حال تھا کہ

کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو

ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب

انہیں ماس کی آہٹیں پڑھ کر سائی

إِذَا ذَكَرُوا اللَّهَ وَجِلَّتْ

قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تَلَّيْتِ

عَلَيْهِمْ نَبَاتُهُمْ إِذْ تَسْمَعُ

اِيْمَانًا وَعَلَىٰ رَيْبِهِمْ

جاتی ہیں نوان کا ایمان اور بڑھ جانا

يَتَوَكَّلُونَ ،

ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں

آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ فریب اور نبتی کے اسباب بکثرت تھے اور ان میں اتنی قوت اور دل کشی تھی کہ اس کی تاب صرف اولوالعزم لاسکتے تھے جن کی تعداد ہر زمانہ میں بہت کم رہی ہے ،

میری طرف سے اس میں نہ رنگ آمیزی ہے نہ تکلف ، نہ ذل آزاری ، نہ کینہ پروری لیکن میں اصحاب رسولؐ میں ایک ایسی جماعت پاتا ہوں جس نے اسلام کی راہ میں آزمائش کی وہ منزل پالی جہاں پہنچ کر خود نبیؐ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرما کر اس کے لئے جنت کی ضمانت دی ، پھر ایک زمانہ گزرنے کے بعد ایسے حالات تھے ان کا استقبال کیا ، جن میں قوت و اقتدار کی شوکت کے ساتھ ساتھ مال و دولت کی فراوانی تھی وہ اس امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکے ، ان کے معاملات میں خرابی آئی ، ایک دوسرے کے خلاف نبرہ آزما ہو گیا ، بعض نے بعض کو قتل تک کر دیا ، باہم دگرا تھے بدخواہ اور بدگمان ہو گئے جتنا کوئی انسان دوسرے سے ہو سکتا ہے ، آپ اندازہ کیجئے ان کے متعلق ہمارا نقطہ نگاہ کیا ہو؟ ہم ان سب کے کارناموں سے اپنی رضامندی اور انفاق کا اظہار نہیں کر سکتے کہ اس میں نہ صرف اپنی عقلوں کو معطل اور فکروں کو تاریک کر لینا ہے بلکہ دین کی عمارت کو بھی ڈھا دینا ہے جو حق و انصاف کی بنیاد پر اچھائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے روکنے پر قائم ہے اور نہ ہم ان میں سے ان لوگوں کو خطا کار کہہ سکتے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ انہوں نے خطا کی ہے اس لئے کہ اول تو نبیؐ کے درہلہ میں ان کا درجہ ہے ، دوسرے نبیؐ نے خدا کی خوشنودی اور جنت کی بشارت سے ان کو نوازا ہے ، پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ان کا حسن ظن اور اس کے وعدوں پر ان کا پختہ یقین ہم کو اس کی اجازت نہیں دیتا پھر ہماری طبیعت کو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان کے معاصرین کا مسک اختیار کریں اور کسی کو حق پر اور کسی کو غلطی پر بتادیں اس لئے کہ

ان کے معاصرین نے اپنی شرکت کی وجہ سے اپنے ماننے والوں کو حق پر سمجھا اور ان کی حمایت کی اور مخالفین کو غلط کار جانا اور مخالفت کی لیکن ہم تو ان حوادث میں شریک کی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور نہ ان کے مابین اختلافی امور سے ہمارا تعلق، پس یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنے جذبات کو ان کے معاملات میں بے لگام کر دیں ہمارے لئے صحیح راستہ تو یہی ہے کہ ہم صرف ان کی ان باتوں اور کاموں پر نظر ڈالیں جن کا تعلق عوام کی زندگی اور تاریخ کے واقعات سے ہے اور صرف اسی نقطہ نظر سے ان کو صائب یا خطا کار تصور کریں، ان کے دین کے متعلق ہم کوئی فیصلہ نہ کریں اس لئے کہ دین اللہ کے لئے ہے۔ ہمارے لئے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ہم ان کے معاصرین کی طرح یہ کہیں کہ یہ کافر ہیں، اور یہ مومن، اور یہ بین بین، یا یہ کہ یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی، ہمیں یہ بحث نہیں کرنی چاہیے۔ اور نہ اس پر بحث ہمارا حق ہے۔ یہ بات صرف خدا سے متعلق ہے، ہمیں تو ان کے اعمال، اقوال اور سیرتوں میں صرف یہ پتہ چلانا چاہیے کہ کون سی بات حق اور انصاف سے قریب ہے اور کون نہیں اور یہ بھی بقدر ضرورت،

آپ نے دیکھا کہ صدر اول کے اسلامی نظام حکومت کی دو خصوصیتوں میں سے ایک یعنی دین آشنا دل کس طرح خطاؤں اور فریبوں کی منزل بنتا ہے اگر نبی کے تمام صحابہ بے خطا ہوتے اور فتنہ و فساد سے بچ جاتے تب بھی ان کی اولاد مختلف فتنوں اور مشکلات سے دوچار ہو کر رہتی،

پس اس بات کی سخت ضرورت تھی، کہ مسلمان اس زمانے میں اپنے معاملات کے لئے صرف دل پر بھروسہ نہ کرتے اور یہ بھی نہ کرتے کہ بات خدا اور خلیفہ کے درمیان ہے بلکہ ایک ایسا نظام مرتب کر لیتے جو تحریری شکل میں حکومت کے مجل اور مفصل حدود پر مشتمل ہوتا۔ اس میں خلفاء کے فرائض بتائے جاتے کہ وہ یہ یہ کریں، یہ نہ کریں، ان معاملات میں ان کے لئے رخصت ہے اسی طرح اس میں عوام کے حقوق و فرائض بھی تفصیل سے لکھے جاتے، اس میں ان دساک اور ذرائع کا بھی تذکرہ ہوتا ہے جن کے ماتحت عوام خلیفہ کا انتخاب کرتے اور انتخاب کے بعد خلیفہ کا اہتمام اور اس پر اپنی نگرانی قائم کرتے

اور اگر اسے راجح سے منحرف پائے تو اخذ کرتے اور سزا دیتے مسلمانوں کو ضرورت تھی کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں ایک دستور وضع کرتے جس کے صاف اور صریح حدود ان کو اختلافات اور فرقہ بندیوں سے بچاتے اور اگر وہ ایسا کر سکتے تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو کچھ پیش آیا اس سے اپنے آپ کو بچا لیتے ذرا ایک مثال ملاحظہ فرمائیے، جو عوام کے لئے سخت حیرت انگیز ہے موافقین کے لئے خوش کن اور مخالفین کے لئے غصہ دلانے والی، حضرت عثمانؓ سے ان کے بعض عطیات کے بارے میں بحث کی گئی، جو انھوں نے اپنے رشتہ داروں کو دیا تھا۔ تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا "عمرؓ خدا سے ڈر کر اپنے رشتہ داروں کو محروم رکھتے، اور میں خدا سے ڈر کر صلہ رحمی کرتا ہوں اور ہم میں آج عمرؓ جیسا کون ہے؟ یعنی حضرت عمرؓ مسلمانوں کے مال سے اپنے عزیزوں کو محروم رکھ کر نیک اور مخلص تھے اور حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں کو مسلمانوں کا مال دے کر نیک اور مخلص ہیں اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ صلہ رحمی کیا کرو۔"

حضرت عثمانؓ کا یہ جواب فقہی تاویل کرنے والوں کے نزدیک ممکن ہے درست ہو لیکن مصلحت عامہ کسی طرح اس کی تائید نہیں کر سکتی، یہ مال یا تو عوام کا ہے اور ایسی حالت میں بنیر عوام کی اجازت کے خلیفہ اس میں تصرف کا مجاز نہیں، یا پھر خلیفہ کا ہے اور اس صورت میں عوام کا اس کے تصرف پر اعتراض کرنا غلط ہے لیکن یہ کہ بعض خلفاء اس مال کو عام مسلمانوں کے لئے مخصوص اور محفوظ کر کے خدا سے قربت حاصل حاصل کریں اور بعض صلہ رحمی میں اس کو خرچ کر کے خدا کے عبادت گزار بنیں، یہ صحیح نہیں کھلی ہوئی بات ہے کہ اس سلسلے میں ہم حضرت عمرؓ کا مسکاپنڈ کریں گے، کیونکہ وہی حق و انصاف کے قریب اور خلفاء کی پاکبازی اور بے نفسی کے مناسب حال ہے پھر عوام کے کاموں کے احساس کا بھی یہی تقاضا ہے جیسا کہ آج بھی ہم سمجھ سکتے ہیں۔

ایک دوسری مثال جس کی روایت مورخین کرتے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ اس پر خوش ہوؤں یا حیران؟ حضرت عثمانؓ نے اپنے مخالفین کے شدید محاصرے میں ان سے کہا: "اگر خدا کی کتاب میں میرے پاؤں میں بیڑی ڈالنے کا حکم تم پاتے ہو تو ڈال دو!"

کیا یہ بات حضرت عثمانؓ نے اپنے مخالفین پر عتاب کرتے ہوئے خدا کا حکم تسلیم کرنے کے لئے کہا تھا اگر ایسا ہے تو کتاب اللہ میں کہاں یہ حکم ہے جو مسلمانوں کو اجازت دیتا ہو کہ اپنے امام کے دونوں پاؤں میں بیڑی ڈال دیں یا آپ نے بطور چیلنج فرمایا، اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ قرآن مجید میں اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں اور اس میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو غلطی کرنے یا راہ سے ہٹنے پر خلیفہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنے کا حکم مسلمانوں کو دیتی ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ سمجھتے تھے کہ ان کے مخالفین کتاب اللہ سے کوئی دلیل نہیں لاسکتے اور یہ کہ انہوں نے جو کچھ کیا اسے کرنے کا وہ حق رکھتے تھے اور اپنے اس عمل میں نہ وہ مجرم ہیں نہ غلطی کی لپیٹ میں،

اگر مسلمانوں کے پاس یہ لکھا ہوا نظام اور دستور ہوتا تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں وہ بلا اختلاف و بلا تفریق باخبر ہوتے کہ انہیں دستور کے ماتحت کیا کرنا چاہیے مسلمانوں کے لئے اس قسم کے نظام کی ضرورت پر غالباً ایک روشن مثال کی طرح وہ روایت پیش کی جاسکتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کتاب و سنت اور شیعین کی بیعت کی پابندی کریں گے۔ اور خلاف ورزی نہ ہونے دیں گے تو حضرت علیؓ نے اس شرط کو منظور نہیں فرمایا اور کہا

اللہم لا ودکن اجتهد
ایا نہیں ہو سکتا میں اپنے خیال
فی ذالک رائی ما استطعت
سے بھی جو کچھ کر سکوں گا کروں گا۔

حضرت علیؓ بتانا چاہتے تھے کہ وہ ایک ایسی بات کی پابندی نہیں کر سکتے جس کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی، اس لئے کہ قرآن اگرچہ لکھا ہوا ہے اور سینوں میں محفوظ ہے لیکن وہ حکومت کی سیاسیات اور اس کے روزمرہ کے واقعات سے تفصیلی بحث نہیں کرتا اور نبیؐ کی سنت بہر حال شائع ہے لیکن اس میں بعض حدیثیں ایسی ہیں جو غیر حاضر کو تو حفظ ہیں لیکن حاضر اس سے بے خبر ہیں پھر بہت سی حدیثیں فقہ ارتداد اور

کو سکون اور دماغوں کو راحت مل گئی ہو، اس میں دس سال تو عربوں کو اسلام کی دعوت دینے میں صرف ہوئے ایک سال سے کچھ زیادہ دن فتنہ ارتداد کے فرو کرنے میں لگے بقیہ دن دنیا کے گوشوں میں اسلام پہنچانے کے لئے عربوں کو آمادہ کرنے میں صرف ہوئے اس کے بعد ایران میں انقلاب آیا۔ مصر و شام سے رومی رخصت ہوئے فوج کی ترتیب و تنظیم عمل میں آئی۔ بڑے بڑے شہر بسائے گئے، امن و جنگ کے سلسلے میں اہترائی قواعد بنے، پھر ان محکموں کی داغ بیل پڑی جن کا تعلق بلاد عربیہ کے داخلی معاملات اور بیرونی ممالک کے خارجی امور سے تھا، پس یہ انصاف نہ ہوگا کہ صدر اول کے مسلمانوں پر کوئی معترض ہو کہ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی کی، اور جو کچھ وہ کر سکتے تھے نہ کر سکے، پھر اگر یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ حکومت کے معاملات میں تنظیم کے جو اقدامات شیخینؓ فرماتے تھے وہ اس بدوی ماحول اور عربی سماج کے لئے جو سیاست تمدن اور تنظیم سے بیکر نا آشنا تھے ایک ایجاد و اختراع کا مرتبہ رکھتے تھے اور نہ صرف ایجاد و اختراع کی پیش کش، بلکہ انہوں نے اس قوم کو منظم کر دیا جو کسی تنظیم کی عادی نہ تھی، اس کو مہذب اور تمدن بنا دیا جس میں پہلے سے تہذیب و تمدن کے آثار نہ تھے، تب تو سچائی اور حق سے بڑی دوری ہوگی کہ یہ کہہ دیا جائے کہ شیخینؓ نے مسلمانوں کے لئے جیسی تنظیم چاہیے تھی نہیں کی، حضرت عمرؓ خدا ان پر اپنی رحمت برساتے اس سلسلے میں اپنی انتہائی امکانی کوشش صرف فرمایا کرتے تھے چنانچہ جیسے ہی کسی تمدن قوم کے کسی طریق کار کا پتہ چلتا اس کو معلوم کرتے اور نہایت گہری چھان بین کر کے اس میں سے وہ جز جو عربی مزاج، اسلامی فکر اور اس نوحیز حکومت کے مناسب حال ہوتا نکال لیتے،

تیسری مشکل

اس سیاسی نظام کی دوسری خصوصیت یعنی صحابہؓ کے ممتاز افراد کا طبقہ تو وہ بھی طبعی طور پر ایک مدت گذر جانے کے بعد بہر حال زوال کی زد میں آتا اور ایک ایسی

جدید نسل پیدا ہوتی جس کو اس امتیاز سے کوئی نسبت نہ ہوتی پس ضروری تھا کہ اس آنے والی نسل کے سامنے ایک مقررہ مرتبہ نظام ہوتا۔ جو اس کو بتانا کہ خلیفہ کا انتخاب کس طرح ہو اور انتخاب کے بعد اس پر کس طرح احتساب قائم کیا جائے اور اگر وہ خطا کا مرتکب ہو تو کس طرح سزا دی جائے، یہ نظام اگر وضع کر دیا جاتا تو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ اس طرح منتشر نہ ہوتا جس طرح تاریخ بتاتی ہے مسلمانوں میں خوارج کی وہ جماعت نہ ہوتی جو سنت نبویؐ اور شیخینؓ کی اندھی اتباع پر مصر تھی۔ نہ وہ جماعت ہوتی جو بصد تھی کہ امامت اہل بیت ہی کا حصہ ہے..... نہ وہ جماعت ہوتی جو خلافت کو قیصریت اور کسردیت کا جامہ پہنانا چاہتی تھی اور نہ وہ جماعت ہوتی جو چاہتی تھی کہ مسلمانوں کے معاملات شوری کے ذریعے طے ہوں، لیکن اس کا کوئی نظام یا قاکہ اس کے پاس موجود نہ تھا۔

لیکن جو کچھ ہم نے پہلی خصوصیت کے سلسلے میں عرض کیا تھا وہی اس خصوصیت سے متعلق بھی دہرانا چاہتے ہیں کہ شیخین اور ان کے ساتھیوں کو تہذیب و ترقی کے مسلسل مشاغل نے وہ سکون اور فرصت نہیں دی جو ان کو اس قسم کا نظام مرتب کرنے کا موقع دیتی یہ کام ان لوگوں کا تھا جو بعد میں آئے اور فرصت و فراغت کے علاوہ کافی مال و دولت کا انبار اپنے ساتھ لائے، لیکن انھوں نے نہ حکومتوں کے بدلنے کیلئے کوئی نظام بنایا اور نہ ایسا کوئی دستور مرتب کیا جس میں سیاسی اور سماجی انصاف کی رعایت پیش نظر ہو۔ انھوں نے انتہائی غفلت برتی، اور صرف اس بات کو اچھا سمجھا کہ وہ خود کس طرح حاکم، غالب اور اُدبے بنے رہیں

مگر ان لوگوں پر بھی کیا ملامت کی جائے، اگر ہم غور کریں کہ دنیا کو دستور سازی کا علم کتب سے ہوا تو معلوم ہوگا کہ یہ ابھی پچھلے دنوں کی پیداوار ہے یہ کوئی بہت قدیم چیز نہیں ہے ہیں جانتا ہوں کہ قدیم یونانی شہروں میں لکھے ہوئے سیاسی دستور تھے، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ روم کا ایک مقررہ سیاسی نظام تھا، لیکن اسی طرح ہیں یہ بھی جانتا ہوں کہ مشرق و مغرب دونوں جگہ "شاہی"

نے ان نظاموں اور دستوروں کو معطل کر دیا۔ عوام سے اس کو اس قدر دور رکھا کہ انسانیت اس کو تقریباً بھلا چکی، اور آج یہ نئی دنیا اسی فراموش کردہ حقیقت کا تدریجی طور پر انکشاف کر رہی ہے،

نگرانی کا جدید اقدام

علاوہ ازیں ایک اور بات قابل غور ہے جس کی طرف بین نے سلسلہ کلام میں اشارہ کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمرؓ نہر سال موسم حج کے موقع پر اسلامی قلمرو کے مختلف گورنروں اور ان کے باشندوں سے ملاقاتیں کرتے تھے۔ گورنروں سے رعایا کے بارے میں اور رعایا سے گورنروں کے متعلق ان کے افکار و خیالات سنتے تھے اور تفصیلی باتیں کرتے تھے، یہ طریقہ آپ نے مقرر کر لیا تھا اور سب سے اپنی خلافت کے پہلے سال کے زندگی بھر اس پر عمل کرتے رہے، اگر حضرت عمرؓ کی زندگی کے اس کچھ بڑھ جاتے تو بہت ممکن تھا کہ گورنروں اور رعایا کا یہ اجتماع آپ کی فراست بصیرت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر ایک مستقل نظام کی شکل میں تبدیل ہو جاتا۔ جو اگر وہ پارلیمنٹری نظام نہ ہوتا جو قدامتاً جانتے تھے اور جسے عصر جدید نے تلاش کیا ہے تو اس کے قریب تر ضرور ہو جاتا حضرت عمرؓ اس موسمی اجتماع پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ جس قدر مزید چھان بین بھی آپ سے ممکن تھی کرتے تھے، مدینہ منورہ اور اس کے قرب و جوار میں تو خود ہی تحقیق و تلاش کر لیتے۔ اور اور دور دراز کے مقامات کے لئے اپنے عمال اور اپنے سیکرٹری وقتاً فوقتاً بھیجتے رہتے علاوہ ازیں وہ رپورٹیں بھی آپ کے پیش نظر ہوتیں جو لوگوں کے معاملات سے متعلق کبھی گورنروں کے ذریعے اور کبھی رعایا کے ذریعے آپ تک پہنچتی رہیں۔ اس پر بھی زندگی کے آخری دنوں میں آپ سوچ رہے تھے کہ تمام صوبوں کا احتسابی معائنہ کرنے کے لئے ایک دورہ کریں، چنانچہ گفتگو میں اظہار فرماتے تھے کہ اگر زندگی نے وفا کی تو ہر شہر

میں دو ماہ رہ کر دیکھوں گا کہ گورنر کس طرح کام کرتے ہیں اور ان کے کاموں سے رعایا کی رضامندی کا کیا حال ہے، لیکن موت نے موقع نہ دیا اور آپ کے قبر میں اترتے ہی مسلمانوں کی سیاست دوسرے رخ پر چل پڑی

اقدار کے خلاف حضرت عمر کی جنگ

شاید اس بحث کا حق ادا نہ ہوگا اگر ہم حضرت عمر کے اس طرز عمل پر روشنی نہ ڈالیں جو ممتاز صحابہ کے ساتھ آپ نے ضروری قرار دیا تھا۔ اس سے پہلے ہم نے بتایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت نہیں دی تاکہ نہ ان پر کوئی مصیبت آئے اور نہ ان کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے، حضرت عمرؓ کی یہ سیاست نہایت کامیاب سیاست تھی، اور کیوں نہ ہم آج کی زبان میں حقیقت کا اظہار کریں، اور چیزوں کی تعبیر ان کے اصلی ناموں سے کریں اور کہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو مدینہ منورہ میں اس لئے روک رکھا کہ کہیں ان کے اثرات عوام میں نہ بڑھ جائیں عوام میں ان کے اثر و رسوخ کا بڑھنا خود ان کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے کسی طرح مفید نہ تھا، چنانچہ جب تک حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ منورہ میں روک رکھا اور ان کی نقل و حرکت کا دائرہ محدود رہا، مسلمانوں کے معاملات اور خود اس ممتاز طبقے کے حالات ٹھیک رہے، لیکن جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور ان کے لئے نقل و حرکت کا راستہ صاف ہوا تو فتنہ و فساد نے پوری فضا گرد آلود کر دی اس لئے ہمیں کہ صحابہؓ کے اس طبقے نے قصداً کوئی خرابی پیدا کی بلکہ اس لئے کہ ایک طرف تو ان کے پاس دولت کی فراوانی ہوئی جس نے حامیوں کی زبردست جماعت پیدا کر دی اور دوسری طرف عوام فرط عقیدت سے ان کی طرف جھک پڑے چنانچہ ان میں سے ہر ایک کے پاس حامیوں اور ساتھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جمع ہو گئی، حضرت عمرؓ نے کبھی یہ گوارا نہیں کیا۔ کہ مسلمانوں کے مال میں سے بطور صلہ یا اپنی عنایت یا دل جوئی کی بنا پر لوگوں کو عطیات

وہیں ان کا طریق کار یہ تھا کہ وہ عام مسلمانوں اور صحابہؓ دونوں کے لئے یکساں طور پر ایک مقررہ رقم عطیہ کرتے تھے، اور کاروبار کی اجازت دیتے تھے جس طرح خدانے دی ہے، لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے صحابہؓ کو نہ صرف مختلف مقامات پر سفر کرنے اور قیام کی اجازت دیدی بلکہ ان کو بیت المال سے گراں قدر صلوات والعمات بھی دیتے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک دن حضرت زبیرؓ کو چھ لاکھ اور حضرت طلحہؓ کو دو لاکھ کا عطیہ دیا۔ کسی جماعت کو بھی اگر اس طرح دولت ملنے لگے اور پھر اس کے لئے موقع ہو کہ وہ ملک کے مختلف حصوں میں زمینیں خریدے، شہروں میں مکانات بنوائے، حجاز میں بڑے بڑے محل تعمیر کرے، ہر جگہ اپنے خادموں، حامیوں اور ہوا خواہوں کی تعداد بڑھائے تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس پر فتنہ و فساد کے دروازے کھول دیئے گئے اب ان دروازوں میں داخل ہونے سے رکے رہنا دشوار اور دشوار تر ہوگا۔ ہاں رکنے والے رکے، چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ نے کنہرہ کشتی اختیار کر لی، جن دنوں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی، وہ گوشہ نشین رہے، عبدالرحمن بن عوفؓ رکے رہے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب پر ان کو ندامت وہی اور یہ کہ وہ بقیہ ایام دارالہجرہ ہی میں اپنے تجارتی کاروبار میں مصروف رہے اور اپنی بچت کا کافی حصہ اسی طرح خیرات کرتے رہے جس طرح رسول اللہؐ اور شیخینؓ کے عہد میں کیا کرتے تھے، حضرت علیؓ رکے رہے چنانچہ ہمیں نہیں معلوم کہ آپ نے کوئی تجارت کی یا کہیں کوئی زمین خریدی یا مکان لیا۔ آپ مدینہ میں اسی جگہ مقیم رہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو رکھا تھا ہاں بیچ میں آپ کی کچھ جائیداد تھی جہاں کبھی کبھی آپ جایا کرتے تھے، لیکن حضرت علیؓ سے متعلق ایک اور بات ہے جو کہی جاتی ہے، کیا باع نحر

ان تمام باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس ممتاز طبقے کو اور عام مسلمانوں کو اس مصیبت سے بچایا جو اثر و اقتدار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور ان سمجھوں کو ان کے دین پر قائم رکھا اور خود ان کے اور فتنہ و فساد کے درمیان دیوار بنے رہے اور خاصانِ رسولؐ میں سے ایک مجلس مرتب کی جسے آپ کی مجلسِ شوریٰ کہا جاسکتا ہے اور اگر

کچھ دتوں آپؐ اور زندہ رہتے تو انہیں مجبور کرتے کہ وہ اپنے اسی درجے پر قناعت کریں اور خلق کے لئے مشیروں کی طرح ارباب حل و عقد بننے تفصیلی احکام میں مداخلت سے بلند و بالا رہیں،

نظامِ شوریٰ

ایک دوسری بات یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو محسوس ہو گیا کہ وہ دنیا سے سفر کرنے والے ہیں تو انہوں نے رسولؐ کی اتباع میں کسی شخص کو خلیفہ نہیں بنایا اور صدیق اکبرؓ کی اتباع میں مسلمانوں کو بلا مشورہ اور نصیحت بھی نہیں چھوڑا، چنانچہ آپؐ نے صحابہ شوریٰ کو پسند کیا، جن کا نبیؐ کے دربار میں منقرہ درجہ ہے، جن کو ہاجرین اور قریش کی سرداری حاصل تھی جن کو عام مسلمانوں کی رضامندی اور اعتماد حاصل تھا، پھر عام مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ ان میں سے جن کو چاہیں اپنے لئے خلیفہ پسند کر لیں

آگے چل کر آپؐ کو معلوم ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے جو نظامِ شوریٰ وضع کیا وہ کافی نہ تھا اور اس پر قناعت کی جاسکتی تھی لیکن توجہ اور اہمیت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب اور اختیار میں شوریٰ کو اصل قرار دیا اور یہ کوئی معمولی اقدام نہ تھا پھر یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ یہ کام حضرت عمرؓ اس وقت کر رہے تھے جب آپؐ کا جسم قاتل کے حجر سے زخمی تھا آپؐ دنیا چھوڑ کر سفرِ آخرت کی تیاری کر رہے تھے، اس وقت آپؐ پر وہ سب کچھ گزر رہا تھا جو موت سے قریب مجروح انسان پر گزرتا ہے، پھر آپؐ کا دل خدا کے خوف اور اپنے چھوٹے بڑے اعمال کی حساب دہی کی ہیبت سے بیدار اور باخبر تھا اس وقت آپؐ فکر میں تھے کہ اپنا کچھ انتظام کریں اور گھر والوں کا بھی بندوبست ہو، گھر والوں کا بندوبست یہ کہ ان کو ان ذمہ داریوں سے دور رکھیں جو خود اپنے سر لے رکھی تھیں اور اپنا انتظام یہ کہ خدا سے اس حالت میں ملیں کہ مسلمانوں کے مال میں سے ایک پائی کی ذمہ داری بھی ان کے سر نہ ہو اور ان سب اذکار سے بڑھ کر آپؐ کو اپنی قبر کا خیال تھا آپؐ کی آرزو

تھی کہ اپنے ذولوں ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہوں اور اس کے لئے حضرت عائشہؓ کی اجازت ضروری تھی چنانچہ بے تابی تھی کہ مرنے سے پہلے حضرت عائشہؓ کی اجازت حاصل ہو جائے اور مطمئن ہو جائیں کہ عبداللہؓ (ابن عمرؓ) وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کے گھر میں دفن کر سکیں گے ان تمام افکار کی موجودگی میں حضرت عمرؓ نے شوریٰ کا ایک نظام سوچا اور اس میں اپنے بس بھرا احتیاط اور دوراندیشی ملحوظ رکھی،

حضرت عمرؓ کی وفات اور ایک خلیفہ کے منتخب ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اس نظام شوریٰ پر غور کرتے اور ایک مستحکم بنیاد پر اس کا قیام اس طرح عمل میں لاتے کہ مسلمانوں میں نہ تو تفریق ہوتی اور نہ ان کا خلیفہ تیزی کے ساتھ حوادث اور آویزش کا شکار ہوتا لیکن حیرت کی بات ہے کہ مسلمانوں نے یہ کچھ نہ کیا اور حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی عطیات میں اضافہ کر دیا جو پابندیاں حضرت عمرؓ نے صحابہؓ پر لگا رکھی تھیں انہیں اٹھا دیا اور اجازت دیدی کہ جس کا جہاں جی چاہے جا کر آباد ہو اور اس کا بھی موقع دیدیا کہ لوگ اپنی دولت اور گروہ بڑھائیں،

اوپر کی سطروں میں جو کچھ میں نے عرض کیا ناظرین اسے ایک طویل داستان کہیں گے لیکن میرے خیال میں یہ بہت مختصر ہے بہر حال طویل ہو یا مختصر، وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے عہد کے فتنوں پر گفتگو کی تمہید ہے، اور اس میں کھلی ہوئی شہادت اس بات کی ہے کہ جو حوادث پیش آئے اور وہ جن نتائج تک پہنچے وہ ان اشخاص اور افراد کے بس سے باہر تھے جنہوں نے دور نزدیک سے اس میں کم و بیش حصہ لیا۔ اور اس لئے انہیں ملزم قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ملامت کی جاسکتی ہے البتہ ماحول اور حالات پر، اگر عقل اجازت دے تو الزام لگایا جاسکتا ہے

عبداللہ

حضرت عثمانؓ کی خلافت سے پہلے

حضرت عثمانؓ کی زندگی کے ابتدائی حالات بعض دوسرے صحابہؓ کی طرح عہد جاہلیت کی تاریکی میں ہیں اور تاریخ کی گرفت سے باہر، اسلام نے نہ صرف ان حضرات کی زندگیوں کو دلوں کو اور ان کی عقلوں کو ایک نئی مخلوق بنا دیا تھا بلکہ اس نے ان کی تاریخ کو بھی از سر نو جنم دیا تھا چنانچہ حضرت عثمانؓ کی اسلام سے پہلے کی زندگی اس طرح ختم ہے جیسے وہ اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ واقعہ فیل کے سات سال بعد پیدا ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت طائف میں ہوئی، شاید آپ کی ابتدائی تاریخ سے متعلق یہ غیر مستند روایات ہیں ان اختلافات کے صحیح ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں لوگ متفق نہ تھے کوئی ۵۷ بتاتا تھا کوئی ۸۸ اور ۹۰ کہتا تھا کسی کے خیال میں اس وقت آپ کی عمر ۸۲ — ۸۳ — ۸۶ برس کی تھی اگر آپ کی پیدائش کی ٹھیک تاریخ لوگوں کو معلوم ہوتی تو اتنا اختلاف ہرگز نہ ہوتا اور یہ موقع تو ہرگز نہ ملتا کہ کوئی صاحب آپ کو ۶۳ ہی برس کا بتا دیتے محض اس خیال سے کہ اس طرح حضرت عثمانؓ کا شمار بھی ۶۳ سال کی عمر میں خدا کی رحمت کو پہنچنے والوں میں ہو جائے اور ان کو رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور باخلاف نحیف حضرت عمرؓ کا ہم عمر بنا دیا جائے،

حضرت عثمانؓ کی دور جاہلیت کی زندگی میں سے رادلوں کے پاس صرف آپ کا نسب نامہ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ آپ ابن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ابن قصی ہیں، یعنی آپ کا نسب باپ کی طرف سے عبد مناف میں رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے لیکن ماں کی طرف سے یہ تعلق اور بھی قریب ہو جاتا ہے اس لئے کہ آپ کی والدہ اردی بنت کریز ہیں جن کی والدہ عبدالمطلب کی بیٹی بیضا اُم حکیم ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ اردی رسول اللہ ﷺ کی چچی کی لڑکی ہیں، پھر یہیں

ان ہی رشتوں کی بنا پر اموی، حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف تھے اور

حضرت علیؓ کو مطعون کرتے تھے کہ اپنے طرز عمل سے انھوں نے اپنے چچا اور چچی کے لڑکے کو ذلیل کیا، حضرت عثمانؓ کا حضرت علیؓ کی چچی کا لڑکا ہونا تو آپ کو معلوم ہو چکا، اب رہا چچا کا لڑکا ہونا تو وہ اس طرح کہ حضرت عثمانؓ عبدالمطلب کے لڑکوں کے ساتھ عید منات سے مل جاتے ہیں جو ہاشمیوں کے ہدمجدناشم اور امویوں کے جد اعلیٰ عبدشمس کے باپ ہیں، یہ عثمان اور ان کے باپ اور بنو امیہ کا خاندان بلکہ عبدشمس کا سارا کنبہ اور قریش کی اکثریت تجارت پیشہ تھی ان سب کا تجارتی تعلق شام سے تھا عثمان ایک تجارتی سفر کے دوران میں انتقال کر گئے اور اپنے لڑکے کے لئے بہت کچھ مال و دولت ترکے میں چھوڑ گئے، حضرت عثمانؓ باپ اور قبیلے کے نقش قدم پر چل کر کامیاب کاروباری ہوتے، اور کافی دولت پیدا کی،

ایک دن جب وہ شام کے سفر سے واپس آچکے تھے اُس نئی تحریک کا کچھ حال سنا جس کی طرف اللہ کے رسولؐ نے دعوت دینا شروع کر دی تھی، گھر والوں سے آپ نے اس سلسلے میں جو کچھ سنا اصحابِ سیر اور محدثین اس کو ایک طویل روایت میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ آپ کی خالہ سعدی نے نبی کریمؐ کے متعلق آپ سے کچھ باتیں کہیں اور آپ کو غبت بھی دلائی، یہ کاہنہ تھیں، اور غیب کی باتیں بتاتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ شام کے سفر سے جب آپ طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ واپس آ رہے تھے تو راستے ہی میں آپ اللہ کے رسولؐ سے بانہر کر دیتے گئے تھے، آپ خواب اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھے، کہ ایک منادی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ مکہ میں احمدؓ کا ظہور ہوا۔ پھر جب آپ مکہ پہنچے اور آپ کو واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ کے دل پر اس کا خاص اثر ہوا اور جس بات پر تمام راویوں کا اتفاق ہے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ سے ملے، دونوں کی باہم گفتگو ہوئی، صدیق اکبرؓ نے اسلام کی دعوت پیش کی، حضرت عثمانؓ کچھ مائل سے ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اللہ کے رسولؐ نے نصیحت فرمائی اور اسلام پیش کیا، حضرت عثمانؓ نے قبول کر لیا، اور اس مجلس سے مسلمان ہو کر اٹھے کہا جاتا ہے کہ حضرت طلحہؓ بھی اسی مجلس میں مشرف باسلام ہوئے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دونوں حضرات زبیر بن العوامؓ کے بعد اسلام لائے بہر حال حضرت عثمانؓ اسلام کے سابقین

میں ہیں، ان چودہ صحابہؓ میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور آپ کا اسلام دارالارقم میں نبی کریم ﷺ کے قیام سے قبل کا اسلام ہے۔

پھر نبیؐ کی صاحبزادی رقیہؓ سے آپ کا عقد ہوا، اور آپ دربار نبوتؐ میں زیادہ سے زیادہ مقرب ہوئے، اس کے بعد آپ پر بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح آزمائش اور ابتلا کا دور آیا، کہتے ہیں کہ آپ کے چچا حکم بن العاص کو جب آپ کے اسلام لانے کا علم ہوا تو انہوں نے آپ پر بڑی سختی کی، حدیث کہ آپ کو رسی سے باندھ دیا اور قسم کھالی کہ جب تک عثمانؓ اپنے باپ دادا کے دین پر نہیں آجائے گا میں اسے نہیں کھولوں گا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کا استقلال اور اسلام پر ان کی ثابت قدمی دیکھ کر معاملہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا، اسی طرح کہا جاتا ہے کہ جب آپ کی والدہ کو آپ کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع ہوئی تو سخت ناراض ہوئیں اور اپنی انتہائی سبزاری اور ناگواری کا اظہار کیا، لیکن جب ان ناگواریوں کا نتیجہ کچھ نہ نکلا تو وہ بھی باز آگئیں، اس کے بعد جب آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی تو حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہ سمیت ہجرت کر گئے پھر واپس آئے لیکن دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے جب مدینہ منورہ کو دارالسلام بنالیا تو حضرت عثمانؓ مدینہ ہجرت کر گئے پھر جب اللہ کے رسولؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ غزوہ بدر کے لئے نکلے تو حضرت عثمانؓ اپنی زوجہ رقیہؓ کی وجہ سے آپ کا ساتھ نہ دے سکے اور ان کی تیمارداری میں مصروف رہے جب اللہ نے بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو فتح دی تو آنحضرتؐ نے مال غنیمت میں حضرت عثمانؓ کا حصہ لگایا۔ اور ان کو شریک ہونے والوں میں شمار کیا، بعد ازاں رقیہؓ کا انتقال ہو گیا جس کا حضرت عثمانؓ کو انتہائی ملال رہا۔ اس لئے کہ اس کے بعد دامادی کا رشتہ ٹوٹ گیا، لیکن آنحضرتؐ نے رقیہؓ کی بہن اُم کلثومؓ سے آپ کا نکاح کر دیا ہر چند کہ وہ بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں اور انتقال کر گئیں۔

سیرت نگار، روایتوں میں بتاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ہمارے پاس کوئی ادا لڑکی ہوتی تو ہم عثمانؓ سے اس کا عقد کر دیتے، حضرت رقیہؓ سے حضرت عثمانؓ کے صرف ایک لڑکا پیدا ہوا تھا۔ لیکن وہ ابھی اپنی عمر کی ساتویں منزل تک ہی پہنچا تھا، کہ اللہ کی

رحمت نے اسے دنیا سے اٹھا لیا۔ اگر آپ کے صاحبزادے بعد اللہ زندہ رہتے تو ان کی اور ان کے باپ کی بات ہی اور ہوتی پھر تو ان کا معاملہ حضرت فاطمہ کے دونوں لڑکوں حسنؓ اور حسینؓ کے معاملے سے کچھ الگ نہ ہوتا، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت عثمانؓ احد کی لڑائی میں آنحضرتؐ کے ساتھ ضرور تھے لیکن وہ اس اقلیت کا ساتھ نہ دے سکے جو آنحضرتؐ کے ساتھ آخر تک جی رہی بلکہ اس اکثریت کے ساتھ جو میدان چھوڑ کر چلی آئی تھی واپس آگئے لیکن اللہ نے اس اکثریت کو معاف کر دیا اور کہا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ

التَّيْنِ الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

جولوگ تم میں سے زاحد کے دن، جب کہ

مومنوں اور کافروں کی دو جماعتیں ایک

دوسرے سے گتھ گتھیں جنگ سے بھاگ

گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان

نے ان کو پھسلا دیا مگر خدا نے ان کا

قصور معاف کر دیا، بیشک خدا بخشنے

والا بردبار ہے

اس کے بعد والے تمام غزوات میں حضرت عثمانؓ اسی طرح شریک رہے جیسے بڑے بڑے صحابہؓ لیکن حضرت عثمانؓ کا یہ امتیاز ہے کہ وہ فیاض اور دریا دل تھے اللہ کی راہ میں انھوں نے اپنی دولت جس طرح خرچ کی اس کی مثال دوسرے دولت مند مسلمانوں میں نہیں، جو کچھ انھوں نے کیا اس وقت کے بڑے سے بڑے متمول مسلمان نہ کر سکے، انھوں نے ہزاروں کے خرچ سے پیروں خریدے اور اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے عام کر دیا، آنحضرتؐ نے جنت میں ان کو اس سے بہتر عطیہ دینے کا وعدہ کیا پھر حبیب تنوک کی لڑائی پیش آئی، اور فقر و قافہ کا زمانہ تھا، خدا کے رسولؐ نے اللہ کی راہ میں امداد کی اپیل کی تو حضرت عثمانؓ نے فوج کی تیاری کا خرچ اپنے ذمہ لیا، چنانچہ روایات ہی میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار کی تھیلی اپنے ساتھ لائے اور آنحضرتؐ کی گود میں رکھ دی جس کو آپ نے فوج کی تیاری پر صرف کیا اور حضرت عثمانؓ کے لئے دعا کی کہ ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوں اور ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

حضرت عثمانؓ انسانوں کے لئے نہایت نیک اور مسلمانوں کے لئے انتہائی ہمدرد تھے، سوز و گم و غم اور رشتہ داروں کے غیر معمولی غم خوار تھے، وہ بیدستی منکر المزاج اور حلیم الطبع تھے، محدثین اور سیرت نگاروں کی روایات کے مطابق آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی جس فضیلت کو امتیازی درجہ دیا ہے وہ سچی شرم اور سنجیدگی ہے اللہ کے رسولؐ فرمایا کرتے تھے کہ عثمانؓ سے تو ملائکہ شرم کرتے ہیں آنحضرتؐ اپنے صحابہؓ سے بلا تکلف ملا کرتے تھے، لیکن جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ عثمانؓ آ رہے ہیں تو پھلا ہنمام فرماتے تھے اور ارشاد کرتے کہ ہم ایک ایسے شخص سے کیوں نہ شرم کریں جس سے خود ملائکہ شرماتے ہیں، آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس اہتمام کا سبب بھی بیان فرماتے تھے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو حضرت عثمانؓ تھوڑی دیر بھی دہاں نہ ٹھہر سکیں گے اور پھر نہ اپنی ضرورت پیش کر سکیں گے اور نہ کوئی گفتگو، حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر اسی خیال کے پیش نظر بھیجا کہ نبی ایتہ اور قریش کی نگاہوں میں آپ محترم اور معزز تھے علاوہ ازیں آپ میں نرمی، وسعت ظرف اور حسن اخلاق تھا جس کی ضرورت تھی، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ دعا کی تو آپ نے جہاد اور نصرت کے لئے بیعت لی۔ قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی،

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ
اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ
نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ
وَمَنْ أَدَّىٰ بِعَاقِبَتِهِ فُلُوقًا فَإِلَىٰ
رَبِّهِ أَجْرًا عَظِيمًا

جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ
خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ
ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو
توڑے تو عہد کو توڑنے کا نقصان
اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا
اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا
کرے تو وہ اس کو عنقریب اجر
عظیم دے گا۔

آنحضرتؐ نے اپنے ایک ہاتھ سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت کی اصحاب سیر اور محدثین نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، جن میں صحیح بھی ہیں اور ان کی صحت محتاج بیان نہیں

اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ شاید میں نہ آسکوں اس لئے جو کچھ میرے دل میں تھا وہ تم نے پہلے ہی لکھ دیا اور تمہیں اس کا حق بھی ہے پھر جب حضرت عمرؓ کے لئے بیعت شروع ہوتی تو سب سے پہلے حضرت عثمان نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور خلیفۃ المسلمین کے ساتھ مشورے اخلاص اور خیر خواہی کی باتیں کیں، اس کے بعد جب فاروق اعظمؓ حجاز سے زخمی ہوئے اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر لوگوں نے آپ سے خواہش کی کہ آپ اپنی طرف سے کسی کو نامزد فرمادیں تو آپ نے اسے انکار کیا لیکن مسلمانوں کو بلا مشورہ رکھنا بھی پسند نہیں فرمایا چنانچہ اس کے لئے ایک مجلس شوریٰ کی تجویز پیش کی اور یہ مجلس ان چھ افراد میں محدود کر دی جن سے آنحضرتؐ خوش تھے اور دنیا سے حلت فرمانے تک خوش تھے آپ نے اس مجلس میں اپنے چچا کے لڑکے سعید بن زید بن نفیل کو نہیں رکھا حالانکہ وہ ان دس صحابہؓ میں سے ایک ہیں جن کے لئے جنت کی ضمانت خود اللہ کے رسول ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے یہ مناسب نہیں جانا کہ خلافت خاندان عدی میں دو مرتبہ آئے، حضرت عمرؓ نے تو ان کو مجلس میں حاضری کی بھی اجازت نہیں دی، مبادا مجلس شوریٰ کے کسی رکن پر سعید سے آنحضرتؐ کی خوشنودی کا اثر پڑے، یا عمرؓ کا رشتہ کسی کو متاثر کر دے، ہاں اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو مجلس میں حاضری کی اجازت دی، لیکن شرکت اجلاس کے سوا انہیں کسی بات کا حق نہ تھا اس لئے کہ اول تو آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ خطاب کی اولاد میں سے دو خلیفہ ہوں دوسرے یہ کہ آپ اپنے لڑکے کو بار خلافت کے لئے کمزور پاتے تھے،

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کچھ دنوں اور زندہ رہتے اور حضرت عمرؓ کی طرح آپ کو یہ موقع ملتا کہ فتوحات کا سلسلہ جاری رہے، حکومت میں ترقی ہے، حکومت کے معاملات اور اس کی مصلحتوں میں الجھاؤ بڑھتا جا رہا ہے، اور مسلمان روزانہ نئے نئے حالات اور نئے نئے انقلابات سے دوچار ہو رہے ہیں، خطرناک اور اہم مسائل اور مشکلات کا ایک سلسلہ جاری ہے جو کہیں سیاست کہیں انتظام اور کہیں دین کے حقائق کی حفاظت کی شکل میں سامنے آ رہا ہے، بلاشبہ اگر حضرت ابو بکرؓ زندہ ہوتے اور جو کچھ حضرت عمرؓ کی آنکھوں نے دیکھا اس کو دیکھتے تو آپ کا نقطہ نظر اور طرز عمل وہی ہوتا جو حضرت عمرؓ کا تھا، آپ بھی فاروق اعظمؓ کی طرح کسی کو نامزد کرنے اور نہ کرنے میں تردد فرماتے اور آپ بھی کم و بیش اسی کے مشابہ کوئی نظم تجویز کرنے جو حضرت عمرؓ نے پیش کیا۔

آپ تو دنیا سے اس وقت گتے جب مسلمان تقریباً عہد نبوی کی سی حالت میں تھے۔ آپ نے اتراد کا شکار ہو جانے والے عربوں کو اسلام کا حلقہ بگوش کر کے بیرونی ممالک میں بھیج دیا۔ فتوحات کا آغاز ہو چکا تھا لیکن بات ابھی بہت آگے نہیں بڑھی تھی مگر فاروق اعظمؓ کے دور میں مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں ایک جگہ ماحول پارہے تھے، فتوحات کی طرف رخ کیا تو بڑھتے ہی چلے گئے، اتنے بڑھے کہ مصر، شام اور جزیرے سے رومیوں کو نکال باہر کیا، ایران کی سرزمین میں پہنچے تو فارسی اقتدار کی بنیاد ڈھا دی، اور ان ممالک کے اکثر و بیشتر حصوں پر قابض ہو گئے پھر فتوحات کی مصلحت نے مزید پیش قدمی پر مجبور کیا اور مسلمانوں نے بحر ابیض کے مشرقی ساحل سے رومیوں کو نکال دیا تاکہ ان کے اور اپنے درمیان ایک اطمینان بخش حد حاصل بنالیں بلکہ قسطنطنیہ تک پہنچ کر روم کے بادشاہ کا حاکم کر دیں جس طرح فارس میں کیا اور پھر ایران میں فتوحات کی تکمیل کر کے اپنی حکومت کے حدود مشرق میں اس آخری حد تک پھیلا دیں جہاں تک فوج کے پہنچنے کا امکان ہو اس مقصد کا تھا تھا کہ مسلمانوں کی ایک مستقل حربی سیاست ہو جس میں تنظیم کے ساتھ ایسی صلاحیت ہو کہ وہ دنیا میں پھیلے اور فتوحات کا سلسلہ زمین کے گوشوں تک پہنچا دے اس قسم کی مسلسل اور پیہم فتح کے لئے اس کے مستقل اسباب کی فراہمی ضروری تھی، یعنی ایسی فوج جو صورت مقررہ مقاصد کے لئے پیش قدمی کرے پھر اس فوج کی ترتیب اسی بدوی مزاج عناصر سے ہوئی تھی جو بعد کے باقاعدہ اور منظم جنگ کے طریقوں سے نا آشنا تھے، کسی تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ ان کے بس کی بات نہ تھی، اور وہ بھی ایک ایسی سرزمین پر جس کا انہیں کچھ تپہ نہ تھا نہ تجربہ، وہ تو غارت گری سے واقف تھے اور لوٹ مار کرنا خوب جانتے تھے،

اسلامی فتوحات کی تاریخ ہم پڑھتے ہیں تو ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے اور ہم عربوں کی قوت ان کی تیزی اور ان کے عزم پر دنگ ہو جاتے ہیں، پھر بحث و تمحیص، تجزیہ و تحلیل کے ذریعے دلوں میں سکون پیدا کرتے ہیں، چنانچہ ان تمام فتوحات اور انقلابات کو اس وعدہ کا ایسا خیال کرتے ہیں جو مسلمانوں سے خدا نے قرآن مجید میں کیا ہے اس ایمان کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کے دل معمور تھے اور جس نے مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کو اس طرح آمادہ کر دیا تھا کہ ان کے دل خدا پر اعتماد سے لیریز تھے اور کئی اطمینان تھا کہ اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور انہیں ہر محاذ پر فتح و نصرت نصیب ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ سب باتیں بالکل سچ اور حق ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمان فتوحات کے میدان میں وہ قوی ایمان لیکر نکلے جو راہ کی دشواریوں اور مشکلات پر غالب آگیا، لیکن ہر بات کے کچھ اسباب اور مسائل ہوتے ہیں اور یہ اسباب و مسائل بنتے ہیں کوششوں سے، بہت سی تدبیروں اور ٹیموں سے نیز غور و فکر پر عملی اقدامات سے جن سے منتشر اور متفرق دل پہلے تو ایک ہو سکیں پھر اپنے ملک سے دور باہر کے معرکوں میں کود پڑیں اور ایک دوسری منظم قوت سے ٹکرا جائیں پس حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جو منظم اور جرات شکر تیار کیا اور جسکو دنیائے قدیم کے حصوں میں بھی بھیجا یہ کوئی معمولی مشکل اور آسان بات نہ تھی کہ اس لشکر کو معرکوں اور فتوحات کے بعد اس کے پڑاؤ پر مسلسل برسوں روکا جاسکے جب کہ ہم جانتے ہیں کہ پرانی لڑائیوں اور حملوں میں عربوں کی عادت کیا رہی ہے وہ تو لڑتے ہی اس لئے تھے کہ غالب آجائیں اور مال غنیمت لے کر فوراً اپنے گھروں کو واپس ہوں تاکہ اس لوٹی ہوئی دولت سے کچھ دن امن چین سے گذاریں، لیکن ایسی لڑائی جس کے آغاز کا پتہ ہو لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کب ختم ہوگی، اور کہاں ختم ہوگی؟ پھر یہ کہ وہ عہد جاہلیت کی لڑائیوں بلکہ غزوات نبویؐ کی طرح کی بھی نہ ہو نہ ارتداد کے زمانہ کی لڑائیوں سے میل کھاتی ہو، ایسی لڑائی بلاشبہ جدوجہد کا وہ کارنامہ ہے جس کا تصور کرنا بھی دشوار ہے حضرت عمرؓ ان کے رفتار اور سپہ سالاروں نے شکوک اور تذبذب سے بند ہو کر دانش مندی کے ساتھ اقدام کئے اور انہیں کامیابی کی توفیق ملی، آپ اندازہ کیجئے بڑے بڑے شہر آباد کرنا، ان میں فوجیں ٹھہرانا، پھر باری باری سے فوجیوں کی واپسی کی تنظیم برقرار رکھنا مزید براں یہ بھی ملحوظ رکھتے کہ یہ فوجیں ان ہی بدوی عربوں سے مرتب کی گئی تھیں جو نہ تہذیبیے مانوس تھے نہ تمدن کے خوگر، ان باتوں کا صحیح اندازہ لگانے پر آپ ان اہم جنگی مشکلات کا احساس کر سکیں گے جن سے اپنا دامن بچا کر حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی آگے نکل گئے۔

اسی طرح ہم اسلامی تاریخ میں دقاتر کے قیام کی کارروائی پڑھتے ہیں تو تعجب اور خوشی کی لہروں میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس مقام پر رک جائیں اور اس حقیقت کا پتہ چلائیں کہ یہ چھوٹا سا لفظ دیوان یعنی دفتر جس وقت نظر کے ساتھ میدان جنگ کے مجاہدوں اور فداکاروں سے منعلق اعداد و شمار بتا رہے ان کے قبیلوں کی ان کے مقامات سکونت کی تفصیل کرتا ہے ایسی اہمیت اور تاریکی کے ساتھ ان کے خاندان اور قبیلے کے ان لوگوں کے اعداد و شمار اور تفصیلاً

بھی پیش کرتا ہے جو ان کی معاشی کفالت میں تھے یا ان کی طرف سے حکومت ان کی ذمہ دار تھی۔ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ عربوں کی بدوی زندگی میں حساب کتاب اور اعداد و شمار ایک ایسی اہم حدت ہے کہ جس کی مثال ان کی پہلی زندگی میں نہیں ملتی اور یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے کہ ہم سرسری طور پر اس سے گذر جائیں جب ہم اس لشکر کو میدان جنگ میں دیکھتے ہیں یا روم و فارس کی بڑی بڑی لڑائیوں کے بعد اس کو شہروں میں مقیم پاتے ہیں اور اس دلکش نظام پر غور کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ نے اپنے مشاورین کی رائے اور مشورہ سے تیار کیا تھا جس کی رو سے کوئی فوجی چھ ماہ سے زیادہ اپنے اہل و عیال سے دور لڑائی پر نہیں رہ سکتا تھا تو ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ خلیفہ اور اس کے معاونین کو جنگی سیاسی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے کتنی زبردست معنوی اور مادی کوششوں کی ضرورت تھی اور پھر یہ سیاسی مشکلات ہی تھیں خلیفہ اور اس کے مشاورین کی مشغولیت کا باعث نہ تھیں۔ انتظامی معاملات کی پیچیدگیاں بھی ان کے لئے کچھ کم اور معمولی نہ تھیں اس لئے کہ یہ ممالک جو مسلمانوں نے فتح کئے پہلے ہی سے اپنا ایک تمدن اور تہذیب رکھتے تھے ان کا اپنا ایک مانوس نظم و آئین تھا، جدا جدا ملک تھے، اس لئے ان کے نظام بھی ایک دوسرے سے الگ تھے ان تمام ممالک میں آئین کا اجراء ضروری تھا جس طرح فتح ہونے سے پہلے وہ زیر نظام تھے، اسلامی فتح تخریب و تباہی کی نہیں تعبیر و ترقی کی فتح تھی، اور یہ ممکن نہ تھا کہ عرب بیک بیک پختہ کار منتظم اور مشاق سیاست دان بن جائیں اور اتنے قوی بھی کہ مفتوحین کی شرارتوں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں اپنی جان مال اور اسباب کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر مفتوحین کی جان و مال اور مصالح کی بھی حفاظت کر سکیں اور ان سے اس قدر وصول بھی کر سکیں کہ ایک طرف قیام امن پر قادر ہوں اور دوسری طرف جنگ بھی جاری رکھیں اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرتے رہیں۔ ان حالات کے پیش نظر ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ان دفاتر اور انتظامات کو باقی رکھتے جو فتح کے وقت ان کو ملے تھے اور ان کی نہایت شدت کے ساتھ مسلسل نگرانی کرتے، ایسی نگرانی جو ان کو مخالفانہ حملے کا شکار ہو جانے یا ابتلائے فریب ہو جانے سے بچاتی اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی معمولی نہیں۔

پھر عربی ممالک کے بجائے خود چند در چند مشکلات کا گہوارہ تھے، بلیقہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر حکومت کے لئے جو اتباع و اطاعت کی عادی نہ سی نہایت حکیمانہ مسلک

اختیار کرے، قوم کے نوجوانوں اور طاقت رکھنے والے افراد کو زیر کر کے ان کو دور دراز مقامات پر بھیج دے جہاں سے وہ واپس آئیں اور شاید نہ بھی آسکیں، ہم عام فوجی تیاری اور بھرتی کے حالات سرسری طور پر پڑھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں لیکن ہماری نظر اس تیاری اور بھرتی کی گہرائیوں اور اس کی مشکلات تک نہیں پہنچتی، ہم اس کا بھی اندازہ نہیں لگاتے کہ جدید قوموں کے پاس اس سلسلے میں مقررہ اور مرتبہ دستور العمل ہیں جو کسی فوری تقاضے کی پیداوار نہیں، بلکہ پوری قابلیت اور کمال مہارت سے بناتے گئے ہیں، دقیق تجربہ اور طویل مشق پر اس کی بنیاد ہے، پھر کہاں وہ بدوی قوم جس کا بڑی بڑی لڑائیوں میں نہ کوئی مقررہ طریقہ نہ جس کا باقاعدہ فوجی بھرتی اور تیاری سے کبھی کا واسطہ یہ تو اس کا پہلا اقدام ہے جس کے پیچھے نہ کوئی تجربہ ہے نہ سابقہ آزمائش

یہ ان مشکلات کے چند پہلو ہیں جو حضرت عمرؓ کو پیش آئے اور اگر صدیق اکبرؓ کی زندگی نے وفا کیا ہوتا تو ان کو بھی پیش آتے اور حضرت عمرؓ کے بعد آنے والے خلفاء تو لازمی طور پر ان مشکلات سے دوچار ہونے ہی والے تھے، پھر اس میں حیرت کی کیا بات ہے اگر حضرت عمرؓ اپنی خلافت کی وجہ سے سخت پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوں؟ اور اس میں تعجب کا کیا مقام ہے اگر وہ معاملات میں سخت اپنے ارادوں میں اٹل، اور عظیم الشان تیاریوں میں منہمک ہوں نہ خود آرام کریں اور نہ دوسروں کو آرام کرنے دیں اور کیوں یہ آن ہونی سمجھی جائے اگر حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں اور ہم عصروں میں ایسی شخصیت کی تلاش رکھتے ہوں جو ان مشکلات بلکہ اس سے بھی زیادہ الجھی ہوئی مشکل کا مقابلہ کر کے اور وہ اپنی تلاش میں کامیاب نہ ہو سکے ہوں؟

ان سیاسی، جنگی اور انتظامی مشکلات پر ایک اور مشکل مذہبی ورثہ کی ہے، جس کی حمایت غلبہ کا فرض ہے اور جس کے قیام میں وہی راہ اختیار کرنی ضروری ہے جو نبیؐ نے خدا کے حکم سے اختیار کی تھی، اگر معاملہ صرف فتوحات کا، انتظام اور سیاست کا ہوتا تو ان قوموں کی طرح جو کمزور سے قوی حتیٰ سے متمدن اور غلام سے حاکم بن گئیں، عرب بھی اپنا کام چلا لیتے، لیکن اسلام نے فتح کی جو حدیں مقرر کی ہیں اس میں مرکزی نقطہ مفتوحین کے ساتھ وہ کامل انصاف ہے جو ان کو فاتحین کی صف میں بٹھادے اور فاتح اور مفتوح کا درجہ ایک کر دے پس وہ فتح جس کی تصویر ہمارے سامنے اسلام نے اور اس کے رسولؐ نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے پیش کی ہے وہ تسلط اور ترخان وصول کرنے کی نہیں بلکہ اصلاح اور

ہدایت کی فتح ہے،

اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے سیاسی، جنگی اور انتظامی مہارت کے علاوہ ایک اور زبردست مہارت کی ضرورت ہے جو بہت زیادہ محنت اور مشقت کی طالب ہے جس کے ذریعے دین کی حمایت اور حفاظت کی جاسکے، اور دین کو فاتحین کا آلہ کار یا مفتوحین کی چالبازیوں کا شکار نہ ہونے دیا جائے، نیز جس کی موجودگی میں ان افراد کی نگرانی ہو سکے جن کے ذمے دین کا قیام ہے جن کو دین کے معاملے میں کسی ملامت کی پرواہ کبھی نہیں کرنی چاہیے، مبادا ان سے کوئی قصور اور بے اعتنائی ہو رہی ہو،

پھر ان تمام مشکلات پر بالامشکل وہ عربی سیادت تھی جو عربوں میں ممتاز صحابہؓ اور فاتح سپہ سالاروں کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس سیادت کا دین کا اور عوام کے مصلح کا جوڑ ملا دیں، یہ سیادت تین قوتوں سے مرکب تھی، دین سے متعلقہ افراد کی قوت، دنیا سے وابستہ حضرات کی قوت، دین و دنیا کے جامع اصحاب کی قوت، پس وہ صحابی جس نے اسلام کی طرف سبقت کی، دونوں ہجرتوں میں شریک رہا، تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ دیا اور اس کے بعد مدینہ میں مقیم ہو گیا وہ دین سے متعلق گروپ کا ایک فرد ہے، وہ قریشی یا عربی جو بعد میں سام لایا لیکن فتوحات کے دور میں مشکلات اور مصائب پر داشت کرتا رہا اور فاتحین میں ممتاز رہا۔ وہ دنیا سے وابستہ گروپ کا ایک فرد ہے اور وہ صحابی جس نے اسلام کی طرف سبقت کی اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی، غزوات میں آنحضرت کے ساتھ رہا پھر فتوحات میں بھی ممتاز درجے پر رہا۔ وہ دین و دنیا کے جامع گروپ کا فرد ہے، اب اگر خلیفہ چاہے کہ کسی کو جانشین مقرر کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان مختلف مصلحتوں کا لحاظ رکھے اور ان پیچیدہ مشکلات میں سے ایک ایسا حل نکالے جو دین، دنیا اور عوام سب کی مصلحتوں کے لئے قابل قبول ہو، ایسی حالت میں اگر حضرت عمرؓ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا یا بنانے میں متردد رہے تو اس میں تعجب نہیں کرنا چاہیے البتہ تعجب اس وقت ہوتا جب کسی کو نامزد کر دیتے پھر بھی حضرت عمرؓ نے کوشش کی اور اپنے نازک اور خطرناک دلوں میں چاہا، لیکن موت نے مہلت نہیں دی کہ جلیل القدر صحابہؓ اور ارباب فکر و نظر سے مزید مشورہ اور تبادلہ خیالات کر لیتے،

نظامِ شوریٰ پر تنقید

اس میں شک نہیں کہ شوریٰ کے لئے جو نظام ترتیب دیا گیا تھا اس میں خامی تھی اور بڑی خامی تھی، سب سے پہلی بات جو ہم کو متوجہ کرتی ہے وہ مجلسِ شوریٰ کے دائرے کی تنگی ہے، چنانچہ یہ صرف سات افراد پر مشتمل ہے اور ان میں بھی ایک فرد ایسا ہے جو شرکتِ مشورہ کے علاوہ کسی بات کا حق دار نہیں، یعنی عبداللہ بن عمرؓ پوری مجلس میں وہی ایک ایسے مشیر تھے جن کے لئے غرض کا خانہ خالی تھا ابھی یہ اربابِ مشورہ جمع ہی ہوئے تھے کہ انھیں اندازہ ہو گیا کہ وہ — ایک ایسی خطرناک پیچیدگی کی زد میں ہیں، جو ان کی مجلس کا رخ غلط راہ کی طرف پھیر دے گی، چند مشیر اور سب کے سب خلافت کے عہدہ کے امیدوار، اب اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو اس بات کے لئے آمادہ کریں جس پر آمادگی طبیعتوں کی عادت نہیں، اور یہ بھی اقتدار اور جاہ پسندی کی خاطر نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے، پس ان میں ہر امیدوار اخلاصاً نہ طور پر خیال کرتا ہے کہ وہ ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کی طاقت اور حق و انصاف کا لحاظ رکھنے کی اہلیت زیادہ سے زیادہ رکھتا ہے مجلسِ شوریٰ کے نگرانِ کار حضرت طلحہؓ کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ خود مشیروں میں ایک جہتی نہیں ہے اور مخالفانہ مقابلے کی صورت درپیش ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں،

لقد كنت من ان تدافعوها

مجھے بڑا خوف تھا کہ مقابلے کے بجائے

اخوف متی من ان تنافسوها

کہیں مخالفت کی نہ ٹھن جائے۔

ابو طلحہؓ پر خدا کی رحمت ہو اپنی طبیعت کی سادگی اور دل کی پاکیزگی سے حضرت عمرؓ کی طرح ایسا خیال کرتے تھے کہ خلافت ایک بارگراں ہے جس کے حصول کی طمع نہ کرنی چاہیے بلکہ اپنا دین اور دنیا سنبھالنے کی خاطر اس سے دور ہی رہنا مناسب ہے۔ لیکن شوریٰ والے اس خیال کے نہ تھے، ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ خلافت ایک خدمت ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے مقابلے کی سرگرمی ضروری ہے خواہ وہ کتنی ہی گراں بار ہو اس لئے کہ اس کے ذریعہ ایک طرف خدا تک رسائی حاصل کی جاسکتی اگر حسن ظن شریک حال ہو، دوسری طرف اس کے ذریعے انسانوں کی ہمدردی کی جاسکتی ہے اگر سچائی

کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا جلتے، اور لوگوں کا فرض ہے کہ وہ مقابلہ کرنے والوں کے ساتھ حسن ظن رکھیں اور ان سے متعلق اظہار رائے میں صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں،

ارکان شوریٰ میں سب سے پہلا فرد حسن کو اصل شکل اور اس کے حل کرنے کا تیزی کے ساتھ احساس پیدا ہوا حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ تھے انھوں نے اپنے رفقار کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ ہم میں سے کوئی ایک امیدواری سے دست بردار ہو جائے اور انتخاب کا معاملہ ہم اسی کے حوالے کر دیں، اس تجویز پر سب خاموش ہو گئے یا یوں کہیے کہ ان میں سے چار آدمی خاموش رہے، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ نہ خاموش تھے نہ گویا یعنی وہ اس مجلس میں شریک نہ تھے، حضرت عبدالرحمنؓ نے جب دیکھا کہ سب خاموش ہیں اور کسی ایک کو بھی دست برداری گوارا نہیں تو اس کے لئے وہ خود تیار ہو گئے، اور چاہا کہ باقی پانچ افراد میں سے کسی ایک کو مسلمانوں کا خیر خواہ تجویز کر دیں، لیکن خود امیدواروں کے خدشات کے پیش نظر یہ بات آسان نہ تھی کہ وہ حضرت عبدالرحمنؓ کی مختاری پر رضامند ہو جاتے حضرت علیؓ کو خطرہ تھا کہ کہیں دامادی کے خیال سے عبدالرحمنؓ حضرت عثمانؓ کی طرف نہ جھک جائیں، حضرت علیؓ کے علاوہ امیدواروں کو ڈر تھا کہ عبدالرحمنؓ سے سعدؓ کی رشتہ داری کہیں ان کی راہ میں حائل نہ ہو، چنانچہ باہم قول و قرار ہوا اور طے پایا کہ عبدالرحمنؓ اپنی کسی رشتہ داری اور ذاتی خواہش سے متاثر نہ ہوں گے اور جس کو وہ منتخب کر دیں قوم اسے تسلیم کر لے گی،

اگر حضرت عمرؓ نے اس مجلس میں تویح کر دی ہوتی اور عبداللہ بن عمرؓ جیسے افراد کی تعداد بڑھا دیتے جو مجلس شوریٰ میں حاضر ہوتے اور مسائل و معاملات میں بحث و گفتگو کے سوا کسی اور بات کا حق نہ رکھتے تو غالباً مجلس شوریٰ شکوک و اختلاف سے بچی رہتی، اور میں تو خیال کرتا ہوں بہتر ہوتا کہ مجلس شوریٰ سے متعلق عمرؓ کا تصور امیدواروں کی ایک مجلس کا نہ ہوتا کہ جو بھی منتخب ہو جائے وہ خلیفہ ہو، بلکہ مشاورین کی ایک ایسی جماعت کا ہوتا جس کے سامنے یہ چھ نام پیش کئے جاتے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو پسند کر کے اس کو خلیفہ بنا دیتی، حضرت عمرؓ متوجہ نہ ہو سکے اور نہ بعد میں مسلمانوں کو اس بات کا خیال آیا کہ انصار شوریٰ میں شریک کئے جانے کے مستحق ہیں، خلافت کے امیدواروں کی پسندیدگی، اور انتخاب میں راستے دینے کا انہیں بھی حق ہے ہم

جانتے ہیں کہ جب تک مسلمان متفق ہیں امامت قریش کے لئے ہے لیکن اس اصول کا یہ مطلب ہم نہیں جانتے کہ امام کے انتخاب کا حق صرف قریش کو ہے امام قریشیوں کا نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا امام ہوتا ہے پس تمام مسلمان اس کے انتخاب کے مالک ہیں مال ان پر یہ پابندی ضرور ہے کہ جو امام بھی وہ پسند کریں وہ قریشی ہو اس عہد کے اور بعد کے مسلمان یقین رکھتے تھے کہ امام کا انتخاب ارباب حل و عقد کا حق ہے اور ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں ارباب حل و عقد کا دائرہ صرف قریش تک محدود نہ تھا حضرت صدیق اکبرؓ نے انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

نحن الامراء و انتم الوزراء ہم امیر ہیں اور تم وزیر

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے انصار کو ارباب حل و عقد میں شمار کیا ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے وزیر ہی توڑ جوڑ کیا کرتے ہیں پس لازم تھا مجلس شوریٰ میں انصار شریک ہوں اور خلیفہ کے انتخاب میں حصہ لیں مزید برآں مجلس شوریٰ میں قریش اور انصار کے علاوہ عرب سرداروں میں ان جہاد کے سپہ سالاروں اور اسلامی حکومت کے عمال اور حاکموں کی شرکت بھی ضروری تھی اس شکل میں اگر مجلس شوریٰ ترتیب پاتی تو مسلمان بہت سے مصائب اور مشکلات سے محفوظ رہتے ،

شوریٰ کی اس طرح پر تنظیم میں ایک دوسری پیچیدگی جو ہمیں نظر آ رہی ہے وہ یہ کہ مشیروں کے اختیار کو موقت اور ہنگامی بنا دیا گیا حضرت عمرؓ نے تین دن کی مدت مقرر کی اور مسلمانوں نے اس تجدید کو منظور کر لیا اب اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ اپنے ہی میں سے ایک کو منتخب کرتے اور اس کو خلیفہ بناتے جو لوگ حاضر تھے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے پھر دوسرے شہروں میں اس کی بیعت کے لئے خطوط لکھے جاتے یا زیادہ جامع الفاظ میں یوں کہیے کہ خود خلیفہ اپنی بیعت کے لئے باہر کے لوگوں کو لکھتا۔ اور مدینہ کے حاضرین کی بیعت سے حاصل ہونے والی خلافت کے نام سے باہر کے لوگوں پر حکومت کرتا، مطلب یہ ہے کہ اس نظام شوریٰ کے ماتحت تنہا مدینہ کے لوگوں کو یہ درجہ حاصل تھا کہ اگر وہ بیعت کر لیں تو دنیا کے تمام حصوں میں اس کی اتباع ضروری ہو جائے اس لئے کہ مدینہ مہاجر اور انصار صحابہ کا مستقر تھا تمام ارباب حل و عقد وہیں رہتے تھے اور اس لئے بھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں تاخیر سے مختلف قسم کے اضطراب و ہجیان کا امکان تھا ناہم یہ بات اپنی جگہ شک سے خالی ہے کہ صحابہؓ میں سے بعض اصحاب فکر و نظر اس وقت حضرت عمرؓ کے حکم یا اجازت سے مختلف شہروں یا محاذ جنگ پر

تھے اور وہ اس کے اہل حق تھے کہ ان سے مشورہ لیا جانا۔

لیکن تین دن کی مختصر مدت و حقیقت اصل خطرے کا دروازہ نہیں یہ تو مصلحت کا ایک نفاذ بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عمرؓ نے یقیناً اس مصلحت کا صحیح اندازہ کر لیا تھا خطرے کی بات تو اس میں تھی کہ یہ مجلس وقتی اور ہنگامی تھی، خلیفہ کا انتخاب ہوا اور یہ ٹوٹ گئی، اگر اس مجلس کو کچھ اور وسعت دی جاتی اور پھر اسے ایک مستقل نظام کی حیثیت سے باقی بھی رکھا جاتا جو ایک طرف خلیفہ کے کاموں کی نگرانی کرتی اور دوسری طرف ضرورت کے مواقع پر خلفاء کے انتخاب کی کارروائی عمل میں لاتی تو یقیناً مسلمان پارلیمنٹری نظام کی طرف پہل کرنے والوں میں ہوتے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کے مستحق بھی تھے، ناظرین نے حضرت عمرؓ کی سیرت میں اس بات کا اندازہ کر لیا ہوگا کہ وہ کس طرح اس نظام کے لئے تیزی اور سرگرمی کے ساتھ کوشاں تھے لیکن میں پھر اس بات کو دہراؤں گا کہ موت نے جلدی کی اور حضرت عمرؓ کو اس نظام پر غائر نگاہ ڈالنے سے پہلے ہی دُشیا سے اٹھا لیا۔ اگر آپ کی زندگی ہوتی تو امکان تھا کہ آپ اس کام کے لئے فرصت پاتے اور جو خاک ہم نے کھینچا ہے اس کے مشابہ کسی نظام کی تکمیل فرمادیتے پھر نہ کوئی کشمکش درمیان ہوتی اور نہ باہمی آدیریش کے وہ واقعات پیش آتے جو حضرت عثمانؓ کا مقابلہ کرنے والوں کے درمیان واقع ہوئے جس کا مرکزی نقطہ و حقیقت یہ سوال ہے کہ اگر مسلمان خلیفہ کی پالیسی کو غلط تصور کرتے ہوں تو کیا ان کو اجازت ہے کہ وہ اس کو معزول کر دیں یا یوں کہیں کہ رعایا اگر تنگ آچکی ہو تو خود خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ نہیں کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائے

حضرت عثمانؓ کا خلیفہ ہونا

یہ حال اہل مشورہ نے معاملہ عبدالرحمنؓ کے سپرد کر دیا اور خود اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھے حضرت صہیبؓ عذوقِ عظیمؓ کی تعبیل ارشاد میں نماز پڑھاتے، ابوطالبؓ اور ان کے ساتھی عبدالرحمنؓ کے دروازے پر جھے رہے کہ تین دن گزاریں اور وہ مسلمانوں کے لئے ایک امام پسند کریں، کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمنؓ نے اپنے اندازے اور استخارے پر قناعت نہیں کی انھوں نے اوروں سے بھی مشورہ لیا کچھ لوگوں کے پاس خود گئے بعضوں کو اپنے اہل بلایا مردوں کے علاوہ ممتاز خواتین کو بھی

شریک مشورہ کیا امہات المؤمنینؓ اس سلسلے میں پیش پیش رہیں، پھر جب تین دن کی یہ مقررہ مدت ختم ہونے کے قریب تھی تو آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو بلوایا اور ہر ایک سے تنہائی میں گفتگو کی، چنانچہ حضرت علیؓ سے منخلیہ میں کہا، اگر میں آپ کو خلیفہ منتخب نہ کر سکوں تو آپ کس کے حق میں اپنی رائے دیں گے، حضرت علیؓ نے جواب دیا حضرت عثمانؓ کے حق میں، پھر یہی سوال آپ نے حضرت عثمانؓ سے تنہائی میں کیا۔ انہوں نے جواب میں حضرت علیؓ کا نام لیا۔ ہر چیز کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہے اس لئے کہ ایسا کوئی شاہد نہیں ہے جو بتائے کہ عبدالرحمنؓ کی ان دونوں حضرات کے ساتھ کیا گفتگو ہوئی، بہر حال عبدالرحمنؓ نے ان سے تنہائی میں گفتگو کی اور اس کے بعد مسجد میں اجتماع کا اعلان عام ہو گیا، حاضرین سے مسجد بھر گئی عبدالرحمنؓ منبر نبویؐ پر چڑھ کر اس جگہ بیٹھے جہاں حضور بیٹھا کرتے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے اپنی نشست ایک زینہ نیچے کر لی تھی، حضرت عمرؓ صدیق اکبرؓ کی نشست سے بھی ایک زینہ نیچے بیٹھا کرتے تھے، حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سلسلہ تو بہت طویل ہو جائے گا اور پھر نبوی نشست پر ہی بیٹھ گئے، بہر حال منبر نبویؐ پر چڑھے اور رسول اللہؐ کے بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے سر پر وہ عمامہ تھا جو کسی سفر میں نبی کریمؐ نے باندھ دیا تھا منبر پر کھڑے ہوئے اور دیزنک کھڑے رہے۔ پھر دعا کی جس کی آواز لوگوں تک نہ پہنچی، اس کے بعد حضرت علیؓ کو اپنے پاس بلایا اپنا ہاتھ بڑھا کر حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا کیا آپ اللہ کی کتاب رسول کی سنت اور شیخینؓ کی اتباع پر میری بیعت لیں گے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا نہیں، میں اپنی ہمت اور حوصلے کے مطابق کوشش کروں گا، حضرت عبدالرحمنؓ نے ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلایا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کیا آپ اللہ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور شیخینؓ کی اتباع پر میری بیعت لیں گے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا ہاں، عبدالرحمنؓ نے کہا خدایا تو گواہ ہے، خدایا تو گواہ ہے، خدایا تو گواہ ہے، اس کے بعد لوگ بڑھے اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی،

حضرت علیؓ نے بھی بلا پس و پیش بیعت کی، کہا جاتا ہے کہ ان کو تردد تھا اور جب عبدالرحمنؓ بن عوف نے ان سے کہا کہ علیؓ موافقہ اپنے سر نہ لو، قرآنی ارشاد ہے جس نے عہد توڑ دیا۔ ذمہ داری اس کے سر ہے اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا خدا سے اجر عظیم دے گا، تب حضرت علیؓ آئے اور بیعت کی لیکن میرا یقین ہے کہ حضرت علیؓ کو تردد نہ تھا اور وہ ہرگز اس کے محتاج نہ تھے کہ کوئی

انہیں عہدِ وفا کی یاد دلانا آپ کی پوری زندگی ہم کو بتاتی ہے کہ آپ کی ذات اس قسم کی یاد دہانی یا تشبیہ سے بالاتر تھی،

مؤرخین کی صحیح روایت کی بنا پر اس دن کا سورج غروب نہیں ہوا تھا اور وہ ذی الحجہ ۲۳ھ کا آخری دن تھا۔ اور حضرت عثمانؓ ۲۲ھ کی پہلی صبح کا مسلمانوں کے خلیفہ بن کر استقبال کر رہے تھے۔

خلافت کے بعد سب سے پہلی آزمائش

خلافت کے پہلے ہی دن سب سے پہلا مسئلہ جو حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا وہ عبید اللہ بن عمرؓ کا مقدمہ تھا۔ جنہوں نے پہلے ہرمزان، پھر جفینہ اور اس کے بعد ابولولو کی لڑکی کو قتل کر دیا تھا۔ یہ غزنی مقدمہ درحقیقت مسلمانوں کی بڑی سخت آواز تھی۔ ابولولو حضرت عمرؓ کا قاتل ہے اس نے فاروق اعظمؓ کو جب کہ وہ نماز کے لئے آگے بڑھ رہے تھے دو نوک والے ایک خنجر سے زخمی کر دیا۔ لوگ قاتل پر ٹوٹ پڑے لیکن اس نے سوال و جواب سے پہلے ہی اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے ابولولو، ہرمزان (مسلمان) اور جفینہ (عیسائی) تینوں کو ایک جگہ بیٹھے کرنا چھوڑ کر دیکھا تھا۔ ان کے ہاتھ میں یہی خنجر تھا جسے وہ الٹ پلٹ کر رہے تھے اور جب وہ ان کے پاس پہنچے تو سب کے سب گھڑے ہو گئے اور خنجر ان کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ پھر جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا تو عبید اللہ بن عمرؓ تنگی تلوار لئے نکلے اور ہرمزان تک پہنچ کر اس کو قتل کر دیا۔ راویوں کا بیان ہے کہ عبید اللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ تلوار کی کاٹ اپنا کام کر چکی تو کہا لا اِلهَ اِلا اللہ، اور اس کے بعد وہ جفینہ کے پاس پہنچے اور اس کو قتل کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ جب عبید اللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ جفینہ مر چکا ہے۔ تو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان تلوار سے صلیب کی شکل بنادی، پھر ابولولو کے گھر پہنچے اور اس کی لڑکی کا خاتمہ کر دیا۔ حضرت صہیبؓ نے جو اس وقت نماز پڑھانے کی خدمت پر مامور تھے خبر پا کر لوگوں کو بھیجا کہ وہ عبید اللہ بن عمرؓ کو مسلمانوں کے قتل سے روکیں۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ پہنچے اور انہیں قابو میں کر لیا۔ پھر جب تک ان کے ہاتھ سے تلوار نہیں لے لی ساتھ ہی رہے اس کے بعد وہ مقید کر لئے گئے تاکہ خلیفہ

ان کے بارے میں فیصلہ کرے ،

بیعت کے معاملے سے فرصت پاتے ہی حضرت عثمانؓ نے ان مسلمانوں سے جو عبید اللہ ابن عمرؓ کے سلسلے میں آپ کے پاس آئے تھے، مشورہ کیا، عبید اللہ نے خود ہی انتقام لیا اور وہ بھی بلا دلیل ، انھوں نے ناحق ایک مسلمان اور دو ذمیوں کو قتل کر دیا۔ فقہا اور اہل بصیرت نے جن میں خود حضرت علیؓ بھی شامل ہیں، عبید اللہ سے قصاص لینے کا خیال ظاہر کیا۔ اس لئے کہ انھوں نے کھلے طور پر اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حدود سے تجاوز کیا، لیکن بہت سے مسلمانوں نے یہ کہہ کر کہ ”کل عمرؓ کو شہید کیا گیا اور آج ان کا بیٹا مارا جائے“ مخالفت میں اپنی رائے دی کہتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ میاں اللہ نے آپ کو اس قضیہ سے بچا لیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا آپ اس میں مداخلت نہ کیجئے ،

اس مقدمہ میں حضرت عثمانؓ نے کیا فیصلہ کیا؟ اس میں راویوں کا اتفاق نہیں ہے ، کوئی کہتا ہے کہ انھوں نے قصاص کا فیصلہ کیا اور عبید اللہ کو ہرمزان کے لڑکے کے حوالے کر دیا کہ وہ ان سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے لے۔ لیکن مورخین کی اکثریت کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ”میں ہرمزان اور دوسرے مقتولین کا ولی ہوں میں قاتل کو معاف کرتا ہوں اور بیت المال میں رکھے ہوئے اپنے مال سے خوں بہا داتا ہوں“ حضرت عثمانؓ کی افتاد طبع کے پیش نظر یہی خیال ان کی سیرت سے میل کھاتا ہے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی خلافت کا آغاز ایک نوجوان قریشی یعنی فاروق اعظمؓ کے ایک بیٹے کے خون سے ہو، لیکن وہ ایک مسلمان اور دو ذمیوں کے خون سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے، اسی لئے انہوں نے ایک طرف عبید اللہ ابن عمرؓ کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ اور دوسری طرف اپنے مال سے مقتولین کو معاوضہ دے دیا۔ یہ فیصلہ اگر لوگ معاملے کو سیاسی عینک سے دیکھنا چاہیں ایک مدبرانہ سیاست تھی، اس میں ان حضرات کا بھی خیال رکھا گیا ہے جو عام طور پر کہا کرتے تھے کہ کل تو حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا اور آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے۔ اگر حضرت عثمانؓ یہ منظور فرمایا لیتے کہ عبید اللہ کو قصاص میں قتل کر دیا جائے تو عام طور سے بنی عدی کے لوگوں اور خاص طور پر خطاب کے خاندان والوں کے دل آپ کی طرف سے پھرتے ہی نہیں بلکہ سارے قریش اور غیر قریش کے لوگ بھی آپ برداشتہ خاطر ہو جاتے

اور اگر وہ عبید اللہ کو معاف کر دیتے اور مقتولین کی دیت ادا نہ کی جاتی تو اس سے بد نظمی اور اور بے عنوائی کا ایک ایسا دروازہ کھلتا جس کو بند نہیں کیا جاسکتا تھا۔
لیکن یہ حادثہ محض سیاسی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ایک مذہبی حیثیت بھی تھی، جو سیاست پر مقدم تھی، خلیفہ کو معاف کر دینے اور درگزر کرنے کے حقوق حاصل ہیں لیکن اس میں یہ شرط بھی ہے کہ اس کی معافی اور درگزر دین کے حدود میں سے کسی حد کو معطل کر دینے کا باعث نہ ہو،

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے متشدد مسلمان حضرت عثمانؓ کے فیصلے سے خوش نہیں تھے، چنانچہ انصار میں ایسے لوگ تھے جو عبید اللہ کو ہرمزان کے قتل کی یاد دلاتے رہتے تھے اور دھمکی دیا کرتے تھے کہ وہ اس کا بدلہ ضرور لیں گے زیاد بن نبید بیاضی جب کبھی عبید اللہ کو راستے میں مل جاتا کہتا۔

الایا عبید اللہ مالک مہرب
ولاملجامن ابتردی ولاخفر
اصبت دما واللہ فی شبر حله
حراما وقتل الہرمزان لہ خطر
عبید اللہ تم بچ نہیں سکتے حضرت
عثمانؓ کی پناہ بھی کام نہ آئے گی
ہرمزان کا خون ضرور رنگ
لائے گا۔

زیاد کی طرف سے جب یہ زیادتی حد سے بڑھ گئی تو عبید اللہ نے حضرت عثمانؓ سے اس کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے اس کی شکایت پر زیاد کو بلایا اور سختی سے منع کیا لیکن اس نے ایک نہ سنی بلکہ خود حضرت عثمانؓ کو خطاب کرتے ہوئے حسب ذیل اشارے

ابا عمرو عبید اللہ مہرب
فلا تشکک بقتل الہرمزان
فانک ان غفرت الجرم عنہ
واسباب الخلفاء سارحان
لتغفوا ذنوبت بخیر حق
فمالک بالذی تحکی میدانہ
اے ابو عمرو! عبید اللہ ہرمزان کے
قتل میں ماخوذ ہے، اس میں شک و
شہہ کی گنجائش نہیں اگر تم اس کا
یہ جرم معاف کر دو گے ایسی حالت
میں کہ جرم کے اسباب بازی کے
گھوڑوں کی طرح یکساں ہیں بلا دلیل معاف

پھر تو حضرت عثمانؓ کو غصہ آگیا اور آپ نے سخت سرزنش کی اور پھر زیاد اپنی حرکت سے باز آگیا۔ بہر حال مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے سے خوش نہ تھی اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کا تعلق اسی جماعت سے تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر عبید اللہ کو حضرت علیؓ اپنے زمانہ خلافت میں پا جاتے تو ان پر قصاص کی حد یقیناً جاری کرتے لیکن وہ تو صفین کے معرکے میں کام آچکے تھے، ناراض مسلمانوں کو غصہ اس بات کا تھا کہ حضرت عثمانؓ کا فیصلہ کھلی ہوئی نقص قرانی کی رعایت سے خالی ہے پھر یہ سخت حرج کی بات ہے کہ عبید اللہ کو خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا جائے اور اس لئے کہ انہوں نے تو ایک سچے مسلمان اور دو ذمیوں کا خون کیا ہے اس معافی سے تو امتیاز اور تفریق کی بو آ رہی ہے اس میں عبید اللہ عربی اور ہرزان عجمی میں فرق کیا جا رہا ہے خدا تعالیٰ تو مسلمانوں کی عزت و آبرو ان کے مال و دولت اور ان کے خون کی حرمت میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ خواہ وہ کسی نسل اور کسی قوم کے ہوں اور پھر یہ معافی شبہ پیدا کرتی ہے کہ دین میں ذمیوں کے لئے حرمت اور حقوق کے احکام کے باوجود ان کے خون سے بے اعتنائی برتی جاسکتی ہے اب اگر ایسا ہی ہوتے لگے اور خلفاء اور ان کے ہم مرتبہ بزرگوں کے صاحبزادوں کو بڑے بڑے انصار جہا جو کے فرزندوں کو موقع دیدیا جائے کہ من مانا انتقام لے لیا کریں دربار خلافت میں اپنے معاملات پیش نہ کریں دلائل سے بھی اپنے کو بے نیاز تصور کریں تو پھر خرابیاں عام ہوں گی انصاف لاپتہ ہوگا بد نظمی کا دور دورہ ہوگا۔ اور دین کے آثار ناپید ہوں گے۔

ہاں تو عرض یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے معاملات کے والی تھے، والی ہونے کی حیثیت سے ان کو اس کا حق تھا کہ وہ معاف کر دیتے اور ہم تو ایک قدم آگے بڑھا کر کہتا چاہتے کہ انھوں نے عبید اللہ کو معاف کر کے نہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو معطل کیا اور نہ ہرزان اور اس کے دونوں ساتھیوں کے خون سے بے اعتنائی برتی اس لئے کہ اپنے مال سے انھوں نے دیت ادا کر دی لیکن اس قسم کی معافی دین کے معاملات میں شدت برتنے والوں کو مشتبہ کر دیتی ہے واقعہ یہ ہے کہ عبید اللہ کو اس کے جرم کی کوئی سزا نہیں ملی، اپنے مال سے معاوضہ ادا کر کے حضرت عثمانؓ نے وہ سزا خود بھگتی، جو عبید اللہ کو برداشت کرنا چاہیے، اگر وہ معاوضے کی رقم عبید اللہ اور ان کے گھروالوں پر عائد کر دیتے اور اس طرح ان کو بچاتے اور معاف کرتے تو بلاشبہ صحیح طور پر حد

جاری ہوئی اور پھر کسی کو ان کے فیصلے پر مجال گفتگو نہ ہوتی اور اگر خطاب کے گھرانے کے ساتھ نرمی اور سلوک کے تقاضے سے دیت کی رقم اپنے مال سے ادا کر دی تھی تو عبید اللہ کو سزا کے طور پر قید خانہ میں رکھنا تھا، کہ وہ اپنے گناہ سے خدا کی جناب میں توبہ کرے، ناحق خون کرنے پر نادم ہوتے نیز عہد جاہلی کے معاندانہ جذبات کے ماتحت جس طرح انھوں نے دربار خلافت کی توہین کی اس پر شرمندہ ہوتے اگر حضرت عثمانؓ یہ کرتے تو اس عار زار سے اپنا دامن بچا سکتے، اور عبید اللہ جیسے قریشی نوجوان کو بتا سکتے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کا خون اللہ کے نزدیک اتنی حرمت رکھتا ہے کہ اسے بغیر حق کے بہایا نہیں جاسکتا۔ اس کی عظمت اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ قاتل بلا خوف و خطر زندگی کے دن چین و آرام سے گزارنے کیلئے آزاد چھوڑ دیا جائے

بہر حال حضرت عثمانؓ نے خلافت کا استقبال جس سیاسی مسلک سے کیا اس سے آپ کی تصویر ایک ایسے شخص کی تصویر نظر آتی ہے جو رحم دل اور نرم طبیعت کا ہے، صلح پسند ہے، دلوں میں بیٹھے ہوئے دشمنی کے جذبات سے بچنا چاہتا ہے، خصوصاً بخشش کے وہ جذبات جو ممتاز ہاجرین اور ان کی اولاد کے دلوں میں پنہاں تھے، اس سیاست کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ کچھ لوگ خوش اور کچھ ناراض ہوں، یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آغاز ایک ایسے ماحول میں ہوا جو شکوک اور اخلاقیات سے گھبرا ہوا تھا اگر حضرت عثمانؓ کی جگہ حضرت عمرؓ ہوتے اور ان کے سامنے کسی نوجوان قریشی کا مقدمہ پیش ہوتا پھر وہ کیسے ہی خاندان کا فرد اور کیسے ہی باپ کا بیٹا کیوں نہ ہوتا وہ ایک سخت کار کی طرح اپنا فرض انجام دیتے، ان کو خدا کے حدود جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت متاثر نہیں کر سکتی تھی پس اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے نے ان کی خلافت کو حضرت عمرؓ کی خلافت سے جدا کر دیا۔ اس جدائی کے دامن پر ہم کو نرمی، نرم دلی کے نقوش ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں،

لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے متعلق رائے قائم کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا اور پھر عجلت کا کیا موقع؟ فاروق اعظمؓ کا جو نقشہ دلوں میں تھا۔ اس کے پیش نظر لوگ عبید اللہ ابن عمرؓ کے قضیے سے متعلق خود ہی دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے، نبی کا فرمان ہے کہ شہادت سے حدود کی مدافعت کرو، یعنی شک کا فائدہ مجرم کو ملنا چاہیے۔ شاید حضرت عثمانؓ نے

عبید اللہ ابن عمرؓ کی سزا کا دفاع اس شبہ میں پایا ہو کہ وہ والد کے غم میں متغلوب الغضب ہو چکے تھے، اور خدانے مسلمانوں کو عفو و درگزر کے لئے غیر معمولی رغبت دی ہے جب کہ وہ قدرت رکھنے ہوں۔

حضرت عثمانؓ کے فرمانِ کلمہ

مورخین روایت کرتے ہیں کہ عثمانؓ خلافت سنبھالتے ہی حضرت عثمانؓ نے اپنے عاملوں اور سپہ سالاروں کے نام فرمان لکھے، بعض فرماؤں میں عوام کو بھی خطاب کیا ان سے وہ پالیسی واضح ہو جاتی ہے جس پر حضرت عثمانؓ مسلمانوں کو چلانا چاہتے تھے، اور جس پر اپنی خلافت کی ابتدا میں وہ بقول مورخین، عمل پیرا رہے، یہ فرمان اس قابل ہیں کہ ان کو پیش کیا جائے اور ان پر غور و فکر کے چند لمحات صرف کئے جائیں تاکہ ان کی روشنی میں یہ معلوم کیا جاسکے کہ جو خاکہ آپ نے اپنے لئے تیار کیا تھا اس کی کہاں تک تکمیل ہو سکی

۲۷ء کے واقعات میں طبری نے ان فرامین کو نقل کیا ہے جو حضرت عثمانؓ نے اپنے عاملوں کے نام لکھے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

”حمد و صلوة کے بعد معلوم ہو کہ اللہ نے خلفاء کو حکم دیا ہے کہ وہ محافظ رہیں محصل نہیں اس امت کے صدر نشین حفاظت کرنے والے رہے وصول کرنے والے نہیں بنے تمہارے امام نگران اور محافظت سے دور اور تحصیل داری سے قریب ہوتے جا رہے ہیں اگر یہی حالت رہی تو حیا، امانت اور وفاداری کا خاتمہ ہو جائے گا، یاد رکھو سب سے زیادہ منصفانہ روش یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات اور ان کے فرائض پر گہری نظر ڈالو، ان کے حقوق و واجبات پر واجب ہے لو، ذمہ داریوں کو دو حصوں میں بانٹ دو ان کا جو کچھ حق ہے انہیں دو، ان پر جو کچھ ہے ان سے لو، اور سپرد دشمنوں پر غلبہ حاصل کرو لیکن وفا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے“

یہ مختصر فرمان جو تکلف سے خالی، تصنیح سے دُور اور زیادتی کے تصور سے بالکل پاک ہے

عالموں کو چار خصلتوں کا حکم دیتا ہے پہلی خصلت یہ ہے کہ عامل چرواہوں کی طرح محافظ اور نگہبان ہوں ٹیکس وصول کرنے والے افسر نہ بنیں، مطلب یہ ہے کہ حکومت کرنے سے ان کا مقصد رعایا کے ساتھ ہمدردی اور اور نرمی کا سلوک ہونا چاہئے نہ کہ حکومت کا خزانہ بھرنا یا حاکموں کی حاجت کا رخ دولت ثروت کی طرف بھیر دینا حضرت عثمانؓ اس خصلت کے پیدا کرنے پر پوری شدت کے ساتھ زور دیتے ہیں "رعاة" اور "جباة" کے الفاظ کی بار بار تکرار بتاتی ہے کہ آپ کی نگاہ میں اس کی کس قدر اہمیت ہے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہ آپ اس بنیادی مقصد کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جو عربوں کی فتوحات کی طرف متوجہ ہو جانے پر اسلام کے پیش نظر تھا، یعنی اصلاح اور صرف اصلاح اس لئے کہ اسلامی فتح جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بتایا ہے غلبہ اور قبضہ کی فتح نہیں ہے بلکہ اخوت ہمدردی اور اصلاح کی فتح ہے۔

پھر حضرت عثمانؓ اعلان کرتے ہیں کہ اس امت کے امام ابتداء میں محافظ تھے محصل نہ تھے اور یہ امام اللہ کے نبی، ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے، حضرت عثمانؓ ڈرتے ہیں کہ ان کے بعد کے امام محافظ نہ رہ سکیں گے محصل بن جائیں گے اس وقت جیا جاتی رہے گی، جیا کی جگہ بے جیائی کا دور ہوگا جس کے نتیجے میں حق پامال ہوگا۔ باطل پر اصرار کیا جائے گا۔ بے غیرتی کی عسوائیاں گناہوں سے ہم آغوش ہوں گی اس وقت امانت نہ ہوگی، امانت کی جگہ فریب اور مکاری لے گی جو خلفاء اور رعایا دونوں کے حقوق برباد کرے گی۔ وہ وقت شکوک اور شبہات کا وقت ہوگا۔ لوگ ایک دوسرے سے بدگمان ہوں گے معاملات کی بنیاد صفائی اور اخلاص کی جگہ فریب کاری اور مکاری پر رکھی جائے گی اس وقت وفا کا سلسلہ ختم ہو کر بد عہدی کا آغاز ہوگا۔ اور لوگ ایک نہ ختم ہونے والی خرابی میں مبتلا ہو جائیں گے شرمناک خود غرضی لوگوں میں پھیل جائے گی نہ کوئی کسی کی عزت کر لے گا نہ کسی کے لئے کوئی وقار اور احترام چاہے گا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سب بدلتی وہی ہیں جس کی تلقین نبی کریم، صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ فرماتے تھے،

دوسری خصلت و حقیقت اس اجمال کی تفصیل ہے جو حضرت عثمانؓ نے عمال کے فرمان میں کیا ہے یعنی عام مسلمانوں اور خلفاء اور امراء کے تعلقات میں انصاف کی رعایت رکھی جائے پس ہرگز ہرگز حکومت کو خوش کرنے کیلئے مسلمانوں پر کوئی زیادتی نہیں کرنی چاہیے، اسی طرح عام مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے حکومت پر کوئی زیادتی نہ ہونی چاہیے جو کچھ مسلمانوں پر واجب ہے وہ ان سے لیں اور ان کے جو حقوق ہیں ان کو دینے جائیں حکومت ظلم نہ کرے اور صدقات کی وصولی

اور خراج کی تحصیل میں حد سے متجاوز نہ ہو، لوگوں کے کسی معاملے میں بھی جبر اور زبردستی روا نہ رکھی جائے، ایک ایسا انصاف ہو جو نہ حاکم کے لئے مضر اور نہ رعایا کے لئے تکلیف دہ تیسری خصلت و حقیقت دوسری ہی خصلت ہے البتہ اس میں اُن ذمیوں کا ذکر ہے جن سے معاہدہ ہو چکا ہے، ایسے ذمی انصاف کا استحقاق رکھنے میں بالکل مسلمانوں کی طرح ہیں جو حق ایک مسلمان کا ہے وہی بلا کم و کاست ایک ذمی کا ہے، ناں یہ شرط ہے کہ وہ خیر خواہ، مخلص ہو اور وفاداری کے ساتھ معاہدے کا پابند ہو، پس مقررہ مقدار سے زیادہ وصول کر کے نہ ذمیوں پر دست و رازی کی جائے اور نہ کو تاہی کر کے مسلمانوں کو زیر بار کیا جائے۔

چوتھی خصلت دشمن سے متعلق ہے جو مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں، اس سلسلے میں خلفاء کی ہدایات حیرت انگیز ہیں لیکن اس میں ایک بات بھی حضرت عثمانؓ کی طبع زاد یا ایجاد نہیں اور نہ ہی وہ اپنی طرف سے حدت پسند فرماتے تھے جیسا کہ ناظرین آگے چل کر معلوم کر لیں گے، حضرت عثمانؓ نے سورہ برائہ اور دوسری صورتوں میں نازل شدہ آیات کی اتباع کرتے ہوئے اپنے عمال کو ہدایت کی کہ وہ دشمنوں پر فتح اور غلبہ ضرور حاصل کریں لیکن پاس و فاکے ساتھ دشمنوں سے بھی غداری کسی طرح جائز نہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت ان پر پیش کریں اگر انھوں نے منظور کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ سخت کی تجویز پیش کریں اگر قبول نہ کریں تو مقابلہ ہو۔

یہ سیاست جس کا نقشہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عمال کے سامنے پیش کیا ہے بعینہ قرآن مجید کا پیش کردہ نقشہ ہے جو حضرت عثمانؓ کے قبل کے خلفاء اور مسلمانوں کا دستور العمل رہا ہے،

خراج کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ اپنے عاملوں کو فرمان لکھتے ہیں،

”حمد و صلوات کے بعد! اللہ نے تمام مخلوقات کو برحق پیدا کیا اور وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے، پس حق دو اور حق لو، بڑی بات امانت ہے امانت، تم اپنے اندر امانت کے جوہر پیدا کرو، خلاف امانت کارروائی میں پہل نہ کرو، کہ بعد والوں کی کارروائیوں میں شریک گئے جاؤ گے، اور ہاں وفا کا خیال رکھو وفا کا، یتیموں اور ذمیوں پر زیادتی نہ کرو اگر یہ مظلوم ہوں گے تو اللہ تعالیٰ خود مقابل ہوگا“

یہ مختصر سا فرمان ہے جس میں نہایت دل کش اجمال کے ساتھ ان ہی باتوں کی تاکید کی گئی اور ان کی

طرف رغبت دلائی گئی جن کا ذکر پہلے فرما رہا ہے آپ کا ہے البتہ اس میں ایک قسم کی شدت اور تیزی ہے جس سے پہلا فرمان خالی ہے، فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو برحق پیدا کیا اور وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے اس لئے خلفاء اور عاملوں کو چاہیے کہ وہ اللہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے ایسے ہی اعمال کریں جسے وہ قبول کرتا اور پسند کرتا ہے، پس وہ لوگوں سے حق کی مقررہ مقدار ہی حاصل کریں اس میں کمی بیشی ہرگز منظور نہ کریں، اور لوگوں کو واقعی حق دینا اس سے انحراف یا اس میں اضافہ نہ کریں اگر اس طرح حق کی پابندی ہو تو ان کا سب سے بڑا فرض ہوگا کہ وہ رعایا کی رقموں کی وصولی میں اپنے مصالح پر حسرتیج کرنے میں نیر۔ اس رقم میں جو وہ مصالح عامہ پر خرچ کرنے کے لئے خلیفہ کو سپرد کرتے ہیں سب میں امانت اور صداقت کو پیش نظر رکھیں، حضرت عثمانؓ خراج وصول کرنے والے افسروں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ امانت کی راہ چھوڑ دینے میں پیش قدمی نہ کریں ورنہ وہ بعد کے خیانت کرنے والوں کے شریک جرم ہوں گے، امانت کے بعد حضرت عثمانؓ وفاداری اور پاس عہد کا حکم فرماتے ہیں، اور اس میں بھی اتنی ہی شدت فرماتے ہیں جتنی امانت کیلئے فرمائی تھی پھر زمینوں اور زمینوں پر زیادتی سے منع فرماتے ہیں اور خدا کے عذاب سے ڈراتے ہیں، جو ایسے ظالموں کے بالمقابل ہوگا۔

یہ سیاست بھی قرآن مجید ہی کی سیاست ہے جس پر اللہ کے نبیؐ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا عمل رہا ہے، حضرت عثمانؓ اپنے پہلے فرمان کی طرح اس میں بھی کوئی بات اپنی طرف سے پیش نہیں کرتے، اور اپنے اس عہد کا پوری طرح خیال رکھتے ہیں جو اپنی بیعت کے موقع پر عبد الرحمن بن عوف سے کیا تھا کہ قرآن و سنت اور اتباعِ شیخینؓ سے سر موٹجاوز نہیں کروں گا۔

حضرت عثمانؓ نے سرحد کے محافظوں اور سپہ سالاروں کو فرمان بھیجا جس میں تحریر فرماتے ہیں۔

”حمد و صلوة کے بعد آپ لوگ مسلمانوں کے حامی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے

والے ہیں، حضرت عثمانؓ نے آپ کے لئے جو نظم مرتب کیا وہ ہم پر معنی نہیں، اس کی ترتیب

ہماری ایک جماعت کی موجودگی میں ہوئی ہے ہرگز ہرگز یہ اطلاع نہ آنے پائے کہ تم نے

اس نظم میں کوئی تبدیلی کر دی ہے، یاد رکھو کہ خدا تم کو بدل دے گا۔ اور تمہاری جگہ کسی

کو دے دے گا۔ پس سوچو کہ تمہارا طرز عمل کیا ہو؟ میں ان تمام معاملات پر نظر رکھوں گا جس کی

نگرانی خدا نے میرے ذمے کی ہے۔“

غور کیجئے کہ اس فرمان میں کس قدر تدبیر اور پھر کس قدر شدت سے کام لیا گیا ہے اور یہ دونوں باتیں جنگی افسروں اور دفاع کے ذمہ داروں کے لئے کس قدر موزوں اور ضروری ہیں اور خاص طور پر توجہ کیجئے کہ حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ نظام کی پابندی کو کتنے زور کے ساتھ لازمی قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ فاروق اعظمؓ نے اس نظام کا خاکہ انصار اور ہاجرین کی ایک جماعت کی موجودگی میں بنایا تھا جو حضرت عثمانؓ اس نظام کی تیاری میں شریک اور مشیر تھے، وہ پہ سالاروں کو تاکید کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے مرتبہ نظام میں کوئی تبدیلی نہ کریں اور اگر انہوں نے کچھ رد و بدل کیا تو دھکی دیتے ہیں کہ وہ معزول کر دیئے جائیں گے یا سزا کے مستحق ہوں گے، پس حضرت عثمانؓ نظامت میں، مالیات میں اور جنگ میں غرض تینوں شعبوں میں اسی مسلک کے محافظ ہیں جو حضرت عمرؓ کا تھا، پھر جس طرح حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے تھے، سنن کی طرف راغب اور بدعات سے دوڑنے کی تاکید کرتے تھے، حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال تھا، مختلف شہروں اور صوبوں کے عوام کے نام آپ نے جو فرمان بھیجے ہیں ان کا ترجمہ پڑھیے۔

”حمد و صلوة کے بند اتباع اور فرمانبرداری کی بدولت آج جو تم اس درجے پر پہنچے ہو خیردار کہیں دنیا تم کو تمہارے اصل کام سے غافل نہ کر دے اس لئے کہ یہ امت بدعات کی طرف جھک جائے گی۔“

۱۱) خوش حالی اور فارغ البالی کی انتہا کو پہنچ جائے گی۔

۱۲) قیدی لونڈیوں سے پیدا ہونے والی اس کی اولاد جوان ہو چکی ہوگی۔

۱۳) دیہاتی عرب اور عجمی قرآن پڑھ چکیں گے۔

۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کفر عجیبوں میں ہے جب کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں

آئے گی وہ تکلف اور جدت سے کام لیں گے۔“

اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ سنت کی حفاظت کرنے میں اور تکلفات اور بدعات کو روکنے میں کسی طرح بھی حضرت عمرؓ سے کم کوشاں نہ تھے انہوں نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ فتوحات اور اقتدار کے جس درجے پر آج وہ ہیں یہ اتباع اور اطاعت ہی کی برکت ہے آپ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کہیں ان کی توجہ اصل کام سے ہٹانے دے پھر ان کو خطرات کے تین مواقع سے ڈراتے ہیں۔

۱۱) عیش و عشرت کی یہ پُر لطف اور لذت بھری زندگی جو روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے ان کو برباد کر دے گی۔

۱۲) قیدیوں لونڈیوں سے پیدا ہو کر جوان ہونے والی اولاد ان کے لئے خرابیوں کا باعث ہوگی۔ یہ نئی نسل جس کا خون خالص عربی خون نہیں ہوگا بلکہ اس میں غیر ملکی ماؤں کے خون کی آمیزش ہوگی۔ اتباع اور اطاعت کی جگہ اپنی طرف سے اہناف اور جدت پسند کرے گی۔

۱۳) دین میں وہ بائیس داخل کی جائیں گی جو دین نہیں، سادہ اور آسان علم کو چیل اور تکلف ہیں الجھا دیا جائے گا جب کہ دیہاتی عرب اور عجمی اسلام میں داخل ہوں گے اور قرآن پڑھ لیں گے آیات کا صاف اور سادہ مطلب نہ سمجھ کر ہمیں اپنی طرف سے اہناف اور بناوٹ کی باتیں داخل کریں گے، فتوحات کے بعد مسلمان جن آفات میں مبتلا ہوئے حضرت عثمانؓ نے اپنے اس فرمان میں اس کی جو تصویر کھینچی ہے میں نہیں جانتا کہ اس کا نمونہ کسی اور نے پیش کیا ہے، مال اور دولت کی کس قدر بہتات ہوئی اور معیشت میں کیسی فراوانی آئی۔ اور مسلمانوں کے لئے کس طرح تعیش اور ہوسناکی کا باعث بنی، پھر ایک نئی نسل پیدا ہوئی جس نے حد سے بڑھی ہوئی جراتیں دکھائیں۔ یہی تکلفات اور دور از کار جدتوں سے کام لے کر قرآن مجید کو اس کے طریقوں سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی، کہیں بالکل ڈھیل چھوڑ دی اور کہیں حد سے زیادہ سختی برتی، چنانچہ حق ان کی سخت گیریوں اور حد سے زیادہ سہل انگاریوں کے درمیان گم یا تفریباً گم ہو گیا۔

عہد فاروقی کے گورنر جنکو حضرت عثمانؓ نے باقی رکھا

جن عالموں کے نام حضرت عثمانؓ نے یہ فرمان لکھے تھے وہ سب کے سب حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ تھے حضرت عثمانؓ نے ان کو ان کے عہدوں پر سال بھر باقی رکھا جس کی خود حضرت عثمانؓ نے وصیت کی تھی، اور اندیشی اور معاملہ فہمی کے پیش نظر اس سے صحیح کوئی اور وصیت ہو بھی نہیں سکتی تھی، حضرت عمرؓ کو خطرہ ہوا کہ اقتدار سے فائدہ اٹھانے میں خلیفہ کہیں عجلت سے کام نہ لے اور کچھ نئے لوگوں کا تقرر اور بعض پرانے حاکموں کو برطرف نہ کرے، ایسی حالت میں عمال نے جن کاموں کا آغاز

کر رکھا ہے اس میں رکاوٹ یا تعطل پیدا ہو جائے گا اور اس سے سرحدوں اور شہروں میں مسلمانوں کے معاملات میں یک گونہ بد نظمی اور انتشار پھیلے گا۔ حضرت عثمانؓ نے اس وصیت پر پوری شدت کے ساتھ عمل کیا اور عابین کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ عثمانی عہد میں یا اس کے پہلے سال تک ہی سیاست پر عمل درآمد کرتے رہیں جو حضرت عمرؓ چلا تے رہے، حضرت عثمانؓ نے پورے سال بھر عزل و نصب کی کوئی کارروائی نہیں کی اور جو کچھ عمال کی طرف سے ہوتا رہا اسے منظور فرمایا۔

مکہ کے گورنر نافع بن عبدالمحارث خزاعی تھے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں وہ قریشی نہیں ہیں، اور طائف کے گورنر سفیان بن عبد اللہ ثقفی تھے وہ بھی قریشی نہیں ہیں، طائف بنی ثقیف کا شہر ہے، صنعاء کی گورنری پر یعلیٰ بن مہبہ تھے اور وہ بھی قریشی نہیں ہیں، بلکہ بنی توفیل بن عبدمنات کے حلیف ہیں، جند کے گورنر عبداللہ بن ابوربیعہ تھے جو بنی مخزوم سے ہیں اور قریشی ہیں کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ تھے، جو ثقفی ہیں، بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری تھے جو نہ قریشی ہیں نہ مضر کی اور نہ عدنانی بلکہ یمنی ہیں، مصر کے گورنر عمرو بن عاص تھے جو بنی سہم سے ہیں اور قریشی ہیں، حمص کے گورنر عمیر بن سعد تھے جو انصاری ہیں اور دمشق کے گورنر معاویہ بن ابی سفیان تھے وہ بنی امیہ سے ہیں اور قریشی ہیں۔ فلسطین کے گورنر عبدالرحمن بن علقمہ تھے اور وہ کنانی ہیں بحرین اور اس کے مصافحات کے گورنر عثمان بن ابی عاص ثقفی تھے۔

ان گورنروں کی اکثریت جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں قریشی نہیں ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے خاندان عدی کا تو ایک آدمی بھی نہیں ہے، حضرت عمرؓ کے گورنر بنانے کا معیار مضریت اور عدنانیت نہ تھی، آپ نے تو ان ہی عربوں کو پسند کیا جن کے اسلام اور قابلیت میں عمدگی پائی اور پھر جیسا کہ معلوم ہے دینی اور دنیاوی حیثیتوں سے آپ اپنے گورنروں کی سخت نگرانی کرتے تھے بہر حال گورنروں کے عزل و نصب میں حضرت عمرؓ کے پیش نظر کوئی خاندانی عصبیت نہ تھی،

حضرت عثمانؓ نے وصیت کے مطابق ان گورنروں میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور اپنی خلافت کے پورے ایک سال تک نہ کوئی جدید

وظیفوں میں اضافہ

تقرر کیا اور نہ کسی کو معزول، لیکن اس کے سوا معاملات میں انہوں نے اقدامات کئے، چنانچہ عبید اللہ بن عمرؓ کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے، گورنروں، افسروں اور عوام کے نام ذرا میں لکھنے کے بعد سب پہلا کام

جو آپ نے انجام دیا۔ وہ لوگوں کے وظیفوں میں اضافہ کر دینا تھا۔ آپ نے مقررہ روزیے میں سوا سوا کا اضافہ کر دیا، حالانکہ آپ کی خلافت ازراہ حضرت عمرؓ کے وصال پر ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی گزرے نہ پائے تھے اور اس وقفے میں کوئی ایسی تبدیلی بھی نہیں ہوئی تھی جسے اس غیر معمولی اضافے کا باعث بتایا جاسکے تب اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کا آغاز لوگوں کی خوشحالی اور فارغ البالی سے کرنا چاہتے تھے، لیکن معلوم نہیں خلیفہ اس قسم کی عام خوشحالی کے لئے بیت المال سے اخراجات کرنے کا کہاں تک مجاز ہے؟ جب کہ نہ تو لوگوں کی ضروریات کا تقاضا ہو اور نہ بیت المال کی آمدنی غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ہو۔

بہر حال یہ تو ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمانؓ کا یہ اضافہ حضرت عمرؓ کے مالی مسلک سے کچھ تھوڑا انحراف ضرور ہے جس میں بیت المال کی بچت اور بقدر ضرورت خرچ، دونوں باتیں پیش نظر تھیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت عمرؓ کی مالی سیاست میں ایک قسم کی سختی محسوس ہوتی تھی اور وہ دل ہی دل میں اس شدت کو ناپسند فرماتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ فاروق اعظمؓ جو کچھ لوگوں کو بیت المال میں اس سے زیادہ گنجائش ہے، لیکن یہ بالواسطہ حضرت عمرؓ کی اس زندگی پر تنقید ہے جس کا تعلق بیت المال کی سیاست سے ہے؟

اور کیوں نہ ہم اشارات اور کنایات کا پر وہ ہٹا کر کھلے طور پر عرض کریں کہ حضرت عثمانؓ نے خود عوام کے خرچ پر عوام تک پہنچنے کی کوشش کی کہ بیت المال خلیفہ کا نہیں عام مسلمانوں کا تھا اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب تھے اس لئے کہ اگر وہ مسلمانوں کی طرف سے اس کے مجاز تھے کہ ان کے روزیے مقرر کریں، تو وہ اس کے بھی حقدار تھے کہ بیت المال کے حالات کے ماتحت وظیفوں کی مقدار بڑھ دیں یا گھٹادیں لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس اضافے نے وہ دروازہ کھول دیا جس کے بند کرنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے کہ اضافے کی نوخیزی نہیں ہے پھر خلیفہ اگر آج عوام کے وظیفے بڑھا سکتا ہے تو کل اپنے خواص کے لئے بھی گنجائش نکال سکتا ہے اور پھر اس کے بعد عوام کی دولت کے لئے حرص و طمع کی راہیں کھل جاتی ہیں، حضرت عثمانؓ ایک قیاض اور زیادہ سخی تھے اللہ کی راہ میں اپنی دولت بے حساب خرچ فرماتے تھے، اپنے دوستوں اور عزیزوں پر بھی بے شمار خرچ کرتے تھے، ان کا یہ عمل نہ صرف یہ کہ قابل اعتراض نہیں بلکہ خدا کے لئے حیرانہ خیر کا مستحق بھی ہے لیکن

حضرت عثمانؓ کی دولت پہر حال عوام کی گنجائش کے لئے تنگ تھی اور وہ اس میں سے عوام کے وظیفوں کی مقدار نہیں بڑھا سکتے تھے، اس لئے انھوں نے خود عوام ہی کی دولت سے ان کے روزیوں میں اضافہ کر دیا، اور ایک ایسا دروازہ کھول دیا جس میں داخل ہونا تو لوگ جانتے تھے لیکن اس سے نکلنا انہیں معلوم نہ تھا۔

پس یہ بات صحیح نہیں کہ حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں بڑی احتیاط کے ساتھ حضرت عمرؓ کے طریق کار کے پابند رہے، محض منصب خلافت کے حاصل ہونے پر یکایک وظیفوں میں اضافہ فاروق اعظمؓ کا طریق کار نہ تھا، حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا اور ان کی روزی بڑھادی ظاہر ہے کہ یہ بات عوام کی نگاہ میں قابل اعتراض نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ اپنی خوشحالی میں اضافہ سے کوئی رنجیدہ نہیں ہوتا بلکہ قطری بات تو یہ ہے کہ لوگوں نے اس بات پر ٹھنڈی سانس لی ہوگی کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہوتے ہی ان کی آندنی بڑھادی، ان کو فاروقی شدت سے رہائی دلائی اور ان کی معتدل فراغت میں جو حضرت عمرؓ کی مالی سیاست کا نتیجہ تھی غیر معمولی وسعت پیدا کر دی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے زندگی بھر اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش نظر رکھی۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوبَةً
إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا
كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا
مَحْسُورًا

اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن
کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل
کھول دینا۔ پھر تو بیٹھ رہا الزام کھایا
دارا ہوا،

پھر حضرت عثمانؓ نے وظیفوں میں اضافے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بقول مورخین شہزادوں سے وفود طلب کئے تاکہ لوگ وظیفے اور مراعات پاسکیں، اخراجات میں اضافے کی یہ وہ مدد تھی جس کا حضرت عمرؓ خیال بھی نہیں فرما سکتے تھے، حضرت عمرؓ نے مدینہ والوں کے لئے رمضان کے دنوں میں جو خصوصی اضافہ منظور فرمایا تھا وہ ہر ایک کے لئے روزانہ ایک ایک درہم اور ازواجِ مطہرات کے لئے دو درہم تھا یہ اضافہ ان کی فارع البالی کے لئے کافی تھا اور وہ بال بچوں سمیت اس سے خوش تھے حضرت عمرؓ نے لنگر خانوں میں بھی اضافہ فرمایا جب آپ نے محسوس کیا کہ اس طرح لوگوں کی خودداری بھی باقی رہتی ہے

اور ان افراد کے لئے بھی سہولت ہوتی ہے جو دوسروں کے کفیل ہیں لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں رمضان کے دن آئے تو انہوں نے فاروقی اضافے کے علاوہ لنگر خانوں کو تمام ضرورت مندوں اور بروقت آنے والوں کے لئے عام کر دیا۔

بلاشبہ حضرت عثمان کا یہ عمل نیکی اور سلوک میں ڈوبا ہوا عمل تھا، لیکن اس میں بھی شک نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے عوام کے مال میں لوگوں کے لئے ترص و طرح کی ایک راہ نکلتی تھی اور زیادہ سے زیادہ اپنا بھلا کرنے کا جذبہ رغبت پارنا تھا، ہر آدمی اپنی خواہش پر اتنا قابو یافتہ کہاں کہ انتہائی مجبوری ہی پر لنگر خانوں میں داخل ہوا، بلکہ بہت سے لوگ ایسے ہو سکتے ہیں کہ اپنے عام مقررہ روزینے میں روز کے کا اضافہ شامل کر لینے کے بعد بھی لنگر خانے چلے آئیں اور ضرورت مندوں اور تازہ واردوں کی طرح شکم سیر ہوں۔

یہ سب کچھ حضرت عثمانؓ کی فیاضی اور دریادلی ہے اور یقیناً اس میں اچھائی اور بھلائی کے مواقع ہیں لیکن بعض ان خطرات سے خالی نہیں جو سیاسی اور اخلاقی پہلو رکھتے ہیں پھر اس میں بدگمانی اور فضول گوئی کے لئے بھی گنجائش ہے اور ایک نقاد کو کون روک سکتا ہے کہ وہ خود خیال کرے یا لوگوں تک اپنا یہ خیال پہنچائے کہ یہ دریادلی درحقیقت ایک پلسی تھی جو ایک خلیفہ نے اپنے حق میں سخاوت اور فیاضی کے نام پر کی پھر حضرت عثمانؓ کی سخاوت یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جیسے جیسے دن گذرتے گئے اور آپؓ کی خلافت آگے بڑھتی گئی آپؓ نے ممتاز صحابہ کو ان کے

صحابہ کبار کو عطیات

مقررہ وظیفے پر مستزاد عطیات دئے، ابن سعد کی روایت کے مطابق آپؓ نے زیر بن عوام کو ۶ لاکھ ٹھوسہ کو دو لاکھ عطیہ دیا اور ان پر آپ کا جو کچھ قرض تھا وہ بھی معاف کر دیا، ابن سعد کہتے ہیں کہ زبیر کو جب یہ عطیہ ملا تو وہ لوگوں سے پوچھتے پھرتے کہ کوئی بہتر سے بہتر کاروبار بتاؤ، جس میں اپنا سرمایہ لگا کر نفع حاصل کر سکوں چنانچہ انہیں بتایا گیا کہ شہروں اور صوبوں میں مکانات تعمیر کر لیجئے۔

عام معاملات میں فاروق اعظم کی سیرت سے ہٹنے میں حضرت عثمانؓ یہیں آکر نہیں رک گئے بلکہ انہوں نے اس سے بھی زیادہ خطرناک مخالف قدم اٹھایا اور جلیل القدر صحابہ کو اجازت دے دی کہ وہ حجاز سے باہر نکلیں اور مختلف مقامات پر جا کر بیسیں سالانہ حضرت عمرؓ کے ان کو مدینہ ہی میں روک رکھا تھا اور اپنی خاص اجازت کے بغیر کسی کو باہر نہیں جانے دیا۔

فاروق اعظمؓ فرماتے تھے کہ میں قریش اور فتنہ و فساد کے درمیان ایک دیوار ہوں، حضرت عثمانؓ نے یہ دیوار گرا دی،

عمر فاروقؓ (عبدالرحمن بن ابی بکرؓ)

جب حضرت عثمان نے لوگوں کے گزارے میں اضافہ کر دیا، اور انعام و اکرام کے طور پر بڑی بڑی رقمیں عنایت کر دیں پھر ان انعام و اکرام پانے والوں کو اس بات کی اجازت بھی دیدی کہ وہ ممالک محروسہ میں جہاں جی چاہے جا کر فاتح فوجیوں اور محکوم رعایا سے اپنے تعلقات بڑھائیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ ایک طرف ان کی ثروت اور دولت میں غیر معمولی ترقی ہو دوسری طرف ان کے متبعین اور ماتنے والوں کی تعداد بڑھے اور پھر ان میں سے ہر ایک اپنی پارٹی کا لیڈر بنے اور اپنے کو مسلمانوں کے معاملات کا والی بننے کا زیادہ حقدار خیال کرنے لگے اور اس کے لئے فرصت اور مواقع کی تلاش میں بھی رہنے لگے،

ابھی ابھی ہم نے وہ فرامین نقل کئے ہیں جن میں حضرت عثمانؓ نے فاروق اعظمؓ اور صدیق اکبرؓ کے طرز عمل کی اتباع اپنے لئے ضروری قرار دی ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے کیوں ایک دوسری راہ اختیار کی؟ اس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں کہ دین کے بارے میں انہوں نے کوئی لپیلا پوتی نہیں کی، یہ بھی یقینی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی انھوں نے اپنے مسلک کو شیخینؓ کے طرز عمل کا مخالف نہیں سمجھا آپ نے جو کچھ کیا اس کا مقصد جان بوجھ کر کوئی زیادتی یا ہوس نہ تھی، لوگوں کا مال تھا لوگوں تک پہنچا دیا۔ بیت المال میں دولت جمع دیکھی، اس کے باقی رکھنے کی زیادہ فکر نہیں کی لوگوں کو دیدہ بیا زیادہ مناسب جانا اور اس میں کیا حرج ہے کہ وہ اس مال میں سے کم یا زیادہ نبیؐ کے ان اصحاب کو بطور صلہ دیدیں جو اسلام کے امام اور حکومت کے بانی کی حیثیت رکھتے ہیں، جنھوں نے نبیؐ کی زندگی میں بڑی مصیبتیں برداشت کیں اور شدید ترین آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے۔ اللہ نے دولت کی فراوانی کر کے اپنا وعدہ پورا کیا۔ پھر ان ہاجرین کے علاوہ کون لوگ ہیں جنہیں اس دولت سے مستفید ہونے کا حق ہے؟

بلاشبہ حضرت عثمانؓ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ موروثیت کی کوئی حثیات درزی کر رہے ہیں، انھوں نے جو کچھ کیا وہ ان کی کریمانہ افتاد طبع تھی، اور مسلمانوں کو خوش حال بنانے کا جذبہ۔ نیز اصحاب رسولؐ پر نظر عنایت

اور ان میں سے ایک بات بھی ایسی نہیں جسے گناہ کہا جاسکے یہ تو آپ کی خوبی تھی، بھلائی تھی اور نیکی۔

لوگوں کو بھی اس میں کوئی حرج کی بات نظر نہ آتی، انھیں دولت ملی انھوں نے ناپسند نہیں کیا، اور نہ واپس کیا، ان میں سے کسی کو اس میں بھی کوئی حرج نظر نہیں آیا کہ بنی کے ممتاز اصحاب اور ہاجرین میں سے سابقین اولین انعام و اکرام کے مستحق نہیں، اور میرا خیال ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ عوام کی خوشحالی اور جلیل القدر صحابہ کی قدروانی پر ہی اکتفا فرماتے تو لوگ ان سے ناراض نہ ہوتے اور شاید اسی مفہوم کی تعبیر مؤرخین کا یہ متفقہ بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ابتدائی دور سکون اور خوش ولی کا دور تھا، نرمی، سہولت اور چشم پوشی نے مسلمانوں میں عثمانی خلافت کو حضرت عمرؓ کے مسک سے کہیں زیادہ مقبول بنا یا جس کی بنیاد شدت اور تندہ پر تھی، شدت اور تندہ کا تقاضا ہے کہ لوگ صبر کریں، غیر معمولی ثابت قدمی اور ناقابل برداشت مصائب برداشت کریں

مناسب ہوگا کہ ہم حضرت عثمانؓ کو ان کی خلافت کے پہلے برس یا ابتدائی برسوں میں نرم اور فیاض پالیسی پر گامزن رہنے دیں اور ایک نظر اس جماعت پر ڈالیں جو اس عثمانی مسک کی پیدا کردہ تھی تاکہ اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست کامیابی سے ہم کنار ہو بھی سکتی تھی یا نہیں؟

حضرت عثمانؓ کی رعایا

طبری سہری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سبت سے اور وہ عمارہ بن قفقاع سے اور وہ حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ممتاز قریشی صحابہ پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ مدینہ چھوڑ کر باہر نہ جائیں اور اگر جانا ہو تو مقررہ مدت کے لئے اور وہ بھی خاص اجازت لے کر۔ اور جب ان لوگوں نے اس کی شکایت کی اور یہ شکایت حضرت عمرؓ تک پہنچی تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ میں لو میں نے اونٹ کی طرح اسلام کی منزلیں مقرر کی

ہیں، ابتدا میں اونٹ نوخیز ہوتا ہے، پھر اس کے آگے کے دانت ٹوٹتے ہیں پھر اس کے بازو کے، اس کے بعد وہ سدریں ہوتا ہے یعنی عمر کا پختہ اس کے بعد بازل یعنی بوڑھا بوڑھے سے ترقی کی امید نہیں کی جاسکتی، ہاں سن لو کہ یہ اسلام کے لئے انحطاط کا دور ہے، قریش والے چاہتے ہیں کہ اللہ کا مال اس کے بندوں کے سوا دوسری ضرورتوں میں رکھیں لیکن یاد رکھو جب تک عمر کی جان میں جان ہے ایسا نہیں ہو سکتا، میں مکہ کے پہاڑ حمرہ کی گھاٹی پر قریش کی گردن اور کمر پکڑے کھڑا رہوں گا، اور ان کو آگ میں کود پڑنے سے روکے رکھوں گا۔“

طبری ہی نے بٹری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سیف سے اور وہ محمد اور طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ

”جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان ممتاز صحابہؓ پر وہ نظر نہیں رکھی جو حضرت عمرؓ رکھتے تھے چنانچہ وہ شہروں میں جا بسے جہاں جا کر انہوں نے دنیا دیکھی اور دنیا نے ان کو دیکھا پھر کیا تھا عوام کا وہ طبقہ جس کا کسی ایثار اور قربانی میں حصہ نہ تھا اور جو کسی اسلامی خصوصیت کا مالک نہ تھا جماعتیں بن کر ان حضرات کے گرد جمع ہونے لگا ان کو ہر قسم کی امیدیں دلاتیں اور حوصلے بڑھائے تاکہ ان کے مقتدر ہونے کے بعد اس کو مقرب اور ساتھی بننے کا موقع ملے یہ سب سے پہلا رخہ تھا جو اسلام میں پڑا اور یہ سب سے پہلا فتنہ تھا جس کے عوام شکار بنے۔“

ازرا

پھر طبری ہی بٹری سے اور وہ شعیب سے اور وہ سیف بن عمر اور شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا وصال اس حالت میں ہوا کہ قریش ان سے تنگ آچکے تھے جن کو انہوں نے مدینہ میں بند کر رکھا تھا اور ان کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ مجھے قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرہ شہروں میں تمہارے پھیل جانے سے ہے، ان میں سے اگر کوئی جہاد میں جانے کی اجازت بھی چاہتا تو آپ فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شرکت کر کے تم نے اپنے لئے بہت کچھ کو لیا ہے اب تو تمہارے لئے جہاد سے بھی اچھا یہ ہے کہ نہ تم دنیا دیکھو اور نہ دنیا تم کو دیکھے، پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان کے

لئے راستہ صاف کر دیا اور وہ سنہروں میں پھیل گئے۔ اور لوگ ان کی طرف جھک پڑے، چنانچہ اس نقطہ نظر سے حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ سے زیادہ مقبول تھے۔

قریش رعایا | اب ہم حضرت عثمانؓ کی قریش رعایا سے بحث کی ابتدا کرتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ اس رعایا کے متعلق حضرت عمرؓ کا نقطہ نظر کیا تھا؟ فاروق اعظمؓ کو قریش سے

جس قدر خطرہ تھا اتنا کسی اور سے نہ تھا۔ ساتھ ہی وہ اس سے بھی انتہائی خائف تھے کہ کہیں خود قریش فتنوں کا شکار نہ ہو جائیں، اس لئے کہ وہ اس قبیلے کی رگ رگ سے واقف تھے وہ خوب جانتے تھے کہ اس میں بڑی سے بڑی خوبی کیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کمزوری کہاں ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ قریش جس میں خود حضرت عمرؓ نے پرورش پائی تھی اسلام کی حلقہ بگوشی سے پہلے قوت اور کمزوری یا خوبی اور خرابی دونوں میں ممتاز حیثیت کا مالک قبیلہ تھا، اس کی قوت کا سرچشمہ اس کا وہ پوزیشن تھا جو کعبۃ اللہ کی وجہ سے اس کو حاصل تھا، حج کے مناسک تمام تر اسی کے ساتھ وابستہ تھے یہی قبیلہ تمام عربوں کو حج کراتا تھا اور ان پر ایک رہنمایانہ فوقیت اور غلبہ رکھتا تھا، اور یہ اس کا وہ اقتدار تھا جس میں کوئی اس کا شریک یا حصہ دار نہ تھا اور اس لئے وہ خیال کرتا تھا کہ تمام دوسرے عربی قبائل پر اس کو ایک سیادت اور سرداری حاصل ہے، اور خود عربوں کو اس کی برتری اور سرداری کا اعتراف تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ کوئی غیر معمولی جنگ جو اور بہادر قبیلہ ہے یا اس کی تلوار کی دھاک بیٹھی ہوتی ہے، قریشی تو عربوں کی نگاہ میں لڑاکو اور ثبرد آزما تھے ہی نہیں، بلکہ اس لئے کہ دین کے تمام معاملات کا اسی قبیلے سے تعلق تھا اور دین کی ہر چھوٹی بڑی بات اسی کے ذریعے انجام پاتی تھی، اس کی قوت اور اقتدار کا دوسرا سرچشمہ اس کی وہ زبردست اور غیر معمولی تجارت تھی جو پورے عرب کے کاروبار پر غالب اور حاوی تھی، ان قوتوں کی بنا پر قریش نے اپنے قدم جمار کھے تھے اور حرم اور اس کے گرد و پیش کے مقامات کو امن اور سلامتی کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ قوت کے ان ہی دو حیلوں نے ان میں ہمت، حوصلہ، تدبیر، اور چالاک کی وہ اوصاف پیدا کر دیئے تھے جن سے نبی ثقیف کے علاوہ تمام عربی قبیلے محسوس تھے، بیوپار اور تجارت کی سرگرمیوں نے ان کو اس درمیانی کڑی کا درجہ دے دیا تھا جو مشرق قریب کو مغرب بعید سے ملا دیتی ہے اور اس اتصال کی وجہ سے

مشرق اور مغرب کے یاہوں کہتے کہ روم اور ہندوستان کے درمیان تعلقات کا سبب یہی قریش تھے قریشیوں نے اپنے اس پوزیشن کی بدولت غیر معمولی دولت پیدا کی اور دولت سے بھی کہیں بڑھ کر تجربات حاصل کئے اور معاملات میں سختگی پیدا کی، پھر مال و دولت کی کثرت نے ان کو حرص کا سبق بھی دیا، حفاظت کرنا اور انتہائی احتیاط اور باریک بینی سے نفع اندوزی کے لئے سرمایہ لگانا بھی سکھایا پھر مسلسل تجربات، مختلف قوموں سے معاملات اور میل جول، نیز دور دراز مقامات کے لئے لمبے سفروں نے ان کو مشکلات کا مقابلہ کرنا، مصائب سے گذر جانا اور دشواریوں پر قابو پالینا سکھایا، ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش عربی قبائل میں سب سے زیادہ سچنے کار ماہر اور چالاک قبیلہ بن گیا،

یہ وہ اسباب تھے جس کے نتیجے میں قریشیوں کے حوصلے بڑھے، ان کی خواہشوں کی کوئی حد نہ رہی، ان کی طاقت برداشت نے مصائب کو آسان کر لیا، مشکلات کی سنسی اڑاتی اور ان کو حل کیا، وہ اس سے بھی آگے بڑھے اور اس سے بھی خطرناک منزل میں قدم رکھا، انھوں نے سماج کی مقررہ قدروں کو پاہال کیا، عوام کے مراسم اور دینی معتقدات کا مضحکہ اڑایا، اور اپنے نزدیک بادور کے مفاد کی راہ میں سب کچھ مباح کر دیا، وہ دین کی امانت کا پردہ اپنی تدبیروں کے لئے استعمال کرتے رہے، حالانکہ دین سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، اس لئے کہ قریش کے سردار دین کو زیادہ سے زیادہ وسیلہ تصور کرتے تھے مقصد نہیں، ان کی نگاہ میں بتوں کے محسمے رزق اور اقتدار کا ذریعہ تھے، اور کچھ نہیں، قریش کا ایک مطلبی، چالاک اور دہنگ سردار جب مشکلات میں گھر جاتا تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بھنور سے کس طرح صحیح سلامت نکل سکے گا۔

حضرت عمرؓ قریش کا یہ سب کچھ دیکھ چکے تھے، اس لئے ان کے فریب میں نہ آئے اور اپنی رائے ان کے متعلق اس وقت بھی نہ بدل سکے جب قریشی اسلام کی طاقت کا یقین کر کے اس کے حلقہ بگوش ہو چکے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے پوری احتیاط برتی اور اپنے مسک میں ان کے لئے کسی نرمی اور چشم پوشی کی گنجائش نہیں رکھی، اور کبھی یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کو ہوس پورا کرنے، بڑے بڑے مقاصد پالنے کا، اپنی شان بڑھانے اور دوسروں کو گھٹانے کا موقع ملے، بلاشبہ حضرت عمرؓ کی نگاہوں سے ہاجرین کی فضیلت اور امتیاز کا وہ درجہ اوجھل نہیں تھا جو نبی کریم ﷺ نے مقرر کیا تھا

چنانچہ انھوں نے ان کو ہر طرح مکرم اور معزز رکھا اور اپنی بہت سی عنایتوں اور الطاف سے نوازتے رہے لیکن اعزاز و اکرام کی یہ تمام باتیں حضرت عمرؓ کو اس بات پر مطمئن اور رضامند نہ کر سکیں کہ اپنی خلافت کے دور میں مہاجرین کو من مانے مقاصد کے لئے آزاد چھوڑ دیں، قریش کے بارے میں حضرت عمرؓ کا نقطہ نظر آپ کے اس طرز عمل سے واضح ہو جاتا ہے پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میں حرا کی گھائی پر کھڑا قریش کو آگ میں کودنے سے روکے رکھوں گا، اسی طرح جہاد میں شرکت کی اجازت مانگنے والے مہاجر صحابہ سے آپ کا یہ ارشاد کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہادوں میں شرکت کر کے اپنے لئے بہت کچھ کر لیا ہے اب آپ کے لئے جہاد سے بھی افضل یہ ہے کہ دنیا کا منہ نہ دیکھیں اور نہ دنیا آپ کا منہ دیکھے، آپ کے نقطہ نظر کو اور واضح کر دیتا ہے اور غالباً حضرت خالد بن ولید کے معاملے میں شدت اور ان کی معزولی اور ان پر سخت احتساب، بخت کے وہ پہلو ہیں جو حضرت عمرؓ کے نقطہ نظر کو سب سے زیادہ اجاگر کرتے ہیں، حالانکہ خالد بن ولید خدا کی ان پر رحمت ہو عہد نبوی میں، پھر دور صدیقی میں، عربی رومی جنگ کے سلسلے میں تمام آزمائشوں میں ثابت قدم رہ چکے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کا سبب یہی تھا کہ وہ قریش کو اچھی طرح جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ قوت مل جانے کے بعد وہ کس طرح غلط استعمال کرنے لگتے ہیں اور اپنی کمزوریوں پر غالب آجاتے ہیں، اور یہ کی سطروں میں قریش کی جس قوت کی ہم نے تصویر کھینچی ہے یہی درحقیقت اس کمزوری یا خرابی کا سرچشمہ ہے، اس لئے کہ یہی قوت انہیں حد سے بڑھ جانے پر آمادہ کرتی اور وہ نخوت اور تکبر کے بھنور میں پھنس جاتے یہی قوت ان میں مال کی محبت اور پھر مال کی حرص پیدا کرتی جس کے نتیجے میں وہ استحصاں اور ناحق ذصولی کی زد میں آجاتے، یہی قوت ان کو اپنا بھلا چاہنے پر راغب کرتی اور وہ تیار ہو جاتے کہ فوری اور سہولت سے حاصل ہونے والے منافع سے لطف اندوز ہوں اور اس قسم کے منافع لہذا اوقات گناہ سے خالی نہیں ہوتے، یہی قوت ان کو حرص و طمع کی دعوت دیتی جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے، چنانچہ حرص و طمع کے ماحظوں وہ حدود سے بڑھ جاتے، جن باتوں کی خواہش مناسب نہیں، ان کے حوصلے کرتے، اسی طرح جہاد زیادتی کے مواقع بھی آجاتے، فاروق اعظمؓ کو جب ان مہاجرین سے بھی یہ سارے خطرات تھے جنہیں بنی کریم ﷺ کی طویل صحبت حاصل تھی جو تمام مواقع پر آزمائشوں میں ثابت قدم رہے تو پھر وہ قریشی جو بہت بعد میں مسلمان ہوئے ان سے تو حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط اور پر حذر رہنا ضروری تھا،

یہ بعد میں اسلام لانے والے قریشی بن میں بہت سے جوان اور بوڑھے شامل ہیں، سنسی خوشی مسلمان نہیں ہوئے تھے، کچھ لوگوں نے توفیح کے نقابچی بن کر حیب دیکھا کہ اسلام کا پتہ بھاری نظر آتا ہے تو اس طرف جھک پڑے اور کچھ لوگ مجبور ہوئے کہ سارا فکہ اٹھایا ہے اب ان کے لئے اسلام کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، بہر حال اسلام کے متعلق ان ایمان لانے والوں کا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ ایک دین ہے جس کا تعلق دلوں کی دنیا سے ہے جو اللہ کے شعائر اور حقوق سے وابستہ ہے بلکہ وہ تو اس کو ایک غیر معمولی چانس تصور کرتے تھے جس طرح کہ وہ اور بہت سے مواقع سے کبھی اپنے ملک میں اور کبھی بیرونی ممالک میں نائدہ اٹھتے رہے اسلام قبول کرتے وقت ان کے پیش نظر تھا کہ بنی نے قریش سے اسلامی دعوت کے سلسلہ میں وعدہ کیا ہے کہ وہ دنیا کی عزت اور عقبیٰ کا ثواب دونوں دیں گے، چنانچہ بہت سے تو دنیا کی عزت اور خوشحالی کے خیال سے اور کچھ لوگ آخرت کے ثواب کا خیال کر کے مسلمان ہوئے، پھر اسی خیال سے انہوں نے جہاد اور فتوحات کی راہ میں مصائب برداشت کئے اور قربانیاں کیں اور یہ مصائب اور قربانیاں بعض مواقع پر اوروں سے بڑھ چڑھ کر رہیں،

پھر بہتوں نے ان میں سے خلوص یا خود غرضی سے یہ چاہا کہ نبی کے ساتھ غزوات میں شرکت نہ کرنے اور مصیبتیں برداشت نہ کرنے کی تلافی، اس وقت کی فتوحات میں شریک ہو کر اور اس کی راہ میں مصیبتیں اٹھا کر دیں، چنانچہ جب عربوں کے اس طرف رخ کیا تو اس قسم کے لوگ دوڑ پڑے، ان میں بہتوں کا مقصد تو دنیا تھی، اور کچھ تھوڑے سے آخرت کے چاہنے والے بھی تھے، ان کے لیڈر اور سردار خوب سمجھ رہے تھے کہ وہ فتح مکہ کی امان یافتہ پیداوار ہیں، اور ان کا درجہ اسلام کے سابقین اولین سے کہ ہے یہ احساس ان کے لئے سخت کوقت کا باعث تھا اور ان میں احساس کمتری کے جذبات پیدا کر رہا تھا، پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے کیا ہے؟ اور اسی وجہ سے وہ فاروق اعظمؓ سے برہم تھے اور چاہتے تھے کہ جہاد میں شرکت کر کے اور شہداء و مصائب کا مقابلہ کر کے ثابت کر دیں کہ ان کے متعلق خلیفہ ثانی کی رائے حقیقت سے کس قدر دور ہے اور یہی مطلب ہے اس جملے کا جو خالد بن ولیدؓ کی زبان سے اس وقت نکلا جب وہ شام کی کسی لڑائی میں گر پڑے اس وقت عکرمہ ابن ابو جہل کی ران پر اپنا سر رکھے ہوئے انہوں نے کہا "حنتمہ کا لڑکا سمجھتا ہے کہ ہم لوگ اللہ کی راہ میں جان دینا نہیں جانتے،" حنتمہ حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام ہے۔

پس قریش کے لئے حضرت عمرؓ کے مسلک میں جو شدت تھی اس کی بنیاد یہ تھی کہ وہ ان کے اندرونی حالات سے اچھی طرح باخبر تھے، وہ جانتے تھے کہ ان کی طبیعت کیسی ہے، اپنا پوزیشن باقی رکھنے اور متوقعہ درجات تک پہنچنے کے وہ کتنے حریص اور کٹر ہیں چاہے اس سلسلہ میں خود خلیفہ مشکلات اور اور مصیبتوں کا شکار ہو جائے، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت سے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ریشم کا کرتا پہننے کی اجازت دیدی تھی، ایک دن عبدالرحمنؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے ان کے ساتھ ان کا نوجوان لڑکا بھی تھا، جس کے جسم پر ریشمی قمیص تھی، حضرت عمرؓ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا یہ کیا؟ اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نیچے تک قمیص چاک کر دی، عبدالرحمنؓ نے کہا کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ نے مجھے ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے رکھی ہے، صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں میں جانتا ہوں تمہاری ایک مجبوری پر تم کو اجازت دی گئی، لیکن تمہارے لڑکے کو تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

اس طرح حضرت عمرؓ کو خطرہ لگا رہتا کہ ہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی دی ہوئی رخصت کو بڑھا کر زیادہ کر دیں گے، حضرت عمرؓ و ریا کے خطرات سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے امیر معاویہؓ کو بحری جہاد سے روکتے رہے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ اس احتیاط میں حضرت عمرؓ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ بحری جہاد میں جس پر امیر معاویہؓ کو بڑا اصرار تھا واقع سے فائدہ اٹھانے کے امکانات رہا کرتے ہیں، جس کے لئے قریش ہر وقت بابر کا ب رہا کرتے، حضرت عمرؓ یہ اپنی ذمہ داری تصور فرماتے تھے کہ وہ عام مسلمانوں کو قریشی نوجوانوں کی ان معرکہ آرائیوں سے دور رکھیں جن میں مواقع سے فائدہ اٹھالینے کے وہ جذبات کام کر رہے ہوں، یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت نے قریشیوں کو ایک جدید امتیاز کا مالک بنا دیا تھا، حضرت عمرؓ اسی امتیاز میں خطرہ دیکھ رہے تھے کہ اس کی حد بندی کر دی جائے اور اس کو بے لگام نہ ہونے دیا جائے۔

حضرت عثمانؓ جس رعایا کے خلیفہ بنے اس کے ایک طبقے کا یہ حال تھا اور اس کے پیش نظر ذی النورین کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو وہ فاروق اعظمؓ کی طرح شدت سے کام لیتے اور ممتاز ہاجر صحابہؓ کو مدینہ میں روکے رہتے، قریشیوں سے اپنے اندیشوں کا اظہار کرتے رہتے اور ایک

مقررہ حد سے ان کو آگے نہ بڑھنے دیتے، حکومت کے معاملات اور حکمرانی کے عہدوں پر عام عربوں، بلکہ عام مسلمانوں میں سے ان ہی افراد کو مقرر فرماتے جو ذمہ داری سنبھالنے کے پورے اہل ہوتے، یا پھر نرمی کی راہ اختیار فرماتے اور قریش کے لئے راستہ صاف کر دیتے جس پر چل کر وہ ذاتی مفاد کی نہ ختم ہونے والی منزل پر پہنچتے، آگے کی سطروں میں آپ پڑھیں گے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی مرضی سے کہتے یا مجبور ہو کر یہی دوسرا راستہ اختیار کیا۔

انصار رعایا حضرت عثمانؓ کی رعایا میں دوسرا طبقہ انصار کا تھا اسلام میں انصار کا درجہ

بیان سے بے نیاز ہے، قرآن مجید میں ان کی تعریف محفوظ ہے نیز نبیؐ نے ان کے لئے رعایت کے جو احکام دیئے ہیں وہ بھی برحق و برقرار ہیں، تم یہ جانتے ہو کہ حضرت ابو بکرؓ کی اس روایت کے بعد کہ "امامت قریش میں ہے" خلافت میں انصار کا حصہ نہیں رہا، تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا تھا "ہم امیر اور تم وزیر" چنانچہ حضرت ابو بکرؓ انصار سے مشورہ لیا کرتے تھے، یہی حال حضرت عمرؓ کا بھی تھا، حضرت عثمانؓ نے بھی انصار سے مشورہ لینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی لیکن یہ تینوں خلفاء ان انصار سے مشورہ لیا کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے لیکن انصار کی وہ نئی نسل جو صدیق اکبرؓ کے زمانے میں قابل ذکر نہ تھی، لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں وہ کچھ سمجھنے بوجھنے لگی اور حضرت عثمان کے عہد میں تو اس کے احساس میں کافی شدت پیدا ہو چکی تھی اس نئی نسل اور اس کے نوجوانوں کو عام عربوں میں کوئی امتیازی شان حاصل نہ تھی، حضرت عمرؓ حکمرانی کے عہدوں کے سلسلے میں صرف قریش تک اپنی تلاش محدود نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ کی نگاہ انتخاب پورے عرب کی طرف تھکتی تھی اور اگر فاروق اعظمؓ زندہ رہتے تو وہ انصار کے نوجوانوں کو مطمئن کر دیتے کہ حکومت دوسروں کی طرح ان کے حقوق کا بھی خیال رکھتی ہے اور اس سلسلے میں اس کی طرف سے کوئی بے نیازی یا کوتاہی نہیں ہو سکتی، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے طرز عمل سے ممتاز انصاری صحابہ پورے اخلاص کے ساتھ خوش تھے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عام انصاری اور خاص طور پر نوجوان طبقہ قریش کی امتیازی سیادت اور چودھری پنہ سے سخت تنگ اور نالاں تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا، بدر کے موقع پر انصاری نے تو قریشیوں کو نیچا دکھایا تھا، جہا جہن کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے والے اور ہر طرف سے آتے ہوئے انصار ہی تو تھے، ان

حالات میں انصار کی فتنی اور ان کے سکون کا یہ بہت بڑا سامان تھا کہ حضرت عمرؓ قریشیوں کے لئے بڑے سخت تھے۔ اور ان کو عام مسلمانوں پر کوئی فوقیت اور امتیاز نہیں دینا چاہتے تھے، پس حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہو جانے کے بعد انصار کے نقطہ نظر کا دار و مدار خلیفہ کے طرز عمل پر تھا، اگر خلیفہ حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلا تو ان کو بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح دنیاوی امور میں حصہ لینے کا پورا پورا موقع ہو گا، اور اگر اس نے قریش کو ترجیح دی اور ان کی طرفداری کی تو انصار یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ ایک مطلق العنان اور مطلق سیادت ہے، اور ان کا درجہ قریش کے بالمقابل متبعین کا درجہ ہے، اور وہ امامت کے علاوہ معاملات میں بھی ان کی برابری کے نہیں ہو سکتے، آگے چل کر آپؓ پڑھیں گے کہ حضرت عثمانؓ نے جبراً قہراً یا خوشی خوشی قریش کو ترجیح دی اور اس ترجیح کا انصار کے دلوں پر بہت بڑا اثر پڑا جس کے نقوش بعد میں ہونے انقلابات اور فتنوں میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت عثمان کی رعایا میں تیسرا گروپ

مذکورہ بالا دو طبقوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی رعایا میں ایک تیسرا گروپ ان عام عربوں کا تھا جو دل سے یا بادل ناخواستہ مسلمان ہوئے تھے، اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان

کو جہاد اور فتوحات کے لئے روانہ کر دیا تھا، یہ لوگ فتوحات کے بعد اپنے شہروں اور سرحدوں میں مقیم ہو گئے تھے، یہی لوگ ایک طرف مسلمانوں کی حفاظت کے لئے دیوار کا مرتبہ رکھتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کی فوجی طاقت تھے جس سے مزید فتوحات کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا، اسلام نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ سب لوگ مساوی ہیں، برابری کا درجہ رکھتے ہیں، ماں و فضیلت کی چیز تقویٰ، اہلیت اور آزمائش ہے، پس یہی عام عرب درحقیقت اسلام کا سرمایہ اور اس کی دولت تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ان ہی لوگوں نے ممالک فتح کئے دشمن کو زہر کیا اللہ کا دین دنیا کے گوشوں تک پہنچا اس لئے یہی حقدار ہیں ان کے سوا کسی کو ترجیح نہ دی جائے،

لیکن ان تمام خصوصیات کے بعد چونکہ یہ نئے نئے مسلمان ہیں، عہد جاہلیت سے قریب ہیں، ابھی وہ بھولے نہیں کہ ان میں سخت دشمنی کے، عصبیت اور تفاخر کے جذبات ہیں، تکبر اور غرور کے جو اوصاف وہ رکھتے تھے اب ان میں بعض جدید امتیازات کا اضافہ ہو چکا ہے۔ جو پہلے سے زیادہ شاندار ہے اسلئے ان لوگوں کے لئے مدبرانہ سیاست یہی تھی کہ اول ان کے دلوں سے وہ پرانی عصبیت اور گھمنا

مٹایا جائے، پھر خالص سلامی تربیت کے اثرات ان میں پیدا کئے جائیں۔ عدل و مساوات کی وہ عملی مثال ان کے سامنے پیش کی جائے جس کا خدانے وعدہ کیا ہے، حضرت عمرؓ نے اسی سیاست کو عملی جامہ پہنانا چاہا تھا، چنانچہ انہوں نے حتی الامکان دلوں کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی عُصَبیت اور دماغوں میں بیٹھی ہوئی کدورت کو دور کیا، ان شاعروں تک کو تنبیہ کیا جو اشعار و قصائد میں عہد جاہلیت کے مفاد پر نظم کرتے تھے بڑے بڑے شہروں میں صحابہؓ کو مقرر فرمایا کہ وہ شہر والوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور احادیث نبویؐ کا درس دیں، اور دین کی تعلیمات انہیں سکھائیں، اور اس طرح ایک خالص اسلامی سماج پیدا کریں، حضرت عمرؓ نے ایک فریق کو دوسرے پر فوقیت اور امتیاز کا موقع نہیں دیا اور نہ حکومت کے معاملات میں کسی ایک قبیلے اور محلے کو ترجیح دی بلکہ عام لوگوں کو بالکل مساویانہ مواقع پیش کئے چنانچہ گورنری کے لئے مصر، ربیعہ اور یمن سے افراد کا انتخاب کیا پھر ان سب پر سخت نگرانی رکھی، حضرت عثمانؓ کے فرمانوں میں تم نے پڑھا ہوگا کہ وہ یعنی حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنر فاروقؓ کی پالیسی پر عمل پیرا ہوں گے، لیکن آگے چل کر تم دیکھو گے کہ حضرت عثمانؓ نے گورنروں کو ایک سال تک باقی رکھنے کی وصیت کے پورا ہوتے ہی اپنی پالیسی مجبور ہو کر یا خوشی سے بہر حال بدل دی، اور قریشیوں پر ممتاز اور مسلط ہو گئے، چنانچہ بڑے شہروں اور اونچے عہدوں پر قریش ہی مقرر کئے گئے دوسروں کو یہ موقع نہیں دیا گیا،

حضرت عثمانؓ کی رعایا کا چوتھا عنصر

مفتوحہ ممالک کے شہری حضرت عثمانؓ کی رعایا میں چوتھا عنصر تھے ان کے بارے میں اسلام کا مسک

بالکل صاف ہے کہ جو کچھ ان پر واجب ہو ان سے وصول کیا جائے اگر وہ اپنا حق ادا کر دیں تو پھر ان کے لئے وہی تمام حقوق ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں حضرت عثمانؓ اس مسک سے بخوبی واقف تھے اور جیسا کہ ان کے فرمانوں میں بتایا گیا ہے، وہ اور ان کے گورنر اس مسک کے پابند بھی تھے،

لیکن حضرت عثمانؓ کے دور میں ذمیوں کی کوئی آواز کہیں سے کانوں میں نہیں پڑتی، اس لئے نہیں کہ ان کے ساتھ اسلامی مسک کے مطابق سلوک کیا گیا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مغلوب اور بے بس تھے، اور سیاست میں قابل ذکر حصہ لینے کا ان کو موقع نہ تھا۔ ورنہ کوئی بتاتے کہ اس گفتگو کا کیا مطلب ہے

جو ایک دن حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے درمیان ہوئی، حضرت عثمانؓ، عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

قد دوت تلك اللقاح

اے عمرو تمھارے بعد اس اونٹنی

بعدك يا عمرو!

نے تو خوب دودھ دیا۔

عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ

فعد و هكت فسالها

ہاں مگر بچے تو سب مر گئے،

حضرت عثمانؓ کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ بیت المال میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانہ گورنری میں جو رقم آیا کرتی تھی وہ عثمانی عہد کے گورنر ابن ابی سرح کی رقم سے کم تھی، حضرت عمرو بن العاصؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ آمدنی کا یہ اضافہ ذمیوں پر زیادتی کی بنا پر تھا، پھر اس واقعے سے دو ہی نتیجے نکالے جا سکتے ہیں، یا تو عمرو بن العاصؓ خراج کی آمدنی کا کچھ حصہ اپنی ذات کے لئے بچا لیتے ہوں گے اور بیت المال میں داخل نہ کرتے ہوں گے، یا پھر یہ کہ ابن ابی سرح ذمیوں سے اور اہل معاہدہ سے مقررہ رقم سے زیادہ وصول کرتے ہوں گے اور یہ دونوں باتیں بری ہیں،

اور پھر معاہدہ رعایا کے ساتھ ناہمواری ایسی تھی محدود نہیں رہا، حضرت عمرؓ تو قریش کے لئے نہایت سخت تھے وہ قریش کی سطح عام عربوں کی سطح کے برابر تصور فرماتے تھے وہ کسی قبیلے کو دوسرے قبیلے پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہیں دیتے تھے حضرت عثمانؓ یہ مساوات بھی قائم نہ رکھ سکے، چنانچہ انھوں نے قریش کو تمام عربوں پر قصداً یا سہواً فوقیت دی بلکہ وہ تو ایک قبیلہ قریش میں بھی مساوات باقی نہ رکھ سکے اور اس کی ایک پارٹی کو دوسری پارٹی پر ممتاز کر دیا، اور والنتہ یا نا والنتہ ایک کو بڑھایا دوسرے کو گھٹایا، کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو کچھ خطرہ سا تھا کہ مساوات پورے طور پر باقی نہ رہ سکے گی اور انصاف نہ چل سکے گا اسی لئے حضرت عثمانؓ سے انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ اگر خلیفہ ہو جانا تو عوام پر بنی امیہ اور ابو معیط کا خاندان مسلط نہ کر دینا اسی طرح آپ نے حضرت علیؓ سے بھی چاہا تھا کہ اگر خلافت کی مسئلہ جائے تو عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے ہاتھ میں عوام کی دیکھنا نہ دیکھنا، حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی بات ہمیں مانی اور لوگوں کی گردنوں پر بنی امیہ اور ابو معیط کو سوار کر دیا کہ جانا ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی فاروق اعظمؓ کا کہنا نہیں مانا اور جب وہ خلیفہ ہوئے تو اپنے چچا کی اولاد میں سے تین کو بصرہ، مکہ اور یمن پر حاکم بنا دیا اور مالک اشتر کو کہنا پڑا "جب یہی کرنا تھا تو بوڑھے کی جان کیوں لی گئی"

لیکن اس کے باوجود میرے نزدیک حضرت عثمان کے عمل اور حضرت علی کے اقدام میں بہت بڑا فرق ہے خود حضرت علی نے گورنروں کے بارے میں جب حضرت عثمان پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ نے بھی تو کوفہ پر مغیرہ بن شعبہؓ کو مقرر کیا تھا حالانکہ ان میں کوئی بات نہ تھی، اور پھر انہوں نے معاویہؓ کو حاکم بنایا اس جواب پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنروں پر رعب اور شدید نگرانی رکھتے تھے، اور تمہارے گورنر تو من مانے حاکم ہیں، ان کو تمہاری کچھ پرواہ نہیں، اپنی طرف سے احکام جاری کرتے ہیں اور نام خلیفہ کا لگاتے ہیں، اور آپ ان کے احکام میں کچھ رد و بدل بھی نہیں کر سکتے، اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علیؓ کا طرز عمل اپنے عزیز گورنروں کے ساتھ حضرت عمرؓ کا سا تھا، وہ انکی کڑی نگرانی کرتے تھے، خلاف ذی یاکوتا ہی کی صورت میں کوئی طاقت معزولی سے ان کو روک نہیں سکتی تھی حالانکہ حضرت عثمان اس درجہ بے بس تھے کہ بنی امیہ اور آل معبیط میں سے کسی بھی گورنر کو اس وقت تک معزول نہ کر سکے جب تک رعایا نے مجبور نہ کر دیا۔

بہر حال حضرت عثمانؓ کی رعایا وہی تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی اور اس میں خفیت سی تبدیلی اس وقت ہوئی جب عثمانی دور کا ایک حصہ گزر چکا اور حضرت عمرؓ کا مسک وہ واحد راہ تھی جس پر چل کر یہ عیثیت کا سیلاب اور بامداد ہوتی لیکن ہر مدعی کے لئے دار و رسن کہاں، سب لوگ قاروق کی سیرت نہیں پاسکتے ہر ایک میں حضرت عمرؓ کی وہ شدت جو حق کی راہ میں نرمی نہیں جانتی، جو انصاف اور مساوات قائم کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتی، کہاں سے آئے خود حضرت عثمانؓ بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اپنے مخاطبین سے جب کہ دسترخوان پر نرم غذا حاضر تھی فرمایا "ہر آدمی عمرؓ کی سی طبیعت کہاں سے لائے" اور ایک مرتبہ بیت المال سے داد و دہش پر ملامت کرنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا "ہم میں عمرؓ جیسا کون ہے؟" اور ایک مرتبہ نبیؐ کے منبر سے کھڑے ہو کر فرمایا،

"ابن الخطاب نے تمہیں زد و کوب کیا، منہ توڑ جواب دیا، تم ان سے ڈرتے رہے اور ان سے ان باتوں پر خوش رہے

جن پر مجھ سے ناراض ہو اور یہ اس لئے کہ میں نے تم پر اٹھ نہیں اٹھایا، تمہارے خلاف زبان نہیں کھولی"

پس دونوں میں بڑا فرق ہے، طبیعت میں فرق ہے، مزاج میں فرق ہے اور عمر میں بھی فرق ہے لیکن یہ فرق فتنے کی جڑ نہیں ہیں، فتنے کے اسباب کچھ اور بھی ہیں، جن کا دفع کرنا حضرت عثمانؓ کے بس سے باہر تھا، آئندہ فصل میں ہم بعض ان اسباب پر روشنی ڈالیں گے۔

اپنے اختیار سے گورنروں کا تقرر

خلافت کا پہلا سال ختم ہوا، اور حضرت عمرؓ کی یہ وصیت کہ گورنروں کو ایک سال تک ان کے عہدوں پر باقی رکھنا، پوری ہوئی، اب حضرت عثمانؓ کو آزادی ملی اور وہ حاکموں کے تقرر اور معزولی میں اپنی طبیعت اور اقتدار سے کام لینے لگے، اس براہ راست اقدام میں کچھ جلد بازی ضرور تھی، لیکن پھر بھی کافی غور و فکر کے بعد اقدام کیا گیا تھا، اپنے ایسے صوبوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جن کی سیاسی اعتبار سے کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ انتظامی اور جنگی نقطہ نظر سے وہ قابل ذکر تھے، چنانچہ ان میں اپنے حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ گورنروں کو ہی برقرار رکھا، ان ضرورت پڑنے پر کوئی معمولی سی تبدیلی بلا کسی خاص توجہ اور اہتمام کے کر دی، اس زمانے میں صوبوں کی حیثیتیں مختلف تھیں، بعض صوبے سیاسی، انتظامی اور جنگی نقطہ نظر سے غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے، خصوصاً وہ تمام علاقے جو مسلمانوں نے فتح کئے تھے، اور بعض وہ جو رومی مملکت سے کٹ چکے تھے، اور جن پر فارسی عہد غالب تھا۔ ایسے اہم صوبے چار تھے، یحسام، مصر، کوفہ، بصرہ، ان میں سے ہر صوبہ ایسا تھا جس کی سرحدیں حفاظت اور مدافعت کی محتاج تھیں، ہر ایک کے سامنے وار لہر تھا جس پر مسلمانوں کو گہرے غور و خوض کی ضرورت تھی، شام کے سامنے خود رومی آبادیاں اور سمند کی سطح تھی، مصر کے بالمقابل دریا کی موہیں اور شمالی افریقہ تھا، عراق کے دونوں شہروں کوفہ اور بصرہ کے سامنے فارس کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقے تھے، اسلامی قوت کے یہی چار مرکز تھے، انہیں میں اسلامی فوجیں مقیم تھیں، انہیں کے بالمقابل وہ سرحدیں تھیں جنہیں لڑنے والی فوجیں کبھی کوچ اور کبھی قیام کرتی رہتی تھیں، یہی چار صوبے مسلمانوں کی دولت اور ثروت کے بھی سرچشمہ تھے، ان ہی میں تہذیب و تمدن کا شاندار اور پربہار دور تھا، ان میں نہ غیر زمینیں تھیں جن میں خدا کا دریا بہت کچھ پیدا ہوتا، یہی صوبے خراج کی وصولی کے مرکز تھے، ان ہی میں وہ ذمی آباد تھے جو ہزیب ادا کرتے تھے، اور پھر یہی وہ صوبے تھے جنہیں کہنا چاہیے کہ فتوحات کے دست و بازو تھے، یہیں ہر سال نائتیں مال غنیمت لاتے اور یہیں سے اس کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا جاتا، پس اگر عرب فوجی قوت کے اعتبار سے اسلام کی ایک طاقت تھے، تو یہ چاروں صوبے مالیاتی

نقطہ نظر سے اسلام کا غیر معمولی سرمایہ تھے، ان حالات کے پیش نظر کوئی تعجب کی بات نہیں اگر حضرت عثمان نے ان صوبوں کی طرف خاص توجہ فرمائی اور دوسرے ایسے صوبوں کو نظر انداز کر دیا جن کی کچھ اہمیت نہ تھی، بلاشبہ مکہ مکرمہ طائف اور یمن بھی صوبے تھے اور ان کا بھی درجہ ہے، لیکن اول تو یہ کہ یہ صوبے کسی میدان جنگ کی زد میں نہ تھے اور پھر وہ آمدنی کا ذریعہ بھی نہ تھے، ان سے کسی ایسے سازو سامان اور ایسی قوت کی توقع نہ تھی جو کسی نئی حکومت کے استحکام کا ضروری جز ہو سکے، ان صوبوں کی اہمیت اور قدر و قیمت فتوحات سے قبل غیر معمولی تھی جب رسول اللہ ﷺ اس کوشش میں مصروف تھے کہ پورے عرب ملک میں اسلام پھیلا دیں، لیکن فتوحات کے بعد جب کہ عربی سرزمین اللہ کی پرستش سے معمور ہو گئی اور اسلام محفوظ ہو گیا۔ تو ان کی اہمیت دوسرے درجہ میں آگئی اور پہلا درجہ ان صوبوں کو ملا، جن کی فتح میں مسلمانوں نے ان عربی صوبوں سے کہیں زیادہ جانی اور مالی قربانیاں پیش کی تھیں، ان ہی باتوں کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ چھوڑ کر جانے والے مسلمانوں نے مکہ، طائف یا یمن کا رخ نہیں کیا بلکہ عراق، شام، مصر کا ارادہ کیا، ان جانے والوں میں جو نیک اور مخلص تھے ان کے پیش نظر فتوحات میں وسعت کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی حفاظت اور آخرت کا ثواب تھا، اور جو کاروباری تھے وہ دنیاوی مقاصد رکھتے تھے، تاہم تجارت کرتا اور کاشتکار زراعت اس طرح مختلف طبقے مختلف طریقوں سے فوائد حاصل کرنے میں مصروف تھے۔



کوثر پر سعد بن ابی وقاصؓ کا تقرر اور معزولی

حضرت عمرؓ نے جب وفات پائی تو کوثر کے گورنر مغیرہ بن شعبہ ثقفی تھے اور بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعریؓ، ان دونوں کو حضرت عثمانؓ نے پہلے سال باقی رکھا لیکن سال کے خاتمہ پر مغیرہ کو کوثر کی گورنری سے معزول کر دیا، اور ان کی جگہ پر سعد بن ابی وقاصؓ زہری کو والی بنایا، یہ تقرر حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی اس خواہش کی بنا پر کیا تھا کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا، میرے بعد اگر وہ خلیفہ نہ ہو سکے تو ان کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہے، لیکن سعد بن ابی وقاصؓ کوثر کی گورنری پر ایک سال اور کچھ دن سے زیادہ نہ رہ سکے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ مجبور ہوئے کہ ان کو معزول کر دیں،

مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر دینے پر مجبور ہو گئے، ہوا یہ کہ عبداللہ بن مسعودؓ بیت المال کے خزانچی اور سعد بن ابی وقاصؓ کے درمیان اختلاف ہوا ایسا اختلاف جس نے حضرت عثمانؓ کو دونوں پر سخت برہم کر دیا۔ اور آپ نے دونوں کے خلاف ارادہ فرمایا۔ لیکن پھر رک گئے اور سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی پر اکتفا کیا۔

اس اختلاف کی بنیاد بھی واقعہ حیرت انگیز ہے، کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے کچھ قرض لیا، اور اس کا وثیقہ لکھ دیا۔ اب عبداللہ بن مسعودؓ نے قرض ادا کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت سعدؓ نے مہلت کی درخواست کی، عبداللہ بن مسعودؓ اس پر راضی نہیں ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف کوثر والوں کی ایک جماعت کی حمایت حاصل کی، ابن مسعودؓ اپنی حامی جماعت کی امداد سے چاہتے تھے کہ سعدؓ قرض ادا کر دیں اور سعدؓ کی کوشش تھی کہ اپنے حامیوں کے ذریعہ ابن مسعودؓ سے مہلت حاصل کریں، بالآخر دونوں اکٹھا ہوتے ہیں اور بات گستاخی کی حد تک پہنچتی ہے

بقول راویوں کے حضرت سعد ارادہ کرتے ہیں کہ ابن مسعود کے حق میں بددعا کریں، یہ دیکھ کر ابن مسعود گھبراتے ہیں اور اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا کی ہے کہ "جب کبھی سعد کوئی دعا کرے تو اسے قبول کر لیجیو" راوی کہتے ہیں کہ حضرت سعد نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا "اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" اتنا سن کر ابن مسعود نے کہا "سعد منہ سے اچھا کلمہ نکالنا، یہ کہہ کر فوراً وہاں سے لوٹ آئے، اب معاملہ حضرت عثمان تک پہنچا، آپ دونوں پر سخت عرصہ ہوئے اور دونوں کے خلاف کارروائی کا ارادہ کیا لیکن بعد میں رک گئے اور سعد کو معزول کر دیا اور ان سے جو کچھ ان پر تھا وصول کر لیا اور کوفہ کے لئے ایک نئے گورنر کا تقرر کر دیا۔

تمام راوی اس واقعہ پر متفق ہیں، لیکن میں اس مقام پر انتہائی احتیاط برتنا چاہتا ہوں میری اس احتیاط کے کئی سبب ہیں، حضرت سعد کے متعلق حضرت عمر کی آنے والے خلیفہ سے یہ سفارش تھی کہ انہیں موقع دیا جائے۔ اور یہ کہ انہوں نے کسی حیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا اور مذکورہ بالا قصے کا کم از کم اتنا تو مفہوم ہے کہ حضرت سعد نے بیت المال سے کچھ قرض لیا تھا اور اس قرض کی ادائیگی میں تاخیر کر رہے تھے یا مال مٹول سے کام لے رہے تھے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جسے فاروق اعظم نے مجلس شوریٰ کے لئے پسند کیا ہو، جسے منصب خلافت کا امیدوار بنایا ہو اور اگر خلیفہ نہ ہو سکے تو اس کے تعاون کو ضروری قرار دیا ہو۔ وہ ایسی کمزوری دکھائے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت عمر سے یہ ممکن نہیں کہ عوام کی بھلائی اور خیر خواہی کے خلاف کسی ایک شخص کے لئے ذاتی فائدے کے خواہاں ہوں انہوں نے تو ہمیشہ عام مسلمانوں کے مفاد کو مقدم رکھا۔ بلاشبہ جب وہ خلیفہ سے سفارش کر رہے تھے کہ سعد سے کام لینا، ان کو گورنر بنانا تو اس کا مطالب سعد کو خوش کرنا یا ان کی طرفداری کرنا یا اپنے ساتھیوں پر ان کو مقدم کرنا نہ تھا، بلکہ آپ خلیفہ اور مسلمانوں کو محاصرہ مشورہ دے رہے تھے اور ہدایت فرما رہے تھے کہ سعد کی قابلیت اور جنگی معاملات میں ان کی بہارت سے فائدہ اٹھانا، اس لئے کہ ایرانی علاقوں کے معاملات مسلمانوں کی منشا کے مطابق اطمینان بخش نہ تھے، ایرانی اقتدار کا بڑی حد تک خاتمہ ضرور ہو چکا تھا، لیکن ابھی اس کی شوکت ٹوٹی نہ تھی، کسریٰ یزدگرد شکست کھا چکا تھا لیکن وہ مارا نہیں گیا تھا اور نہ قید کیا جاسکا تھا، وہ اپنے ملک میں تھا اور شہروں اور دیہاتوں میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ فارس میں بہت

سے شہر تھے، بعض تو ایسے تھے جہاں اب تک مسلمان پہنچ ہی نہ سکے تھے اور بعض ایسے تھے جن سے مسلمانوں کی صلح ہو چکی تھی، لیکن مطیع ہنوز غبار آلود تھا، ایسے مقامات، فرصت کے منتظر اور وقت کی تاک میں تھے کہ جیسے ہی موقع ملے، بغاوت کر بیٹھیں، سرزمین ایران پر فتوحات کی ابتدا ہوئی تو بڑی تیزی کے ساتھ سلسلہ آگے بڑھا، لیکن فتح کی تکمیل بہر حال نہیں ہو سکی، اور معرکہ قادسیہ کے مرو میدان سعد بن ابی وقاص ہی کسریٰ کی حکومت کے فاتح تھے، ایسی حالت میں یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے دماغ میں سعد بن ابی وقاصؓ کے متعلق یہ خیال آئے کہ فتوحات کا جو سلسلہ انہوں نے شروع کر دیا تھا وہی اس کی تکمیل کر دیں اور غالب گمان ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ زندہ رہتے تو سعدؓ کو پھر کوفہ پر واپس کر دیتے کہ وہ آگے بڑھیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں فتح کی تکمیل ہو جاتی، اور یہ سعدؓ اسلام کی طرف سبقت کرنے میں مشہور ہیں، چنانچہ وہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے کہ میں تو ثلث الاسلام ہوں ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں حدیق اکبرؓ کے بعد مسلمان ہوا ہوں اور اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ اور ان کے بعد میں اور اگر حضرت ابوبکرؓ اور زید بن حارثہ کے بعد وہ مسلمان ہوئے ہوں تو وہ ان تین میں سے ایک ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے، اور پھر حضرت سعدؓ باتفاق محدثین بطن رابع جانے والے فوجی دستہ "سر یہ" کے سب سے پہلے تیر انداز ہیں، یہ دستہ عبیدہ ابن حارثہؓ ابن عبدالمطلب کی قیادت میں جا رہا تھا،

علاوہ بریں حضرت سعدؓ ہی وہ صحابی ہیں جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے موقع پر ان کی پامردی اور استقلال کے پیش نظر فرمایا "قراہ امی و ابی" کسی اور صحابی کے لئے آپ نے ماں اور باپ دونوں کو جمع نہیں کیا، سعدؓ بہترین تیر انداز تھے، اور احد کے معرکہ میں سرفروش مجاہدوں کے ساتھ انہوں نے اپنے تیزوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی،

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "ارم سعد ابی و امی" پس جو شخص ایسی قسمت والا ہو کہ اسے نہائی اسلام کہا جائے، اسلام کا پہلا تیر انداز کہا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اپنے ماں باپ فدا کریں، اس سے خوش ہوں اور اسے اُن دس آدمیوں میں شمار فرمایاں جن کے لئے جنت کی ضمانت دی، جو ایرانی سلطنت کا خاتمہ کر دینے والا اور قادسیہ کا فاتح ہو، جس کو حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ میں حاضری کا حکم دیا ہو، جس کو خلافت کا امیدوار بنایا ہو، جسے

خلافت نہ ملنے پر گورنر بنانے کی خواہش ظاہر کی ہو، جس کے مقدر میں یہ ساری فضیلتیں اور خوبیاں ہوں ممکن نہیں وہ بیت المال کے قرض کے بارے میں خواہ کم ہو یا زیادہ ٹال مٹول سے کام لے سکتے ہیں کہ اس کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ شک و شبہہ کریں، یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عثمان اس پر غصہ ہوں، اس کے خلاف اقدام کا ارادہ کریں اور پھر بقایا وصول کر کے معاف کر دیں، غالب گمان تو یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ کو سعد کے لئے کسی بھی گورنری کی طرف متوجہ نہیں کیا بلکہ خاص طور پر کوفہ کی گورنری کا اشارہ کیا ہے اس لئے کہ وہی ایک ایسا شہر تھا جس میں سعد کا قیام ضروری تھا تاکہ فتوحات کی تکمیل کر کے جنگ کا خاتمہ کیا جاسکے، ابن مسعودؓ کی سعد کے ساتھ بدگمانی بھی حقیقت میں حیرت انگیز ہے وہ جانتے تھے کہ سعد السابِقون الاولون میں ہیں، نبیؐ کی نگاہیں اور شیخینؓ کی نظر میں ان کا خاص مرتبہ ہے خود نبی ﷺ کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے اس لئے کہ ابن مسعودؓ آنحضرتؐ کی صحبت میں بہت زیادہ رہے، صحابہ میں سب سے زیادہ حدیثوں کے راوی، سب سے زیادہ قرآن مجید کے حافظ، صحابہ میں سب سے زیادہ اس بات کے واقف کہ کس کے بارے میں آنحضرتؐ کی کیا رائے ہے، اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ سعد کے متعلق شک کریں، اور قرض ادا کرنے کا بار بار تقاضا کریں یہاں تک کہ جب وہ بددعا کرنے کا ارادہ کریں تو ڈریں، اور گھبرا کر ان کو رخصتا مندر کر لیں، اور بہت جلد وہاں سے چل دیں، بات یہ ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ فتنے کے موقع پر غیر جانب دار رہے، اور فریقین میں سے کسی کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا، اور کہا میں اس اختلاف میں اسی وقت حصہ لوں گا۔ جب مجھے کوئی ایسی تلوار لادے جو خود بولے کہ فلاں فریق حق پر ہے اور فلاں حق پر نہیں، اُن کی یہی غیر جانب داری اس عجیب و غریب قصے کی بنیاد ہے، اگر سعدؓ حضرت علیؓ کے حامیوں کی طرف داری کرتے تو یقیناً شیعہ ان کی طرف سے جواب دہی کرتے اور اگر وہ حضرت عثمانؓ کے حامیوں کی طرف داری کرتے تو وہ اُن کی طرف سے مدافعت کرتے، لیکن سعدؓ نے دونوں برس پیکار جماعتوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں جماعتوں کے لوگ سعدؓ سے کنارہ کش رہے اور کسی نے اُن کی طرف سے مدافعت نہیں کی،

ولید بن عقبہ کا تقرر اور اس کے نتائج

میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرت سعد کی معزولی کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ بنی امیہ اور ابو معیط کے خاندان والے حکومت کے عہدے حاصل کرنے میں عجلت سے کام لے رہے تھے اور اس سلسلے میں ہر قسم کی تدبیریں اور حیلے کر رہے تھے، اور حضرت عثمان پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ ان کے مقاصد کے لئے راہیں نکالیں اور مواقع فراہم کریں، اس بات کا پتہ اس طرح بھی چلتا ہے کہ سعد کی معزولی کے بعد حضرت عثمان نے بڑے بڑے انصار و مہاجر صحابہ میں سے کسی کو کوئی نہ مقرر نہیں کیا، نہ طلحہ کو نہ زبیر کو نہ عبدالرحمن کو نہ محمد بن مسلمہ کو نہ ابو طلحہ کو بلکہ ولید بن عقبہ ابن ابی معیط کو مقرر دیا حالانکہ خود عام مسلمان ولید بن عقبہ سے مطمئن نہ تھے، اس لئے کہ اس نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا اور آپ پر بہتان باندھا، اسلام کے بعد کفر کی آلائش سے آلودہ ہوا، اللہ نے قرآن میں آیت نازل کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصَدِّقُوا أَعْلَىٰ مَا فَخَّرَكُم بِهِ نَادِمِينَ -

صورت واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنی المصطلق میں اس تصدیق کے لئے بھیجا کہ کیا واقعی اس قبیلہ کے لوگوں نے صدقات کے ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے؟ تو ولید نے آگے اطلاع دی کہ ہاں یہ خبر صحیح ہے، لیکن جب آنحضرتؐ مقابلے کی خاطر نکلے تو راہ میں ولید کی مکاری کھل گئی اور خدا نے حقیقت حال سے باخبر کر دیا، پھر اس کے بعد ولید اسی وقت اسلام لایا جب مسلمان ہوئے بغیر چارہ نہ تھا اور حتی الامکان اپنی اصلاح کر لی، کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی تو ولید کو بنی نخلب سے صدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ اور ان کے کسی حاکم کا ولید کو بجز یہ کہ کسی دیہاتی حصہ میں ایک نصرانی قبیلے سے صدقات وصول کرنے پر مقرر کرنا اور حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑے اسلامی شہر مدینہ کی گئی سرحدیں ہوں اس کو گورنر بنا دینا اور وہ

بھی سعد بن ابی وقاصؓ کی جگہ پر، دونوں میں بڑا فرق ہے۔

جن لوگوں نے کوفہ کی گورنری پر ولید کے تقرر کو نامناسب خیال کیا۔ انہوں نے کوئی دُور کی بات نہیں کی اس لئے کہ کوفہ کی گورنری بہر حال بڑی اہم خدمت تھی۔

ایک اور بات تو اس سارے قصے کو جس پر حضرت سعد کی معزولی اور ولید کے تقرر کی بنیاد ہے مشکوک بنا دیتی ہے یہ ہے کہ بیت المال کے معاملات میں خود حضرت عثمانؓ کی روش مدینہ منورہ میں اس بات سے زیادہ خطرناک ہے جس کو حضرت سعدؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک عزیز کو ایک بڑی رقم عطیہ دینا منظور کر لیا، لیکن خراجی نے رقم کی بڑی مقدار کے پیش نظر دینے سے انکار کر دیا، حضرت عثمانؓ نے اصرار کیا لیکن خازن بدستور اپنی بات پر اڑا رہا، حضرت عثمانؓ نے دوران بیان میں جس کا تذکرہ صدمہ موقح پر کریں گے۔ کہا کہ تم کو پس و پیش کا کیا حق ہے۔ تم تو ہمارے خازن ہو، خراجی نے جواب میں کہا، میں اپنے آپ کو آپ کا خازن خیال نہیں کرتا، آپ کا خازن تو آپ کا کوئی غلام ہوگا، میں تو مسلمانوں کا خازن ہوں، اس کے بعد وہ بیت المال کی کنجیاں منبر نبوی پر رکھ کر اپنے گھر بیٹھ رہا، پس جب حضرت عثمانؓ کا عمل بیت المال سے ایسا متعلق ہے تو کس قدر حیرت کی بات ہوگی کہ وہ سعدؓ سے محض اس لئے ناراض ہوں کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ قرض لے لیا تھا اور اس کی ادائیگی کے لئے مہلت طلب کر رہے تھے، جس طرح حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو کسی خیانت کی بنا پر بے طرف نہیں کیا تھا۔ ہمارا خیال ہے اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو کسی خیانت یا ایسے سبب کی بنا پر بے طرف نہیں کیا جس کا نزدیک یا دُور سے کوئی تعلق خیانت سے رہا ہو، انہوں نے حضرت عمرؓ کی وصیت پر عمل کیا، اور اس کے بعد سعدؓ کو اس لئے معزول کر دیا کہ ان کی جگہ ابو معیط کے خاندان کے ایک آدمی کو مقرر کر دیں اور یہ بات ہمیں تسلیم کرنا ہوگی کہ ولید نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اخلاص اور آرزو مالش کی غیر معمولی مثالیں پیش کیں، سرحدوں کی حفاظت اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے میں اس سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ اس سلسلے میں اس کے کارنامے خود اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد عوام کا موضوع سخن رہے اس نے کوفہ کے عوام پر تدبیر پامردی اور حوصلے کے ساتھ حکومت کی اس عام برقرار رکھا، نئے خون والے مفسد نوجوانوں کا صفایا کر دیا۔ جو نہ کسی نظام کا احترام کرتے تھے اور نہ دین کا وقار جانتے تھے،

ایک مرتبہ چند نوجوانوں نے ایک کوئی جوان پر زیادتی کی اور اسے مار ڈالا، ولید نے ان سے مواخذہ کیا، اور ان پر حد جاری کی، چنانچہ اپنی کوٹھی کے سامنے ان کی گردنیں اڑا دیں، بعض راوی خیال کرتے ہیں کہ ولید کے اس اقدام نے مقتول کے قاتلوں کے سر پرستوں کو ولید کا دشمن بنا دیا اور ان کے دلوں میں عداوت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ چنانچہ وہ ولید کی لغزشوں کی تلاش میں رہنے لگے اور اس کے خلاف تہمتیں تراشی شروع کر دیں اور لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے لگے بالآخر ان میں سے ایک ولید کی مجلس تک جا پہنچا، اور داستان سرائی شروع کر دی، قصہ گوئی میں رات کافی گذر گئی اور ولید کو نیند آ گئی، تب اس داستان سرائی نے ولید کی انگلی سے اس کی انگوٹھی نکال لی اور اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں انگوٹھی سمیت حاضر ہوا، پھر دونوں نے اس بات کی شہادت دی کہ ولید نے شراب نوشی کی ہے،

اس واقعہ کا بناوٹی ہونا کسی بیان اور تشریح کا محتاج نہیں، کوئی امیر قصہ گو یوں کی موجودگی میں سو نہیں جاتا اور وہ بھی ایسی گہری نیند کہ کوئی انگلی سے انگوٹھی اتار لے اور اسے خبر تک نہ ہو اور نہ اس کے خادم اور پہرہ داروں کو پتہ چل سکے اور پھر ولید اگر اتنا ہی بے پرواہ اور غافل عالم تھا جو اس انگوٹھی کے نکل جانے کی خبر نہ رکھتا ہو، جس سے اپنے قرآنوں پر خمر لگانا تھا، حلیفہ کو اور سرحد کے محافظوں کو خطوط لکھتا تھا تو اس کے دور اندیشی بیدار مغز اور عالی حوصلہ ہونے کے کیا معنی؟ یہ بات تو ایسی ہے جیسے ولید کے مخالف کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے دوست اور اپنے شاعر ابو زبیر کے ساتھ بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتا تھا۔ یہ ابو زبیر وہی ہے جس کی ملاقات ولید سے اس وقت ہوئی جب وہ بنی تغلب میں عداقات کی وصولی پر مقرر تھا اور اس کے ماموں کے ساتھ اس کا جو جھگڑا تھا اس میں انصاف کر کے اس کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔ ابو زبیر مال کی طرف سے تغلبی اور باپ کی طرف سے طائی تھا اور مذہباً عیسائی، ولید جب کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو وہ اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اس کے ہاں قیام کرتا تھا اور اس سے انعامات بھی پاتا رہتا۔ تاآنکہ مسلمان ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے اور میرا خیال ہے کہ ابو زبیر کا اسلام بھی ولید کی طرح کوئی گہرا اسلام نہ تھا۔ اور اس خیال کی تصدیق اسی سلسلے میں اس طرح ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ولید پر حد جاری کی، حالانکہ حدود جاری کرنے میں شبہات

سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اگر حضرت عثمانؓ مذکورہ بالا دونوں گواہوں کی شہادت میں قوی یا کمزور کسی طرح کا بھی شبہہ پاتے تو ولید پر حد جاری کرنے میں ضرور پس و پیش فرماتے، پھر شبہہ کی بنا پر حد جاری نہ کرنے پر حضرت عثمانؓ کے لئے کوئی مصالحتہ بھی نہ تھا، مصالحتہ تو اس میں ہے کہ شبہہ خواہ کتنا ہی کمزور ہو حد جاری کر دی کر دیجئے،

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عثمانؓ کے حکم سے ولید پر کس نے حد جاری کی کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لوگ حلیفہ کا حکم ماننے سے گریز کر رہے تھے تو حضرت علیؓ نے ولید کو مارا، ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ حضرت علیؓ دین کی باتوں کے سب سے بڑے عالم تھے اور سنتوں کے محافظ، اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کے نفاذ میں سب سے زیادہ شدید تھے، شبہہ کی موجودگی میں وہ حد جاری نہیں کر سکتے تھے، اکثر راویوں کا خیال ہے کہ ولید کو سعید بن العاص اموی نے مارا اور یہ سعید حضرت عثمانؓ کے اور ولید کے قریبی رشتہ دار تھے، ان کو اپنے نزدیک اور دور کے رشتہ داروں اور حلیفہ کی نگاہ میں اپنی وقعت کا بڑا تازہ تھا، اگر وہ ذرا بھی مشکوک ہوتے تو یقیناً حضرت عثمانؓ سے ان کے فیصلے کے متعلق گفتگو کرتے اور اگر کامیابی نہ ہوتی تو کم از کم ولید کو مارنے سے معذرت کر دیتے لیکن انہوں نے ولید کو مار کر دونوں کی نسلوں میں ایک تہ ختم ہونے والی عداوت پیدا کر دی

ولید کے مخالفوں کی ایک دماغی پیداوار جسے ہم غلو کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے یہ ہے کہ ایک دن ولید نے شراب کے نشے میں مت صبح کی نماز میں امامت کی اور تین یا چار رکعتیں پڑھا دیں، اور پھر صلیبوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا اگر تم جاہلوں میں کچھ اور رکعتیں زیادہ کر دوں تب بعض لوگوں نے اس کو امامت کیا اور بعضوں نے اس پر کنکریاں پھینکیں اور عوام نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ انہیں ولید سے معاف رکھائے، چنانچہ آپ نے ان کی درخواست منظور کر لی، اس کے بعد بیواتہ عوام کی زباں زد ہو گیا، اور بدلہ سبوں کے لطائف و ظرافت اور شعراء کے لئے طبع آزمائی کا موضوع بن گیا چنانچہ حلیفہ نے کہا

ان الوليد احق بالحد

شهد الحطية يوم يلقى ربه

أؤزیدکم ثملا ولا یدری

نادی وقد نفاذت صلاتهم

لیذید ہم خیر اولو قبلوا
فأبوایا و هب ولو فحلوا
حبسوا عنانک اذ جریت ولو
مناطزا دهم علی عشره
لقرنت بین الشفق والوتر
خلوا عنانک لتزل تجری

میرا خیال ہے کہ یہ قصہ سر سے پاؤں تک بے اصل من گھڑت ہے اگر ولید نے نماز میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا ہوتا تو کوفہ کے مسلمان جن میں بعض صحابہ اور متعدد قاری اور صالحین موجود تھے ہرگز اس کی اتباع نہ کرتے اور نہ اس بات پر راضی ہوتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صرف شراب کی حد جاری فرما دیں۔ اس لئے کہ نماز کا مذاق یا اس میں اپنی طرف سے اضافہ خدا اور مسلمانوں کے نزدیک شراب نوشی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے،

پھر یہ اشعار حطیبہ کے نہیں ہیں، حطیبہ نے تو دوسرے اشعار کہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ولید کا محب مخلص اور اس کی رضامندی کا طالب ہے چنانچہ وہ کہتا ہے،

شهد الحطیبة یوم یلقی ربہ
خلوا عنانک اذ جریت ولو
ورأوا شاملاً ما جدم تبرع
فنیزعت مکذوباً هلیک ولم
ان الولید احق بالعدو
ترکوا عنانک لتزل تجری
یجطی علی المیسور والحسد
تردد الی عوذ ولا فقدر

بعض شیعوں نے حطیبہ کے ان اشعار کا جواب بھی دیا ہے جو اس نے ولید کی مدح میں لکھے ہیں

ذیل کے تین شعر بھی ہرگز ہرگز حطیبہ کے نہیں ہیں بلکہ یہ ولید کے مخالفوں کی تہمت تراشی اور رنگ آمیزی ہے

نکلم فی الصلوۃ وزاد فیہا
ومج الخمر عن سنن الطلے
اذیدکم علی ان یحمدونی
ولید کے عہد گورنری میں حطیبہ نے اس کی مدح میں بہترین اشعار کہے ہیں، جب کہ اس کے خلاف سازش یا اعتراض کا کسی دل میں خیال بھی نہیں تھا، نہ

نہ اس کے بعد مصنف نے حطیبہ کے تیرہ شعر نقل کیے۔ مترجم

غالباً اس روایت میں بھی کھینچ مان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ ولید کے پاس ایک جادوگر لایا گیا، ابن مسعود نے اس کے بارے میں سوال کیا اور جب یقین ہو گیا کہ جادوگر سحر پر ایمان رکھتا ہے تو انھوں نے اس کے قتل کا حکم کر دیا اور کوفہ کے ایک باشندہ نے عجلت سے کام لے کر بلا ولید کی منظوری کے اس کو قتل کر دیا، اس کے بعد کوفہ والوں نے اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ سے ولید کی شکایت کی جس پر آپ نے جواب دیا کہ کیا صرف گمان کی بنا پر لوگوں کو قتل کر دیتے ہو،

میرے خیال میں یہ کوئی بعید بات نہیں کہ ولید کے پاس کوئی جادوگر لایا گیا ہو، جس کے شعبدے اور کھیل اس نے دیکھے، اس پر کوفہ کے بعض بزرگوں کو غصہ آ گیا ہو، اور انھوں نے اس غریب شعبدہ باز کو قتل کر دیا۔ پھر اس حرکت پر ولید نے اور خلیفہ نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا، اس لئے کہ لوگوں کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ خلیفہ کی منظوری کے بغیر یا محض گمان کی بنا پر کسی کا خون بہائیں

خلاصہ کلام یہ کہ ولید ایک قریشی تھا بظاہر مسلمان لیکن بیاطن جاہلیت پر قائم وہ اپنے ایسے ساتھیوں میں جن کی زبان پر اسلام، لیکن دل کفر و ایمان کے بین بین ہو کوئی پہلا شرابی نہیں تھا اور نہ مخفی طور پر ہنسی مذاق کرنے میں کوئی انوکھا اور نیا تھا۔ میرے خیال میں یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ولید نے کسی شعبدہ باز سے اپنا دل پہلایا، اور اس کے تماشوں میں دلچسپی لی، اور یہ بھی بعید نہیں کہ ابن مسعود کی مداخلت کا صنمیرہ ولید کی مدافعت میں چسپاں کر دیا گیا ہو، پھر حال میرا یقین ہے کہ ولید کی معزولی کا براہ راست سبب اگر اس کی شراب نوشی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ ماننا ہوگا کہ اس میں بعض دوسرے اسباب بھی دخل ہیں۔ جو شاید شراب نوشی اور کسی شعبدہ باز سے دلچسپی رکھنے سے کہیں زیادہ مؤثر ہیں، اور جن کا تعلق ولید کے اس سیاسی مسلک سے ہے جو کوفہ والوں کے لئے اس نے طے کیا تھا اور جس کے ماتحت ان سے پیش آتا تھا، کوفہ کی آبادی میں اکثریت یمنیوں کی تھی، مضر بہت کم تھے، ولید قریشی تھا اور حضرت عثمان کا رضائی بھائی تھا، اس کو اپنی قریشیت اور حضرت عثمان سے اس نسبت پر بڑا تاز تھا، اغلب ہے کہ یمنی اکثریت اس قریشی حاکم سے جو اپنی برتری اور فوقیت کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا تنگ آ چکی ہو اور نسبتاً درجہ مخالف ہو گئی ہو، خود ولید نے اس بدلی ہوئی حالت اور یمنیوں کی مخالفت کا احسا کیا لیکن برداشت کرتا رہا، اندازہ ہے کہ ولید نے یمنیوں کے اقتدار اور امتیاز کا مقابلہ کرنے کی بھی کوشش کی، کہا جاتا ہے کہ یمنیوں کا ممتاز طبقہ کوفہ میں پذیراجہ منادی اعلان عام کیا کرتا تھا کہ —

وجاء تامجوعا سعید
 ينقص في الصاع ولا يزيد
 فجوع الحار يته والجبید
 ہم پر سعید مسلط ہو گیا جو بھوکا رکھنے والا ہے
 ناپ تول میں اضافہ نہیں کی کرتا ہے پس
 لوٹدی اور غلام بھوکے ہیں

مجھے تو یہ رجزیہ اشعار بناؤ لی معلوم ہوتے ہیں اور یہ ولید کے طرف داروں کا نتیجہ فکر ہیں، کوفہ میں رہنے والے ایرانی لوٹدی اور غلام عربی ادب میں ایسی جہارت کے مالک نہیں بن گئے تھے کہ عربوں کی طرح ولید اور سعید سے متعلق اشعار کہنے لگیں لیکن ان اشعار سے بہر حال اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی خواہ آزاد ہوں یا غلام ولید کے حامی تھے اور اس کو دوست رکھتے تھے اس لئے کہ وہ ان کی دل جوئی کرتا، اور ان سے محبت کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ راوی کوفہ والوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ دو گروہوں میں تقسیم تھے، عوام تو اس کے ساتھ تھے لیکن خواص اس کے مخالف تھے،

اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ولید عوام کے لئے نرم اور خواص کے لئے نہایت سخت تھا اگر ولید اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کی اتباع کرتا تو کوئی بھی اس کی مخالفت نہ کرتا، حضرت عمرؓ عوام کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے اور خواص کے ساتھ سختی فرماتے تھے اس حقیقت کے پیش نظر کہ خواص میں ایک قسم کی خود غربی ہوتی ہے، اور وہ جاہلی عصبیت کے زیر اثر بلندی اور برتری چاہتے ہیں، ولید نے اس حقیقت کو سامنے نہیں رکھا وہ تو صرف اقتدار کے تقاضے پورے کرتا رہا، اس راہ میں لوڈیوں اور غلاموں کا سہارا لیتا رہا،

بہر حال ولید معزول ہوا، کوفہ کے اہل الزاتے اس سے تنگ اور سبزار ہو چکے تھے اور شہر کے رئیس بھی اس کے دشمن تھے اس لئے کہ وہ جیسا کہ ہم نے واضح کیا ان کے غلاموں کے ذریعے ان کی حیثیت پست کرنا چاہتا تھا، شہر کے فقہاء، قراء اور صالحین بھی اس کے خلاف تھے اس لئے کہ ان میں جاہلیت کے اثرات تھے، جن کی وجہ سے اس کی زندگی یہودگی اور تمسخر کی زندگی تھی جو کبھی کبھی اللہ کے مقررہ حدود سے بھی آگے بڑھ جاتی تھی،

کوفہ پر سعید بن العاص کا تقرر

حضرت عثمانؓ نے یہ تو ٹھیک کیا کہ ولید کو معزول کر دیا اور اس کے حاکم بنے رہنے پر زور نہیں دیا، یہ بھی ٹھیک کیا کہ اس پر حد جاری کی اور اس کی حمایت نہیں کی، لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ کوفہ کی حکومت جہا جریا انصار میں سے کسی قابل صحابی کے سپرد کی جاتی، اگر وہ ایسا کر دیتے تو کوفہ کی حالت ٹھیک ہو جاتی اور وہاں کے لوگ اختلاف اور افتراق کا شکار نہ بنتے لیکن آپ نے ابو سعید کے خاندان کے ایک شخص کو بٹھا کر اس کی جگہ بنی امیہ کے ایک آدمی کو مقرر کر دیا۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے آپ کو متنبہ کر دیا تھا کہ ان دونوں خاندانوں میں سے کسی ایک کے آدمی کو بھی عوام کی گردنوں پر سوار نہ کرنا، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ کوفہ والے یہ جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ سے کیا چاہتے تھے بعد میں انہوں نے متعدد صحابہؓ کو نہایت متقی اور نیک پایا۔ ان کی سیرت سے خوش ہوئے ان کو پسند کیا، پھر حضرت عثمانؓ پر یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی تھی کہ کوفہ والے سعد بن ابی وقاصؓ کے بعد ولید سے تنگ آچکے تھے، پس مناسب یہ تھا کہ وہاں سعد کے مرتبے کا کوئی آدمی بھیجا جاتا، ولید کے درجے کے آدمی کی ضرورت نہ تھی، سعید بن العاص بنی امیہ کے نوجوانوں میں ایک خلیق اور معتدل مزاج نوجوان تھا، اس نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح شام کے معرکوں میں آزمائش کی منزلیں کامیابی کے ساتھ طے کی تھیں۔ خلیفہ ہونے سے قبل حضرت عثمانؓ نے اس کی پرورش کی تھی، حضرت عمرؓ نے قریشیوں کی تلاش میں جب اس کے متعلق دریافت کیا تو ان کو بتایا گیا کہ وہ شام میں امیر معاویہ کے پاس ہے، مرہب ہے اور موت سے قریب ہے تو حضرت نے امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ سعید کو پوری حفاظت کے ساتھ میرے پاس بھیج دو، سعید مدینہ پہنچتے ہی پتنگا ہو گیا، اور منسی نوشی حضرت عمرؓ سے ملا، فاروق اعظمؓ شفقت اور دردمندی سے اس کے ساتھ پیش آئے اور ساتھ رکھا، پھر اس کی شادی کر دی اور ممتاز قریشی نوجوانوں کا ہر تہ بنا دیا، لیکن سعید بہر حال ایک اموی قریشی تھا حضرت عثمانؓ سے قریب تھا، اس کی راستبازی شک سے بالاتر تھی لیکن اس کو عام قریش پر اور خصوصاً بنی امیہ پر برا

ناز تھا، وہ کوئٹہ یہ ارادہ لے کر گیا کہ ولید کی پیدا کردہ خرابیوں کی اصلاح کر دے گا چنانچہ اس سلسلے میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں، بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ولید کے گناہوں سے متاثر ہو کر اس نے منبر کو دھلوایا، جس سے بعض قریشیوں کو سخت کوڑت ہوئی،

بہر حال اتنی بات یقینی ہے کہ کوئٹہ والوں نے سعید کو مرعبا کہا اور اس کا استقبال کیا سعید نے بھی ابتداء میں ان کی پذیرائی کی اور شہر کے حالات اور معاملات کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ان ممتاز کوئٹہ والوں اور قاریوں کو اپنی مجلس میں جگہ دی جن کو ولید نے دل برداشتہ اور ناراض کر دیا تھا، لیکن ٹھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ حقیقت حال سے باخبر ہو گیا اور حضرت عثمانؓ کو مطلع کر دیا اس سلسلے میں اس نے جو خط لکھا ہے اس میں نہ صرف کوئٹہ کا نہایت تفصیلی نقشہ کھینچا ہے بلکہ یہ شہروں کی بھی مکمل تصویر پیش کر دی ہے، اس کی رائے میں کوئٹہ دو باتوں کی وجہ سے فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، ایک تو یہ کہ وہ حضرات جو فاتح بن گئے یہاں آئے اور تمدن کی ترقی نے ان کو یہیں روک لیا، ایک عرصہ دراز گزر جانے کی وجہ سے ان کے نظم میں ابتری اور ان کی قوت میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے ان میں ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنی قوم میں بڑی وجاہت اور سیاست کے مالک ہیں ایسے قاری اور عالم بھی، جن کا دینی و تہذیبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور صحابہ کی رفاقت کی وجہ سے بہت بلند ہے، پھر جنگ ہو یا صلح، موت، دونوں حالتوں میں ان کی تعداد کم رہی ہے۔

دوسری بات جو کشمکش کا سبب ہے وہ باہر سے آنے والوں کی کثرت اور خود کوئٹہ کی آبادی میں غیر معمولی

کوئٹہ میں آبادی کی کثرت

اضافہ دیہاتی عرب بہت بڑی تعداد میں اپنے ارادے سے یا فوجیوں کے بھرتی کے لئے خلیفہ کے حکم سے کوئٹہ میں آ رہے ہیں اسی طرح جہاد کے معرکوں میں مال غنیمت کے ساتھ تقسیم ہونے والے غلام اور لونڈیاں اپنے مالکوں سمیت بڑی کثرت سے شہر میں آ کر بس رہے ہیں، پھر وہ نئی نسل بنو خواتین اور لونڈیوں سے پیدا ہو رہی ہے اور وہ نسل جو غیر عربی عنصر اور غلاموں سے پیدا ہوتی جا رہی ہے، یہ تمام اضافے نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں، اور کوئٹہ کی شہری زندگی پر ان اضافوں کا غیر معمولی اثر پڑ رہا ہے،

عجمیوں کا کوفہ میں کثرت سے داخلہ اور دیہاتی عربوں کی غیر معمولی آمد پھر ان دونوں میں پیدا ہونے والی اولاد کی کثرت نے سابقین کے لئے میدان تنگ کر دیا ہے ان کے اقتدار کی بساط تقریباً الٹ چکی ہے اور یہ آنے والے علم سے زیادہ جہل کے ساتھی ہیں، ترمذی اور سنجدگی سے کہیں زیادہ ان میں شدت اور سنگدلی ہے، دیہات کے عرب اپنی موروثی جہالت، اجداد طبیعت اور کٹر عصبیت لیکر آتے ہیں، فارس کے قیدی، تہذیب و تمدن کا ورثہ ساتھ رکھتے ہیں، وہ کمزوریاں اور خرابیاں بھی ان کے ساتھ ہیں، جو تمدن زندگی کے آخر میں پیدا ہوتی ہیں، شکست اور غلامی نے ان کی طبیعتوں میں ذلت ماحی پر حسرت اور منتقل سے مایوسی پیدا کر دی ہے وہ اپنے مالکوں سے متنفر اور خوف زدہ ہیں، ان میں کمزوریاں اور جالبازی کے جذبات پیدا ہیں، اس قسم کے الگوں اور اس قسم کے محکموں کے اخلاق و عادات کے ساتھ میں ایک نئی نسل پرورش پا رہی ہے جو مشکلات میں مبتلا ہے، اور دوسروں کے لئے بھی مشکلات کا باعث ہے، نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کے کاموں میں شدید قسم کا الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے، اور حکام جب کسی ایک مشکل کو دور کرتے ہیں تو دوسری رونما ہو جاتی ہے

اس قسم کی باتیں مختصراً لکھ کر سعید نے حضرت عثمانؓ کو کوفہ کی حقیقت حال سے باخبر کر دیا حضرت عثمانؓ نے سعید کو جواب لکھا جس میں ہدایت کی کہ وہ حتی الامکان بھلائی اور عاقبت کو مقدم رکھے، اور جہاں تک ہو سکے اپنے کو اور عوام کو فتنے سے بچائے، سابقین کو دوسروں پر ترجیح دے، اور اس کے بعد سچائی کے ساتھ حسب مراتب پیش آتے نہ کسی کی طرف داری کرے اور نہ کسی پر زیادتی

خطرناک اقتصادی انقلاب

لیکن حضرت عثمانؓ نے اسی وقت محسوس کر لیا کہ لوگوں کے حالات بدل گئے فتنہ و فساد کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور اس سے

احتیاط نہایت ضروری ہے، چنانچہ مدینہ منورہ میں اپنے مے عوام کے سامنے خطبہ دیا اور جو کچھ آپ کو معلوم ہوا تھا اس سے باخبر کر دیا۔ فتنہ و فساد سے بچنے کی ناکبذ کی اور ڈرایا، آپ نے جس سیاسی مسلک کی پابندی کی سعید کو ہدایت کی تھی اس کے متعلق حاضرین سے بھی مسطورہ لیا سمجھوں نے آپ کی تائید کی، لیکن آپ نے اس کے بعد ایک اہم تجویز پیش کی جسے سکر مدینہ والے بہت خوش ہوئے حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ وہ اس تجویز کے ذریعے بعض خرابیوں کی اصلاح کر سکیں گے لیکن تجویز کا نتیجہ برعکس نکلا

حضرت عثمانؓ کی تجویز یہ تھی کہ بلاد عربیہ میں جہاں کہیں بھی کوئی سکونت اختیار کرے اس کا مال غنیمت وہاں پہنچا دیا جائے تاکہ شہروں میں فوجیوں کے علاوہ وہی لوگ رہیں جنکو وہاں قیام کی ضرورت ہو۔ مدینہ کے لوگ یہ سنکر سخت حیران ہوئے اور انھوں نے حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا اللہ نے مال غنیمت میں ہمیں جو زمینیں دی ہیں آپ وہ کس طرح منتقل کر دیں گے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا اور یہی تجویز کی روح ہے کہ ہم انھیں حجاز کے مارکان اراضی سے جس سے بھی چاہیں فروخت کر دیں گے یہ سنکر وہ خوش ہو گئے۔ اللہ نے ان پر ایسا دروازہ کھولا جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا، اب تو وہ منتشر ہو گئے خدا نے ان کی مصیبت دور کر دی تجویز کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پہلے حجاز والوں کو اور پھر تمام عربی بلاد کے شہریوں کو موقع دیا کہ اگر ان کی کوئی زمین عراق یا کسی دوسرے صوبے میں ہو تو وہ حجاز کی زمین سے یا کسی عربی شہر کی زمین سے بدل لیں ایسا کرنے سے لوگ اپنے اپنے شہروں میں اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے ساتھ مستقل قیام کریں گے، اور وہاں سے منتقل نہ ہوں گے، اس طرح دیہاتی عربوں کی ہجرت صوبوں میں کم ہو جائے گی، اور پھر حجاز میں اور عربی شہروں میں زمین خریدنے والوں کو زمین کی درستگی اور انتظام کے لئے اس کو نفع بخش بنانے کے لئے بہت سے مزدوروں اور کام کرنے والوں کی ضرورت ہوگی، پس باہر سے عربی بلاد میں غلام اور کام کرنے والے آسائیں گے اور صوبوں کا مسلسل بڑھنے والا دباؤ ان قبیلوں کی بھرمار سے کم ہوگا۔

اس تجویز پر لوگوں کا خوش ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ حجاز والوں کے لئے عراق کی زمین میں وہ کشش نہیں ہو سکتی جو خود حجاز کی زمین کے لئے ہو سکتی ہے اسی طرح یمن والوں کو مصر اور شام کی زمین سے زیادہ مرغوب یمن کی زمین ہوگی، جو ان سے قریب ہے اور وہ آسانی سے اس کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں، اس میں ان کو نہ لمبے یا مختصر سفر کی زحمت اٹھانی ہوگی اور نہ باپ دادا کی زمین سے ہجرت کرنے کی تکلیف۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی اس تجویز سے تمام صوبوں کو مطلع کر کے ایک ایسی راہ کھول دی جس نے ان کی زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا، سیاست، اجتماع اور اقتصاد غرض کہ تکر و نظر کا ایسا کوئی گوشہ باقی نہ رہا جہاں اس کے اثرات نہ پہنچے ہوں۔

چند مثالیں سنئے

حجاز میں جلیل القدر صحابہ کی منقولہ اور غیر منقولہ جائدادیں بہت زیادہ تھیں، ان لوگوں نے خبر پاتے ہی ان تمام جائدادوں کو فروخت کر کے صوبوں میں زمینیں خرید لیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ زمینیں حجاز سے کہیں زیادہ زرخیز ہیں پھر بونے جوئے میں آسانی اور پیداوار زیادہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے بڑی کوشش اور کاوش کر کے ان لوگوں سے جو خیر کی فتح میں رسول اللہ ﷺ کے شریک جہاد تھے ان کا حصہ ان سے یا ان کے وارثوں سے خرید لیا تھا، حضرت عثمانؓ کے اس اعلان کے بعد انھوں نے یہ ساری جائداد ان حجازیوں کے ہاتھ اس جائداد کے بدلے میں فروخت کر دی جو فتح عراق کے موقع پر ان کو ملی تھی، طلحہ چونکہ کافی دولت مند تھے اس لئے انھوں نے اور بہت سے حجازیوں سے ان کی عراق کی زمینیں خرید لیں، خود حضرت عثمانؓ سے اپنی حجاز کی مملوکہ زمین کے بدلے میں ان کی عراق والی زمین لے لی، لوگوں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا، ہر وہ آدمی جس پر یہ گراں تھا کہ وہ حجاز چھوڑ کر صوبوں میں اپنی زمینوں کا انتظام کرے اس نے اپنی وہ زمین فروخت کر دی اور اس کے بدلے میں اپنے قریب کوئی جگہ لے لی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اول تو عراق اور اور دوسرے صوبوں میں بڑی بڑی جائدادیں اور زمینوں کے مالک پیدا ہو گئے، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی اس تجویز سے وہ بڑے بڑے سرمایہ دار ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے جن میں چھوٹی چھوٹی جائداد والوں سے ان کی ملکیت خرید لینے کی سکت تھی، چنانچہ طلحہ نے خریدنا، زبیر نے خریدنا اور مروان بن الحکم نے خریدنا یہ سال مالیاتی نقطہ نظر سے بڑی سرگرمیوں کا گذرا، خوب خوب خرید و فروخت ہوئی، قرضے لئے گئے، تباہی کئے گئے، اشتراک اور حصہ داریاں قائم ہوئیں، پھر یہ سرگرمیاں حجاز اور عراق تک محدود نہ رہیں پورے عربی بلاد اور مفتوحہ علاقوں تک پھیل گئیں، ایک طرف طویل و عریض اراضی کی بڑی بڑی ملکیتیں قائم ہوئیں اور دوسری طرف ان کے انتظام اور بندوبست کے سلسلے میں بہت سے مزدور کام کرنے والے غلام اور آزاد کام سے لگ گئے، اس طرح اسلام میں ایک نیا طبقہ ربلو تقراطیہ پیدا ہوا جس کی امتیازی شان میں وہ سیاہ بھی ہے جس کا سرچشمہ دولت کی فراوانی اہل کی بہتات اور ماتحتوں کی کثرت ہے،

اسلام میں بڑی بڑی جاگیروں کی ابتدا

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے عربی بلاد میں خاص طور سے حجاز میں زمینیں خریدی تھیں۔

انھوں نے اس کی کاشت کا ارادہ کیا اور باہر سے کام کرنے والوں اور غلاموں کو بلوایا، اور

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حجاز جنتِ ارضی کا ایک خوب صورت ٹکڑا بن گیا جو اپنے باشندوں کے لئے سب سے زیادہ زرخیز، بار آور، دولت آفریں ہوا، اور ان کی خوش حالی و فراغت کا باعث بنا، اس کے بعد بہت جلد مکہ میں، مدینہ میں اور طائف میں امرا اور سرمایہ داروں کا وہ طبقہ پیدا ہو گیا جو خود کچھ کام نہیں کرتا تھا اپنا سارا وقت گپ شپ اور لہو و لعب میں گزارتا، مزدور اور غلام اس کے لئے کام کرتے

اس کے بعد تو حجاز میں اور دوسرے عربی شہروں میں تمدن کا دور دورہ ہو گیا، تعیش بڑھا، فرصت اور فضولیات نے قدم جمایا، فرصت اور بیکاری کے ون طرح طرح کے شوق پیدا کرتے ہیں، چنانچہ رقص و سرود شروع ہوا، اور ایسی شاعری جو ہمت، حوصلہ اور سرگرمیوں کا نقشہ نہیں کھینچتی، بلکہ ایسی فرصت اور ایسی فراغت کی تصویر پیش کرتی ہے، جو لذت گیری کے لئے وقف ہو، جو نفس کے جذبات اور اس کے بار بار کے تقاضوں کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہو، ان ہی فانیغ السبال سرمایہ داروں کے سایہ میں وہ غلام آباد تھے جو اپنے آقاؤں کے مالک اور ان کی زندگی کے منتظم تھے، اور ان کے لئے جذبات اور ہوس کا ساز و سامان فراہم کرنے والے تھے، پھر ان مالکِ غلاموں یا غلام مالکوں کے پردوں میں دیہاتی عربوں کا ایک طبقہ رہتا تھا، جو اتنا نادار تھا کہ اس کے پاس نہ حجاز میں کوئی زمین تھی کہ عراق کی زمین کے بدلے میں بیچ لینا اور نہ عراق میں کسی زمین کا مالک تھا، کہ حجاز کی کوئی زمین خرید لیتا۔

حضرت عثمان نے خدا کی ان پر رحمت ہو جب اس تجویز پر غور کیا یا ان کے رفقاء اور مشیروں نے جب ان کو اس طرف متوجہ کیا تو اس کے دُور رس نتائج ان کی نگاہوں کے سامنے نہ تھے انہوں نے ایک خرابی دیکھی اور چاہا کہ اس کا خاتمہ کر دیں، وہ چاہتے تھے کہ شہروں میں لوگوں کی آمد کم ہو اور دیہاتی عرب اپنے گھروں پر رہیں، البتہ غلام اور قیدی عربی بلاد میں لئے جائیں ان حجازیوں کو جو صوبوں میں چھوٹی چھوٹی جائدادوں کے مالک ہیں، حجاز میں ایسی زمینیں حاصل ہو جائیں جس کی وہ قریب سے نگرانی کر سکیں لیکن حضرت عثمانؓ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، اس تجویز سے تو خلافتِ توقع خرابیاں ہی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ دیہاتی عرب، شہروں میں ہجرت کرنے سے کسی وقت رُک کے یا نہیں، اس لئے کہ تاریخ اس باب میں خاموش ہے

لیکن مجھے تو اس میں بھی شک ہے کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مشیروں نے مسلمانوں کی اقتصادی زندگی میں اس قدر غیر معمولی اور اہم انقلاب پیدا کرنے کا جو ارادہ کیا تھا، تاریخ نے اسے تاڑا بھی یا نہیں؟ مجھے اس میں شبہ نہیں کہ قیدیوں اور غلاموں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا جو دباؤ شہروں پر پڑ رہا تھا حضرت عثمانؓ اس کے کم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، اس لئے کہ فتوحات کا سلسلہ آپ کے زمانے ہی میں ختم نہیں ہو گیا، بلکہ جیسا کہ ناظرین آگے چل کر پڑھیں گے بعد میں بھی مصر کے رہے اور مسلسل فتوحات ہوتی رہیں، اور مال غنیمت کے پانچ حصوں میں چار حصہ فاتحین میں تقسیم ہوتا رہا جو شہروں میں مقیم تھے ہر چار سال میں ایک مرتبہ وہ اپنے قریب کی سرحد پر جاتے اور کم و بیش چھ مہینہ قیام کرتے، پس مال غنیمت جس میں غلام بھی شامل ہیں ان تک پہنچتا رہتا، اور انے والے غلاموں کی تعداد مسلسل بڑھتی رہتی اور اس کے سوا چارہ کار بھی نہ تھا یہ بات تو اسی وقت تک سکتی تھی جب فتوحات کا سلسلہ رک جاتا اور حکومت امن و صلح کے زیر سایہ دن گذارتی، اور یہ موقع عثمانی عہد تک تو میسر آسکا تھا آپ کے زمانہ میں تو صوبے کے گورنروں میں شدید مقابلہ رہا کہ فتوحات میں کس کا پلہ بھاری رہتا ہے، پھر سرحد کے سپہ سالاروں میں بھی بڑے مقابلے کی بات تھی، کہ اس میدان میں یا اس معرکہ میں کون پہلے دشمن پر حملہ کرتا ہے اس شہر پر یا اس آبادی پر کون پہلے قبضہ کرتا ہے، اور کون سب سے زیادہ مال غنیمت حاصل کر کے ایک طرف فوج کو دوسری طرف صوبے کے حاکم کو اور تیسری طرف مدینہ میں خلیفہ اور اصحاب رسول ﷺ کو خوش کرتا ہے، پس عثمانؓ وہ دباؤ دہناتی غریبوں اور مفتوح قیدیوں کی وجہ سے عام عربی شہروں اور خاص طور پر عراق کے دونوں شہروں بصرہ اور کوفہ پر پڑ رہا تھا کسی طرح کم نہیں کر سکتے تھے، اور بن لوگوں نے اپنی صوبوں کی زمینیں فروخت کر کے حجاز میں جا کر اپنی پیداکیں وہ اپنا نظام ٹھیک نہیں کر سکے اور ضرورت کے مطابق باہر سے کام کرنے والے بلانہ سکے جو شاید آئے تو شہروں میں غلاموں کی تعداد کم ہو جاتا، حضرت عثمانؓ نے ۳۵ھ میں یہ اقتصادی انقلاب پیدا کیا اور ۳۵ھ میں شہید ہوئے اور ان دو برسوں کے درمیان حالات انتہائی اضطراب انگیز رہے اس لئے اس مختصر مدت میں بن نعلج کی توقع تھی وہ برآمد نہ ہو سکے، البتہ اس کے خراب اور خطرناک اثرات کم سے کم وقت میں ظاہر ہو گئے اور حجاز کے سرمایہ دار جس بات کا بڑی بیٹابی سے انتظار کر رہے تھے وہ ان کو حاصل ہو گئی، مدینہ منورہ میں قریش کو روک کر حضرت عمرؓ نے صرف ان کی شخصیتوں

کو نہیں روکا تھا بلکہ بڑی حد تک ان کی دولت کو بھی مدینہ سے باہر جانے نہیں دیا، بلاشبہ مدینہ کے رہنے والے
 حجاز میں اور دوسرے صوبوں میں تجارتی کاروبار کرتے تھے، اور روپیہ پیسہ کی شکل میں غیر معمولی دولت کما
 بھی تھے، لیکن اپنی اس روز افزوں دولت کو وہ کسی کاروبار میں لگا نہیں سکتے تھے، ان کے لئے آسان نہ
 تھا کہ وہ وسیع پیمانے پر بڑے بڑے کاموں میں اپنا سرمایہ لگائیں، اس لئے ہونا یہ تھا کہ نقد کی صورت
 میں نقد اور مال کی صورت میں مال بڑھتا چلا جاتا تھا۔ جس کو عوام اور غریب دیکھ کر حیرت کرتے، بعض اوقات
 دولت کی اس فراوانی پر کچھ فقرے چیت کرنے جس سے متاثر ہو کر دولت مند خیر و خیرات کی راہیں نکالتے
 اچھوں کے لئے یہ بات اللہ اور عوام کی خوشنودی کا باعث تھی اور دوسروں کے لئے حسد اور دشمنی
 سے بچنے کا سامان،

پس حضرت عمرؓ نے قریش کو کاروبار کرتے اور نفع کمانے سے روکا نہیں تھا، اور وہ روک
 بھی نہیں سکتے تھے، لیکن ان کو یقین تھا کہ دولت من اپنی دولت سے اس قدر نفع کما لے ہیں، جو
 مناسب نہیں، اسی لئے زندگی کے آخری دنوں میں آپ نے فرمایا

جو کام میں نے آخر میں کیا اگر وہ پہلے کرتا تو دولت مندوں سے ان کا بچا ہوا مال لے کر غریبوں میں

تقسیم کر دیتا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دن صبح صبح مدینہ والوں نے بڑا شور سنا، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا
 تو معلوم ہوا کہ یہ عبدالرحمن بن عوفؓ کے اڈیٹوں کی آواز ہے جن پر اسباب تجارت لدا ہوا ہے حضرت عائشہؓ
 فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ "ایسا سمجھو کہ پل صراط پر میرے ساتھ عبدالرحمن
 بن عوف ہیں کبھی جھک جاتے ہیں اور کبھی سیدھے ہو جاتے ہیں" تا آنکہ پار ہو گئے، "عبدالرحمن کو جب اس کی خبر پہنچی
 تو اپنے کہا وہ تمام اڈٹ اور جو کچھ ان پر ہے سب خدا کی راہ میں صدقہ ہے راولیوں کا بیان ہے کہ
 ان اڈیٹوں پر بہترین مال تجارت تھا اور اڈٹ کل پانچ سو تھے۔"

ابن سعد سلیمان سے اور سلیمان عبدالرحمن دمشقی سے اور وہ خالد بن یزید ابن ابی مالک سے
 اور وہ اپنے باپ سے اور وہ عطا بن رباح سے اور وہ ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف سے اور وہ
 اپنے باپ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

لہ طبعات ابن سعد مطبوعہ لندن، نمبر ۱۱۳، پہلی قسم ۱۳۹

اے ابن عوف تم ایک دولت مند ہو، لیکن جنت میں تم کھسکتے کھسکتے جاؤ گے اللہ کو قرض دو کہ تمہارے پاؤں کھول دے، ابن عوف نے جواب میں کہا، اللہ کے رسولؐ میں اللہ کو کیا قرض دوں، آپ نے فرمایا جس پر تمہاری شام گزری ہو اس سے شروع کرو، ابن عوف نے کہا کیا سب کا سب یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا ہاں! ابن عوف ارادہ کر کے وہاں سے نکلے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو کہلا بھیجا کہ جبریل نے کہا ہے کہ ابن عوف کو جہان نوازی کا مسکینوں کو کھانا کھلانے کا اور رسائل کی طلب پوری کرنے کا حکم دیجئے، اور آغاز اپنے عزیزوں سے کریں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے مال کی زکوٰۃ ادا ہوگئی،

یہ تھی دولت عبدالرحمنؓ کی عہد نبویؐ میں، پھر اس میں چند در چند اضافہ ہوا کچھ تو کاروبار اور اس کی ترقیوں سے اور کچھ مال غنیمت کے حصوں سے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے پچاس ہزار سُرُخ دینار کی وصیت فرمائی اور ایک زبردست وراثت ترکے میں چھوڑی چنانچہ ان کی ملکیت میں ہزار اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں، وہ مقام حرت کی زمینوں پر بیس اونٹوں کی آب پاشی سے زراعت کرتے تھے، انہوں نے چار بیویاں چھوڑیں، ہر ایک کے حصے میں جو وراثت آئی اس کی قیمت کا اندازہ اسی ہزار سے ایک لاکھ تک کیا جاتا ہے، راویوں کا بیان ہے کہ عبدالرحمنؓ ابن عوف سونے کی اتنی مقدار چھوڑ کر مرے کہ اسے کلہاڑی سے کاٹنا پڑا اور لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اور یہ عبدالرحمنؓ دولت مندی میں کوئی یگانہ نہ تھے، قریش کے سرداروں اور صحابہ کبار کی جو حالت تھی وہی ان کی تھی، حضرت عثمانؓ کے اس اقتصادی انقلاب نے ان کو تندرستی کو موقع دیا کہ وہ اپنا سرمایہ کسی کاروبار میں لگائیں، چنانچہ وہ بڑے بڑے کاروبار اور غیر معمولی دولت کے مالک بن گئے، اور اس طرح جیسا کہ ہم نے کہا تھوڑے ہی عرصے میں بڑی زبردست جاگیریں پیدا ہو گئیں، اور اسلام کے آغاز ہی میں وہ تعیش پیدا ہو گیا جو رومی جمہوریت کے آخر میں پیدا ہوا تھا، اور جو رومی جمہوریت کے خاتمے کا باعث تھا، اسی نے اسلامی خلافت کو بھی برباد کیا، گئے چنے چند رومی اٹلی کی سرزمین کے مالک ہو گئے، اور عوام ان ہی سے وابستہ ہو کر ٹولہوں اور اور پارٹیوں میں بٹ گئے، اسی طرح مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کے صوبوں کی زمینوں پر قبضہ کر لیا اور لوگ جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو کر اسی مختصر جماعت سے وابستہ ہو گئے،

حاصل کلام یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے سے یا اپنے مشیروں کے مشورے سے جو نظام پیدا کیا، اس کے نتائج سیاست ہی تک محدود نہیں رہے اور صرف یہی نہیں ہوا کہ ایک حد سے زیادہ مالدار طبقہ پیدا ہوا، جس نے عوام کو شکار بنایا، ان کو جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم کر دیا پھر اس تقسیم کی بدولت ان پر اپنا اقتدار جمانے کے لئے باہم لڑتے رہے، بلکہ اجتماع اور صلح بھی اس سے متاثر ہوا، اس انقلاب نے پوری طرح ایک طبقاتی نظام پیدا کر دیا، چنانچہ امریکا اور نچا طبقہ پیدا ہوا جس کے پاس غیر معمولی دولت اور دولت پیدا کرنے کے ذرائع اور زبردست اقتدار تھا اور ایک طبقہ مصیبت کے ماروں کا بنا جو مزدوری کرتا تھا، اور اونچے طبقے کے مصالح کے لئے مشقت کرتا تھا، اور ان دونوں جدا طبقوں کے بین بین ایک درمیانی طبقہ پیدا ہوا جو عام عربوں کا طبقہ تھا، یہ شہروں میں رہتا تھا، دشمنوں پر حملہ آور ہوتا سرحدوں کی حفاظت کرتا اور اپنے زیر سایہ لوگوں کی مدافعت کرتا، یہی درمیانی طبقہ ہے جس کا دولت مندوں نے مقابلہ کیا اور ان کو مختلف جماعتوں اور فرقوں میں منتشر کر دیا۔ مسلمانوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے والا دیکھے گا کہ پہلی آدھ سوشل تو دولت مندوں میں ہوئی لیکن اس کے بعد اسی درمیانی طبقے اور دولت مندوں میں معرکہ رہا، تیسرا طبقہ جو زمین پر کام کرتا تھا اور جس کی زندگی مختلف مفاد کے نذر تھی اس کا معاملہ بہت بعد میں ظہور پذیر ہوا اور اس کی بھی ایک داستان ہے،

پہلا فتنہ

اخراج اور جلا وطنی

پس فتنہ دراصل عربی فتنہ تھا، جو دولت اور اقتدار کی خاطر مقابلہ کرنے والے دولت مندوں کی سرگرمیوں سے پیدا ہوا جس میں عام عربوں کا وہ جذبہ حسد بھی شامل ہے جو ان کو مالداروں سے تھا، حضرت عثمان کی تجویز کی اطلاع پلتے ہی دو لہند اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے دوڑ پڑے اور فتنے کے آثار رونما ہو گئے اور سب سے پہلے خرابی کو فہ سے شروع ہوئی، اور خود سعید بن العاص کی مجلس سے، ۳۳ھ کے دن تھا سعید نے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اپنی مجلس کے لئے ممتاز افراد، متقی بزرگوں اور قاریوں کو منتخب کر لیا تھا تو دن میں جب کہ عوام نہ ہوتے یا رات میں داستان گوئی کے موقع پر حاضر ہوتے، ایک مرتبہ دن میں یا رات میں سعید نے مجلس میں کہہ دیا کہ "سواد کو فہ قریش کا ایک باغ ہے" اس پر مجلس کے حاضرین میں جس میں اکثر یہی تھے غصے کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے سعید کو نہایت سختی اور تلخی کا جواب دیا اور کہا "سواد تو اللہ کا مال غنیمت ہے اور اس میں قریش کا حصہ دوسرے مسلمانوں سے کچھ زیادہ نہیں" سعید کا محافظ افسر بہت خفا ہوا اور اس نے حاضرین کی سخت کلامی پر ان کو ڈانڈا دیا، لیکن حاضرین اس کی طرف بڑھے اور اس کو اتنا مارا کہ اس پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی، اس کے بعد سعید نے داستان گوئی کی مجلس اٹھا دی اور ان لوگوں سے ملنا ترک کر دیا، اب یہ لوگ اپنی اپنی مجلسوں اور نشست گاہوں میں جمع ہونے لگے، اور سعید کے خلاف اور حضرت عثمان اور قریش کے خلاف تنقید میں اپنی زبانیں آزاد کر دیں، بات لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور کچھ لوگ ان کی مجلسوں میں آنے جانے لگے، تب سعید نے حضرت عثمان کو ان کے بارے میں مراسلہ لکھا اور اس میں اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے ان کی وجہ سے خطرہ ہے کہ عوام فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے، حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ان کو شام بھجوادو اور شام میں امیر معاویہ کو لکھا کہ ان آنے والوں سے ملو اور ان کی اصلاح کی کوشش کرو، بعض راویوں کا بیان ہے کہ سعید کی مجلس میں

ایک دن یہی کاری اور بزرگان کو فہم ہو جو تھے اور بات طلحہ بن عبید اللہ کی سخاوت اور فیاضی کی چھڑائی سعید نے کہا جس کے پاس طلحہ تختی دولت اور زمینیں ہوں اس کو دریا دل اور فیاض ہونا بھی چاہئے، اور اگر میرے پاس اتنی ہوتی تو میں تم کو فارغ البال اور خوش حال بنا دیتا، مجلس میں نبی اسد کا ایک لڑکا بھی تھا، اس نے سعید سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کاش فرات کی فلاں زمین جو حکومت کی ہے امیر کی ملکیت ہوتی تو وہ عام مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن جاتی، حاضرین نوجوان کی اس بات پر بہ ہم ہو گئے اور اس کو لعنت ملامت کیا، پھر بات اتنی بڑھی کہ لوگوں نے اس نوجوان کو اور اس کے باپ کو مارا اور اتنا مارا کہ دونوں بیہوش ہو گئے، اس پر نبی اسد کو غصہ آگیا اور وہ بگڑ بیٹھے، سعید نے بڑی کوشش کی کہ معاملہ رفع ہو جائے، لیکن بات نہ بن سکی، پھر کوفہ والوں نے اس سے اصرار کیا کہ ان لوگوں کو شہر بدر کر دیا جائے، چنانچہ سعید نے خلیفہ کے حکم سے ان کو شام بھیج دیا،

بہر حال قابل ذکر بات یہ ہے کہ سعید نے ان لوگوں کو ان کے شہر سے جلا وطن کر دیا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ حاکم کو اپنی مرضی سے یا خلیفہ کے حکم سے کس حد تک یہ جائز ہے کہ مسلمانوں کو ان کی زمین سے جلا وطن کر دے اس لئے کہ ان کو اسی وقت جلا وطن کیا جاسکتا ہے جب دیلوں سے یہ ثابت ہو چکا ہو کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کی ٹھان لی یا زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کی، ایسا ہونے کی صورت میں بلاشبہ خلیفہ مجاز ہے کہ ان کو قتل کر دے یا سولی پر چڑھا دے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے یا جلا وطن کر دے،

شہر کے ان بزرگوں کے متعلق جن میں قرآن مجید کے قاری، اور اسلامی معرکوں میں فداکاری دکھانے والے حضرات موجود تھے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی یا زمین پر فساد پھیلا یا، نہ اطاعت سے انکار کیا نہ خلیفہ اور اس کے حاکم کے حکم سے سرتابی کی، یہ لوگ تو حاکم کے ساتھ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتے تھے اور جو کچھ ان کے ذمے تھا ادا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ ان کا جرم یہ تھا کہ حاکم کے طرز عمل یا اس کی بعض دوسری باتوں پر انہوں نے تنقید کی اور اپنی حد سے تجاوز کر کے اس نوجوان کو یا حاکم کے محافظ افسر کو مارا، لیکن حاکم کے بعض کاموں یا اس کی بعض باتوں پر تنقید ان کا حق ہے جس کو ان سے کوئی نہیں چھین سکتا، خود صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ لوگوں سے اس کی درخواست کیا کرتے تھے، پس محض تنقید پر تو

ان کو سزا دینا مناسب نہ تھا، اب رہا ان کا مارتا تو بلاشبہ اس پر ان کو خفیت ہی سزا دی جا سکتی تھی، سزائش کر دی جاتی قید میں رکھا جانا، یا پاؤں کاٹ دیے جاتے، جلاوطن کر دینا تو بہت بڑی سزا تھی، اگلے وقت کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی نصر بن حجاج کو اس خوف سے کہ عورتیں فتنے میں مبتلا ہوں گی مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا، پس حضرت عثمانؓ یا ان کے حاکم کے لئے بھی بالکل جائز ہے کہ مسلمانوں کے فتنے میں پڑنے کے اندیشے سے ان لوگوں کو کوفہ سے نکال دیں، لیکن نصر بن حجاج کی جلاوطنی صحیح معنوں میں نہ جلاوطنی تھی اور نہ سزا، اس لئے کہ ان کا کوئی گناہ نہ تھا، اور نہ انہوں نے عورتوں کو اپنے پیچھے آنے کے لئے پھسلا یا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بے نظیر قدر و قامت عطا کیا تھا اور اور لاجواب حسن و جمال کی نعمت دی تھی، حضرت عمرؓ نے میرے خیال میں ان کو مدینہ چھوڑ دینے کی ترغیب دلائی، اور کچھ نالی ادا دی، یہ ترغیب نہ کوئی شدت تھی نہ جبر لیکن جس حکیمانہ لب و لہجہ میں آپ نے یہ بات کہی اس میں شدت کی جھلک تھی پھر حضرت عمرؓ کی اس کارروائی پر سب لوگ خوش بھی نہ تھے، لیکن ہیں تو عرض کروں گا کہ اس نوجوان کو حضرت عمرؓ نے نہ جلاوطن کیا اور نہ سزا دی انہوں نے اس کو مدینہ چھوڑ دینے پر اکسایا اور اس سلسلے میں اس کی مالی مدد کی، لیکن سعید نے ان لوگوں کو کوفہ چھوڑ دینے پر نہ اکسایا اور نہ ان کی مالی مدد کی بلکہ حاکم جبر کے ساتھ ان کو کوفہ سے نکال کر غربت میں بھیج دیا، جہاں وہ بال بچوں سے دور پریشانی کے عالم میں تھے ان کو اس نے یا حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہ کے حوالے کر دیا تاکہ ان کو آزاد نہ رہنے دے اور جس طرح ہو سکے ان کی اصلاح کر دے، اس طرح اس نے ان کو گھر سے بے گھر کیا، ان کی آزادی چھین لی بال بچوں کے بارے میں ان کو حیران و پریشان کیا، اور ان باتوں کا اس کو کچھ بھی حق نہ تھا، شاید کوئی یہ کہے کہ سعید نے بھی ان کو صحیح معنوں میں جلاوطن نہیں کیا اس نے تو ان کو ایک دارالاسلام سے نکال کر دوسرے دارالاسلام میں داخل کر دیا اور اسلامی زمین سب کی سب ہی مسلمانوں کا ہی گھر بار ہے،

لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں صحابہؓ اور تابعین میں جتنے لوگ بھی تمہارے سمجھوں نے اس اخراج کو بہر حال برا اور ناجائز جلاوطنی خیال کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ امام کو سزا دینے کا حق ہے لیکن اس کو سزا دینے میں جانی بوجھی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ حضرت

عثمانؓ کے گورنروں نے جلاوطن اور شہر بدر کر کے خود اپنی جان پر، خلیفہ پر اور عوام پر کیسے کیسے مظالم کئے،

کوفہ سے نکلے ہوئے ان افراد سے امیر معاویہؓ نے ملاقات کی اور ان کو ایک گرجا گھر میں ٹھہرایا۔ ان کی ضروریات کا انتظام کر دیا، اور کوشش شروع کر دی، کہیں ان کے پاس خود جاتے کہیں اپنے پاس بلائے، لیکن یہ سب بے فیض رہا، ایک مرتبہ عربوں پر قریش کی فضیلت کے موضوع پر بحث کی لیکن وہ لوگ عربوں پر قریش کی فضیلت نہ سمجھ سکے، اور اسلام کے نزدیک قریش کو عربوں یا غیر عربوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے اس امتیاز کے کہ رسول اللہ ﷺ اس قبیلے میں پیدا ہوئے، لیکن قریش میں نبی کا مبعوث ہونا اس کو اس کی اجازت نہیں دیتا، کہ وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک بنا رہے یا اس کو تمام مسلمانوں پر ایک برتری حاصل رہے، جیسی عثمانی عہد میں رہی بہر حال یہ بات کسی قریشی حاکم کو اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ

سواد کوفہ قریش کا ایک باغ ہے

انما السواد بستات سقریش

کہہ دے، ان لوگوں سے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے خلیفہ اور اس کی اطاعت کے مسئلہ پر گفتگو کی، لیکن بات بے نتیجہ رہی، اس لئے کہ وہ امام کی اطاعت کے منکر نہ تھے، اگر وہ عدل قائم کرتا ہے حق جاری کرتا ہے، سنتوں کو زندہ کرتا ہے، بدعتوں کو مٹاتا ہے، ان کو تو امام کی اور اس کے حاکموں کی اطاعت سے اس وقت انکار ہے جب وہ اعتدال کی راہ سے ہٹ جائیں، امیر معاویہؓ نے اپنی ذات کے متعلق بحث کی، اس بحث میں بھی وہ ان پر کچھ اثر نہ ڈال سکے، انھیں یہ ناگوار تھا کہ امیر ان کو وعظ و نصیحت کریں، اور ان سے حاکم اور والی کی حیثیت سے پیش آئیں، ان کا مطالبہ تھا کہ معاویہؓ کو منصب حکومت سے سبکدوش ہونا چاہیے، تاکہ ان کی جگہ وہ شخص آئے جو اسلام لانے میں ان سے پہلے تھا، جس کا خاندان ان سے بھی زیادہ بزرگی رکھتا ہے اور اسلام کے حدود قائم کرنے میں ان سے بھی زیادہ اہمیت و قابلیت کا مالک ہے،

اندازہ لگتا ہے کہ امیر معاویہؓ نہ صرف "دگوں کی اصلاح سے مایوس ہو گئے بلکہ ان کو شامیوں کے لئے خطرہ تصور کرنے لگے اور وہ اس بات سے حد درجہ خائف تھے کہ شام کے لوگ کہیں کسی تحریک کا شکار نہ ہو جائیں، چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو ایک خط لکھا جس میں ان لوگوں

کو اپنے یہاں مقیم رکھنے سے معذرت چاہی، حضرت عثمانؓ نے معذرت قبول کرتے ہوئے لکھا کہ ان کو ان کے شہر واپس کر دو، یہ لوگ کوفہ واپس پہنچتے ہی سعیدؓ معاویہؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف خیانت کا اظہار کرتے لگے، اور ان کی تحریک کچھ سمیٹنے لگی، سعیدؓ نے پھر حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ وہ ان لوگوں کے کوفہ میں قیام سے معاف رکھیں، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا، کہ لوگوں کو جویرہ میں جلاوطن کر کے عبدالرحمن بن خالد بن الولید کے پاس بھیج دے، جو امیر معاویہؓ کی طرف سے حمص اور جویرہ پر حاکم تھے چنانچہ یہ لوگ عبدالرحمن کے پاس بھیج دیئے گئے، جس نے ان کے ساتھ نہایت شدت برتی اور سخت اہانت آمیز سلوک کیا، وہ دلیل اور مناظرے سے نہیں، سخت کلامی اور بدسلوکی کے زور سے اپنی اپنے باپ اور قریش کی بات منواتا تھا، چنانچہ خود سوار ہو کر چلتا تھا اور ان کو اپنے رکاب میں پیادہ پا چلنے پر مجبور کرتا تھا، انہیں ڈانٹتا تھا، سخت سست کہتا تھا، انہیں دوسروں کے لئے سعرت بناتے ہوئے تھا، جب یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو انہوں نے توبہ کیا اور اطاعت کا اعلان معافی بھی چاہی، عبدالرحمن نے ان کی معافی قبول کر لی اور ان میں سے اشتر کو توبہ اور معافی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا، حضرت عثمانؓ نے اس کو اجازت دی کہ وہ جہاں چاہے جاتے، اس نے عبدالرحمن کے پاس اپنے دوستوں میں رہنا پسند کیا، لیکن یہ قیام زیادہ عرصہ تک نہیں رہا، جیسے ہی سعیدؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آیا، یہ جلاوطن دوڑ پڑے اور طے کیا کہ وہ سعیدؓ کی راہ میں حائل ہوں گے، انہوں نے اپنے ساتھیوں کو خط لکھ کر بلوایا اور بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ پہنچے، اور لہجہ کر لیا، کہ اگر ان کی تلواریں ہاتھوں میں ہیں تو سعیدؓ کوفہ میں داخل نہیں ہو سکتا، پھر ایک جماعت بنا کر جس کی قیادت اشتر کو رہا تھا مقام جرعہ تک پہنچے، اور سعیدؓ کا انتظار کرنے لگے تا آنکہ سعیدؓ آیا اور اس کو واپس چلے جانے پر مجبور کر دیا، اور حضرت عثمانؓ پر جبر کیا کہ وہ سعیدؓ کو معزول کر کے کسی اور کو ان کا حاکم مقرر کریں، ان لوگوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو پسند کیا، حضرت عثمانؓ کے لئے منظور کے سوا چارہ کار نہ تھا، کوفہ والے اس طرح حضرت عثمانؓ کو دو مرتبہ مجبور کر چکے کہ اپنا حاکم معزول کر دیں، ایک ولید کو معزول کرایا۔ اس لئے کہ وہ لہو و لعب میں مبتلا تھا، تکبر تھا، تمسخر کرتا تھا، اور شراب پیتا تھا۔ دوسرے سعیدؓ کو معزول کرایا۔ اس لئے کہ وہ نہایت سخت

ظالم تھا، اور تشریحی اختیار رکھتے ہیں حد سے بڑھا ہوا تھا، ولید کی معزولی کے موقع پر کوفہ والوں نے کسی کا نام پیش نہیں کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے سعید کو مقرر کر دیا، لیکن سعید کی معزولی پر انھوں نے حضرت عثمانؓ کے لئے اپنی پسند کا اختیار بھی نہیں دیا، بلکہ صحابہ میں سے ایک کو پسند کیا جو یمنی بھی تھے چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے عثمانؓ حکومت ہاتھ میں لی اور قدرے سکون ہوا، لیکن یہ سکون تھوڑے ہی دن باقی رہا،



ابوموسیٰ کی بصرہ سے معزولی

اور

عیسایہ ابن عامر کا تقرر

حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کے گورنر مقرر کیا، حضرت عثمانؓ نے ان کو برسوں حکومت کے منصب پر باقی رکھا، کچھ راوی تین سال اور کچھ چھ سال بتاتے ہیں، بصرہ کے باشندوں میں اکثریت مضرلوں کی تھی، ربیعہ بھی بہت تھے مینیوں کی تعداد بہت کم تھی، کسی مصلحت سے فاروق اعظمؓ نے چاہا تھا کہ بصرہ کا حاکم جہاں مضرلوں کی اکثریت تھی یعنی ہو، اور کوفہ کا گورنر جہاں مینیوں کی اکثریت تھی ایک ثقفی یعنی مغیرہ بن شعبہؓ ہو، اور شام اور مصر کے صوبوں میں جو مینی عربوں کی اکثریت والے صوبے تھے دو قرشی مضری حاکم گورنر بنائے جائیں، غالباً حضرت عمرؓ کا اس مقصد یہ تھا کہ عصبیت کے جذبات کا مقابلہ کر کے اس کا خاتمہ کیا جائے، پس انھوں نے رعایا اور حاکم کے قبیلے میں فرق کیا، بصرہ کے معاملات ابوموسیٰ اشعریؓ کے ماتحت عثمانی عہد میں برسوں ٹھیک رہے، نہ حاکم کو رعایا سے کوئی شکایت پیدا ہوئی، نہ رعایا کو اپنے حاکم سے، ابوموسیٰ صحابہ میں ممتاز اور مقدم تھے، نیک سیرت پاکیزہ خصلت، فتوحات میں غیر معمولی حصہ لینے والے، لیکن عثمانی عہد میں عصبیت نے زور پکڑا، ہر قبیلہ مطلبی بن کر اپنی مصلحتوں کی طرف دیکھ لگا۔ قریش اور حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تو خاص طور پر قابل ذکر ہیں، چار بڑے صوبوں میں سے تین کے حاکم قریشی تھے، کوفہ کے حاکم ولید بن عقبہ اور پھر سعید ہوئے، شام کے حاکم معاویہ بن ابی سفیانؓ کو مصر کے لئے پہلے عمرو بن العاصؓ کا تقرر ہوا اور بعد میں عبداللہ ابن سعد ابن ابی سہل۔ اب ایک ہی صوبہ رہ گیا تھا جس کا حاکم نہ اموی تھا نہ قریشی اور نہ مضری بلکہ مینی تھی۔ اس طرح ابوموسیٰ اشعریؓ کا پوزیشن بالکل الگ تھا وہ اکیلے ایسے مینی حاکم تھے جن کی حکمرانی میں

ایک اہم شہرت تھا اور اس میں مصزیوں کی اکثریت تھی، قریش اس سے غافل نہ تھے، حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار بھی خیال کر رہے تھے، اور خود بصرہ کے مصزی بھی محسوس کرتے تھے، بعض رایوں کا بیان ہے کہ بنی ضبہ کا ایک مصزی شخص جس کا نام غیلان بن خزیمہ ضبہ ہے حضرت عثمانؓ کے پاس آیا، اور کہنے لگا، تمھارے پاس کوئی لڑکا نہیں ہے، جسے جو ان کر کے بصرہ کا گورنر بنا دو، یہ بوڑھا کب تک بصرہ کا گورنر بنا رہے گا، ابو موسیٰؓ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد سے چھ سال تک بصرہ کے گورنر رہے، پھر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر دیا، یہ بھی ایک روایت ہے، کہ بعض مفتوحہ علاقوں میں سے ایک نے ابو موسیٰؓ کے خلاف سراٹھایا، تو انھوں نے جہاد پر آمادہ کرتے ہوئے لوگوں میں تقریریں کیں اور رعیت ولایتی کہ پاپیادہ دشمن پر حملہ کریں، چنانچہ پھر لوگ آمادہ ہو گئے اور بعض منتظر رہے کہ دیکھیں حاکم خود کیا کرتا ہے، جب ابو موسیٰؓ نکلے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ سوار ہیں اور چالیس خچروں پر اپنا سامان لادے ہوئے ہیں تو وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمیں بھی ان خچروں پر سوار ہونے دیجئے، ابو موسیٰؓ نے ان کو دانا، اور لوگ واپس ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جس میں درخواست ہے کہ ابو موسیٰؓ سے ہم کو معاف رکھا جائے، جب حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ پھر وہ کس کو بد کرتے ہیں تو انھوں نے کسی کا نام پیش نہیں کیا بلکہ یہ کہہ دیا کہ جس کو آپ چاہیں والی بنا دیجئے آپ جس کو بھی پسند کریں گے وہ ان کا بدل ہوگا، وفد نے مزید کہا کہ جو کچھ ہمیں معلوم ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ سب کا سب آپ کے سامنے پیش کر دیں ان لوگوں نے ابو موسیٰؓ پر الزام لگایا، کہ وہ ہماری زمینیں کھا رہے ہیں اور اپنی اشعری قوم کو کھلا رہے ہیں، حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰؓ کو معزول کر دیا، اور اپنے ماموں کے لڑکے عبداللہ ابن عامر بن کریز کو بصرہ کا حاکم بنا دیا، جب وہ گورنر بن کر بصرہ آئے تو ان کی عمر پچیس سال کی تھی، جب ابو موسیٰؓ کو اس نوجوان کے تقریر کا پتہ چلا تو آپ کو اس میں کوئی مضائقہ نظر نہیں آیا، آپ نے لوگوں سے کہا اب تمہارا حاکم ایک ایسا نوجوان آتا ہے جو بے چین حوصلہ اور بی تاب مت رکھتا ہے، اونچے خاندان کا ہے اس کی حکومت میں دو شہر ایک ماٹھ ہوں گے اے

بوڑھے کی یہ بات غلط نہ تھی، عبداللہ بن عامر قرظی جو انوں میں بلا کا بہادر، بیدار مغز
 باہمت، ارادے اور ہمت کا قوی جوان تھا، مشکلات کا حل خوب جانتا تھا، فتوحات کے میدان
 میں خود اترا اور عوام کو بھی اتارا، اس سلسلے میں وہ سعید ابن العاص سے بھی بازی لے گیا، لوگوں
 کے ساتھ اس کا طرز عمل ایک باہمت شریف عملی آدمی کا سا تھا یہی وجہ ہے کہ بصرہ والوں کے ہاتھوں
 اس کا وہ انجام نہیں ہوا، جو کوفہ میں ولید اور سعید کا اور مصر میں عبداللہ بن ابی سرح کا ہوا، ایک
 طرف اس کی پختہ سیرت، تند برادر دوراندیشی تھی اور دوسری طرف رعایا میں مصلحتوں کی اکثریت
 عبداللہ کو کامیابی اور مقبولیت کا موقع ملا، لیکن پھر بھی بصرہ شر سے پوری طرح محفوظ نہیں رہا
 اس لئے کہ بصرہ والوں کی ایک جماعت حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کرنے میں اُسکی ساتھی تھی، اگر
 یہ جماعت مختصر تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر بھی حضرت عثمانؓ اور ان کے حاکم سے پوری طرح
 خوش نہ تھا، اور جو شکایتیں کوفہ والوں کو تھیں بصرہ اس سے بالکل خالی نہ تھا، کوفہ والوں
 یہاں کے بعض باشندوں کو بھی شہر بدر کیا گیا اور شام بھیجا گیا، لیکن بصرہ والوں کی جلا وطنی
 بدگمانی کی بنا پر کھلی ہوئی زیادتی تھی، اور امیر معاویہؓ کو بہت جلد پتہ چل گیا، ہوا یہ کہ
 بن عامر سے کسی نے عامر بن عبدالمطلب کی چٹلی کھائی کہ وہ بعض ایسے مسائل میں جو خدا کی طرف
 حلال ہیں مسلمانوں سے اختلاف کرتا ہے، چنانچہ وہ گوشت نہیں کھاتا، شادی نہیں کرتا اور حجہ
 میں حاضر نہیں ہوتا، عبداللہ بن عامر نے اسکی اطلاع حضرت عثمانؓ کو دی، بعض راویوں کا بیان
 کہ حضرت عثمانؓ نے عامر بن عبدالمطلب کو مدینہ طلب کیا اور جب معلوم ہوا کہ اس پر غلط الزام
 لگائے گئے ہیں، تو فوراً اعزاز کے ساتھ اس کو بصرہ واپس کر دیا، بعض روایتوں میں ہے کہ
 حضرت عثمانؓ نے بصرہ کے حاکم کو ہدایت کی کہ وہ اس کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دے، جب
 امیر معاویہؓ کے پاس پہنچا تو کھانے میں شرکت کی، امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ وہ گوشت کھاتا
 جس سے ظاہر ہوا کہ یہ الزام غلط ہے، پھر انھوں نے اس سے باز پرس کی تو اس نے جواب
 کہا کہ گوشت سے پرہیز کی بنا پر یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس ایک قصاب کو دیکھا کہ وہ ذبح کے وقت
 بکری کے ساتھ بڑی بے رحمی کر رہا تھا، جمعہ کی نماز کے سلسلے میں اس نے کہا وہ مسجد میں
 پچھلی صفت میں پہنچا ہے، اور سب سے پہلے نکل آتا ہے، شادی کے متعلق اس نے کہا کہ اسکی

ٹے ہو رہی تھی کہ بصرہ سے اس کو نکال دیا گیا، امیر معاویہؓ نے چاہا کہ اس کو بصرہ واپس کر دیں لیکن اس نے۔۔۔۔۔ اس شہر میں جانے سے انکار کر دیا، جہاں کے لوگ چغلی کھاتے ہیں اور جلاوطن کرتے ہیں پھر وہ شام ہی میں ٹھہر گیا اور زہد و اتقار کی زندگی گزارنے لگا، امیر معاویہؓ بھی اس سے محبت کرنے لگے، اور ازراہ ہمدردی جب کبھی راستے میں مل جاتا اس سے سوال کرتے کہ اگر کچھ ضرورت ہو تو پوری کر دوں، وہ جواب دیتا کہ مجھے کوئی ضرورت نہیں ایک مرتبہ جب امیر معاویہؓ نے بہت اصرار کیا تو کہا آپ کے اس شہر میں روزہ بہت بے کیف ہے، اگر ہو سکے تو بصرہ کی کچھ گرم ہوائیں لا دیجئے۔

میرے خیال میں حضرت عثمانؓ کو دو ہی حاکم ایسے ملے جو خاطر خواہ تھے، بصرہ میں عبداللہ بن عامر اور شام میں امیر معاویہؓ ابن ابی سفیان عراق کے دونوں شہروں کی ہم نے سیر کر لی اور مشاہدہ کر کے معلوم کر لیا کہ لوگوں کو عبداللہ بن عامر بہت پسند ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کا رشتہ دار ہے اور یہ کہ وہ کم سن ہے، اور ابو موسیٰؓ کے بعد آیا ہے، لوگوں کے ساتھ اس کے طرز عمل میں قریشی امتیاز نمایاں رہتا ہے جو گوصحابیہؓ کے اخلاق سے میل نہیں کھاتا، لیکن مضر یوں کی عصبیت کے لئے فتوحات کے لئے، ان کے حوصلوں اور مال غنیمت کے لئے، ان کی حرص و ہوس کے مناسب حال تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عامر سمجھ گیا تھا، کہ اس کی حکومت کے خلاف عوام کے اعتراضات کیا ہیں، اس لئے بڑی کوشش کے ساتھ اس نے معترضین کو بتانا چاہا کہ وہ گورنری کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کا مستحق ہے، اس نے دین کی بعض باتوں میں غلو سے کام لیا کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ فتوحات کے سلسلے میں اس مقام تک پہنچ گیا جہاں جانا چاہتا تھا لوگوں نے کہا، "آپ نے تو فتوحات میں ریکارڈ قائم کر دیا" اس نے جواب میں کہا اس میں کیا شک ہے اور اب میں تمہارا ہتھیار ادا کرنے کے لئے اسی مقام سے عمرے کا احرام باندھوں گا، حضرت عثمانؓ نے سرزنش کی کہ ایران کے اندرون ملک سے احرام باندھا، حالانکہ احرام کے لئے مقررہ مقامات ہیں اس سے پہلے وہی شخص احرام باندھ سکتا ہے جو اپنے نفس پر زیادتی کرتا ہے، یہ واقعہ بتانا ہے کہ عبداللہ بن عامر اس بات کی کس قدر خوشگوش کرتا تھا کہ لوگ اس کے کردار کی دین و دنیا دونوں اعتبار سے تحریف کریں اس کے بعد ہم کو شام کا رخ کرنا چاہیے،

پورا شاہ امیر معاویہ کے اقتدار میں

عثمانی عہد میں امیر معاویہؓ تمام گورنروں سے زیادہ خوش نصیب اور ہر حیثیت سے کامیاب گورنر تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو دمشق کا حاکم بنایا تھا، جب ان کے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہوا جو اردن کے حاکم تھے تو حضرت عمرؓ نے ان کا کام بھی امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا، ابوسفیانؓ نے اس پر حضرت عمرؓ کا شکریہ ادا کیا، لیکن امیر معاویہؓ، فاروق اعظمؓ کی نگاہ میں بہت پسندیدہ نہ تھے اور نہ بھائی کا منصب اُن کو دے کر ابوسفیان کے ساتھ کوغزاری یا ہمدردی کی بات صرف اتنی تھی کہ آپ نے معاویہؓ میں قابلیت، ہمت اور دوراندیشی دیکھی اور چاہا، کہ اردن کا کام سنبھال لیں انہوں نے سنبھال لی، حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت ان دونوں شہروں کے امیر معاویہؓ تھے حضرت عثمانؓ نے ان کو بدستور باقی رکھا جس طرح سال بھر تک انہوں نے حضرت عمرؓ کے تمام گورنروں کو ان کے عہدوں پر باقی رکھا اس کے بعد فلسطین کے حاکم علقمہ کنانی کا انتقال ہوتا ہے اور حضرت عثمانؓ فلسطین کی حکومت بھی امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیتے ہیں، پھر حمص کے فاروقی حاکم امیر بن سعد انصاری بیمار ہوتے ہیں اور حضرت عثمانؓ سے استعفا کی درخواست کرتے ہیں، حضرت عثمانؓ ان کی درخواست منظور کر کے حمص کی حکومت بھی امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیتے ہیں، اس طرح شام کی سرزمین تمام وکمال حضرت امیر معاویہؓ کے زیر حکومت آجاتی ہے اور وہ عثمانی عہد کے سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان گورنر بن جاتے ہیں، ان کی حکومت میں چار بڑے شہر جمع ہو جاتے ہیں، اور جغرافیائی مرکز کے اعتبار سے ان کی قوت غیر معمولی حد تک بڑھ جاتی ہے، ان کی حکومت حجاز اور مصر کے درمیان واقع تھی، حجاز خلافت کا مرکز اور امیر المومنین کا مستقر تھا، مصر قوت اور شوکت میں شام کی برابری کا صوبہ تھا، اور زرخیزی اور دولت میں اس سے بڑھا ہوا، ان کی حکومت ایک طرف بحر روم کے سواحل اور دوسری طرف رومی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی، جہاں سے وہ ضرورت پڑنے پر خلیفہ سے مدد لے سکتے تھے اور خلیفہ کو مدد پہنچا بھی سکتے تھے،

اسی طرح مصر سے بھی بروقت امداد لی اور دی جاسکتی تھی، علاوہ ازیں ان کے سامنے جہاد کے دو بڑے دروازے کھلے تھے، ایک بحری سمت کا اور دوسرا رومی سرحدوں کی بڑی سمت کا، پس ان کے امکان میں تھا کہ وہ اپنی شان بلند کریں اور حکومت کی بھی، اور اسلام کا بول بالا کر کے اپنے لئے عزت کا ایسا بلند مقام حاصل کریں جہاں تک کسی گورنر کی رسائی نہ ہو سکے،

امیر معاویہؓ کا دور شام میں کافی لمبا دور رہا، حضرت عمرؓ کی پوری خلافت پھر حضرت عثمانؓ کا پورا عہدہ اس طویل مدت میں ان کو شام کے جاننے پہچاننے کا کافی موقع ملا وہ شام والوں سے خوش اور شام والے ان سے خوش تھے، پھر دونوں خلیفہ بھی ان سے راضی رہے، رعایا کے ساتھ ان کے گہرے اور اچھے تعلقات نے اور حکومت کی طویل مدت نے ان کو گورنر نہیں، بادشاہ جیسا بنا دیا تھا، خلافت کی تاریخ ایسا کوئی گورنر نہیں جانتی جس کی حکومت ان کی حکومت کی طرح طویل مضبوط اور تدریجاً وسعت پذیر ہوئی ہو، پس کوئی حیرت کی بات نہ ہوگی اگر وہ اپنے کو کامیاب اور خوش قسمت تصور کریں، وہ دیکھتے تھے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں وقتاً فوقتاً حاکموں کی برطرفی ہو رہی ہے اور وہ اپنی جگہ برابر جے ہوتے ہیں، اور یکے بعد دیگرے صوبے ان کی حکومت میں ضم ہو رہے ہیں، اگر امیر معاویہؓ اپنے کاموں میں کوتاہی کرتے یا رعایا پر زیادتی، تو حضرت عمرؓ ہرگز ان کو باقی نہ رہتے دیتے اور نہ صرف معزول کر دیتے بلکہ اگر ضرورت پڑتی تو سزا بھی دیتے، حضرت عمرؓ کی وفات سے حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے تک غالباً امیر معاویہؓ نے شام والوں کے ساتھ اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی، اور انقلاب خلافت کے بعد بھی اپنا سابقہ سلوک باقی رکھا اور اس بات کی ضرورت باقی نہ سمجھی کہ ایک سخت گیر اور متعصب خلیفہ کے عہد میں جس طرز عمل کے پابند رہے ایک نرم اور چٹم پوش خلیفہ کے وقت اس میں تبدیلی کر دیں یہی وجہ ہے کہ دوسرے صوبوں کی رعایا نے اپنے حاکموں کی بدنامی اور خلیفہ کی بغاوت میں جو کارروائیاں کیں شام کی رعایا اس سے بالکل الگ رہی چنانچہ حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کرنے والے کوفہ سے، بصرہ سے اور مصر سے آتے لیکن شام سے ایک آدمی بھی نہیں گیا اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ جب کسی کو اپنی یا اپنے کسی گورنر کی مخالفت کی وجہ سے جلا وطن کرنا چاہتے تو خواہ وہ مدینہ کا ہو اس کو شام بھیج دیتے، آگے چل کر تم کو معلوم ہوگا کہ جب آپ ابوذرؓ سے تنگ

ہوتے تو ان کو شام بھیج دیا تاکہ مدینہ کے لوگ ان کی زبان اور ان کی تحریک سے محفوظ رہیں، چنانچہ وہ بسلسلہ جہاد شام پہنچ گئے اور وہاں کے دفتر میں ان کا نام لکھا گیا، پس امیر معاویہؓ کا تدبیر اور ان کی دور اندیشی وہ سہارا تھا جو حضرت عثمانؓ اس وقت لیتے جب اپنے یا اپنے عمال کے کسی شدید مخالف کو سیدھا کرنا چاہتے، اور ہمیں اعتراف کرنا چاہتے کہ امیر معاویہؓ خود حضرت عثمانؓ سے بھی بڑے مدبر اور دور اندیش تھے، وہ ان جلا وطنوں سے ملتے، ان کی اصلاح کی کوشش کرتے، ہاں جب بالوں ہو جلتے تو حضرت عثمانؓ سے معذرت خواہ ہوتے، اور حضرت عثمانؓ ان کی کوئی درخواست رد نہیں فرماتے،

امیر معاویہؓ نے اپنی کامیابی اور خوش قسمتی سے قائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، چنانچہ وہ شام میں چین سے بیٹھے صرف حکومت کے کاموں پر قانع نہیں رہے بلکہ معرکوں اور فتوحات کے لئے بے چین تھے فاروق اعظمؓ کے عہد میں تو ان کی کیفیت اس گھوڑے کی سی تھی، جو دوڑنے کی بے تابی میں لگام چبانا رہے، لیکن حضرت عمرؓ ان کو روکتے تھے اور اجازت نہیں دیتے تھے، بحری لڑائیوں کے لئے وہ جس طرح اصرار کے ساتھ درخواست کرتے تھے حضرت عمرؓ اسی شدت کیساتھ انکو مسترد فرما دیتے تھے، ایک مرتبہ تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تنبیہ کر دی کہ آئندہ وہ سمندر کی بات نہ کریں، پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے وہی درخواست ان کے سامنے پیش کر دی، حضرت عثمانؓ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ مجاہدوں کا انتخاب وہ خود نہ کریں، اور نہ قرعہ اندازی سے فیصلہ ہو بلکہ لوگوں کے اختیار کی بات ہو چنانچہ جس نے اپنی مرضی سے حقہ لینا پسند کیا، اس کو منظور کیا اور اس کی مدد کی اور جس کا جی نہ چاہا اس کو عافیت سے رہنے دیا، تھوڑے ہی دنوں بعد امیر معاویہؓ نے بحری بیڑہ تیار کیا اور سچاس یا اس سے بھی زیادہ بحری لڑائیاں لڑیں، یہ دیکھ کر مصر کے گورنر عبداللہ ابن ابی سرح کی رگ حمیت بھی پھڑکی، اور ان کے نقش قدم پر چل پڑا۔ متحدہ خیمے بکھتے ہیں کہ قبرص پر شام کی طرف سے امیر معاویہؓ نے اور مصر کی طرف سے ابن ابی سرح نے حملہ کیا اور دونوں کی

فوجیں جزیرے میں آکر مل گئیں، رومی شہروں سے متصل سرحدوں کی حفاظت بھی امیر معاویہؓ کا ایک فرض تھا، چنانچہ وہ سرما اور گرما دونوں موسموں میں دشمنوں سے تیرا آزار رہتے اور اس طرح کافی مال غنیمت حاصل کر کے ایک طرف فوج کو خوش کرتے اور دوسری طرف بیت المال کو کامیاب بناتے، اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ ہی نے امیر معاویہؓ کے لئے وہ راستہ ہموار کیا، جس پر چل کر ان کو موقع ملا کہ وہ ایک دن ابی سفیان کی اولاد میں خلافت منتقل کر کے اس کو بنی امیہ کے لئے مستقل کر دیں، حضرت عثمانؓ ہی نے حمص اور فلسطین کو ضم کر کے امیر معاویہؓ کے حدود حکومت میں وسعت کر دی، اور ایک شامی وحدت بنا دی، جس کے گوشے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ ہی نے چلابرد مرکزی شہروں کی قیادت ان کو دی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے قوی فوج ان کے قبضے میں تھی، پھر حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے پورے دور میں حکومت کے معاملات میں ان کو موقع دیتے رہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے دیا، پھر شام کے معاملات میں انھوں نے حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ ان کو اختیار اور آزادی دے دی، پھر جب نقتنہ کے دن آئے تو امیر معاویہؓ نے دیکھا کہ حاکموں میں وہ سب سے زیادہ پرانے گورنر ہیں ان کی فوج سب سے زیادہ طاقتور فوج ہے، اور وہ تمام حاکموں سے زیادہ اپنی رعایا پر قابو رکھتے ہیں، اگر حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے، تو ان کے بس میں تھا کہ وہ دمشق اور اردن پر امیر معاویہؓ کو رکھتے، اور حمص اور فلسطین کی حکومتوں کو، براہ راست مدینہ سے ملا دیتے اگر وہ ایسا کرتے، تو ایک طرف حضرت عمرؓ کی اتباع کرتے اور دوسری طرف ممتاز صحابہؓ اور نوجوان عربوں کے لئے ایسے کام ہتیا کر سکتے جن سے ان کی بیکاری دور ہوتی، ان کی ناراضگی اور غصے کی بھی روک تھام ہوتی، اور مخالفت اور بغاوت پر آمادہ کرنے والے جذبات بھی مردہ ہو سکتے اگر حضرت عثمانؓ ایسا کرتے تو نقتنہ کی آگ بھڑک اٹھنے پر امیر معاویہؓ من مانے اقدامات نہ کر سکتے، اور مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ اپنے معاملات شوریٰ کے ذریعے طے کرتے

لیکن امیر معاویہؓ کو ان کی وسیع اور منضبط حکومت نے ترم جمانے کا موقع دیا، اور ایسی فرصت مہیا کی، کہ وہ مصر میں اپنا آدمی بھیج کر اس کو مرکزی خلافت سے الگ کر دیں، حجاز اور دوسرے عربی بلاد میں حضرت علیؓ کے خلاف اپنی حمایت کی فضا پیدا کریں، اور حضرت علیؓ جب آنکھ کھولیں تو ان کو معلوم ہو کہ امیر معاویہؓ حکومت کے بہترین شہروں اور صوبوں پر قابض ہیں، یہ سب امیر معاویہؓ کی جہارت اور ان کی زبردست حکومت کا کرشمہ ہے،



عمر بن العاصؓ کی معزولی اور

ابن ابی سرح کاقتل

شام کو چھوڑ کر اگر ہم مغرب کی طرف چل پڑیں تو مصر پہنچیں گے، حضرت عمرؓ نے مصر پر عمرو بن العاصؓ کو حاکم مقرر کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے ان کو دوسرے فاروقی حاکموں کی طرح باقی رکھا، لیکن جیسے ہی ایک سال پورا ہوا ان کے رشتہ داروں کی نگاہیں ادھر اٹھنے لگیں، عمرو بن العاصؓ کی معزولی اور ان کی جگہ ابن ابی سرح کے تقرر میں اختلاف ہے، بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ مصریوں نے حضرت عثمانؓ سے عمرو بن العاصؓ کی شکایت کی اس پر انہوں نے ان کو برطرف کیا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ کی معزولی مصریوں کی ناراضی یا شکایت کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ وہ ایک چال تھی جس سے ایک حاکم معزول اور اس کی جگہ دوسرا مقرر ہو گیا، راویوں کے بیانات سے جو بات نکالی جاتی ہے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ ابن ابی سرح کو کسی بڑے کام کے لئے پیش کر رہے تھے، راویوں کا بیان ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے افریقیا پر حملہ کیا اور مختصر سا مال غنیمت لے کر واپس آگئے، اس سلسلے میں مناسب بات یہی تھی کہ حضرت عثمانؓ اپنے مصر کے حاکم ہی کو یہ موقع دیتے کہ وہ اپنی سردوں پر پہلے اطلاعی اور پھر فاتحانہ اقدام کرتا، جیسا کہ کوفہ، بصرہ اور شام کے صوبوں میں وہاں کے حاکم کرتے رہتے ہیں، لیکن حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مزید اقدام سے روک دیا، اور افریقیا ایک فوج بھیجی جو مصر کے گورنر کے ماتحت نہ تھی، بلکہ اس کا تعلق براہ راست مدینہ سے تھا، اور اس فوج کا امیر عبداللہ بن سعد ابن ابی سرح کو مقرر کیا، اور اس کو کہا کہ اگر تو نے افریقیا فتح کر لیا تو مال غنیمت میں تجھ کو خمس کا پانچواں حصہ ملے گا، ایک قطری بات تھی کہ حضرت عثمانؓ کے اس طرز عمل سے عمرو بن العاصؓ ناراض ہوں اس لئے

کہ اس طرح انھوں نے ہم عمروں میں مصر کے والی کا درجہ کم کر دیا، حضرت عمرؓ اس سے قبل
 سرحدوں پر خورد فوجیں نہیں بھیجا کرتے تھے یہ معاملہ صوبوں کے گورنروں کا تھا، رومی سرحدوں
 پر امیر معاویہؓ اور سرزمین فارس میں بصرہ اور کوفہ کے حاکم معرکہ آرا تھے، ان معرکوں میں خلیفہ
 کا مشورہ ضرور لیا جاتا تھا لیکن اصل کمان اوزنگرانی گورنروں کی تھی، جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا
 حضرت عثمان نے افریقیا کی فتح پر غیر معمولی توجیہ کی اور ابن ابی سرح کی نصرت اور قوت کے
 لئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ساتھ کر دی، جس میں چند صحابہؓ اور کچھ قریش کے نوجوان اور بہت سے انصاری
 شریک تھے، اور تاکید کر دی کہ افریقیا کی فتح سے فارغ ہو کر فوج کا ایک دستہ بحری راستے سے
 اندلس سے مقابلہ کے لئے بھیج دینا۔ ابن ابی سرح نے افریقیا فتح کر لیا، اور بہت سا مال غنیمت
 لوگوں میں تقسیم کیا اور خمس کا پانچواں حصہ لے کر باقی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دیا،
 کہا جاتا ہے کہ اس پانچویں حصے کو مروان بن الحکم نے ایک لاکھ یا دو لاکھ دینار میں خرید لیا، اور
 قیمت کا کچھ حصہ ادا کیا باقی حضرت عثمانؓ نے اس کو ہبہ کر دیا، راولیوں کا بیان ہے کہ ابن ابی سرح
 کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے اس امتیاز سے فوجی سخت ناراض ہوتے اور اس سلسلے میں گفت و شنید
 کے لئے ایک وفد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں نے عبداللہؓ
 کو اس کے حصے سے کچھ زیادہ دیا ہے، اگر تمہیں بھی منظور ہو تو رہنے دو اور اگر تم ناراض ہوتے
 ہو تو عبداللہؓ کو واپس کرنا ہوگا، وفد نے جواباً کہا کہ ہم سب سخت ناراض ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا
 تو پھر وہ واپس ہے اس کے بعد وفد نے مطالبہ کیا کہ عبداللہؓ کو برطرف کر دیا جائے اس لئے کہ
 انھوں نے جو کچھ کیا اس کے بعد ہمارے ان کے تعلقات اچھے نہیں رہ سکتے، یہ بات حضرت عثمانؓ
 نے مان لی، اور عبداللہؓ کو لکھا کہ جو کچھ اس نے لیا ہے وہ واپس کر دے، اور برطرف ہو جائے
 عبداللہؓ اس کے بعد مصر آئے، اور ان کا دل ناکامی اور حسرت کے جذبات سے ملول تھا کہ اللہ
 نے ان کے ہاتھ پر ایک اہم سرزمین کی فتح لکھی تھی، اور پھر ان کو اپنی مفتوحہ سرزمین سے واپس
 آنا پڑا، اور اس مال سے بھی محروم ہونا پڑا، جو حضرت عثمانؓ کا عطیہ تھا، اس میں شک نہیں کہ
 حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار عبداللہ بن سعد کے اس واقعے سے برہم ہوتے اور چاہا کہ ان کو
 اس سے بہتر سے بہتر معاوضہ بہر حال ملے، چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ لگے رہے، تا آنکہ

انھوں نے عبداللہ کو مصر میں حیراج کی وصولی کا افسر مقرر کیا اور عمرو بن العاصؓ کے ذمے جنگ اور انتظام کے معاملات کئے، اس کا لازمی نتیجہ دونوں میں اختلاف کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا، ہو سکتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے عبداللہ کو بعض ایسی کارروائیوں پر آمادہ کیا ہو جس کے نتیجے میں افریقیا کی حکومت بھی گئی اور جو کچھ ملا تھا وہ بھی چھین گیا، واقعہ کچھ بھی ہوا ہو بہر حال دونوں میں بد مزگی اور اختلاف پیدا ہو گیا، اس کے بعد عبداللہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ حیراج کی وصولی کی راہ میں عمرو بن العاصؓ رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں، اور عمرو بن العاصؓ نے یہ شکایت کی کہ عبداللہ جنگی تدابیر میں رخنہ اندازی کرتے ہیں، اس موقع پر حضرت عثمانؓ کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ عبداللہ کو مدینہ بلا لیتے اور مصر کی حکومت عمرو بن العاصؓ کے ماتحت رہتے دیتے، فاروق اعظمؓ دنیا سے ان کی حکومت سے خوش گئے تھے، اور اگر تبدیلی کے بغیر چارہ نہ تھا تو دونوں کو برطرف کر دیتے اور مصر کے معاملات کسی دوسرے قریشی یا غیر قریشی کے حوالے کرتے اس طرح عمرو بن العاصؓ کے عقے کا زور توڑ دینا اور کچھ دنوں کے لئے قریش کی باری موقوف کر دینا ایک معقول بات ہوتی، لیکن انھوں نے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر دیا، اور مالیات اور انتظام دونوں شعبے عبداللہ کے سپرد کر دیئے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے عمرو بن العاصؓ کو اپنا ایک مستقل مخالف بنا لیا۔

حضرت عثمانؓ اور عمرو بن العاصؓ میں بد مزگی یہیں تک آ کر نہیں رکی بلکہ بات کچھ اور آگے بڑھی، حضرت عثمانؓ نے ایک مرتبہ اشارتاً اور دوسری مرتبہ صراحتاً عمرو بن العاصؓ کی دیانت پر شک بھی کیا، چنانچہ عمرو بن العاصؓ ایک دن حضرت عثمانؓ کے پاس بھر تو جبہ پہن کر آئے خلیفہ نے سوال کیا کہ جبے میں کیا ہے؟ جواب ملا عمرو بن العاصؓ، حضرت عثمانؓ نے کہا میرا مطلب یہ نہیں ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ جبے میں تم ہو میرا مقصد یہ ہے کہ جبے میں روٹی بھری ہے یا کوئی اور شے،

ابن ابی سرح نے مصر سے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بہت سا مال بھیجا، یہ مال جب حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچ رہا تھا، تو عمرو بن العاصؓ وہاں موجود تھے، حضرت عثمانؓ نے کہا عمرو! تمہیں کچھ پتہ ہے اس ادنیٰ نے تمہارے بعد بہت زیادہ دودھ دیا، عمرو بن العاصؓ نے

جواب دیا کہ ہاں لیکن اس کے بچے سب مر گئے، امیر المومنین حضرت عثمانؓ یہ بتانا چاہتے تھے کہ عمرو بن العاصؓ مال کا کچھ حقہ خود رکھ لیا کرتے تھے، عمرو بن العاصؓ نے اپنے جواب میں بتایا کہ حضرت عثمانؓ کا عامل مصریوں سے ناقابل برداشت خراج وصول کرتا ہے،

عبداللہ بن سعد راست باز آدمی نہ تھا، مسلمان بھی اس سے خوش نہ تھے پھر یہ وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ پر زیادتیاں کی، اور حد سے بڑھا ہوا مذاق کیا، قرآن مجید نے اُس کی تکفیر اور بُرائی کی ہے، یہ عبداللہ قرآن مجید کا مذاق کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ اللہ کی طرح میں بھی قرآن نازل کروں گا، آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن جن لوگوں کے خون کا اعلان کیا تھا اُن میں یہ عبداللہ بھی تھا، لیکن حضرت عثمانؓ اس کو مسلمان بنا کر حضرت کی خدمت میں لاتے، تب آپ مجبور ہو گئے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مصری عبداللہ کے طرز عمل سے خوش نہ تھے، وہ اُن کی طاقت کے باہر اُن سے وصول کرتا تھا، جس کی طرف عمرو بن العاصؓ نے اشارہ کیا ہے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ عبداللہ مصر کے غیر قریشی عربوں پر فوقیت اور برتری کا ایسا مظاہرہ کرتا تھا، جس نے ان کو سخت مخالف اور برداشتہ خاطر بنا دیا، اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اس کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے عتاب نامہ بھیجا، جس میں عبداللہ کو سخت تنبیہ کی اور حکم دیا کہ رعایا جس بات سے ناخوش ہو اس سے باز رہے، لیکن عبداللہ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی، اگلے شکایت کرنے والوں کو سزا دی اور ایک کو تو اتنا مارا کہ وہ مر ہی گیا، اس کے بعد تو نہ صرف مصری ہی ناراض ہوئے بلکہ صحابہ کرام کو بھی غصہ آ گیا، اور انہوں نے حضرت عثمانؓ پر زور ڈالا، تب آپ نے اس کو معزول کر دیا، اور محمد بن ابوبکرؓ کو فرمانِ ولایت لکھ کر دیا اور ان کے ساتھ جہا جہا اور انصار کی ایک جماعت کر دی کہ عبداللہ اور مصریوں کے درمیان جو جھگڑا ہے اس کی تحقیقات کریں اس لئے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا تھا کہ پہلے تو وہ عبداللہ کو معزول کر دیں اور پھر اس پر قتل کا جو الزام ہے اس کی تحقیقات کرائیں، اگر الزام ثابت ہو جائے تو قصاص لیں، حضرت عثمانؓ کا محمد بن ابوبکرؓ کو مصر کا والی بنانا مسلمانوں کے لئے بڑی نحوست

لے انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ قدس ص ۲۶

کا سبب بنا۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والی پہلی ٹولی یہیں سے نکلی، پھر عراق کے دونوں شہروں کوفہ اور بصرہ کے لوگ بھی اس ٹولی کے شریک ہو گئے۔

ہاں عبداللہ ایک بہادر، جری اور بے باک اور فتوحات میں کامیاب تھا، افریقیا سے رومیوں کو مار بھگا یا، قبرص کی جنگ میں حصہ لیا، مقام ذات الصواری میں رومی پٹے کو شکست دی، لیکن بہر حال وہ ایک دنیا دار آدمی تھا، دین سے اس کو کچھ نسبت نہ تھی،



محمد بن ابوحذیفہ اور محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما

مصر میں حضرت عثمانؓ اور ان کے حاکم کی پالیسی سے بحث ناممکن رہے گی، اگر ہم ان دو قریشی جوانوں کا تذکرہ نہ کریں جن کا اس پالیسی کے انجام یعنی بغاوت سے بہت گہرا تعلق ہے یہ دونوں جوان محمد بن ابوحذیفہؓ اور محمد بن ابوبکرؓ ہیں، اول الذکر ایک معزز خاندان کے شریف باپ کے شریف بیٹے ہیں، ان کے باپ کا قریشی سرداروں میں ایک ممتاز درجہ ہے، ان کا نام عقبہ ابن ربیعہ ہے ان کی لڑکی کا نام ہند ہے جو ابوسفیانؓ کی بیوی اور امیر معاویہؓ کی ماں ہیں، ابوحذیفہؓ اسلام کے سابقین میں ہیں رسول اللہ ﷺ کے دارالارقم میں داخل ہوئے اور اسلام کی دعوت دینے سے پہلے اسلام لاتے پھر انہی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئے اس کے بعد دوسرے مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ آئے ان تمام اوصاف پر مزید یہ کہ دین کے سلسلے میں کڑی منصبیتیں اٹھائیں، ایمان، یقین اور پولسے جوش و خروش کے ساتھ بدر کے معرکے میں شریک رہے، ان کے ایمان کا کیا کہنا خود اپنے باپ کو مقابلے کی دعوت دی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے پھر آخر میں صدیق اکبر کے دور میں یمامہ کے معرکے میں شہید ہوئے یہ محمد ان کے لڑکے حبشہ میں پیدا ہوئے تھے، باپ کی شہادت کے وقت بالکل نوجوان تھے چودہ یا پندرہ سال کی عمر تھی،

باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے کفالت کی اور اپنی زیر نگرانی رکھا پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو اس نوجوان نے خیال کیا کہ دوسرے قریشی نوجوان خصوصاً حضرت عثمانؓ کے عزیزوں کی طرح اس کو بھی حکومت میں کوئی حصہ ملے گا، لیکن راویوں کے بیان کے مطابق یہ نوجوان دین کا زیادہ پابند نہ تھا، کہتے ہیں کہ اس نے شراب پی، اور حضرت عثمانؓ نے اس پر حد جاری کی، معلوم نہیں یہ بات مستند ہے یا نہیں؟ لیکن قابل ذکر

بات یہ ہے کہ ایک دن اس نوجوان نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ کوئی خدمت اس کے سپرد کی جائے، حضرت عثمان نے انکار کرتے ہوئے اس سے کہا اگر میں تم میں کوئی اہمیت پاتا تو ضرور کسی خدمت پر مامور کر دیتا، لیکن تم اہل نہیں ہو، نوجوان نے کہا پھر مجھے کہیں جانے کی اجازت دیجئے اور میری مدد کیجئے حضرت عثمانؓ نے اس کو کچھ دیا اور اجازت دیدی کہ جہاں چاہو چلے جاؤ، پس وہ مصر چلا آیا، اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس سے ناراض ہو کر نکلا، اس کی ناراضی کا سبب تو وہ شراب کی سزا رہی ہو اگر پینے کی بات صحیح ہے یا گورنری کا نہ ملنا جو ولید، سعید اور عبداللہ بن عامر حبیبوں کو مل چکی تھی، اس نے مصر پہنچتے ہی حضرت عثمانؓ کی پالیسی کی مخالفت اور ان کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے خلاف شور و غوغا شروع کر دیا

دوسرا نوجوان محمد ابن ابوبکرؓ، تو ان کی بزرگی اور شرافت کے لئے یہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ صدیق اکبرؓ کے بیٹے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھائی ہیں، پھر وہ بھی ایک قریشی نوجوان ہیں، ان کو بھی تمام قریشیوں کی طرح اپنی برتری کا احساس تھا، ان کو اپنے باپ اور بہن پر ناز تھا، جو مردوں اور عورتوں میں رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عزیز ترین تھے، یقیناً وہ حضرت عثمانؓ سے متوقع تھے کہ ان کے درجے کا خیال رکھیں گے اور ان کے باپ اور بہن کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں کہیں کا والی بنا دیں گے جس طرح وہ اپنے متعلقین کو نواز رہے ہیں، جن کی حیثیت نہ ان سے بلند ہے اور نہ اول، لیکن حضرت عثمانؓ نے کچھ خیال نہیں کیا، اور ان کو کوئی وزن نہیں دیا، اور وہ تمام قریشی نوجوانوں کو بیان کی اکثریت کو والی بنا بھی نہیں سکتے تھے، اس لئے کہ نوجوان تو بہت تھے اور عہدے بہر حال کم لیکن حضرت عثمانؓ نے قریشی نوجوانوں کی ایک جماعت کو منظور اور دوسروں کو نظر انداز کر کے تاکام نوجوانوں میں ایک قسم کی دشمنی اور حسد پیدا کر دیا تھا چنانچہ محمد بن ابوبکرؓ مدینہ سے مصر کے ارادے سے نکلے، محمد بن ابوحذیفہ بھی نکل چکے تھے، ان دونوں کی ملاقات راستے میں یا مصر پہنچ کر ہوئی، ان دونوں کے مصر پہنچتے ہی عبداللہ بن سعد نے سمجھ لیا کہ یہ کسی نیک اردو سے نہیں آئے، چنانچہ اس نے ان کو ڈرا پا دھمکایا، لیکن انہوں نے اس کا کچھ بھی اثر نہیں لیا

محمد بن ابوحذیفہؓ اپنی تنقید میں زیادہ صاف گو اور خلیفہ اور اس کی مخالفت میں سخت تھے اتنے سخت کہ حاکم کو اس کے منہ پر اور لوگوں کے سامنے برا بھلا بولنے میں ان کو ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی تھی، رادلوں کا بیان ہے کہ وہ عام لوگوں کو متوجہ کرنے اور حاکم کو چیلنج دینے کے خیال سے مسجد میں جب حاکم نماز سے فراغت پاتا تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے تھے، کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سعد نے ان کو بلا کر منع کیا کہ وہ ایسا نہ کیا کریں لیکن وہ باز نہ آئے، عبداللہ نے انہیں جھٹک کہا اور دھمکی دی کہ وہ اپنی تیزی کم کریں لیکن لوجوان نے ذرا بھی توجہ نہ کی، اور کچھ بھی اثر نہیں لیا، پھر عبداللہ رومیوں سے جنگ کے لئے نکلا تو یہ دونوں محمد بھی نکلے عبداللہ اس ڈر سے کہ کہیں ان لوگوں کی وجہ سے فوج متاثر نہ ہو ان کو ایسے جہاز میں سوار ہونے پر مجبور کیا جس میں ان کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا، سب کے سب قسطنطنیہ تھے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ محمد بن ابوبکرؓ بیمار ہو گئے اس لئے وہ مصر ہی میں مقیم رہے، اور محمد بن ابوحذیفہؓ نکلے، غالب گمان یہ ہے کہ ان میں سے ایک مصر میں رہ گیا تاکہ عبداللہ کی غیر حاضری میں فضا خراب کرے اور دوسرا فوج میں اپنی تحریک کی اشاعت کرے،

اس معرکے میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، عبداللہ رومی پیرے کو شکست دے کر کامیاب واپس آیا، لیکن ابن ابوحذیفہؓ لشکر میں اپنا کام کر چکے تھے، عبداللہ اور خلیفہ دونوں کے خلاف فوج میں برے خیالات کی اشاعت کر دی تھی، وہ مجاہدین کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے کہ تم جہاد جہاد چلا تے ہو، حالانکہ جہاد کا میدان مدینہ منورہ ہے جہاں عثمانؓ مقیم ہیں، اور امت پر کتاب و سنت اور شیخینؓ کے طرز عمل کے خلاف حکومت کر رہے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو معزول کرتے ہیں، اور مسلمانوں پر مسخروں اور فاسقوں کی ایک ٹولی مسلط کر رہے ہیں، تم اپنے حاکم اور جہاد کے افسر ہی کو دیکھ لو یہی تو وہ آدمی ہے جس کے کفر کا خود قرآن شاہد ہے، جس کے خون کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تھا، لیکن اس کے باوجود عثمانؓ نے اس کو تمھارا والی بنا دیا، اس لئے کہ وہ ان کا رضامندی بھاتی ہے، ذرا اس پر تو نظر ڈالو کہ تمھارے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے، کیا تم اس کو کفرت اور شیخینؓ کی راہ پر پاتے ہو؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ تمھارے کاموں اور مالوں میں کم و بیش

کرتا ہے اور تم کو ایسے کام اور مال کا مکلف کرتا ہے جس کی تم میں طاقت نہیں ہے، وہ خیالات اور افکار ہیں جو محمد ابن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ توجیوں میں اور محمد ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ مصریوں میں پھیلانے تھے جنگ سے واپسی پر مصری ان دولتوں کے پانچ جمع ہونے لگے اور ان کی باتیں سننے لگے، اب عبداللہ بن سعد کو ان سے خطرہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع کر دی، اور ان کے خلاف کارروائی کرنے کی اجازت چاہی، کہا جاتا ہے کہ عمار بن یاسر کو حضرت عثمان نے مصر بھیجا کہ وہ ان دونوں کی رپورٹ دیں، اور نصیحت کر کے ان کو ٹھنڈا کریں، اور خود عبداللہ کے بارے میں بھی اطلاع دیں لیکن بقول راویوں کے عمار بن یاسر مصر پہنچتے ہی ان دونوں نوجوانوں کے ساتھی بن گئے اور ان کے ہنوا ہو کر عوام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکانے لگے، عبداللہ یہ دیکھ کر چلا اٹھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں پوری قوت کے ساتھ ان تینوں سے مواخذہ کی اجازت پر سخت اصرار کیا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب میں سخت سست کہا اور حکم دیا کہ عمار کے ساتھ نرمی اور شفقت کا تیرا ذکرے اور عزت و احترام کے ساتھ مدینہ واپس کر دے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عائشہ صدیقہ کے احترام کے پیش نظر محمد ابن ابوبکر سے درگزر کرے اور محمد بن ابوبکر کو بھی چھوڑے وہ میرا لڑکا ہے میرا پروردہ اور قریش کی چڑیا

میں اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ عمار کو مصر نہیں بھیجا گیا، اور نہ انہوں نے ان دونوں نوجوانوں کے ساتھ مل کر بغاوت پر آمادہ کرنے کے کام میں حصہ لیا، بلکہ یہ ایک افسانہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت کرنے والوں نے اس قضیہ سے متاثر ہو کر گڑھا، جو عمار بن یاسر اور حضرت عثمان کے درمیان تھا، اور جس کا ذکر آگے آئے گا لیکن جو بات ناقابل انکار ہے وہ یہ کہ یہ دونوں محمد مصراے اور عوام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے حاکم کے خلاف بھڑکایا، اور حضرت عثمان نے زحی اور نیک سلوک کر کے ان کو راہنی کرنا چاہا، کہا جاتا ہے کہ آپ نے محمد ابن حذیفہ کو کچھ مال اور کپڑا بھیجا، جسے مسجد میں مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے محمد نے کہا دیکھو، عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ رشوت دے کر میرے مسلک سے پھرانا چاہتے ہیں،

یہ دونوں محمد اسی طرح مصریوں میں مخالفت اور مقابلے کی تحریک پھیلانے رہے تا آنکہ ایک بڑی تعداد ان کی ہنوا بن گئی، ایسی ہنوا کہ مصریوں سے زیادہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مخالف اور باغی کوئی

نہ تھا، ہمارا خیال ہے کہ ان دونوں جوانوں کے بغیض و عنقب کا باعث حضرت عثمانؓ کا یہ طرز عمل ہے کہ آپ نے قریشی نوجوانوں کی ایک جماعت کو موقع دیا اور دوسروں سے بے توجہی برتی اور یہ کہ ان قابل اور اہلیت کے مالک افراد کو نظر انداز کیا جنہوں نے اسلام کی راہ میں مصائب اور مشقتیں برداشت کی تھیں، اور ان لوگوں کو خدمتوں پر مامور کیا جن کی قابلیت اور درجہ خواہ کتنا ہی اونچا رہا ہو، لیکن وہ سائقین میں نہ تھے اور نہ سیرت اور کیرکٹر کی عمدگی کے اعتبار سے ان میں کوئی امتیاز تھا، حضرت عثمانؓ سے لوگوں اور خصوصاً نوجوانوں کی ناراضی اور غصے کا اندازہ کرنا ہو تو وہ خط پڑھنا کافی ہوگا جو اشتز نے حضرت عثمانؓ کو اس وقت لکھا تھا جب کوفہ والوں نے سعید بن العاص کو اپنی ناراضی کی بنا پر واپس کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے دائمی سے کام لینے کی تاکید کی تھی، اور پوچھا تھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟

اشتر کا خط حضرت عثمانؓ کے نام

اشتر نے حضرت عثمانؓ کو لکھا:-

مالک ابن حارث کی طرف سے اس خلیفہ کے نام جو آلودہ اور خطا کار ہے جو اپنے نبیؐ کی راہ سے ہٹا ہوا ہے جس نے قرآن کے حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے،

اما بعد - ہم نے آپ کا خط پڑھا، آپ کو آپ کے عمال کو ظلم و زیادتی سے باز آجانا چاہیے، بزرگوں اور نیکیوں کو شہر بدر نہیں کرتا چاہیے، ہمیں آپ کی اطاعت منظور ہے، آپ کا خیال ہے کہ ہم نے خود زیادتی کی ہے، یہی آپ کی وہ بدگمانی ہے جس نے آپ گڑھے میں ڈال رکھا ہے، اور جس کی وجہ سے آپ کو ظلم انصاف اور باطل حق نظر آتا ہے، اب یہی ہماری محبت تو آپ ہمارے بزرگوں پر زیادتی کرنے سے ہم کو اور ہمارے صالحین کو جلا وطن کرنے سے اور ہم پر نوجوانوں کو حاکم بنانے سے باز آجائیے، تو یہ کیجیے، اور خدا سے معفرت کی طلب کیجیے اور ہمارے شہر کا حاکم عبداللہ ابن قیسؓ ابو موسیٰ اشعریؓ اور حذیفہؓ کو بنا لیے، کہ ہم ان سے راضی اور خوش ہیں، اور اپنے دلید، اپنے سعید، اور اپنے گھرانے کے اپنی پسند کے حاکموں سے ہم کو

معاف رکھیے۔ والسلام لہ

تم نے دیکھا اشتر نہ حضرت عثمانؓ کی اطاعت سے گریز کرتا ہے اور نہ ان کی امامت کا انکار ہاں ان پر ظلم کرنے کا، سنت ترک کرنے کا اور قرآن مجید پس پشت ڈال رکھنے کا الزام لگاتا ہے، نوجوانوں کو حاکم بنانے کا اور مسلمانوں کو جلاوطن کرنے کا الزام بھی لگانا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس سے رک جائیں، اور یہ کہ کوفہ کے انتظامی اور جنگی معاملات کا والی ابو موسیٰؓ کو خرچ کی وصولی کا حاکم حذیفہؓ الیمان کو مقرر کریں، اگر ایسا کر دیں تو کوفہ والوں کی اطاعت ان کے سامنے ہے،

اشتر کے اس حملے پر غور کیجئے :-

ہم کو اپنے سعید، اپنے ولید اور اپنے گھر کے اپنی پسند کے حاکموں سے باز رکھیے " اس لئے کہ اس میں اس غیظ و غضب کی تصویر کھینچی گئی ہے جو کوفہ والوں کو حضرت عثمانؓ سے اس لئے تھا، کہ وہ اپنے گھر والوں کو موقع دیتے تھے، اور ابو موسیٰؓ، اور حذیفہؓ جیسی شخصیتوں کو نظر انداز کرتے تھے، راویوں کا بیان ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے یہ خط پڑھا تو فرمایا "اے خدا میں توبہ کرتا ہوں" اور ابو موسیٰؓ اور حذیفہؓ کو لکھا کہ کوفہ والے تم سے راضی ہیں اور ہم کو بھی تمہارا اعتماد حاصل ہے پس ان کے معاملات اپنے ہاتھ میں لو اور حق کے ساتھ حکمرانی کرو خدا ہماری اور تمہاری مغفرت کرے،

حضرت عثمانؓ تک غلبہ بن دغل کا یہ شعر پہنچا،

تصدق علينا يا بن عفان واحتسب

واقم علينا الاشعري لئالیا

اے عفان کے بیٹے چند راتوں ہی کے لئے ہم پر ابو موسیٰؓ اشعریؓ کو امیر بنا دے " حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگر میں باقی رہا تو چند راتیں نہیں مہینوں تک کے لئے لے

عبداللہ بن سبا

ایک قصہ اور ہے جسے پچھلے راولپوں نے بڑی اہمیت دی ہے اور بہت سے نئے اور پرانے لوگ اس کو حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا سبب خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی اب تک نہ مٹنے والی فرقہ بندی کا باعث یہی ہے، یہ قصہ عبداللہ بن سبا کا ہے جسے ابن السوداء بھی کہتے ہیں راولپوں کا بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا صنعا کا رہنے والا ایک یہودی تھا، اس کی ماں حبشی تھی وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مسلمان ہوا، اس کے بعد شہروں کا گشت کرنے لگا، جہاں جاتا حلیفہ کی مخالفت کرتا لوگوں بھڑکانا اور ان میں ایسی نئی باتیں پھیلاتا جن سے مذہب اور سیاست دونوں کے بارے میں لوگوں کے خیالات خراب ہوں کہتے ہیں کہ وہ بصرہ آیا، اور ابھی قیام بھی نہیں کر سکا تھا کہ لوگوں نے عبداللہ بن عامر کو اس کی اطلاع کر دی جس نے اس کو بصرہ سے نکال دیا، پھر وہ شام چلا گیا اور وہاں ابوذرؓ سے ملا، امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہا کہ وہ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال بتاتے ہیں، ابوذرؓ پر اس کی باتوں کا بڑا اثر ہوا اور انھوں نے امیر معاویہؓ سے اس کے متعلق گفتگو کی، اس کے بعد عبداللہ بن سبا نے عبادہ بن صامتؓ سے ملاقات کی اور چاہا کہ ابوذرؓ کی طرح ان سے بھی کچھ کہے لیکن عبادہؓ اس کو پکڑ کر امیر معاویہ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ اس سے ملک کے لئے خطرہ ہے تب امیر معاویہؓ نے اس کو شام سے نکال دیا، اس کے بعد وہ مصر چلا گیا، جہاں اس کو اپنے بکرو فریب اور اپنی نئی باتوں کے لئے زر خیز زمین ملی چنانچہ لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ حق دار تو رسول اللہ علیہ وسلم ہیں، کہ پھر لوٹ کر آئیں تو ان مجید میں ہے اِنَّ الَّذِي قَوْحَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُكَ اِلَىٰ مَعَادٍ۔ اسی طرح اس نے کہا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے آنحضرتؐ کے وصی علیؓ ہیں، اور حضرت علیؓ خاتم الانبیاء ہیں جس طرح آنحضرتؐ خاتم الانبیاء ہیں،

حضرت عثمان کے زمانے میں اسلامی شہروں میں جو فتنے اور فسادات رونما ہوئے

بہت سے لوگ اس کو اسی عبداللہ ابن سبا کی طرف منسوب کرتے ہیں، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنا مکر بہت مضبوط کر چکا تھا، چنانچہ شہروں میں خفیہ انجمنیں بنائی تھیں جن میں پوشیدہ طور پر شرفساد کی دعوت دی جاتی تھی، پھر حبیب تدبیریں مکمل ہو گئیں تو خلیفہ پر ٹوٹ پڑے، اور بغاوت، محاصرہ اور شہادت کے واقعات ہوئے،

میرا خیال ہے کہ ابن سبا کی بات کو اتنا بڑھانے چڑھانے والے اپنی ذات پر اور تاریخ پر بڑی زیادتی کرنے والے ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اہم مصادر جن میں حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی تفصیل ہے، ابن سبا کے ذکر سے خالی ہیں، چنانچہ ابن سعد حضرت عثمانؓ کی خلافت اور لوگوں کی ان سے مخالفت کے حالات بیان کرنے میں ابن سبا کا کوئی تذکرہ تک نہیں کرتے، اسی طرح انساب الاشراف میں بلاذری اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے اور میرا خیال ہے کہ انساب الاشراف سے زیادہ اہم ماخذ ہے جس میں حضرت عثمانؓ کے واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں، اہل طبری نے سیف ابن عمر کی روایت سے ابن سبا کا ذکر کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے آنے والے مورخین نے طبری ہی سے لیا ہے،

میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ابن سبا کی کچھ بات تھی بھی یا نہیں، لیکن اس کا مجھے یقین ہے کہ اگر اس کی کوئی بات تھی تو وہ ناقابل ذکر، مسلمان حضرت عثمانؓ کے دور میں اتنے گئے گزرے نہ تھے کہ ان کے افکار اور اقتدار سے ایک اجنبی اہل کتاب شوخی کرتا، جو ابھی عثمانی عہد میں مسلمان ہوتا ہے اور مسلمان ہوتے ہی تمام اسلامی بلاد میں فتنہ و فساد پھیلانے کی ذمہ داری بھی اپنے ذمے لے لیتا ہے، اگر عبداللہ ابن عامر یا امیر معاویہؓ اس اجنبی کو جو یہودی تھا پکڑتے اور باز پرس کرتے تو اس کے سوا مفرتہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے والا ایک مکار رہتا۔ ہوتا پھر تو وہ حضرت عثمانؓ کو مطلع کرتے اور یہ اپنی سزا کو پہنچ جاتا، اور اگر کہیں عبداللہ ابن ابی سرح اس کو پالیتے تو کسی حالت میں بھی معاف نہیں کرتے اور وہ سزا دیتے جو حضرت عثمانؓ کے خوف سے دونوں محمدوں کو نہیں دے سکے تھے،

اور جو شخص ابن ابوبکرؓ کو، ابن ابو حذیفہؓ کو اور بعض روایات کے مطابق عمار بن یاسرؓ کو سزا دینے کی حضرت عثمانؓ سے اجازت چاہتا ہو، وہ ایک کتابی کو کس طرح معاف کر سکتا تھا

جس نے اسلام کو مسلمانوں میں لفاق اور تفرقے کا ذریعہ بنایا تھا، اور مسلمانوں کو ان کے خلیفہ بلکہ پورے دین کی طرف سے مشکوک کرتا تھا اور پھر گورنروں کے لئے یہ بالکل آسان تھا کہ وہ اس اجنبی پر نظر رکھتے اور گرفتار کر کے سزا دیتے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ اپنے مخالفین اور مقابلہ کرنے والوں کا پتہ چلانے، ان کو شہر بدر کرنے، امیر معاویہؓ یا عبدالرحمن بن خالد بن ولید تک پہنچانے میں کافی جہارت رکھتے تھے،

اس عبداللہ ابن سبا کے متعلق جو بات سب سے عجیب کہی جاتی ہے وہ یہ کہ اس نے ابوذرؓ کو امیر معاویہؓ کے اس خیال پر کہ مال سب اللہ کا ہے تنقید بتائی، اور بتایا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا مال ہے، اب تو یہ کوئی دور کی بات نہیں ہے کہ یہ بھی کہہ دیا جائے کہ ابن سبا ہی نے ابوذرؓ کو امرا اور دولت مندوں پر تنقید کرنا سکھایا، میرے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی، ابوذرؓ قطعاً بے نیاز تھے کہ ایک نو مسلم اجنبی ان کو بتائے کہ مخارج کا مالداروں پر کچھ حق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ چاندی سونا جمع کرنے والوں اور اس کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کو عذاب الیم کی بشارت دیتا ہے، اور یہ کہ جو مال دشمن پر غلبہ پانے کے وقت مسلمان پاتے ہیں، یا وہ مال جو زکوٰۃ یا خراج کے طور پر بیت المال میں ادا کرتے ہیں یا وہ مال جو ذمی سے جزیہ یا خراج میں وصول ہوتا ہے یہ سب مال مسلمانوں کا ہے جو ان کو فوراً مل جانا چاہیے، یا ملنے کا حکم ہو جانا چاہیے، ابوذرؓ کو اسلامی حقائق کی ان ابتدائی باتوں کو سیکھنے کے لئے اس اجنبی کی ضرورت بالکل نہیں وہ تو انصار میں سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں، اور بہت سے ہاجرین سے بھی پہلے وہ مسلمان ہوئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے اور عرصہ تک رہے، قرآن مجید حفظ کیا اور خوب کیا، حدیث کی روایت کی اور اتقان کے ساتھ کی، حقوق اور مالیات کے سلسلے میں آنحضرتؐ اور شیخینؓ کی روش اور طریقے کا اچھی طرح مشاہدہ کیا، دوسرے صحابہ کی طرح حلال حرام سمجھا، پس جو لوگ خیال کرتے ہیں کہ ابن سبا نے اپنی ملاقات میں ابوذرؓ کو بعض باتیں سکھائیں وہ اپنے اوپر اور حضرت ابوذرؓ پر ظلم کرتے ہیں اور ابن سبا کا درجہ اتنا اونچا کرتے ہیں جہاں تک پہنچنے کی خود ابن سبا کو بھی ہمت نہ تھی،

راویوں کا بیان ہے کہ شام سے مدینہ واپس آنے کے بعد ایک دن حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ زکوٰۃ ادا کر دینا ہی کافی نہیں، سائل کی ضرورت پوری کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی ضروری ہے، اس موقع پر کعب احبار حاضر تھے، انہوں نے سن کر کہا، جس سے زکوٰۃ ادا کر دی بس اس کے لئے کافی ہو گیا، حضرت ابوذرؓ غصہ ہوتے اور کعب سے کہا، یہودی کے بیٹے! یہ کہنے والا تو کون؟ کیا تو ہم کو ہمارا دین سکھاتا ہے؟ اور پھر اپنی لکڑی سے اُن کو مارا بھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوذرؓ کعب احبار سے بھی دین سکھانے کے روادار نہیں اور مسلمانوں کے معاملے میں کعبؓ کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق دار بھی خیال نہیں کرتے، حالانکہ کعبؓ ابن سبا سے بہت پرانے مسلمان ہیں وہ دن رات مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کیساتھ رہتے تھے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے پھر ہی ابوذرؓ عبد اللہ بن سبا جیسے آدمی سے اسلام کا ایک اصول قرآن کا ایک حکم سکھانے میں ذرا بھی جھجک کا اظہار نہیں کرتے نئی کے یہ صحابی ہجرت انگریز ہیں کہ کعبؓ سے دین کے متعلق گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتے، اور عبد اللہ بن سبا جیسے آدمی سے دین سکھاتے ہیں،

ابن سبا کے متعلق روایات میں جو کچھ ہے اس کے صحیح مان لینے پر، غالب گمان یہ ہے کہ اس نے جو کچھ کیا اور کہا، وہ فتنہ اور اختلافت بڑھ جانے کے بعد، اس نے فتنہ جگایا نہیں فتنوں سے فائدہ اٹھایا، اسی طرح غالب گمان یہ ہے کہ اموی اور عباسی دور میں شیعوں کے مخالفین نے عبد اللہ بن سبا کے معاملے میں بڑے مبالغے سے کام لیا، تاکہ ایک طرف بعض ان واقعات کو مشکوک کر دیا جائے جو حضرت عثمانؓ اور ان کے حاکموں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، اور دوسری طرف حضرت علیؓ اور شیعوں کی برائی کی جائے اور ان کے بعض خیالات کی بنیاد ایک ایسے نو مسلم یہودی کو قرار دیا جائے جو مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے مسلمان بنا تھا اور اس سے تو آپ واقف ہی ہیں کہ شیعوں اور ان کے مخالفین نے باہم ایک دوسرے کے ساتھ بدکلامیوں کی اور برائیوں کی حد کر دی ہے،

ان وجوہ کی بنا پر ہم کو سخت احتیاط اور پرہیز کی ضرورت ہے، صدر اسلام کے مسلمانوں کا درجہ ہماری نگاہوں میں اس سے اونچا ہونا چاہیے، کہ صنعا سے آنے والے ایک آدمی جس کا باپ یہودی اور ماں حبشی تھی، جو خود بھی یہودی تھا پھر خوف یا اخلاص کی بنا پر نہیں

بلکہ دھوکہ دینے اور مکر پھیلانے کی غرض سے اسلام لایا، اس کی یہ مجال ہو کہ وہ ان کے دین، ان کی سیاست، ان کی عقل اور ان کی حکومت کے ساتھ مذاق کرے اور اس کو کامیابی کا موقع بھی ملے، چنانچہ اس نے مسلمانوں کو اتنا بیٹھا کہ انہوں نے اپنے خلیفہ کا خون کر دیا، اور پھر ان کو فرقوں اور جماعتوں میں منتشر کر دیا،

اس قسم کی باتیں نہ معقول ہیں نہ تنقید کے معیار پر پوری اتر سکتی ہیں، اور نہ ایسی باتوں پر تاریخ کی بنیاد ہونی چاہیے۔ بالکل کھلی ہوئی بات جس میں شک کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ اس وقت کی اسلامی زندگی کا ماحول قدرتی طور پر چاہتا تھا کہ رایوں میں اختلاف اور خواہشوں میں فرق ہو، باہم مختلف اور متضاد سیاسی مسلک قائم ہوں، ایک طرف وہ لوگ جو قرآن کی آیات نبیؐ کی سنت اور شیخینؓ کی سیرت کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، دیکھ رہے تھے کہ ایسے نئے نئے معاملات پیش آرہے ہیں، جن سے ان کی واقفیت نہیں وہ چاہتے تھے کہ ان معاملات کا مقابلہ حضرت عمرؓ کی طرح دورانِ نشی، شدت اور استقلال اور رعایا کو سنبھال کر کریں، دوسری طرف قریشی اور غیر قریشی عربی نوجوان ان پیش آنے والے معاملات کا اپنی نئی زندگیوں سے استقبال کر رہے تھے، جس میں حرص تھی، اور حوصلہ بھی، غرض تھی اور بڑی بڑی امیدیں بھی، اور ایسا ارادہ بھی جو کہیں رکنا جانتا نہ تھا، اور ان تمام باتوں کے ساتھ عہدوں اور منصب سے متعلق سب چیزوں میں مقابلہ کی نہایت تیز اسپرٹ تھی، پھر یہ نئے معاملات بجائے خود ایسے تھے جو بوڑھوں اور نوجوانوں کو اسی منزل پر لے جائیں جہاں وہ پہنچے، زمین کے بڑے بڑے خطے فتح ہو رہے تھے، ان خطوں سے بے شمار دولت پہنچ رہی تھی، ایسی حالت میں حیرت اور تعجب کی بات نہیں اگر وہ ان مفتوحہ علاقوں کی حکمرانی اور انتظام چلانے میں اور دولت سے نفع اٹھانے میں باہم مقابلہ کریں اور ابھی بہت سے ممالک فتح بھی نہیں ہوئے تھے اور حالت یہ تھی کہ ہر چیز ان کو فتح کی دعوت دے رہی تھی، تو کیوں نہ ان میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ وہ ان ممالک کے فتح کرنے میں سبقت کریں، اور کیوں نہ فاتحوں کی طرح، اگر دنیا کے طالب ہیں تو مالِ غنیمت، اور درجات کی بلندی میں، اور اگر عقبی کے خواہاں ہیں تو اجر و ثواب کے حامل کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کی کوشش کریں، اور پھر اتنی طویل و عریض

حکومت کے چلانے میں اور اتنی زبردست دولت و ثروت کے استعمال میں کیوں نہ آپس میں رایوں کا اختلاف ہو، ہرگز ہرگز حیرت کا مقام نہیں اگر قریش کے حریفوں اور حوصلہ مند جوانان دروازوں کی طرف پل پڑیں جو ان کے سامنے کھولا گیا تاکہ وہ عزت، حکومت اور دولت تک پہنچ سکیں، اور نہ اس پر تعجب کرنا چاہیے کہ ان قریشی نوجوانوں کے مقابلے کے لئے انصار اور دوسرے عرب قبیلے کے نوجوان ہمت کریں اور یہ دیکھ کر کہ خلیفہ ان کی راہ میں حائل ہے اور تمام بڑے اور ہم عہدوں پر صرف قریش اور بنی امیہ کے متعلقین کا نقرر کرنا ہے ان کے دل غیظ و غضب اور کینے سے بھر جائیں،

اس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سعد کو معزول کر کے ولید اور پھر سعید کو کوفہ کا گورنر بنایا، ابو موسیٰ کو معزول کر کے بصرے کا حاکم عبداللہ ابن عامر کو بنیاد امیر معاویہؓ کو سارے ملک شام کی حکمرانی دے کر ممکنہ حد تک ان کی حکومت وسیع کر دی حالانکہ شام متعدد صوبوں کا مجموعہ تھا اور وہاں کے حکمرانوں میں قریش اور دوسرے عرب شریک رہا کرتے تھے، مصر سے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر کیا اور یہ سب حکمران حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار ہیں، کوئی رصاعی بھائی ہے کوئی ماں کی طرف سے ان کا بھائی ہے، کوئی مامول ہے کوئی امیہ بن عبد شمس سے قریبی نسبت رکھنے کی وجہ سے آپ کا عزیز ہے،

یہ وہ حقیقتیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور ہم نہیں جانتے کہ ان تقررات اور معزولیوں کے لئے حضرت عثمانؓ کو ابن سبائے آمادہ کیا تھا، اور پھر تمام زمانے میں لوگوں نے یہ بات معیوب سمجھی ہے کہ بادشاہ اور امرا حکومت کے معاملات میں اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دیں، تو یہ لوگ جو حضرت عثمانؓ کی رعایا تھے وہ کوئی نئے قسم کے انسان نہ تھے، وہ بھی لوگوں کی طرح جو چیز بری تھی، اس کو معیوب سمجھنے لگے،

مخالفت کی ابتدا کہاں سے ہوئی

بلاشبہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مخالفت کی جو فیضا تھی، حضرت عمرؓ کا زمانہ اس سے بڑی حد تک پاک تھا، دور دراز شہروں کی کیفیت ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں، لیکن خود مدینہ میں حضرت عثمانؓ کے قریب مخالفت کے جذبات پیدا ہو چکے تھے، اب تک ہم نے اس کا نقشہ پیش نہیں کیا، آنے والی فصل میں ہم اس سے بحث کریں گے اب تک ہم ناظرین کے ساتھ اہم اہم شہروں میں چکر لگا رہے تھے، جس سے وہاں کے باشندوں کا وہاں کے ہونے والے واقعات کا ہم کو پتہ چلا، لیکن اب جو سوال قابل بحث ہے اور جس کا جواب دینے کی ہم کوشش کریں گے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے طرز عمل کی مخالفت کہاں سے شروع ہوئی؟ مدینہ منورہ سے، جو دار الخلافہ تھا؟ یا دوسرے شہروں سے، دوسرے لفظوں میں یوں کہتے کہ مخالفت کی ابتدا نبیؐ کے صحابہؓ ہاجر اور انصار سے ہو کر شہروں تک اور شہروں میں مقیم فوجوں تک پہنچی یا پہلے فوج میں ہوئی اور پھر صحابہؓ تک مدینہ میں پہنچی؟

کھلی بات ہے کہ اس سوال کا جواب بڑا نازک اور اہم ہے، مدینہ میں مخالفت کی ابتدا کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی بعض باتوں کو سب سے پہلے نبیؐ کے صحابہؓ نے ناپسند کیا پھر لوگوں نے اس کی اتباع کی، اتباع میں بعض لوگ اعتدال کی راہ پر رہے، کچھ لوگ حد سے آگے بڑھ گئے، اور شہروں میں مخالفت کی ابتدا کا مطلب یہ ہے کہ فوجیوں نے قدم اٹھایا اور مخالفت میں اس طرح سرپٹ دوڑے کہ نتائج سے بے پروا ہو گئے، اور صحابہؓ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، بعض صحابی اس پر ناراض رہے اور بعض رضامند، آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اس سوال کا جواب دینے میں ہم درمیانی راہ اختیار کریں گے، ہمارا خیال ہے کہ مخالفت صرف مدینہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں اور دوسرے صوبوں میں پیدا ہوئی اور غالباً مدینہ میں اور پھر صوبوں کے اطراف میں، جہاں سرحدوں پر مسلمان دشمنوں کا

مقابلہ کر رہے تھے، اگر ہماری یہ رائے صحیح ہے اور ہم اس کو صحیح سمجھتے ہیں تو مخالفت خواہ مدینہ سے شروع ہوئی ہو خواہ شہروں سے اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک قطری، اور یقینی پیش آئے والی بات تھی، وہ اجتماعی اور سیاسی زندگی کا تقاضا تھی، وہ تمدن کی فطرت جس سے مسلمان دوچار ہوتے پر بہر حال مجبور تھے، اور جو دین کے حقائق میں ہم سہنگی پیدا کرنے والے حالات کا نتیجہ تھی، اور حضرت عثمان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ زندگی کے طبعی تقاضوں اور حالات کا مقابلہ کریں، اور ان پر غالب آجائیں، اس قدر عظیم الشان اقتدار جیسا کہ مسلمانوں کو ملا اگر کہیں بھی ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں حکومت اور اس کی حزب مخالف نہ ہو، پھر حکومت اور حزب مخالف میں آویزش اور مقابلہ نہ ہو، اور بالآخر وہ تصادم اور معرکہ نہ ہو، جس نے مسلمانوں کو اس راستے پر پہنچایا جس پر ان کے پہلے کی اور بعد کی قومیں پہنچ چکی ہیں، اس لئے کہ سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی ترقی نیز عقل کی ترقی اپنی آخری منزل تک نہیں پہنچی تھی، جو لوگ آج بھی سیاسی اور اجتماعی نظاموں میں معرکے دیکھ رہے ہیں انہیں حضرت عثمانؓ کے عہد کے نظاموں کی آویزش سے انکار نہیں کرنا چاہیے، جو سائیس صدی عیسوی اور پہلی صدی ہجری کا واقعہ ہے،

اب ہمیں صولیوں کی اس طویل سیاحت کے بعد مدینہ منورہ چلنا چاہیے اور کچھ وقت حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ گزارنا چاہیے، تاکہ معلوم ہو کہ ان کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا طرز عمل کیسا تھا، اور حضرت عثمان کے بارے میں ان کی رائے کیا تھی؟

عبدالرحمن بن عوفؓ

سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق ان پانچ افراد سے کیا ہے جنہوں نے آپ کو خلافت کے لئے چنا، اور سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت عمرؓ کے عہد میں مجلس شوریٰ میں آپ کے شریک تھے یہ سب کے سب اسلام کے سابقین ہیں، خدا کی راہ میں سب نے سخت مصیبتیں اٹھائیں اور شدید آفات میں مبتلا کئے گئے رسول اللہ ﷺ زندگی بھر ان سے راضی رہے، اور وفات پائی تو ان سے خوش رہ کر سب کے سب ان دس آدمیوں میں تھے جن کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی پھر قریش میں اپنی حیثیت، آنحضرت سے قرابت، عوام کی نگاہوں میں قدر و منزلت، دنیاوی کامیابی اور دنیا کے متعلق نقطہ نظر کے اعتبار سے ان کے درجات مختلف تھے، حضرت عمرؓ کی رائے میں نیز عوام کی اور خود ان لوگوں کی رائے میں پہلا نمبر عبدالرحمن بن عوفؓ کا ہے جو آنحضرت سے آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی طرف سے بہت قریب تھے، آمنہ کی طرح ان کا بھی تعلق قبیلہ بنی زہرہ سے تھا، جاہلیت میں ان کا نام عمر و تھا یا عبدالکعبہ، آنحضرت نے عبدالرحمن نام رکھا، عہد جاہلیت میں یہ ایک کامیاب تاجر تھے، اسلام لانے کے بعد بھی بڑی کامیابی کے ساتھ تجارت کرتے رہے، آپ کا روبرو میں بڑے منتظم، دولت پیدا کرے میں بڑے ماہر تھے دولت سے نفع اٹھانا اور اچھے کاموں پر خرچ کرنا خوب جانتے تھے، جب ہجرت کر کے مدینہ گئے تو سعد بن ربیع انصاریؓ کے مہمان ہوئے، سعد نے ان سے کہا میں مدینہ کا سب سے بڑا مالدار ہوں میری دولت کا ایک حصہ لے لو، میری دو بیویاں ہیں انھیں دیکھ لو جو پسند ہو اس کو تمہارے لئے طلاق دیدوں عبدالرحمنؓ نے کہا خدا تم کو برکت دے مجھے تو کل جب صبح ہو تو اپنے یہاں کا بازار بنا دینا، چنانچہ جب صبح ہوئی، تو سویرے ہی بازار چلے گئے، لین دین کیا، نفع کمایا، اور شام کو گھی اور پنیر لے کر گھر واپس ہوئے

اس کے بعد کچھ عرصے تک مہینے میں قیام کیا، ایک دن زعفرانی لباس پہنے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے پوچھا یہ کیا، جواب دیا میں نے شادی کر لی ہے، حضرت نے سوال کیا مہر کیا دیا، کہنے لگے کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا، آپ نے فرمایا ولیمہ کرو چاہے ایک ہی بکری کا، عبدالرحمن اس زمانے میں کہا کرتے تھے کہ میں مٹی کو بھی ہاتھ لگانا تھا تو جیسے چاندی یا سونا بن جاتی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دولت پیدا کرنے اور اس کی تلاش میں بڑے کامیاب تھے، تھوڑے ہی دنوں کے قیام میں وہ مدینہ کے دو لقمندوں میں شمار ہونے لگے، اس سے پہلے تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھ چکے ہو، آپ فرماتے ہیں عبدالرحمن! تم دو لقمند ہو، لیکن جنت میں رہینگے ہوئے جاؤ گے اللہ کو قرص دو کہ تمہارے پاؤں کھول دے، اسی طرح اس سے پہلے تم نے حضرت عائشہ صدیقہ کی وہ حدیث بھی پڑھی ہے جس میں مدینہ میں عبدالرحمن کے اونٹوں کے آنے اور تمام مال تجارت کے صدقہ کر دینے کا ذکر ہے اور یہ بھی ہم بتا چکے ہیں کہ عبدالرحمن نے میراث میں بہت بڑی دولت چھوڑی تھی، ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں، ایک سو گھوڑے، بیس اونٹوں سے آپاشی کرنے والا کھیت، اور یہ کہ ان کی چار بیویاں تھیں، میراث میں ہر ایک کے حصہ کا اندازہ اسی ہزار سے لیکر ایک لاکھ تک گیا ہے، ان تمام باتوں سے اگر کچھ ذہن میں آتا ہے تو وہ یہ کہ ان کی دولت اتنی زبردست اور ایسی روز افزوں تھی کہ مسلسل خیرات، ازواج مطہرات کی متواتر خبر گیری، بنی زہرہ کے رشتہ داروں کی اعانت اور عام مسلمانوں کی امداد بھی اس کو کم نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن اس پر بھی عبدالرحمن بجد و لقمند نہ تھے وہ سرمایہ لگانا اس کو نفع بخش بنانا اور اس کی نگرانی کرنا خوب جانتے تھے، ابن سعد نے اپنی اسناد سے حضرت عمر کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر کو کچھ رقم کی ضرورت پڑی تو انہوں نے عبدالرحمن سے قرص مانگنے کے لئے اپنا آدمی بھیجا، عبدالرحمن نے آدمی سے کہا بھیجا کہ ان سے کہو بیت المال سے قرص لے لیں، پھر جب حضرت عمر بعد میں ان سے ملے تو اس تلخ مذاق پر ملامت کی اور کہا تم چاہتے ہو کہ میں بیت المال سے قرص لوں پھر اگر موت آجائے اور ادا نہ کر سکوں تو تم لوگ یہ کہو کہ عمر اور اس کی اولاد سے درگزر کرو،

عبدالرحمن کو اپنے آرام کا بھی بہت خیال تھا، زندگی کی لذتوں میں اللہ نے مسلمانوں کے لئے جو کچھ مباح کیا تھا وہ اس میں اپنا پورا حصہ لیتے تھے، اور دین کا حق بھی پوری طرح ادا کرتے تھے، لیکن ان تمام

باتوں کے باوجود وہ قبیلہ قریش کے ایک فرد تھے، اور قریش ہی کی طرح زندگی گزارنا چاہتے تھے، وہ اپنے نفس پر نہ ہڈ کی سختی اور موٹی زندگی لانا نہیں چاہتے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خارش کی شکایت کی بنا پر ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت حاصل کی تھی، پھر انہوں نے چاہا کہ ریشمی کپڑا ان کے لئے اور ان کے لڑکوں کے لئے مباح ہو جائے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو روکا اور وہ ریشمی کپڑا چاک کر دیا جو عبدالرحمنؓ نے اپنے لڑکے کو پہنایا تھا، جیسا کہ اس سے پہلے تم پتھر چکے ہو، علاوہ ازیں عبدالرحمنؓ نے اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح بہت سی شادیاں کیں اور بڑے کثیر العیال تھے، ابن سعد نے تفصیل کی ہے اور بتایا ہے کہ لونڈیاں چھوڑ کر دس سے زیادہ بیویاں ان کی تھیں اور سب سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں، انتقال کے وقت باختلاف رواۃ تین یا چار عورتیں تھیں، انہوں نے کسی ایک یا دو تین قبیلے میں شادی نہیں کی بلکہ بہت سے قبیلوں میں اپنا رشتہ کیا، خیاں قریش کے، یمن کے اور ربیعہ کے متعدد خاندانوں میں انہوں نے شادیاں کیں اور ایک بڑی توراد ان کے نسبتی بھائیوں کی پیدا ہو گئی، کچھ قریش میں، کچھ انصار میں، کچھ یمن میں کچھ شام و عراق کے درمیان آباد یمنیوں میں، کچھ مصر کے خاندان بنی تمیم میں، اور کچھ ربیعہ کے خاندان بنی بکر اور بنی تغلب میں، جن عورتوں سے عبدالرحمنؓ نے شادی کی ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کے نسب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی شان و شوکت اور اثر و اقتدار والے گھرانوں کی تھیں، پس اگر عبدالرحمنؓ حضرت عمرؓ کے بعد خلافت کی ذمہ داری لے لیتے تو بلاشبہ بہت سی نسبتیں اور بہت سے تعلقات اپنے ساتھ وابستہ کر سکتے، اور ان نسبتوں اور تعلقات کو بہت اچھی طرح، ہم آہنگ بھی بنا لیتے، جس کی وجہ سے بہت سے ٹوٹے ہوئے جوڑ جاتے، پھر وہ عوام کی دولت کا انتظام بھی اپنی دولت کی طرح کرتے، اس کو بر محل صرف کرتے، ٹھکانے سے لگاتے، نفع بخش بناتے، اور انصاف کے ساتھ خرچ کرتے، حضرت عمرؓ نے ان کو مجلس شوریٰ میں رکھا اور یہ کہہ کر ان کو تمام صحابہ میں ممتاز کر دیا کہ اگر تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو جہدہ عبدالرحمنؓ ہوں اس کو پسند کرو، اور کہنا چاہیے کہ دو ٹوں کی برابری کی صورت میں حق تزییح دیکر حضرت عمرؓ نے ان کو مجلس شوریٰ کا قریب قریب صدر بنا دیا تھا، صحابہؓ میں بعض کا خیال تھا کہ ان کو خلافت کا امیدوار بنایا جائے، ان کی نظر میں ان کو خلیفہ بنا دینا بہت سی خرابیوں سے بچ جانا تھا، حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلیفہ

خلیفہ بن جانے سے جس تفریق اور خلقتناہ کا خدشہ تھا اس کا بھی سدباب ہو جانا، اندازہ لگتا ہے کہ مجلس شوریٰ میں بھی کسی کو ان کے خلیفہ ہونے میں کھام نہ تھا، اگر حضرت علیؑ کو مختار بنایا جاتا تو بنی امیہ سے حضرت عثمانؓ کے تعلق کے پیش نظر عبدالرحمن ہی کو منظور فرماتے، اور اگر حضرت عثمانؓ مختار بناٹے جاتے تو حضرت علیؑ کے بنو ہاشم سے تعلق کے بنا پر وہ بھی انہیں کو حضرت علیؑ پر ترجیح دیتے، عبدالرحمنؓ اور حضرت عثمانؓ میں دامادی کا رشتہ تھا، عبدالرحمنؓ نے عقبہ بن ابی معیط کی لڑکی ام کلثوم سے نکاح کیا تھا، جو ولید بن عقبہ کی بہن ہیں، پھر عبدالرحمنؓ اور عبشمیوں میں بھی دامادی کا رشتہ تھا، اس لئے کہ انہوں نے عقبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے ہاں بھی نسبت کی تھی اور امیر معاویہؓ کے ماموں کی بیوی سے نکاح کیا تھا، اسی طرح شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے ہاں بھی نسبت کی تھی، اور انصاری سے بھی رشتہ جوڑا تھا، آپؐ کی ماں کا تعلق بنی امیہ سے تھا، اور خود بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے، اس طرح وہ قریش اور انصاری کے خاندانی اثرات اور خیالات کو ان تمام عربی قبائل کے خاندانی اثرات اور خیالات سے جوڑ سکتے تھے، جن سے ان کی رشتہ داری تھی، لیکن ان تمام امکانات کے باوجود انہوں نے خلافت کی امیدواری نہیں کی اور امیدوار بنانے والوں کی ایک نہ سنی، بلکہ فوراً میدان سے ہٹ گئے، اور دو امیدواروں میں حکم بنا منظور کر لیا، دونوں امیدواروں نے آپؐ کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کر دیا، حضرت علیؑ نے آپؐ سے اقرار لیا کہ وہ فیصلہ کرنے میں صرف حق ملحوظ رکھیں گے اور کسی قرابت اور رشتہ داری کا خیال نہیں کریں گے، آپؐ نے بڑی خوشی سے اس کا اقرار کیا اور بات انجام تک پہنچی، جس کا بیان ہم کر چکے ہیں، عبدالرحمنؓ کہا کرتے تھے کہ خلافت کی ذمہ داری لینے سے زیادہ محبوب مجھے یہ بات ہے کہ کوئی میری گردن پر اس طرح خنجر رکھ دے کہ گلے سے پار ہو جائے،

پس انہوں نے اپنی ذات کو حکومت اور اس سے لپٹے ہوئے شکوک و شبہات سے اونچا رکھا، اپنے نفس کو ذمہ داریوں سے بچایا اور یہ گوارہ کیا کہ ایک معمولی آدمی کی طرح اپنی دنیا اور اپنے دین تک اپنے کو محدود کر لیں، پھر جب آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو امیدوار بنایا اور شوریٰ کے ممبروں سے ان کی بیعت لی اور لوگوں کو ان کی بیعت کے لئے آمادہ کیا تو طبعی امر تھا کہ آپؐ حضرت عثمانؓ کی بہت قریب سے نگرانی فرماتے،

شروع شروع میں عبدالرحمنؓ حضرت عثمانؓ کے مخالف نہ تھے، بلکہ ان کے موید اور نگران تھے

پھر جب لوگوں میں یہ میگوئیاں ہونے لگیں تو متوجہ ہوئے اور نگرانی میں شدت کر دی، پھر وہ بھی دن آئے، جب لوگوں نے دیکھا کہ عبدالرحمنؓ دینی اور سیاسی دونوں معاملات میں حضرت عثمانؓ کے مخالف ہو گئے، پھر نوبت مخالفت کی حد سے آگے بڑھی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کا بائیکاٹ کر دیا۔ نہ ان سے ملتے تھے نہ گفتگو کرتے تھے، بعض راویوں نے غلو سے کام لیتے ہوئے یہ خیال بھی ظاہر کیا، کہ عبدالرحمنؓ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنا دینے پر نادم تھے اور ایک دن حضرت علیؓ سے انہوں نے کہا اگر اسے ہو تو تم اپنی تلوار لو اور میں اپنی، پھر چل کر بیٹھ لیں، کہا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے عبدالرحمنؓ نے حاضرین سے کہا اس سے پہلے کہ عثمانؓ تم پر اور اپنی جان پر ظلم کریں تم ان کو مہلت نہ دو، لیکن اس قسم کی تمام باتوں میں تصنع ہے اور تکلف، ہاں اس قدر یقینی ہے کہ عبدالرحمنؓ نے دین کی دو باتوں میں حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی، ایک تو اس وقت جب حضرت عثمانؓ نے نماز پوری ادا کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ قہر کرتے تھے، دوسری اس وقت جب انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو مال میں سے عطیات دیئے۔



سعد بن ابی وقاصؓ

عبدالرحمن بن عوفؓ کی طرح سعد بن ابی وقاصؓ کا خاندانی تعلق بھی بنی زہرہ سے تھا، ایک دن آنحضرتؐ نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں، ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سعدؓ اسلام کے سابقین میں ہیں، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں اسلام کا تہائی ہوں، میں مسلمان ہوا جب نماز بھی فرض نہیں ہوئی تھی، دوسرے صحابہؓ کی طرح سعدؓ بھی سخت مصائب میں مبتلا کئے گئے اور نہایت استقلال کے ساتھ آزمائشوں میں ثابت قدم رہے، اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیرا انداز سعدؓ تھے، احد کے معرکہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے آپؐ ہی پر اپنے مال باپ دونوں کو فدا کیا، سعدؓ اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاصؓ کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے، جو چھوٹی ہی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے، جب آنحضرتؐ غزوہ بدر کے شرکاء کا معائنہ کر رہے تھے، تو سعدؓ نے اپنے بھائی عمیر کو دیکھا کہ وہ نگاہوں سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں، جب سعدؓ نے سبب پوچھا تو کہنے لگے ڈرتا ہوں کہ مجھے چھوٹا دیکھ کر کہیں آنحضرتؐ جہاد میں جانے سے روک نہ دیں اور میرا شوق شہادت مجھے نکلنے کی دعوت دے رہا ہے، چنانچہ حضرت نے جب ان کو دیکھ لیا تو چھوٹا سمجھ کر ان کو روک لیا، لیکن عمیرؓ اس پر رونے لگے تب حضرت نے ساتھ چلنے کی اجازت دیدی وہ اتنے چھوٹے تھے کہ حضرت سعدؓ ان کی تلوار کا ٹپکا خود باندھتے تھے، بالآخر امیرؓ کی آرزو پوری ہوئی اور بدر کے شہیدوں میں ان کا نام لکھا گیا،

آنحضرتؐ کی نگاہ میں سعدؓ کا بڑا درجہ تھا، جب وہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں بیمار ہوئے، آنحضرتؐ نے ان کی عبادت فرمائی اور دعا کی کہ اللہ سعدؓ کو صحت دے تاکہ وہ اس سرزمین میں نہ مرے جہاں سے ہجرت کی تھی، بیمار پرسی کے دوران میں آنحضرتؐ نے سعدؓ سے وہ حدیث بیان فرمائی جس میں حکم دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے مال میں سے صرف تہائی حصے کی وصیت کرے، آنحضرتؐ نے سعدؓ کو مکہ میں چھوڑ دیا اور اپنے ایک صحابی کو ان پر مقرر کر کے فرمایا کہ اگر سعدؓ کا انتقال ہو جائے

تو انہیں بلانے کے راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، فلاں مقام پر دفن کر دینا، اور سعدؓ سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تمہارا درجہ بلند کرے گا، ہم سے ایک قوم کو نفع اور دوسری کو نقصان پہنچے گا، کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اللہ سے اپنی اس آرزو کا اظہار کیا کہ سعد جب بھی دعا کیے اسے قبول کرنا، خدا نے آنحضرتؐ کی دعا قبول فرمائی اور سعدؓ بیماری سے اچھے ہو گئے اور اس وقت تک زندہ رہے کہ اللہ نے ان کے ذریعہ ایک قوم کو لپست اور دوسری کو بلند کر دیا، کسریٰ کی نوح کو شکست دینے والے اور معرکہ قادسیہ کے فاتح یہی سعد بن ابی وقاصؓ ہیں۔ رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ نے ان کو اس شور مچی کے چھ افراد میں رکھا تھا، جس کے سپرد خلافت کا مسئلہ تھا پس وہ خلافت کے امیدوار بھی تھے، لیکن عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنی طرح ان کو بھی دور رکھا۔ سعدؓ کی بہت سی بیویاں تھیں، لیکن وہ مختلف عربی قبائل کی تھیں، قریش میں انہوں نے صرف ایک عورت اپنے زہری خاندان میں کی تھی، شاید بعض لوگوں کو ان کے نسب پر شبہ تھا اور کچھ لوگ اس کا طعن کر کے ان کو اذیت پہنچاتے تھے، چنانچہ ایک دن وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! میں کون ہوں؟ آپ نے فرمایا انت سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ جو کوئی اسکے علاوہ کچھ کہتا ہے اس پر خدا کی پھٹکار، میرے خیال میں یہی بات ہے جس سے سعدؓ کی رشتہ داریاں قریش میں زیادہ نہ ہو سکیں، بعض راویوں کا خیال ہے کہ شوریٰ کے موقع پر سہمی حضرت علیؓ کے ہوا خواہوں میں تھے اور انہوں نے عبدالرحمن بن عوفؓ سے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کر دیا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ بات سچ ہو اور ہو سکتا ہے کہ غلط، حضرت عمرؓ نے اپنے بعد بیوی والے خلیفہ کو وصیت فرمائی کہ اگر سعدؓ کو خلافت نہ مل سکے تو انہیں والی ضرور بنانا، میں نے ان کو کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس وصیت پر پوری طرح عمل کیا اور سعدؓ کو ایک سال سے زیادہ عرصے تک کونے کا گورنر باقی رکھا، پھر ان کو معزول کر کے ولیدؓ کو ان کی جگہ مقرر کیا، سعدؓ کی معزولی کے بارے میں جو بات کہی جاتی ہے ہم نے اس پر اپنی رائے کا اظہار کر دیا، اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ سعد اور ابن مسعود میں بیت المال سے قرض لینے پر جو اختلاف پیدا کیا جاتا ہے کہ وہ ولید بن عقبہ اور عبداللہ بن مسعود کے درمیان تھا، غالب گمان یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس واقعے کی نسبت سعدؓ کی طرف کر دی ہے انہوں نے قصداً یا سہواً ادا ہوئے

میں خلط ملط کر دیا ہے، بات جو کچھ بھی رہی ہو سوسو بہر حال حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وفادار تھے، اور محزون کر دینے کی وجہ سے ان کو حضرت عثمانؓ پر غصہ ٹھنایا نہیں تھا، لیکن وہ ان کی مخالفت میں شدید اور کٹر نہیں تھے، ان کی شرکت اسی مخالفت میں ہوتی جو نرم ہوتی اور جس کی حد بالعموم سے بڑی ہوتی، لیکن جب حضرت عثمانؓ کی مخالفت آگے بڑھی اور بغاوت کی حد میں قدم رکھنے لگی، تو سعدؓ رک گئے اور غیر جانبداری اختیار کر لی، پھر نہ نساد میں تھد لیا اور نہ اس کے نتائج میں، اور جب کبھی اس سلسلے میں ان سے کوئی گفتگو کرتا اور پوچھتا کہ تم مقابلہ کیوں کرتے تو جواب دیتے کہ میں مقابلہ اسی وقت کروں گا جب مجھے ایسی تلوار لادو جو خود بولتی ہو کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سعدؓ نے اس بات سے بچنے کی کوشش کی کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اگر کچھ مظاہرہ کریں گے تو یہی کہا جائیگا کہ کوفہ کی گورنری سے برطرفی کا یہ انتقام ہے، واقعہ کچھ ہی ہو سعدؓ بہر حال اپنی اسی روش پر قائم رہے جو آنحضرتؐ کے عہد میں تھی، جب تک جہاد کو جہاد سمجھتے رہے آنحضرتؐ کے عہد سے لیکر حضرت عمرؓ کے زمانے تک کرتے رہے لیکن جب معاملہ ان پر پھیرا ہوا، تو علیؓ ہر گئے، اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جب شہدہ یا شہدہ میں انتقال کیا تو ازواج مطہرات نے چاہا کہ ان کا جنازہ ان کی راہ سے گزرے اچنانچہ ان کو مسجد میں لے جایا گیا اور ازواج مطہرات نے نماز جنازہ پڑھی، اپنے ساتھیوں کی بہ نسبت سعدؓ نے ترکے میں کوئی بڑی دولت نہیں چھوڑی، کل دو لاکھ اور تین لاکھ کے درمیان تھا، اور یہ کوئی بڑی رقم نہ تھی جیسا کہ تم نے دیکھا اور آئندہ دیکھو گے،



زیر ابن العوامؓ

زیر ابن العوامؓ کا آنحضرتؐ سے بہت قریب کا رشتہ تھا، چنانچہ وہ آپ کی پھوپھی صنیعہ کے بڑے ہیں جو عبد المطلب کی بڑی سہیلی تھیں ام المومنین حضرت خدیجہؓ بھی ان کی بہت قریبی رشتہ دار تھیں، یعنی ان کی پھوپھی تھیں، نسب اس طرح ہے، زیر ابن العوامؓ بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قسبی، اس کے معنی یہ ہیں کہ زیر ابن العوامؓ آنحضرتؐ کی پھوپھی کے بڑے ہیں، اور فاطمہؓ ان کی پھوپھی کی صاحبزادی، حضرت ابوبکرؓ سے بھی زیرؓ کی رشتہ داری بہت قریب کی تھی اس لئے کہ انھوں نے اسماء ذات النطاقین سے شادی کی تھی جو حضرت عائشہؓ کی بہن ہیں، اس طرح وہ آنحضرتؐ کے ساڑھو ہو کر اور قریب ہو جاتے ہیں، ان رشتہ داروں کی وجہ سے زیرؓ تقریباً اہل بیت میں سے ہو گئے تھے، تعجب ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک مرتبہ زیرؓ کو جب کہ وہ ان سے جھگڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں صنیعہؓ کا بیٹا ہوں یہ کہہ دیا کہ وہی تو تمہارے لئے سایہ ہیں وہ نہ ہوتیں تمہارے لئے سایہ رہتے، یہ تو بالکل صحیح ہے کہ صنیعہؓ زیرؓ کے لئے سایہ تھیں لیکن اگر وہ نہ ہوتیں تو یہ بے سایہ نہ رہتے،

زیرؓ چھین ہی سے قوی، شاندار اور بہادر تھے، انھوں نے اسلام کی طرف سبقت کی اور معرکہ بدر کے دو شہسواروں میں سے ایک ہیں، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، آنحضرتؐ ان کو اپنا حواری کہہ کر پکارتے تھے اسی وقت سے مسلمانوں نے ان کو رسول اللہ کے حواری کہنا شروع کر دیا، صلی اللہ علیہ وسلم،

ہمیں نہیں معلوم کہ زیرؓ کے پاس کس طرح دولت آئی لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ نئے دولت مند نہیں تھے یہ تو ہم کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ غزوہ بدر کے دو شہسواروں میں سے ایک تھے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ مدینہ ہی میں قیام پذیر رہے، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی مدینہ سے باہر نہیں گئے، مال حج کے لئے یا حضرت عمرؓ کی اجازت سے باہر

نکلے، حضرت عمرؓ نے ان کو شوریٰ کے ممبروں میں رکھا تھا، اور اس طرح خلافت کے ایک امیدوار وہ بھی تھے، انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں میں سے کسی کے بارے میں اپنا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا اور بے تکلف اپنی رائے عبد الرحمن بن عوفؓ کے ماتحت کر دی حضرت عثمانؓ خلیفہ ہونے کے بعد ان کو مقدم سمجھتے تھے، ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کو حضرت عثمانؓ نے چھ لاکھ کا عطیہ دیا، جس کے بعد وہ کسی اچھے کاروبار کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے، ان کو بتایا گیا کہ زمین خرید لیجئے چنانچہ انھوں نے عراق کے دونوں شہروں اور مصر میں زمینیں خریدیں ابن سعد کہتے ہیں کہ زبیرؓ اپنے پاس لوگوں کی امانت رکھنا پسند نہیں کرتے تھے، جب کوئی ان کے پاس امانت رکھنے آتا تو وہ فرماتے یہ قرض ہے امانت نہیں، یہ اس لئے کہ ایک تو اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا، دوسرے اس قسم کے قرض کے مالوں کو کسی کام میں لگا کر نفع اٹھانے کی صورت کی جلتے، یہی وجہ ہے کہ ان کی دولت بہت زیادہ بڑھ گئی، اتنی کہ لوگ اس کو مثلاً پیش کیا کرتے تھے، اسی طرح ان کا قرض بھی بڑھ گیا، جمل کے دن آپ نے اپنے لڑکے عبد اللہ کو وصیت کی کہ ان کے مال میں سے سب قرض ادا کر دے اس سے فراغت کے بعد میراث کا تہائی اپنے لڑکے کے لئے رکھ لے اور اس کے بعد جو کچھ بچے وارثوں میں تقسیم کر دے اور یہ کہا کہ اگر قرض کی ادائیگی میں کچھ دشواری پیش آئے تو اللہ سے استعانت کرے، چنانچہ عبد اللہؓ جب کبھی قرض کی ادائیگی میں کچھ محسوس کرتے تو اللہ سے مدد چاہتے،

بہت سے قرض خواہوں نے چاہا کہ اپنا قرض وارثوں کے حق میں چھوڑ دیں لیکن عبد اللہؓ نے یہ منظور نہیں کیا اور تمام قرض خواہوں کو پوری رقم ادا کر دی جس کی مقدار ۲۵ لاکھ درہم بتائی جاتی ہے، عبد اللہؓ ابن ربیعؓ مسلسل چار سال تک حج کے موقع پر اعلان عام کرتے رہے کہ جس کسی کا زبیرؓ پر کچھ قرض ہے وہ میرے پاس آئے اس بات میں لوگوں کو اختلاف ہے کہ زبیرؓ کے وارثوں میں تقسیم ہونے والی رقم کی مقدار کیا تھی کم سے کم اندازہ لگانے والے ۳ کروڑ ۵ لاکھ درہم بتاتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ اندازہ کرنے والوں کے خیال میں یہ رقم ۵ کروڑ ۲۰ لاکھ درہم تھی، درمیانی اندازہ کرنے والوں نے ۴ کروڑ بتایا ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں اس لئے کہ فسطاط میں اسکندریہ میں البصرہ میں اور کوفہ میں زبیرؓ کی زمین کے خصلے

تھے، خود مدینہ میں گیارہ مکانات اور بہت کچھ ساز و سامان اور کرائے کی آمدنی تھی،

زبیرؓ حضرت عثمانؓ کے شدید مخالف نہ تھے، حضرت عثمانؓ ان کو پسند کرتے تھے اور باوجود کسی وقت کی باہمی رنجش کے ان کو عطیات دیتے تھے، حضرت عثمانؓ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی پسند فرماتے تھے، ان سے محبت کرتے تھے، محاصرے کے زمانے میں ان کو گھر پر مقرر کیا ان کو اپنی وصیت دی کہ باپ تک پہنچا دیں، حضرت عثمانؓ نے زبیرؓ کو کچھ وصیت کی تھی زبیرؓ ان صحابہ کے ساتھی تھے جو حضرت عثمانؓ پر تنقید اور نصیحتیں کرتے تھے، اس سے زیادہ ہمیں زبیرؓ کی کسی شدت اور مخالفت کا علم نہیں،



مغلاہ
عبداللہ

علامہ طلحہ ابن عبید اللہؓ

طلحہ بن عبید اللہؓ تھے اُن کا تعلق حضرت ابوبکرؓ کی قوم سے ہے، یہ عہدِ جاہلیت میں تاجر تھے اور حضرت عثمانؓ کے دوست، جس سال یہ اور حضرت عثمانؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، دونوں تجارت کے سلسلے میں شام گئے تھے، طلحہؓ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اسلام کے سابقین اولین میں تھے، اسلام ان کی تجارت کی راہ میں حائل نہیں ہوا، یہ اکثر شام کا سفر کیا کرتے تھے، مدینہ کے راستے میں ان سے آنحضرتؐ کی ملاقات ہوئی تھی جب کہ آپؐ ہجرت فرما رہے تھے اور صدیق اکبرؓ ساتھ تھے، اور یہ شام کے سفر سے واپس آ رہے تھے، طلحہؓ نے دونوں کے لئے کچھ تحفہ پیش کیا، اور یہ خبر دی کہ مسلمان مدینہ میں بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں، تب آنحضرتؐ نے اپنی رفتار تیز کر دی کہ مدینہ والوں کی انتظار کی شدت میں کچھ کمی ہو، طلحہؓ آئے اور اپنا انتظام ٹھیک کر کے مدینہ منورہ واپس ہوئے، اور آنحضرتؐ کے ساتھی بن کر ہاجرین صحابہؓ کے ساتھ رہنے لگے،

بڑا اُحد اور تمام غزوات میں طلحہؓ آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے اور ہجرت، زبانتوں میں ثابت قدم رہے، معرکہ اُحد میں آنحضرتؐ کی بڑی حفاظت کی آپؐ کی طرف آنے والے ایک تیر کو روک لیا جو آپؐ کی ایک انگلی پر لگا، جس سے انگلی ٹل ہو گئی، اسی معرکہ میں آپؐ کا تمام جسم زخمی ہو گیا تھا، آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے جسے یہ دیکھنا پسند ہو کہ ایک شخص مر کر بھی زمین پر چلتا ہے وہ طلحہؓ ابن عبید اللہ کو دیکھ لے، آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ طلحہؓ اُحد کے معرکہ میں مرنے کے بالکل قریب ہو گئے تو ان کا درجہ شہیدوں کا درجہ ہے اور غالباً آپؐ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے،

ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر

دکھایا جس بات کا عہد کیا تھا

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ

حَسَدًا قَوْمًا عَاهَدُوا لِلَّهِ

حلیہ فینہم من قَضَى
نَجْبُهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ
دَمَا بَدَلُوا بَدِيلًا
پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ
اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا ہے
اور بدلا نہیں ایک ذرہ

گویا آنحضرتؐ کی خواہش تھی کہ یومِ اُحد کے شہداء میں طلحہؓ کو بھی شمار کر لیا جائے،
یومِ اُحد کے شہیدوں میں حمزہؓ اور مصعبؓ بھی تھے،

طلحہؓ بدستور اپنی تجارت میں مصروف رہے، صرف انھیں دنوں میں تجارت نہ کر سکے جن
میں آنحضرتؐ کے ساتھ غزوات میں شریک تھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بڑے
بڑے دہا بوجھابہ کی طرح مدینہ ہی میں رہے، حضرت عمرؓ نے ان کو شوری کا ممبر بنایا، لیکن
وہ اس میں حاضر نہ ہو سکے، فاروق اعظمؓ کی وفات کے موقع پر اپنی تجارتی مصروفیتوں میں مدینہ
سے باہر تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں کو لعنت بلانے کے لئے بھیجا اور وہ بڑی تیزی سے
آئے بھی لیکن جب مدینہ پہنچے تو حضرت عثمانؓ کے لئے بیعت ہو چکی تھی، اس پر غصہ ہو کر گھر بیٹھ گئے
کہ شوری نے ان کی غیر حاضری میں فیصلہ کر لیا، وہ کہا کرتے تھے کہ مجھ جیسے کو نظر انداز نہیں کیا جا
سکتا تھا، کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوفؓ ان کے پاس گئے، اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اختلاف کے
نتائج پر نظر رکھیں اور بیعت کر لیں، کہا جاتا ہے، کہ خود عثمانؓ بھی ان تک پہنچے اور ان سے کہا کہ
اگر تم چاہتے ہو تو میں خلافت کا منصب تم کو واپس کر دوں، طلحہؓ نے کہا کیا واقعی آپ کے لئے
تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا بے شک، طلحہؓ نے جواب دیا کہ پھر میں سرتابی نہیں کر سکتا، اگر
آپ چاہیں تو اسی مجلس میں بیعت کر لوں یا قرابا میں تو مسجد میں،

بنی اُمیہ ڈر رہے تھے کہ کہیں طلحہؓ بیعت سے ٹال مشول نہ کریں، لیکن جب انھوں
نے وعدہ کر لیا تو وہ مطمئن ہو گئے، حضرت عثمانؓ طلحہؓ پر عنایت کی نظر رکھتے تھے، اور ان کو
عطیات پیش کیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ سے پچاس ہزار کاقرض لیا
تھا، ایک دن حضرت عثمانؓ سے کہا کہ مال موجود ہے کسی کو بھیج کر منگوا لیجئے، حضرت عثمانؓ
نے کہا تمہاری خودداری پر میری طرف سے ادا سمجھو، کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو دو لاکھ
کا عطیہ دیا پھر ان میں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان خرید و فروخت رہا کرتی تھی، حجرات میں

حضرت عثمانؓ خریدی کرتے اور طلحہ فروخت کرتے تھے، عراق میں طلحہ خریدی کرتے اور حضرت عثمانؓ فروخت کرتے تھے، طلحہ بڑے خیرات کرنے والے آدمی تھے، اپنے گھر میں نقد مال جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے، جب کبھی گھر میں ایسی دولت زیادہ جمع ہو جاتی تو حیب تک اس کو اپنے رشتہ داروں میں (بہی نیم) اور قریشی اور انصاری و دستوں میں تقسیم کر لیتے چین سے بیٹھتے، محتاجوں کی امداد کے لئے بڑی بے تابی سے دوڑ پڑتے، قرضداروں کا بوجھ بھی ہلکا کرتے ضرورت مندوں کی کپڑے اور پیسے سے امداد کرتے، کھانا بھی کھلاتے، ان زبردست مصارف کے بعد بھی آپ کی دولت بہت بڑی تھی، اتنی بڑی کہ اس کا تذکرہ کوفہ میں سعید بن العاصؓ کی مخالفت کا سبب بنا جیسا کہ ہم نے پہلے اس کا ذکر کیا ہے،

روایات میں ہے کہ طلحہ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے حجاز میں گہوں کی کاشت کی جب ان انتقال ہوا تو ان کا ترکہ تین کروڑ درہم تھا، جس میں ۲۲ لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار نقد تھے، باقی میں زمینیں اور دوسرے اسباب تھے لہ

طلحہ جیسا کہ تم نے پڑھا۔ پہلے دن سے حضرت عثمانؓ کے مخالف ہیں اس لئے کہ ان کی بیعت کے موقع پر وہ حاضر نہ تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو راہنی کر لیا اور طرفین کے تعلقات ٹھیک ہو گئے، پھر عطیات دے کر حضرت عثمانؓ نے معاملات کو اور بھی ٹھیک کر لیا، پھر جب حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں زور پیدا ہوا تو جیسا کہ روایات میں مذکور ہے، سرگرم ہو گئے، اور جیسے ہی مخالفت میں غیر معمولی شدت ہوئی، تو وہ ہجوم کرنے والوں کی صف میں تھے، اور جب عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو وہ حلقہ باندھنے والوں میں نظر آئے اور جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو طلحہؓ ان لوگوں میں تھے جن کو حضرت علیؓ کے غم عثمانؓ پر پر حیرت تھی، پھر جب حضرت علیؓ کے لئے بیت ہو چکی تو طلحہؓ زبیر کے ساتھ بیعت کرنے والوں میں تھے، اس کے بعد وہ زبیر کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کا مطالبہ کرنے لگے اور حضرت علیؓ کی بیعت توڑ دی اس کے بعد وہ جمل کے دن قتل کر دیئے گئے،

راویوں کا بیان ہے کہ ان کی موت مردان بن الحکم کے ایک تیرے ہوئی مردان

۱۰ طبقات ابن سعد جز ثلث قسم اول صف ۵۸ مطبوعہ لیدن،

کہتا ہے کہ اُس کے بعد میں نے کبھی حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کا مطالبہ نہیں کیا، مروان کے خیال میں حضرت عثمانؓ کے قتل پر آمادہ کرنے والوں میں طلحہؓ پیش پیش تھے، جب طلحہؓ کو تیر لگا اور اُن کے جسم سے خون نکلنے لگا، تو کہنے لگے کہ یہ وہ تیر ہے جسے اللہ نے پھینکا ہے، اے خدا عثمانؓ کا بدلہ مجھ سے لے لے تاکہ تو راضی ہو جا، اس کے معنی یہ ہیں کہ طلحہؓ کی مخالفت کا ایک خاص رنگ تھا، جب تک دولت اور عزت ملتی رہی خوش رہے، جب اس سے بھی زیادہ کی حرص پیدا ہو گئی تو مخالفت پر آمادہ ہو کر خود بھی ہلاک ہوئے دوسروں کو بھی ہلاک کیا،

*

انبیاء و اوصیاء مشیت خداوندی اور الہی ہدایات کے مطابق عمل کرنے میں اور اپنا ذاتی ارادہ نہیں رکھتے۔ ان پر یہ اعتراض کہ وہ جنگ کے لیے نہیں آئے (یعنی اگر حضرت علیؓ کو خلیفہ سے انکار تھا) تو وہ کیوں نہ ان کے خلاف آئے، یا دشمنوں کے مقابلے میں ٹوشہ نشینی اختیار کی تو ان بچھرنے بھی ان واقعات کا حکر جلد ذکر کیا ہے کہ انہوں نے یہ چیزوں نے ہماری اور مددگار نہ ہوتے ہی وجہ سے خاموشی اور ٹوشہ نشینی اختیار کر لی۔

آیت قرآنیہ سورہ بقرہ (۱۲۹) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ذریعہ السلام کے سکتے دکھانے کی خبر دیتا ہے کہ جس وقت انہوں نے اپنے جیسا آرزو سے امداد مانگی اور سالیس بن جو بیایا کر فرمایا دعا پڑھی مگر وہ مانع ہونے سے دودھ اللہ داد عوار کی یعنی میں تم سے اور ان بتوں سے جن کی تم خدائے خداداد پر نہیں پڑتے۔ یہ وہ نادرہ نشی کہ اقتدار کھڑا ہونے اور اپنے پروردگار کو یقیناً میں جس مقام پر آئے جیسا ہے امداد اور رکھ نہ ملنے ہی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ ٹوشہ نشینی اختیار کر لیں وہاں یا روموں نے ملنے ہی وجہ سے حضرت علیؓ کو بدرجہ اولیٰ عزت و کثرت و کثرت نشی اختیار کر لی پوری

Marfat.com

علیؑ ابن ابی طالبؑ

۶

حضرت علیؑ کا آنحضرتؐ سے رشتہ اور آپؐ کی نگاہوں میں اُن کا مرتبہ بلاشبہ ہمارے کسی بیان سے بے نیاز ہے، ابو طالب کی آنحضرتؐ پر عنایات کون نہیں جانتا، قریش کے مقابلے میں ابو طالب کا آپؐ کی اور آپؐ کے دین کی حمایت عام بات ہے، پھر ابو طالب نے آپؐ کی کفالت کی اور حجب کثرت اولاد سے ان کا ماتم کچھ تنگ ہوا تو آپؐ نے حضرت علیؑ کی کفالت فرمائی نبوت کے وقت علیؑ لڑکے تھے، تو یا گیا رہ سال کی عمر میں اسلام لائے، اور آنحضرتؐ اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتے رہے، حضرت علیؑ بتوں کے متعلق کچھ جانتے نہ تھے، اسلام لانے سے پہلے وہ بتوں کے تصور سے خالی تھے، پس اسلام کے سابقین اولین میں آپؐ ہی کو یہ امتیاز ہے کہ آپؐ کی تربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوئی، زیادہ جامع تعبیر میں یوں کہتے کہ آپؐ کی پرورش کا شائد وحی میں ہوئی، پھر وہ آپؐ ہی تھے جن کو مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر آنحضرتؐ نے اپنا جانشین بنایا، تاکہ وہ تمام امانتیں جو لوگوں نے آپؐ کے پاس رکھی تھیں ان کو واپس کریں، چنانچہ مکہ میں آپؐ تین دن مقیم رہے، اور پھر قبل اس کے کہ آنحضرتؐ قبا سے واپس ہوں ان سے جا ملے،

سیرت کے راویوں کا بیان ہے کہ جس رات قریش نے آنحضرتؐ کی جان لینے کی سازش کی تھی، حضرت علیؑ آپؐ کے بستر پر سوئے تھے، اور حجب آنحضرتؐ نے مدینہ میں ہجرت کی اور مہاجرین میں اور انصار و مہاجرین میں مواخاۃ قائم کی تو علیؑ کو اپنا بھائی بنایا، بعد میں سہیل بن حنیف سے اُن کا بھائی چارہ کیا،

پس نسبی اعتبار سے حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی اور پرورش کردہ تھے اور آپؐ کے ہجرتی بھائی بھی، آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے شادی کر دی جس کی وجہ سے اب تک آپؐ کی نسل جلدی ہے جہاد کے میدانوں میں آنحضرتؐ کے تمام غزوات میں اسلام

کا جھنڈا حضرت علیؓ کے ماتھے میں رہا، وہ ایک بہادر، دلیر اور خدا داد قوت کے مالک تھے جس کی مثال لوگوں میں نہیں دیکھی گئی، آنحضرتؐ جب غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو اپنے گھر کا جانشین انھیں کو بنایا تھا، حضرت علیؓ کو یہ بات پسند نہ تھی یا پھر لوگوں میں اس کا کچھ تذکرہ سن کر آنحضرتؐ نے علیؓ سے فرمایا، کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم میرے لئے موسیٰ کے ہارون بنو؟ لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، پھر آنحضرتؐ وفات پا گئے اور خلافت کے لئے کوئی صاف اور کھلا حکم نہیں دے گئے، البتہ بیماری کے دنوں میں ہدایت کی کہ ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہو، اب جن لوگوں نے ابو بکرؓ کو خلافت کے لئے پسند کیا انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ کو ہمارے دین کے لئے پسند کیا تو کیوں تم ہم ان کو اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کر لیں، میں ان اختلافات میں حصہ نہیں لینا چاہتا جو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی بیعت سے متعلق شیعوں اور ان کے مخالفین نے پیدا کئے ہیں، میں تو صرف یہ ریکارڈ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے ان دونوں خلفاء کی اخلاص کے ساتھ بیعت کی اور سچائی کے ساتھ ان کے خیر خواہ بنے رہے، اور جب جب ضرورت پڑی ان کو مشورے دیتے رہے، اگر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مسلمان یہ کہتے کہ علیؓ آنحضرتؐ کے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں، ان کے پرورش کردہ ہیں، ان کی امانتوں کے ذمہ دار اور مواخاۃ کی تقریب سے آپ کے بھائی ہیں، پھر آپ کے داماد اور آپ سے چلنے والی نسل کے جد امجد ہیں، آپ کے علم بردار، آپ کے گھر کے جانشین اور آپ کے لئے موسیٰ کے ہارون، مسلمان یہ سب کچھ کہتے اور ان وجوہ کی بنا پر ان کو خلیفہ بنا لیتے تو یہ نہ کوئی سرتابی ہوتی اور نہ راستے سے دور ہونا، کہا جاتا ہے کہ عباس ابن عبد المطلبؓ نے چاہا کہ علیؓ کی بیعت کر لیں، لیکن خود حضرت علیؓ نے انکار کیا اور مسلمانوں میں تفریق گوارا نہ کی اور دونوں خلفائے راشدین تک معاملہ یونہی چلتا رہا، پھر حضرت عمرؓ نے بھی بات ان کے سپرو نہیں کی بلکہ مجلس شوریٰ بنائی اور اس میں ان کو بھی ایک رکن بنایا حالانکہ وہ خود ان کے ہارے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر علیؓ کو لوگوں نے والی بنایا تو وہ ان کو سیدھی راہ پر چلا سکیں گے،

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو دو باتوں کے پیش نظر نامزد نہیں کیا، ایک تو یہ کہ آپ

نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اپنے سر لیں، دوسری یہ کہ قریش کی اکثریت بنی ہاشم سے خلافت اس خوف سے نکالنا چاہتی تھی، کہ مبارک اوہ ان کی وراثت ہو جائے اور پھر قیامت تک قریش کے کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو سکے چنانچہ قریش کے اس خطرے نے کہ وہ بنی ہاشم کی رعایا نہ بن جائیں اور خلافت کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو جائے بنی ہاشم کو نصراً اس سے دور رکھا،

حضرت عثمانؓ کو بھی فاروق اعظمؓ نے دوہی باتوں کے خیال سے نامزد نہیں کیا، ایک تو یہی کہ مسلمانوں کے معاملات کا بار زندگی کے بعد اپنے سر نہ لیں، دوسری بات یہ کہ ان کو خوف تھا کہ بنی امیہ خلافت کو اپنے لئے حاص کر لیں گے اور کسی دوسرے خاندان کو موقع نہیں دیں گے کہتے ہیں کہ عباس نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ وہ ثورئی میں حصہ نہ لیں اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ ذمہ لیتے ہیں کہ لوگ ان سے اختلاف نہیں کریں گے، لیکن حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت عمرؓ کی بیعت قبول کر لی اور وفاداری کے ساتھ حضرت عمرؓ کی زندگی اور موت تک اس پر قائم رہے، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد خلافت کی کہ بات حضرت علیؓ کے حق میں تھی، نبیؐ سے آپ کا رشتہ، اسلام کی طرف آپ کی سبقت، مسلمانوں کی نگاہوں میں آپ کا درجہ، اللہ کی راہ میں آپ کی ثابت قدمی، آپ کی صاف اور ستھری زندگی جس میں کہیں دھبہ نہیں، دین میں آپ کی شدت، کتاب و سنت میں آپ کا تفقہ، مشکلات اور پیچیدگیوں کے مواقع پر آپ کی صحت فکر اور اصابت راستے،

حضرت ابوبکرؓ پر آپ کو مقدم کرنے میں مسلمانوں نے اگر کچھ حرج دیکھا، اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑا درجہ رکھتے تھے، آپ کے غار کے ساتھی تھے انہیں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، حضرت عمرؓ سے بھی ترجیح دینے میں اگر مسلمانوں نے کچھ مصلحت سمجھا کہ ان کا بھی بڑا درجہ ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کو نامزد بھی کر دیا تھا، لیکن یہ تو مسلمانوں کے بس کی بات تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ پسند کرتے، ایسا کرنے میں ان کے لئے کوئی حرج اور مصلحت تھی کی بات نہ تھی، حضرت عمرؓ نے خود ان کو امیدوار بنایا تھا، ان کی حیثیت بھی اسبنداری کے حق میں تھی، مچھرہ، عام عربوں میں اور خاص قریش میں

تعلقات کے اعتبار سے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی طرح تھے، آپ کی دامادی کا رشتہ قریش میں تھا مگر یہ تھا، ربیعہ میں تھا، اور یمنیوں میں بھی تھا، مختلف قبیلوں میں اردو اہی رشتوں نے آپ کے بہت سے بیٹے پیدا کر دیئے تھے، اگر عام مسلمانوں میں افتراق ہونے سے پہلے آپ علیؓ ہو جاتے تو یقیناً دُور دور کے تعلقات اور رجحانات میں نزدیک پیدا کر لیتے اور لوگوں کو اپنی اطاعت پر متحد کر لیتے اور بقول حضرت عمرؓ "راستے پر چلاتے"

لیکن مسلمانوں نے دو باتوں کی وجہ سے ایسا کرنا پسند نہیں کیا، ایک تو قریش کا یہ خدشہ کہ اگر کسی اہلی شمی کو خلافت ملی تو وہیں کی ہو کر رہ جائے گی، حالانکہ واقعات نے بتا دیا کہ حضرت علیؓ نے خلافت کو وراثت نہیں بنایا، ان کی راہ اس معاملے میں آنحضرتؐ کی اور حضرت عمرؓ کی راہ تھی، آپ نے کسی کو نامزد نہیں کیا،

دوسری بات یہ کہ بیعت کے موقع پر عبدالرحمن بن عوفؓ جب یہ شرط پیش کر رہے تھے کہ وہ کتاب اور سنت پر چلیں گے اور شیخینؓ کی اتباع کریں گے اور اس سے سربموجاوز نہیں کریں گے، تو حضرت علیؓ نے اس شرط کے ماتنے سے انکار کر دیا، ان کو یہ ڈر تھا کہ مبادا حالات شرط پوری کرنے کی راہ میں حائل ہو جائیں حضرت علیؓ کا یہ خطرہ اس کا مستحق تھا، کہ مسلمان اس پر توجہ کرتے، ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے، اور ان کے اخلاص پر اعتماد کرتے اس لئے کہ انہوں نے اپنی طاقت اور امکان کے اندر اتباع کرنا ضروری خیال کیا لیکن عبدالرحمن بن عوفؓ دوسرے مسلمانوں کی طرح خلافت سے متعلق تمام معاملات میں بڑے محتاط اور حیرت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمنؓ ڈرنے کہ حضرت علیؓ کی یہ تحفظ والی روش کہیں مطلب اور خود غرضی والی روش تو نہیں ہے، پس جب حضرت عثمانؓ نے بلا کسی تذبذب کے منظور کر لیا کہ وہ کتاب سنت اور شیخینؓ کی اتباع اپنے لئے لازمی قرار دیں گے، تو اطمینان کے ساتھ ان کی بیعت کر لی حالانکہ بعد میں ہونے والے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت عثمانؓ وہ نہ کر سکے جو شیخینؓ نے کیا، اور نہ ان کی راہ پر قائم رہے اور حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کی مختصر مدت میں جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں وہ کچھ کر بتایا جو شیخینؓ نے کیا تھا بلکہ اس سے بھی اہم، حضرت علیؓ نے فاروقی سیرت کی اتباع ایک ایسی رعایا میں کیا جو حضرت عمرؓ کی رعایا سے کہیں زیادہ سخت کٹر اور

دنیاء کی طرف راغب تھی، حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی راہ اس دور میں چلتے رہے جو اختلاف، سستی بناوت اور فتنوں کا دور تھا، جس کے بعد مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں،

حضرت علیؓ کی زندگی جیسی فتوحات سے پہلے خشک اور زاہدانہ تھی، فتوحات کے بعد بھی ویسی ہی سادہ اور تنگ رہی، نہ انھوں نے کوئی تجارت کی نہ کوئی کاروبار بڑھایا، ان کو جو وظیفہ ملتا تھا، اسی پر قناعت کی، اسی سے اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالتے رہے، مقام بیع میں ان کی ایک زمین تھی، اسی میں کچھ سرہانہ لگاتے اور فائدہ اٹھاتے تھے اور بس، اور جب ان کا انتقال ہوا تو آپ کے ترکے کا حساب کروڑوں لاکھوں تو کیا ہزاروں سے بھی نہ ہو سکا بقول آپ کے صاحبزادے حسنؓ کے کل سات سو درہم تھے اور آپ چاہتے تھے کہ اس سے ایک غلام خریدیں حضرت علیؓ اپنی خلافت کے مختصر دور میں موٹا لباس پہنتے تھے، اور وہ بھی پیوند لگا ہوا ہاتھ میں درہ لے بازار میں گشت لگاتے، اور حضرت عمرؓ کی طرح عوام کو نصیحت اور تیز سکھاتے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بہت ٹھیک اندازہ لگا کر اپنے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا، کہ "اس آبلج کو اگر لوگوں نے والی بنایا تو وہ ان کو راستے پر لے چلے گا"

بلاشبہ حضرت علیؓ اپنے مرکزی رجحان کی بنا پر اس بات کے مخالف تھے کہ خلافت غیر بنی ہاشم میں کر دی جائے، لیکن وہ آجکل کے مفہوم میں پوری طرح جمہوری تھے، اور خلافت کو موروثی خیال نہیں کرتے تھے، وہ تو اس کو ایک ذمہ داری تصور فرماتے تھے جو مسلمان ارباب حل و عقد کی طرف سے خلیفہ کو دونوں کی رضامندی کے بعد سپرد کی جاتی ہے چنانچہ پہلی بار جب ذمہ داروں نے خلافت ان کے سپرد نہیں کی بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو دی اور دوسری بار حضرت عمرؓ کے حوالے کیا تو انھوں نے تسلیم خم کر لیا، اور شیخینؓ کی بیعت کر لی، اور ان کے وفادار رہے اور مخلصانہ مشورے بھی پیش کرتے رہے، آپ نے حضرت عمرؓ کی موت کے بعد جب کہ شوریٰ کے لوگ باہم مشورہ کر رہے تھے، لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن یہ مشورہ انتہائی شریعے انداز میں تھا اور پھر رک گئے، اور اپنے کو دوسروں کی طرح بنالیا، اور عبدالرحمنؓ سے مسلمانوں کی خیر خواہی کا عہد لیا اور اپنی طرف سے اطاعت اور فرماں برداری کا عہد کیا، بعض تصنیع کرنے والے راوی

نے آبلج وہ آدمی جس کے سر پر صرف کانوں کی طرف بال ہوں، مراد حضرت علیؓ ہیں،

کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت میں تاخیر کی، تب عبد الرحمنؓ نے ان کو متنبہ کیا اور دھکی دی، لیکن دوسرے راویوں کا بیان حضرت علیؓ کی سیرت اور اخلاق کے بالکل مناسب ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے عبد الرحمنؓ کی پیش کردہ شرطیں منظور نہیں کیں اور حضرت عثمانؓ نے منظور کر لیا، تو حضرت علیؓ نے کہا ابو عبد اللہ نے شرط مان لی ہے اب تم ان کی بیعت کر لو، اگر انھوں نے تاخیر کی ہوئی یا جبر و اکراہ سے بیعت کی ہوئی تو ان کو اپنے گھر بیٹھ رہنا اور حضرت عثمانؓ اور شوریؓ سے کچھ دنوں کے لئے یا عرصہ تک کے لئے قطع تعلق کر لینا مناسب تھا لیکن وہ اپنے گھر بیٹھ نہیں رہے، حضرت عثمانؓ کی مجلس بیعت میں حاضر رہے اور عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل میں حضرت عثمانؓ کو اشارہ بھی کیا کہ ہرمزان کے قتل کے عوض عبید اللہ سے قصاص لیتا چاہیے،

حضرت علیؓ تینوں خلفاء کے مخالف تھے، لیکن شیخینؓ نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے خفیت اعتراف کا بھی ان کو موقع ملتا، چہ جائیکہ تلخ تنقید اور کڑی نکتہ چینی کا، یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے حضرت علیؓ کی مخالفت نمایاں نہیں ہوئی، دوسرے ہاجرا اور انصار صحابہؓ کی طرح حضرت علیؓ بھی اپنی خیر خواہی اور مشورے پیش کرتے رہے اور اطاعت کرتے رہے، جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ کی مخالفت میں تھوڑی سی شدت مجلس شوریؓ کے موقع پر پیدا ہوئی، لیکن پھر انھوں نے وہی روش اختیار کر لی، جو شیخینؓ کے ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خیر خواہی کی، ان کی اطاعت کی اور ان کو مشورے اور اشارے دیئے، لیکن حضرت عثمانؓ کے طرز عمل نے ان میں مخالفت کا ذرا سخت جذبہ پیدا کر دیا، عبید اللہ ابن عمرؓ کے معاملے میں ان کی طرح حضرت علیؓ کی رائے معاف کر دینے کی نہ تھی، پھر بعد کے حالات اور حوادث نے ایسے مواقع فراہم کر دیئے، کہ حضرت علیؓ کی مخالفت میں تدریجاً اضافہ ہی ہوتا گیا، لیکن یہ سب کچھ بہر حال ایک نیک اور گرم مخالفت اور اللہ کے عتاب سے ڈرانے کے حدود سے باہر نہ تھا، پھر حالات نے ایسی شدت اور نزاکت اختیار کر لی کہ ایک دن حضرت علیؓ مجبور ہوئے کہ لوگوں کے سامنے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کریں اور یہ وہ موقع تھا جب عثمانؓ نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ اس مال سے ہلا کسی پابندی کے اپنی ضرورت کے مطابق مخالفین کے علی الرغم

لے لیں گے، حضرت علیؓ نے فرمایا تو آپ کو اس سے روکا جائے گا، بہر حال حضرت علیؓ کا طرز عمل حضرت عثمانؓ کے ساتھ خیر خواہی، مشورہ اور بعض اوقات سخت اعتراض کے سوا کچھ نہ تھا اور کبھی وہ ان حدود سے آگے نہیں بڑھے وہ بعض مواقع پر حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان واسطہ بھی بنے ایک طرف حضرت عثمانؓ کو حقیقت حال سے باخبر کیا دوسری طرف لوگوں کو فتنے سے روکا، لیکن جب مایوس ہو گئے کہ حضرت عثمانؓ خود اپنے گھر والوں پر قابو نہیں پاتے تو گھر بیٹھ رہے، اور بیچ بچاؤ کرتا بھی چھوڑ دیا، لیکن اس کے باوجود محاصرے کے دوران میں وہ حضرت عثمانؓ کے لئے ایک دردمند محسن رہے، ان کے گھر تک پانی پہنچایا، محاصرہ کرنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے دونوں لڑکوں کو بھیجا، بلاشبہ حضرت عثمانؓ کے پورے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ کی ایک چشمک تھی، لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ان کے رشتہ داروں نے حضرت علیؓ سے بید خائف رکھا، اگر حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے نقش قدم پر چلتے اور ان کے رشتہ دار ان کے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوتے تو یقیناً حضرت علیؓ کی روش وہی ہوتی جو شیخین کے ساتھ تھی لیکن اگر ایسا ہوتا تو نہ یہ فتنہ ہوتا اور نہ ہم کو یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پڑتی،

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے تعلقات میں خرابی پیدا کرنے والے حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہ تھا، ان ہی لوگوں کی بدولت ایک مرتبہ دونوں میں تصادم ہوتے ہوئے رہ گیا، اس بات کا ثبوت بلا ذریعہ کی وہ روایت ہے جو انھوں نے انساب الاشراف میں اپنی سندوں کے ساتھ درج کی ہے، کہ حضرت عباسؓ دونوں کے درمیان تھے، انھوں نے حضرت عثمانؓ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اد میں علیؓ کے متعلق آپ کو خدا کی یاد دلانا چاہتا ہوں جو آپ کے بھتیجے ہیں ماموں کے لڑکے ہیں آپ کے داماد، اور آنحضرتؐ کے ساتھ آپ کے دوست بھی مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے خلاف کچھ ارادہ رکھتے ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا، سب سے پہلا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ میں آپ کی سفارش قبول کرنا ہوں اگر علیؓ چاہتے تو میرے نزدیک ان کی جگہ سب سے اونچی ہے لیکن ان کو تو اپنی بات کی ضد ہے، پھر حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ ہی طرح خطاب کیا، حضرت علیؓ نے

جواب دیا اگر عثمان مجھے گھر سے نکل جانے کا حکم دیں تو میں گھر چھوڑ دوں گا، اسے

لیکن یہ بیچ بچاؤ سب بے سود رہا۔ حضرت عثمانؓ اپنی راہ چلتے رہے حضرت علیؓ مخالفت

سے باز نہ آئے، اور حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار طرین کے تعلقاً میں بدستور خرابی پیدا کرتے رہے تا آنکہ

معاملہ تازک ہو گیا، بلاذری ہی نے اپنی سندوں سے روایت کی ہے عبداللہ بن عباسؓ فرماتے

ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کی شکایت کرتے ہوئے میرے والد سے کہا کہ ماموں! علیؓ

نے تعلق توڑ رکھا ہے، اور تمہارے صاحبزادے نے لوگوں کو لگا دیا ہے، اے عبدالطلب کے

لڑکوں! بخدا اگر تم نے یہ بات رخلانت، بنی تمیم اور بنی عدی کے لئے طے کر چکے ہو تو عبدالمناف کی

اولاد اس کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اس کے حاسد نہ بنو، اور اس معاملے میں اس سے جھگڑا

نہ کرو، عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ یہ سنکر میرے باپ دیر تک خاموش رہے اس کے بعد کہا

بھانجے! اگر علیؓ آپ کی نگاہوں میں پسندیدہ نہیں تو آپ ان کی نگاہوں میں پسندیدہ کس

طرح بن سکتے ہیں، جہاں تک رشتہ داری اور خدمت کا تعلق ہے اس میں آپ سے نہ اختلاف

ہے نہ انکار اب اگر آپ کتر بیونت کر کے کچھ اونچے کو نیچا اور کچھ نیچے کو اونچا کر دیں تو دونوں

قریب تر ہو جاتے ہیں، اور یہی بات زیادہ بہتر اور ملاپ کی ہے حضرت عثمانؓ نے کہا میں

اس معاملہ میں تم کو اختیار دیتا ہوں عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ اب بات خریب آپ کی تو

لیکن جب ہم ان کے پاس سے نکلے تو مروان ان سے ملنے گیا، اس نے حضرت عثمانؓ کو ان

کی رائے پر قائم نہیں رہنے دیا، چنانچہ تھوڑی دیر بعد ان کا آدمی میرے والد کو بلانے آیا اور

جب وہ پہنچے تو حضرت عثمانؓ نے کہا، ماموں! میں نے آپ کو جو اختیار دیا ہے اس کو ابھی ملتے

رکھتے، ابھی میں اس میں غور کروں گا، میرے والد واپس آئے اور میری طرف متوجہ ہو کر کہنے

لگے یہ شخص تو دوسروں کے بس میں ہے اس کے بعد خدا سے دعا مانگی! اے اللہ تو مجھے جتنے

سے پہلے اٹھالے مجھے تو اس بات کے لئے باقی نہ رکھ جس میں میرے لئے کوئی بھلائی نہیں چاہئے

جمعہ بھی نہیں آیا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے

حضرت عباسؓ نے دونوں کے درمیان صلح و صفائی کی کوشش کی اور ایک حد تک کامیاب

بھی ہوئے، پھر حضرت عثمان نے دوسری بار اُن کو درمیان میں ڈالا اور غالباً پہلی مرتبہ کی طرح وہ کامیاب ہو جاتے لیکن مروان نے اُن کو اُن کی رائے سے پھر ادیا، جس کی وجہ سے معاملات خراب سے خراب تر ہو گئے اور وہ فتنہ ہوا جس کا عباسؓ کو خطرہ تھا،

ان آخری پانچ فصلوں میں ناظرین نے ثوری کے ممبروں کی سیرت کا کچھ حال پڑھا اور دیکھا کہ خلیفہ ہو جانے کے بعد حضرت عثمانؓ کے متعلق ان کے خیالات کیا تھے، اور وہ کس پوزیشن میں تھے، غالباً ان فصلوں کا بہترین خاتمہ وہ روایت ہو گی، جس میں ان کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے بیان کی گئی ہے، یہ رائے روایت کے اعتبار سے واقعہ حضرت عمرؓ کی ہو یا نہ ہو اس سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت لوگوں کے دلوں میں کیا تھا، اور راویوں اور مورخوں اور خصوصاً محدثوں کے افکار و خیالات کیا تھے،

ابن عباسؓ سے بلاذری نے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے سے پہلے فرمایا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امت محمدؐ کے لئے کیا کروں؟ میں نے کہا فکر کیوں کرتے ہیں آپ کے پاس جانشین تو ہیں، فرمانے لگے کون؟ تمھارے دوست علیؓ؟ میں نے کہا ہاں، وہ آنحضرتؐ کے قرابت اور اُن کے داماد ہونے کی وجہ سے اس کے اہل ہیں پھر وہ اسلام کے سابقین میں ہیں، اسلام کی راہ میں انھوں نے مصیبتیں اٹھائی ہیں، حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا اُن میں مذاق اور ظرافت ہے، میں نے کہا پھر طلحہؓ کے متعلق کیا خیال ہے فرمانے لگے انکی تمکنت اور نخوت کے کیا کہنے، میں نے کہا عبدالرحمن بن عوفؓ فرمایا مرد نیک مگر دینے والا، میں نے کہا پھر سعدؓ، آپ نے کہا وہ تو جوم اور حملے کے آدمی ہیں ذمہ داری دیدی جائے تو ایک گاؤں بھی سنبھال نہ پائیں گے، میں نے کہا تو پھر زبیرؓ فرمایا متلون مزاج، خوشی کا مومن غصے کا کافر، حریص اخلافت کے لئے تو ایک ایسا قوی اور دردمند درکار ہے جس کی قوت میں ظلم کا جس کی ہمدردی میں کمزوری کا پہلو نہ ہو، جو فیاض ہو لیکن مسرت نہ ہو، میں نے کہا تو پھر عثمانؓ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، فرمانے لگے ان کو اگر والی بنا دیا گیا تو وہ ابو محیط کے خاندان کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیں گے، اور اگر ایسا انھوں نے کیا تو وہ ان کی جان لے لیں گے، لے

عبداللہ بن مسعودؓ

شوریٰ کے ان ممبروں کی مخالفت تو معمولی تھی لیکن دوسرے صحابہؓ اور کہا جاسیے کہ جلیل القدر اور ممتاز صحابہؓ اور حضرت عثمانؓ کے شدید مخالف تھے ان کی شدید کشاکش تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے، جس پر گفتگو کرنے والوں نے بہت کچھ کہا ہے اور اختلاف کرنے والوں نے خوب خوب رد و قدح کی ہے، حضرت عثمانؓ کے مخالف صحابہ میں ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو بنی زہرہ کے حلیف تھے، آنحضرتؐ کی ان کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ چھوٹے تھے اور عقبہ ابن ابی معیط کی بکریاں چراتے تھے، ایک دن آنحضرتؐ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ان کے پاس آئے اور کہا کچھ دودھ ہو تو پلاؤ، انھوں نے کہا میں آپ کو دودھ نہیں پلا سکتا، یہ بکریاں دوسرے کی امانت ہیں، آنحضرتؐ نے فرمایا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس کے بچہ نہ ہو، اس پر انھوں نے ایک بکری پیش کر دی، آنحضرتؐ نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیر دیا، اس میں دودھ اُتر آیا، پھر حضرت ابو بکرؓ ایک گہری چٹان پر لے گئے، اور اس کو دو بار اور دونوں نے پیاس بھائی، اس کے بعد آنحضرتؐ نے تھن کو فرمایا "خشک ہو جا" چنانچہ وہ اپنی حالت پر آگیا، اس وقت سے ابن مسعودؓ اسلام کی حلقہ بگوشی میں آگئے، اور حضورؐ کی صحبت اختیار کر لی، عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کے حافظ سب سے زیادہ قرآن کے راوی، اور سب سے زیادہ مکہ میں قرآن کا مظاہرہ کرنے والے صحابی ہیں، انھوں نے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی، آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ ہاجرین میں سے زبیر بن العوامؓ کا اور انصار میں سے معاذ بن جبلؓ کا بھائی چارہ کیا، عبداللہ بن مسعودؓ بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے، آپ ہی نے ابو جہل کا سر جب وہ معرکہ بدر میں گر پڑا تھا کہ یہ سفر و حضر میں مسلسل آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے لوگ خیال کرنے لگے تھے کہ یہ اہل بیت کے ایک فرد ہیں، آنحضرتؐ کی موجودگی میں یہ بلا اجازت حاضری دیتے تھے حضورؐ کے نکلنے

کے موقع پر آپ کو جو تہ پہنا نا پھر عصالے کر آگے آگے چلنا ان کی خدمت تھی جب آپ اپنی جگہ پر پہنچ جاتے تو یہ نعلین اپنی آستینوں میں لے لیتے، عصالے دیتے اور خدمت میں کھڑے ہو جاتے، سفر میں آپ کا بستر کرتے اور وضو کرانے کی خدمت بھی انہیں کے سپرد ہوتی حضورؐ ان سے بڑی محبت فرماتے تھے اور دوسروں کو ان کی محبت کرنے کی ہدایت بھی فرماتے تھے، ایک دن صحابہ نے ان کو درخت پر چڑھتے دیکھا پنڈلیوں کی لاغری دیکھ کر سب ہنس پڑے آپ نے فرمایا یہ وہی پنڈلیاں قیامت کے دن میزان میں اُحد پہاڑ سے بھاری ہوں گی آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جب مسلمانوں کا رخ فتوحات کی طرف پھر گیا تو یہ بھی شام کی طرف جہاد کرتے ہوئے نکلے، حمص میں قیام کیا، وہاں سے حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیج دیا، اور کوفہ والوں کو لکھا کہ ان سے تعلیم حاصل کرو ان کو تمہارے لئے اپنی ضرورت چھوڑ کر بھیج رہا ہوں،

عبداللہ بن مسعود حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر تھے بعد میں بڑی نیازی کے ساتھ کوفہ پہنچے اور لوگوں کے سامنے تقریر کی، ہم نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، باقی رہنے والوں میں سے ہم نے بہترین آدمی کو پسند کیا ہے، اس کے بعد لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی بیعت پر آمادہ کیا۔

کوفہ کے بیت المال پر عبداللہ بن مسعود کا تقرر اس وقت ہوا جب سعد بن ابی وقاصؓ وہاں کے گورنر تھے، جب وہ معزول ہوئے تو ولید کے ابتدائی زمانے تک یہ بھی اپنے عہدے پر باقی نہ رہے، ہوا یہ کہ ولید نے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی جب قرض کی مدت پوری ہو گئی تو ابن مسعود نے رقم طلب کی، ولید نے مال مٹول کیا، ابن مسعود نے اصرار کیا ولید نے حضرت عثمانؓ کو خط لکھا اور اس میں ابن مسعود کی سختی کی شکایت کی تب حضرت عثمانؓ نے ابن مسعود کو لکھا کہ تم ہمارے قازن ہو، ولید نے بیت المال سے جو قرض لیا ہے اس سے تم تعرض نہ کرو، ابن مسعود اس بات سے ناراض ہوئے، اور بیت المال کی کنجیاں پیش کر کے گھر بیٹھ رہے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت اور تعلیم دینا شروع کیا اس وقت سے سیاسی اور مالی معاملات میں عبداللہ بن مسعود کی طرف سے حضرت عثمانؓ کی مخالفت شروع ہوئی، اس کے بعد اس مخالفت میں اور زیادہ پیچیدگی اس وقت پیدا ہو گئی

جب حضرت عثمانؓ نے مصحف ایک کر دیا، اور اس کی کتابت زید ابن ثابت کی سرکردگی میں چند افراد کے سپرد کر دی اور لقیہ تمام نسخوں کو جلا دینے کا اقدام کیا جس کو ابن مسعودؓ نے اور بہت سے مسلمانوں نے ناپسند کیا، اور جس سے ابن مسعودؓ کی مخالفت میں اور تیزی پیدا ہو گئی، ابن مسعودؓ ہر جمعرات کو وعظ کہا کرتے تھے وہ اپنے بیان کے دوران میں فرماتے، سب سے سچی بات کتاب اللہ ہے، بہترین میرت سیرت محمدی ہے، بدترین کام نئی باتیں ہیں، ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی، اور ہر گمراہی آگ میں جائے گی، ولید نے اس کا تذکرہ اپنے خط میں حضرت عثمانؓ سے کیا اور کہا یہ آپ پر چوٹ ہے، تب حضرت عثمانؓ نے ولید کو لکھا کہ وہ ان کو مدینہ بھیج دے، چنانچہ وہ بھیجے گئے، روانگی کے وقت کوفہ والوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا، ابن مسعود مدینہ پہنچ کر مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عثمانؓ منبر نبویؐ پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے ابن مسعودؓ کو آتے دیکھ کر کہا، لو وہ بُرائی کا کیرا آ گیا جو اپنے کھانے پر چلتا ہوا تھے کرتا ہے اور براز، یہ سن کر ابن مسعودؓ نے کہا میں ایسا نہیں ہوں، میں بیعت رضواں میں اور معرکہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھی ہوں، حضرت عائشہؓ صدیقہ نے آواز سے کہا عثمانؓ، رسول اللہ ﷺ کے صحابی کو آپ یہ کہتے ہیں حضرت عثمانؓ نے ابن مسعودؓ کو سختی کے ساتھ مسجد سے نکلوا دیا، پھر وہ زمین پر ٹپک دینے گئے جس سے ان کی پسلی ٹوٹ گئی، حضرت علیؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا کہ یہ سب کچھ آپ ولید کے کہنے سے کر رہے ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا ولید کے کہنے پر میں نے ایسا نہیں کیا، میں نے زید بن کثیر کو خط بھیجا تھا اس نے سنا کہ عبد اللہ بن مسعود میرا خون حلال قرار دیتے ہیں حضرت علیؓ نے کہا زید ایک بے اعتبار آدمی ہے اُس کے بعد حضرت علیؓ اٹھے اور ابن مسعودؓ کو اُن کے گھر پہنچا دینے کا حکم دیا، حضرت عثمانؓ یہیں تک آ کر نہیں رک گئے، انھوں نے ابن مسعودؓ کا وظیفہ بند کر دیا اور مدینہ سے اُن کو باہر نکلنے کی مخالفت کر دی، ابن مسعودؓ چاہتے تھے کہ ان کو جہاد میں شرکت کے لئے شام جانے کی اجازت مل جائے لیکن حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا، مروان نے ان سے کہا تھا کہ کوفہ کو تو انھوں نے آپ کا مخالف بنا دیا اب شام کو تو بچا رہنے دیجئے،

اس طرح کوفہ سے ابن مسعودؓ و حضرت عثمانؓ کے مخالفت بن کر نکلے اور دو یا تین سال تک مدینے میں مخالفت کا اعلان کرتے رہے، اس کے بعد ان کی وفات کے دن قریب آگئے، راولیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کے لئے گئے لیکن اسکے بعد کے بیانات میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے معذرت کی اور دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو کر ہی اس مجلس سے جدا ہوئے، اور جب ابن مسعودؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور بعض کہتے ہیں کہ عیادت کے موقع پر ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے خوش ہو کر نہیں ملے۔ دونوں کا مکالمہ سینے:-

حضرت عثمانؓ - آپ کو کیا شکایت ہے،

عبداللہ ابن مسعودؓ - اپنے گناہوں کی

حضرت عثمانؓ - آپ کیا چاہتے ہیں؟

عبداللہ ابن مسعودؓ - اللہ کی رحمت۔

حضرت عثمانؓ - کیا آپ کے لئے طبیب بلواؤں؟

عبداللہ ابن مسعودؓ - طبیب ہی نے تو بیمار کیا ہے،

حضرت عثمانؓ - کیا آپ کا وظیفہ جاری کر دوں؟

عبداللہ ابن مسعودؓ - ضرورت تھی تو آپ نے بند کر دیا، اب ضرورت نہیں

تو جاری کرنا چاہتے ہیں،

حضرت عثمانؓ - تمہارے اہل و عیال کے کام آئے گا،

عبداللہ ابن مسعودؓ - خدا ان کا رزاق ہے،

حضرت عثمانؓ - میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے،

عبداللہ ابن مسعودؓ - خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میرے معاملہ میں آپ سے

مواخذہ کرے،

کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ باہر نکلے تو عبداللہ ابن مسعودؓ نے وصیت کی کہ حضرت عثمانؓ

ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں، جب ان کا انتقال ہوا تو کسی نے ان کو خبر نہیں کی عمار بن یاسرؓ

نے نماز جنازہ پڑھائی، اور دفن کر دیئے گئے، دوسرے دن حضرت عثمانؓ گذرے تو ایک نئی قبر دیکھ کر لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ کی قبر ہے، حضرت عثمانؓ خفا ہوئے اور فرمایا کہ مجھے مطلع نہیں کیا گیا حضرت عثمانؓ نے کہا انہوں نے وصیت کی تھی کہ آپ کو نماز جنازہ نہ پڑھانے دی جائے، حضرت عثمانؓ نے بات دل میں رکھی، حضرت عثمانؓ کے خلاف حضرت عثمانؓ کے غصے کی ایک وجہ یہ بھی تھی،

بالکل کھلی بات ہے کہ یہ بیان حقیقت سے دور ہے، عبداللہ ابن مسعود کی سیرت کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو معاف کر دیا، ان کے لئے مغفرت بھی چاہی، صحابہ میں جو لوگ ان سے بہت مانوس تھے کہا کرتے تھے کہ عبداللہ بن مسعود اپنے طور طریقوں میں سیرت اور اخلاق میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، پھر وہ سب سے زیادہ قرآن کے قاری اور عامل بھی تھے یقیناً انہوں نے ارشاد خداوندی ولمن صبر وعقران ذالک لمن عزم الامور پڑھا ہوگا، اور وہ اس بات کے سب سے زیادہ اہل ہیں کہ صبر کریں، معاف کر دیں اور مستقیم رہیں،



قدیر اعظم
بیتنا مالہ
مہمندہ
ابوذر غفاریؓ

ابوذر غفاریؓ کنانہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، عہد جاہلیت میں وہ لوگوں سے دور الگ تھلگ رہا کرتے تھے، گویا طبعاً فقر پسند تھے ایک دن وہ مکہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خبر پائی کہ آپ سے قریب ہوئے اور آپ کی باتیں سنیں اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، اس کے بعد ان کو مکہ میں قیام کا زیادہ موقع نہیں ملا، البتہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور آپ کی خدمت میں رہنے لگے، ان کا شمار بھی اسلام کے سابقین میں اور ان لوگوں میں ہے جن کو آنحضرتؐ محبوب رکھتے تھے، اور جن کی تعریف کیا کرتے تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذرؓ سے سچا کوئی نہیں، اور فرماتے تھے کہ ابوذرؓ تنہا ایک قوم بنا کر اٹھائے جائیں گے حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ جب آبادی تلح (پہاڑ) تک پہنچ جائے تو مدینہ چھوڑ دینا، چنانچہ وہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور عثمانؓ کے ابتدائی دور تک مدینہ منورہ میں رہے اس کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ عمارتیں تلح تک بن چکی ہیں، تو حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ ان کو جہاد کے سلسلے میں شام جانے کی اجازت دی جائے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شام چلے گئے تھے، اور وہاں دفتر میں قیام کیا تھا، پھر حج کے لئے آئے اور مدینہ میں قیام کرتے اور حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر روضہ اقدس کے پاس کچھ وقت گزارتے ایک دن انھوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ مروان بن الحکم کو بہت سا مال دے رہے ہیں اور ان کے بھائی حارث بن الحکم کو تین لاکھ درہم عنایت کر رہے ہیں، اور اسی طرح زید بن ثابتؓ انصاریؓ کو ایک لاکھ کا عطیہ دے رہے ہیں، یہ ان کو بہت ناگوار اور زیادہ معلوم ہوا، فرمانے لگے، دولت جمع کرنے والوں کو آگ کی خوش خبری سنا دو، اس کے بعد تلاوت فرمایا:-

قَالَتِیْنِ یَکْنِزُدْنَ الذَّهَبَ
جو لوگ سونا پاندی جمع کرتے ہیں

وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابِ آيَاتِنَا
اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں
کرتے ان کو دردناک عذاب کی
بشارت دے دو،

مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ سے ابوذرؓ کی اس بات کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک غلام کو بھیج کر ابوذرؓ کو منع کیا، ابوذرؓ نے کہا کیا عثمانؓ مجھ کو اللہ کی کتاب پڑھنے اور اللہ کے حکم سے سرتابی کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے روکیں گے؟ عثمانؓ کو ناراض کر کے اللہ کو خوش رکھنا مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں عثمانؓ کو خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کر دوں، حضرت عثمانؓ نے برداشت سے کام لیا اور صبر کیا،

لیکن ابوذرؓ اپنی تنقید اور اعتراض پر مصر رہے اور قناعت اور اعتدال کی دعوت اور دولت سے نفرت کی تحریک کرتے رہے، ایک دن وہ حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھے تھے کعب بن احبارؓ بھی حاضر تھے، بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سوال کیا کہ کیا خلیفہ کے لئے حلال ہے کہ وہ بیت المال سے کچھ قرض لے اور جب تیسرا ہو تو واپس کر دے؟ کعب نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں، ابوذرؓ اس پر خفا ہوئے اور کہا، یہودی کے بچے ہم کو ہمارا دین سکھاتا ہے، حضرت عثمانؓ ابوذرؓ پر خفا ہوئے اور حکم دیا کہ وہ شام چلے جائیں، دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ ابوذرؓ حضرت عثمانؓ سے کہہ رہے تھے کہ صرف زکوٰۃ دیدینا، کافی نہیں بلکہ بھوکے کو کھانا کھلانا، سائل کی ضرورت پوری کرنا اور پڑوسیوں کے ساتھ مہلاتی کرنا بھی ضروری ہے اس پر کعب نے کہا جس نے زکوٰۃ ادا کر دی پس اس کے لئے کافی ہو گیا، اس پر ابوذرؓ غصہ ہو گئے اور کعب کو اپنی زبان اور ہاتھ سے تکلیف پہنچائی اور حضرت عثمانؓ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان کے دفتر شام میں چلے جائیں

بہر حال ابوذرؓ شام گئے، لیکن وہاں زیادہ دیر قیام نہ کر سکے، وہاں بھی وہ سب کچھ کہنے لگے جو مدینہ میں کہا کرتے تھے، امیر معاویہؓ کی بہت سی باتوں پر ان کو اعتراض تھا اس پر بھی اعتراض تھا کہ مسلمانوں کے مال کو وہ اللہ کا مال کہتے ہیں، وہ "خفرا" کی تعبیر پر بھی معترض تھے، اور امیر معاویہؓ کو خطاب کر کے کہا اگر تم نے یہ تعمیر مسلمانوں کے پیسے سے کی ہے تو

یہ ایک خیانت ہے اور اگر اپنی رقم خرچ کی ہے تو یہ اسراف ہے

حضرت ابوذرؓ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ دولت مند، محتاجوں اور مفلسوں کی طرف سے تباہیوں کے مستحق ہیں، لوگ اُن کے پاس جمع ہونے لگے، اُن کی باتیں سننے لگے اور اُن کو ماننے بھی لگے، امیر معاویہؓ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شامیوں میں ان کی تحریک زور نہ پکڑ لے انھوں نے حضرت عثمانؓ کو شکایت کا خط لکھا، جواب ملا کہ طڈی کو سخت سواری اور پھپھیرہ راہ سے میرے پاس بھیج دو، امیر معاویہؓ نے بے اعتنائی کے ساتھ ان کو بدیہ واپس کر دیا، بدیہ پہنچے تو بدستور اپنی بات پیش کرتے رہے اور کہتے رہے کہ دولت مندوں کو آگ سے دانے جانے کی بشارت دے دو ان کی پیشانیاں، اُن کی پشت اور ان کی پسلیاں آگ سے داغی جائیں گی، انھوں نے حضرت عثمانؓ پر بھی اعتراضات شروع کر دیئے، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے مال میں اپنا ہاتھ آزاد کر رکھا تھا، نوجوانوں کو حکومت دیدی تھی اور فتح مکہ کے امن یافتوں کو عہدے دیئے تھے حضرت عثمانؓ کو اس سے بڑی کوفت ہوئی،

یہاں پہنچ کر رادیوں میں اختلاف ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو بدیہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور کہا کہ کوہ بصرہ اور شام کو چھوڑ کر جہاں جی چاہے چلے جاؤ، اس پر حضرت ابوذرؓ نے ریزہ جانا پسند کیا، حضرت عثمانؓ نے اجازت دیدی، اور وہ مذکورہ مقام پہلے گئے، اور وہیں انتقال کیا، بعضوں کا خیال یہ ہے کہ ریزہ جانا خود حضرت ابوذرؓ نے پسند نہیں کیا بلکہ حضرت عثمانؓ نے ان کو جلاوطن کر دیا اور وہ غریب الوطنی کی زندگی گزار رہے تھے تا آنکہ دنیا سے رخصت ہو گئے، حد یہ ہے کہ ان کی بیوی تھیز و تکفین سے عاجز تھیں اور کچھ لوگ جو عراق سے حج یا عمرہ کی غرض سے آئے تھے انھوں نے حضرت ابوذرؓ کی تھیز و تکفین کی اور جب حضرت عثمانؓ کو ان کی موت کی اطلاع ہوئی تو اُن کے لئے مغفرت کی دعا کی، اور ان کی بیوی کو اپنے متعلقین کے ساتھ کر دیا،

حضرت عمار ابن یاسرؓ چونکہ حضرت ابوذرؓ سے بڑی ہمدردی اور ان کے حال پر بڑی شفقت فرماتے تھے، اس لئے حضرت عثمانؓ نے محسوس کیا کہ وہ بھی ابوذرؓ کی جلاوطنی پر معترض ہیں، غصہ ہو کر اُن کو بھی ریزہ چلے جانے کا حکم دے دیا اور جب حضرت عمارؓ نے

نکلنے کی تیاری کی تو بنی محروم جو آپ کے حلیف تھے مشتعل ہو گئے، اور حضرت علیؓ بھی ناراض ہوئے اور حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی پر حضرت عثمانؓ کو ملامت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت عمارؓ کو شہر بدر نہ کریں، اس کے بعد دونوں میں بحث و تکرار ہونے لگی، حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ بھی عمارؓ سے کچھ کم نہیں ہیں، آپ بھی جلاوطنی ہی کے قابل ہیں حضرت علیؓ نے مقابلے کا جواب دیتے ہوئے کہا، ارادہ ہو تو کر کے دیکھتے، اس کے بعد ہاجرین کھڑے ہو گئے، اور حضرت عثمانؓ پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا جس پر بھی آپ خفا ہوتے ہیں، اس کو جلاوطن کر دیتے ہیں یہ آپ کے لئے مناسب نہیں، پھر حضرت عثمانؓ، عمارؓ اور علیؓ سے باز رہے،

آپ نے دیکھا، حضرت ابوذرؓ سب سے پہلے نظام اجتماعی سے اپنے اختلاف کا اظہار کرتے ہیں، ان کو یہ ناپسند تھا کہ دولت مند اتنا سرمایہ دار ہو کہ وہ چاندی سونا جمع کرے اور محتاج اتنا تنگ دست کہ خرچ کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، یہ بھی ان کو ناگوار تھا کہ خلیفہ دولت مندوں کو ناحق مسلمانوں کا مال دیا کرے جس کی وجہ سے محتاج کا فقر اور غنی کی دولت بڑھتی رہے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ رفاہ عام کو چھوڑ کر دولت کے لئے ایسے لوگ پسند کئے جائیں جن کو اس کی ضرورت نہ ہو، مزید برآں حضرت ابوذرؓ خلیفہ کو اس کا محباز خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ تنقید کو روکے یا اختلاف پر سزا دے، ان کی رائے میں اقتدار کو خفا کر کے خدا کو راہنی رکھنا زیادہ اچھا ہے اس بات سے کہ خدا کو ناراض کر کے اقتدار کو خوش رکھا جائے حضرت ابوذرؓ کی مخالفت سیاسی بن کر اور پیچیدہ ہو گئی چنانچہ انھوں نے اس تنقید ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ خلیفہ اور اس کے حاکم مسلمانوں کا مال غلط راہ میں خرچ کر رہے ہیں، بلکہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی سیاست، ان کی تقرری اور معزولی پر بھی اعتراض کیا ہے، نوجوان اور فتح مکہ کے پناہ گزینوں کو حاکم بنا دینے کو برا کہا، لیکن ان تمام مخالفتوں کے باوجود ان کی عدلیانہ اور باسرتابی کی حد نہ تھی، اگر خلیفہ ان کو سزا دینا چاہتا تو وہ اس کی سرتابی کرنے والے نہ تھے، پس ان کی مخالفت کا پہلو سلبی پہلو تھا، یعنی تلخ تنقید اور سخت نصیحت، یہی وجہ ہے کہ جب ان کو شام چلے جانے کا حکم ملا تو وہ

چلے گئے، اور جب ربدہ جاتے کا حکم ہوا تو سر تسلیم خم کر لیا اور کہا مجھے تو اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، خواہ میرا حاکم کتنا غلام کیوں نہ ہو، جن لوگوں نے حضرت ابوذرؓ سے منی لفت کے اثباتی پہلو کا تقاضا کیا اور چاہا کہ رہنمائی کریں، ان کو انہوں نے جواب دیا: اگر عثمانؓ مجھے کھجور کے درخت کی سب سے لمبی شاخ پر سولی دے دیں گے تو میں سرتابی نہیں کروں گا۔ [ناجہ مانی] [روزہ مبارک اور دعا] اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابوذرؓ مقابلے کی امکانی طاقت کے ساتھ اختلاف کرنا، اگر اطاعت کے حدود میں ہو اور خلیفہ کی بغاوت نہ ہوتی ہو تو اپنا حق سمجھتے تھے،



اندر اللہ اعلم
 ابوذرؓ کی طرف سے
 عثمانؓ کی طرف سے
 قاتل

سلسلہ عمار بن یاسر رضی

عمار بن یاسر مکہ کے کمزوروں میں سے تھے، ان کے باپ یمنی ہیں، مبنی مخزوم کے حلیف تھے، ان کی والدہ سمیہ بنی مخزوم کی لونڈیوں میں ایک کثیرہ تھیں، عمار اور سہیب ایک ساتھ آنحضرت کی خدمت میں آئے، اس وقت تیس سے زیادہ آدمی مسلمان ہو چکے تھے، دونوں نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد عمار کے ماں باپ بھی مسلمان ہو گئے، اب تو قریش ان سبھوں کو ستانے اور اذیت پہنچانے کے لئے بھڑک اٹھے، حضرت عمار کو مکہ کی پتی بولی ریت پر لٹا دیا جاتا، انگاروں سے داغا جاتا طرح طرح کا عذاب دیا جاتا، گلو خلاصی کے لئے اپنے معبودوں کی تعریف اور آنحضرت کی شان میں بے ادبی پر مجبور کیا جاتا، حضرت عمار نے جب صورت حال کا آنحضرت سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا اگر وہ پھر ایسا کریں تو تم مان لو، حضرت عمار کے متعلق ایک سے زیادہ آیتیں قرآن میں نازل ہوئیں، اللہ کے رسول انکے اوان کے والدین کے حال سے بہت زیادہ متاثر ہوتے، اور ان پر ترس کھاتے، جب کبھی آپ کا گند ہوتا اور انہیں گرفتار عذاب دیکھتے تو ازراہ شفقت ان کے لئے مغفرت پہنچتے، اور جنت کی بشارت دیتے ایک دن تو فرمایا اے خدا آل یاسر کو بخش دے، اور تو نے بخش دیا، حضرت عمار نے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی، سب سے پہلے انہوں نے مکہ میں نماز کے لئے اپنا گھر مسجد بنایا، مسجد نبوی کی تعمیر میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا، سب لوگ ایک ایک اینٹ لاتے تھے یہ دو دو اینٹیں اٹھاتے، دوران عمل میں گنگنائے سخن المسلمون نسبتی المساجد آنحضرت نے جو اب دیتے اور لفظ مساجد دہراتے، اسی طرح خندق کھودنے میں حضرت عمار نے نمایاں حصہ لیا، خود آنحضرت نے ان کا غبار صاف کیا، یہ بند کے معرکے میں، احد کے معرکے میں اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، پیامہ کے دن تو بڑا خوفناک مقابلہ کیا، اس دن مسلمانوں نے ان کو دیکھا کہ ایک چٹان پر چڑھ کر مسلمانوں کو لٹکار رہے ہیں کہ کیا تم جنت سے گریز کر رہے ہو، حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا پھر ان کے ساتھ بیت المال پر حضرت عبداللہ مسعود کا اور سواد پر حذیفہ یمان کا تقرر کیا تو ان کے لئے،

روزانہ ایک بکری کا راشن مقرر ہوا نصف ان کے لئے اور نصف دونوں ساتھیوں کے لئے، حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا تو ان سے دریافت کیا کہ میری معزولی تم کو ناگوار تو نہیں ہوئی، آپ نے جواب دیا کہ جب آپؓ یہ کہہ رہے ہیں تو عرض ہے کہ اس وقت بھی میں خوش نہ تھا جب آپؓ نے میرا تقرر کیا تھا، اور آج بھی خوش نہیں جب آپؓ نے معزول کر دیا ہے،

حضرت عمارؓ نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی، لیکن بعد کے واقعات نے ان کو حضرت عثمانؓ کا شدید مخالف بنا دیا، ایک دن لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ حضرت عثمانؓ نے بیت المال کے ہواہرات میں سے کچھ لے لیا ہے اور اپنے گھر کے لئے کسی کا زور بنا لیا ہے، لوگ اس بات سے ناراض ہوئے اور حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کئے۔ حضرت عثمانؓ غصے میں آئے اور خطبہ دیتے ہوئے کہا تم اس خرچ کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق ضرور لیں گے کچھ لوگ ناراض ہوتے ہوں تو ہوں، اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا، آپ کو اس سے روکا جائے گا، عمار بن یاسر نے کہا میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ سب سے پہلا ناراض میں ہوں، حضرت عثمانؓ نے کہا، لونڈی کے بچے مجھ پر تیری یہ برائت پکڑو اس کو، چنانچہ وہ پکڑے گئے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان کو استفادہ مارا کہ بیہوش ہو گئے، اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر اٹھا کر لائے گئے جہاں وہ پورے دن بیہوش رہے، اسی میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں بھی جاتی رہیں، پھر جب ہوش آیا تو وضو کیا اور نماز پڑھ کر فرمایا، اے خدا تیرا شکر، تیرے بارے میں اذیت پانے کا یہ پہلا ہی موقع نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ ام سلمہؓ اور عائشہؓ نے آنحضرتؐ کے کچھ بال، کپڑا اور جوتان نکالا اور فرمایا یہ اللہ کے رسول ﷺ کے لئے ہے، ان کا کپڑا اور جوتا ہے ابھی یہ پرانا نہیں ہوا اور تم ان کی سنت چھوڑ رہے ہو، لوگ چلا اٹھے اور حضرت عثمانؓ آپ سے باہر ہو گئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں؟

ایک اور موقع پر حضرت عمارؓ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کا ساتھ دیا جس نے حضرت عثمانؓ کے نام ایک خط لکھا تھا، خط میں حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراضات اور ان کے لئے نصیحتیں تھیں، عمارؓ وہ خط لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور اس کا ابتدائی حصہ حضرت عثمانؓ پر دہرایا، حضرت عثمانؓ نے برا بھلا کہا اور براہیں پہنے ہوئے پاؤں سے اس کو اس طرح مارا کہ وہ مرض فتن میں مبتلا ہو گئے، اور وہ

لے انساب الاشراف بلاذری ص ۱۱۱ مطبوعہ قدس

پورے تھے۔

اس سے پہلے ہم ابن مسعودؓ اور ابوذر کے سلسلے میں ان کا پوزیشن واضح کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ان کو شہر بدر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور پھر باز آگئے، پھر حال حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ کے سخت معترضین اور مخالفین میں تھے، اس سلسلے میں وہ ایک طرف صحابہ میں معتدل خیال کے حضرات سے اشتراک رکھتے تھے اور دوسری طرف مدینہ آنیوالے کٹر مخالفوں کا بھی ساتھ دیتے تھے اور اس کیلئے مصیبتیں بھی برداشت کیں۔ یہ مدینہ میں حزب مخالف کے سربراہ اور وہ اور ممتاز رہنما اور یہ سب کے سب جلیل القدر صحابی اور ممتاز مہاجر ہیں، انصار کی طرف سے گوارا اختلاف کی آواز نہیں اٹھتی تھی اس لئے کہ وہ حکومت سے دور رکھے گئے تھے لیکن وہ عوام کے شریک تھے اکاؤنٹا کہیں کہیں سے اختلاف کی آواز بھی اٹھتی تھی جیسا کہ ہم نے عبید اللہ بن عمرؓ کے بارے میں زیادہ بیاہنی کے اشعار نقل کئے ہیں، انصار کی اکثریت حضرت عثمانؓ کی بھنوانہ تھی، ہاں چند افراد حامی تھے جن میں زید بن ثابتؓ کعب بن مالکؓ حسان بن ثابتؓ پیش پیش تھے، انصار ہی بزرگ بعض اوقات حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان واسطہ بن جاتے تھے مثلاً محمد بن مسلمہؓ کا مصریوں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان پڑ جانا جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

انہیں دنوں مدینہ میں ایک خفیہ تحریک بھی عوام میں تھی، جو زبانون پر تو تھی لیکن اس کے چلنے والوں کا پتہ نہیں مثلاً جب حضرت عثمانؓ مسجد نبویؐ کی تو مسیح کر رہے تھے تو لوگ کہتے تھے کہ نبیؐ کی مسجد بڑھا رہے ہیں لیکن ان کی سنت ترک کر رکھی ہے اور مثلاً جب مدینہ میں کبوتروں کی کثرت ہوئی اور نوجوانوں نے تیراندازی شروع کی حضرت عثمانؓ نے کبوتروں کو ذبح کرنے کا مشورہ دیا اور ایک شخص کو مقرر کیا کہ لوگوں کو تیراندازی سے روکے تو لوگوں نے کہا کبوتروں کو تو ذبح کیا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے نکلے ہوؤں کو بلایا جاتا ہے مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ حکم بن العاص اور ان کے لڑکوں کو بٹھرا رہے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہونے والے واقعات کی تصویر جو لوگوں کے حالات سے بالکل قریب ہے پیش کر دی ہے ساتھ ہی مدینہ اور دوسرے شہروں میں مخالفت کی کیفیت بھی بتادی اب یہ آسان ہو گا کہ ہم ان واقعات تک خود پہنچیں اور ان کے متعلق قدمائے خیالات کا پتہ چلائیں اور پھر اپنے افکار پیش کریں اور جہاں تک ہو سکے حق اور اعتدال ہمارے پیش نظر ہو،

فتوحات پر کوئی اعتراض نہیں

سب سے پہلی بات جس پر ہم نظر ڈالنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ قدمائے جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے مسلک و اعتراض کیا ہے اور اس کی خرابیاں گنائی ہیں، انہوں نے آپؓ کے عہد کی فتوحات پر کوئی تنقید اور نکتہ چینی نہیں کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں کام کا طریقہ وہی تھا جو حضرت عمرؓ کے عہد میں جاری تھا اور جس کی پابندی کے لئے حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد ہی سپہ سالاروں کو فرمان بھیجے تھے، ہم اس سے قبل ان فرامین کا تذکرہ کر چکے ہیں، جو لوگ حضرت عثمانؓ کے عہد کی فتوحات اور اس کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کریں گے وہ دیکھیں گے کہ آپؓ کے حاکموں اور سپہ سالاروں نے ثواب و راد شجاعت دی، ہمت اور توجہ کا تقاضا اور دیباچہ ایسے علاقے اور آبادیاں جو عہد فاروقی میں فتح ہو چکی تھیں لیکن اب وہ باغی تھیں یا آمادہ بغاوت ہو رہی تھیں حضرت عثمانؓ کے افسروں نے ان کو زیادہ تر مقابلہ کر کے اور کہیں کہیں شوکت اور قوت کا مظاہرہ کر کے از سر نو تابع فرمان کیا، حضرت عمرؓ کی جب وفات ہوئی تو فارس کا علاقہ سب کا سب فتح نہ ہو سکا تھا، خود کسریٰ نیردگرد ابھی زندہ تھا، کوشکست کھا کر ایک آبادی سے دوسری آبادی میں اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا، لوگ اس کے گرد و پیش ایک جگہ جمع ہوتے اور دوسری جگہ منتشر ہو جاتے لیکن اس گئی گزری حالت پر بھی وہ اپنے موروثی اقتدار سلطنت سے قوت پار ہا تھا، جو لوگ مفتوح ہو چکے تھے اور جو ابھی مقابلہ کر رہے تھے اور وہ جن تک ابھی یہ جنگ پہنچی نہ تھی وہ سب کے سب اس کی اطاعت کو ضروری قرار دیتے تھے، اور اس کے حق کا اعتراف کرتے تھے ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے فوجی افسران مرحلوں پر جو کوفہ اور بصرہ سے متصل تھیں فاتحانہ لگے بڑھتے رہے، جہاں کہیں نیردگرد کے حامی گئے انہوں نے ان کا تعاقب کیا بادشاہ سے ان کی جمعیت کو منتشر کیا ان شہروں اور صوبوں پر قبضہ کیا جن پر نیردگرد کا وہی یا واقعی اقتدار تھا، اور بالآخر اس کو مجبور کیا کہ وہ بے یار و مددگار بھاگتا پھرتا مقبول ہو کر اپنی موت سے بچائے، اس طرح حضرت عثمانؓ کے عہد میں کسریٰ

حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا، اس کے بعد حضرت عثمان کے یہ حکام اور سپہ سالار بدستور فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھاتے رہے تا آنکہ ترکوں کی سر زمین تک پہنچ گئے اور ان سے بھی بری نوک جھوٹا رہی حضرت عثمانؓ ہی کے زمانے میں آرمینیا فتح ہوا، انہیں کے عہد میں اسلامی حکومت کا اقتدار مغرب تک پہنچا چنانچہ افریقیا فتح ہوا اور اندلس پر حملے کا آغاز ہوا، انہیں کے دور میں امیر معاویہ اور عبد اللہ بن ابی سرح نے وہ کچھ کیا جو عہد فاروقی کا کوئی گورنر کوئی فوجی افسر نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ روم پر بحری حملہ ہوا اور قبرص فتح کر لیا گیا، اور مسلمانوں کا بحری پیرہا بنے قسطنطنیہ تک پہنچا اور عبد اللہ بن سعد کو ذات صواری میں رومی پیرے کے مقابلے میں نہایت شاندار اور فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی،

حضرت عثمانؓ کی فوجی طاقت حضرت عمرؓ ہی کے جیسی تھی، لیکن فتوحات کی وسعت کا، قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹ دینے کا، ان کی بری اور بحری طاقتوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینے کا جو موقع حضرت عثمانؓ کو ملا وہ حضرت عمرؓ کو نہ مل سکا، لیکن یہی امتیاز فتنے اور اختلافات کا سرچشمہ بھی ہے، اس لئے کہ فتوحات کے ذریعے مسلمان غنیمت اور خراج کی بہت بڑی دولت پارہے تھے غنیمت کے مال اور خراج کی قوموں میں حضرت عثمانؓ کا اختیار فوج میں مخالفت کا جذبہ پیدا کر سکتا تھا جیسا کہ عبد اللہ بن سعد اور مروان بن الحکم سے متعلق افریقیا کی فتوحات میں ہوا اور ہاجرین اور انصار میں بھی اس سے مخالفانہ خیالات پیدا ہو سکے تھے جیسا کہ بیت المال سے جو اہرات کے تصرف میں ہوا اور حضرت عثمانؓ کی زد و کوب تک نوبت پہنچی اس سلسلے میں جو بات شبہہ سے خالی ہے وہ یہ کہ عہد عثمانی میں حکومت کی طاقت میں کمزوری کے لئے باہر سے کوئی راہ نہیں مل سکی باہر سے تو قوت اور شوکت میں اضافہ ہی ہوتا رہا،

دوسری بات جو اس کے بعد ہم پیش نظر رکھنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ لوگ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہونے والے واقعات کے بارے میں اور اس بارے میں کہ ان واقعات میں خود حضرت عثمانؓ کا کتنا حصہ ہے، سخت متضاد خیالات رکھتے ہیں، کچھ لوگ تو اس طرح مطمئن ہیں کہ ان کے خیال میں ان واقعات کا اکثر حصہ جھوٹ اور بناوٹی ہے، بتلنے والے تو کچھ پیش کر رہے ہیں اس سے بعضوں کا مقصد اسلام کے خلاف مکاری اور ریشہ دوانی ہے، اور بعض جماعتوں کی باہمی خصومت کا شکار ہو گئے ہیں، یہ لوگ اکثر واقعات کا انکار کرتے ہیں، اس کو اہم یا کوئی بڑی بات تصور نہیں کرتے اور خیال کرتے

ہیں کہ یہ خلیفہ کے اجتہاد کی بات ہے، جس میں اگر وہ حق پر ہے تو دوا بھر کا مستحق ہے اور اگر غلطی ہے ہے تب بھی اس کو ایک اجر ملے گا اور خلیفہ ہر حال خیر خواہ ہے۔ جس کا کام بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں، جن روایتوں میں حضرت عثمان اور صحابہ کے درمیان اختلاف اور کشمکش کی باتیں مذکور ہیں یہ لوگ ان تمام روایتوں کو زیادہ تر غلط اور بناوٹی سمجھتے ہیں، اور جن کو صحیح تسلیم کرتے ہیں ان میں اجتہاد وائی بات کہہ کر اپنا اطمینان کر لیتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے خیال کی بنیاد یہ ہے۔ کہ وہ اسلام کے اس عہد کو مقدس اور منبرک جانتے ہیں، انہیں ہرگز یہ پسند نہیں کہ جو مقابلے کی بات دنیادار قسم کے لوگ امتیاز اور اغراض سامنے رکھ کر کرتے ہیں وہ ان حضرات پر چسپاں کر دی جائے جن کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہو، جو اللہ کی راہ میں تن، من، دھن سب کچھ قربان کر کے اسلام کی حکومت قائم کر سکے ہوں، یہ حضرات تو مجتہدین کا درجہ رکھتے ہیں، ہمیشہ بھلائی کی راہ میں دوڑتے ہیں، رشتے میں ان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے، لیکن وہ کہاں ہیں مبتلا نہیں ہو سکتے، ہاں چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہو سکتی ہیں جن کو اللہ نیک بندوں سے معاف کر دیتا ہے، اس گروہ میں چھوٹی سی تعداد ایسے افراد کی بھی ہے، جو اپنی عقل کی کاہلی اور شعور کی کسمندی کی وجہ سے تحقیق و تلاش کی زحمت گوارا نہ کرنی نہیں چاہتے،

ایک اور جماعت ہے جو دوسرے طریقے پر مطمئن ہے، اس کے خیال میں ایسا ممکن ہی نہیں کہ اس قسم کے فتنہ و فساد کی باتیں نبی کے صحابہ سے سرزد ہوں، یہ تو اسلام کے دشمنوں کی مکارانہ سازشیں ہیں جن کی تہ میں عبداللہ ابن سبا قسم کے عیاروں کا ہاتھ ہے جس کے ساتھ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی ایک ٹولی تھی،

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم نہ یہ راہ چل سکتے ہیں نہ وہ، نہ ہم کو عقلی کسمندی کے زیر اثر عنایت کے گوشوں میں جانا ہے، اور نہ انسانوں کی تقدیس میں ہمیں اتنا وبالغہ منظور ہے کہ ہم صحابہ میں کوئی ایسی بات مان لیں جو وہ خود اپنے اندر نہ پاتے ہوں، وہ اپنے کو بشر جانتے تھے اور دوسرے انسانوں کی طرح اپنے کو غلطیوں اور گناہوں کی زد میں سمجھتے تھے، انہوں نے باہم شدید الزامات لگائے، ایک جماعت نے کفر و فسق تک نوبت پہنچا دی، پناچہ روایت کی جاتی ہے کہ عمار ابن یاسر حضرت عثمان کی تکبیر کرتے تھے ان کو "تعطل" سادہ لوح بوڑھا یا لکڑی بگھا کہا کرتے تھے، روایتوں میں آتا ہے کہ ابن مسعود

جب کوفہ میں تھے تو حضرت عثمانؓ کے خون کو حلال قرار دیتے تھے، لوگوں میں جب تقریر کرنے کھڑے ہوتے تو فرماتے کہ سب سے بری چیز نئی باتیں ہیں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا آگ ہے، ان الفاظ میں حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنر ولید کی طرف اشارہ ہے،

یہ بھی روایت ہے کہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر مجی چاہتا ہے تو اپنی تلوار لے آؤ میں بھی اپنی تلوار لے لیتا ہوں اس لئے کہ انہوں نے (عثمانؓ) مجھے جو زبان دی تھی اس سے وہ پلٹ گئے، اسی طرح یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اپنے مرض موت میں اپنے بعض ساتھیوں سے کہا تھا کہ - "ان کے (عثمانؓ) زیادتی کرنے سے پہلے تم ہاتھ بڑھا دو۔"

صحابہ میں سے جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی حمایت کی ان کا خیال تھا کہ ان کا مقابلہ کرنے والے دین کے مخالف اور باغی ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ سبھوں نے آپس میں قتل و قتال کو جائز سمجھا اور بعض نے توجہ اور صفین کے موقع پر عمل بھی کیا، البتہ سعد اور ان کے ساتھیوں کی ایک مختصر سی جماعت تھی جو کنارہ کش رہی اور جنگ و جدال میں حصہ نہیں لیا، حضرت سعدؓ نے اس جماعت کے نقطہ نظر کی بہترین ترجمانی اپنے اس جملے میں کی ہے، "میں اس وقت تک نہیں لڑوں گا جب تک تم مجھ کو ایسی تلوار نہ لا دو جو خود کہے کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر۔" پس جب صحابہ خود ان اختلافات میں مبتلا ہو گئے کبار کا ارتکاب کیا، بعضوں نے قتل اور خونریزی تک کی، تو ہماری رائے ان کے متعلق خود ان کی رائے سے بہتر نہیں ہو سکتی، اور ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم ان لوگوں کی راہ چلیں جو فتنہ و فساد کی زیادہ تر روایات کی جو ہم تک پہنچی ہیں تکذیب کرتے ہیں، اس لئے کہ ایسا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم بعثت نبویؐ سے لیکر اس وقت تک کی پوری اسلامی تاریخ کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ جو لوگ ان فسادات اور فتنوں کی روایات کے راوی ہیں ان ہی لوگوں نے فتوحات اور غزوات کی روایات بھی کی ہے، ان ہی لوگوں نے نبیؐ اور خلفاء کی سیرت کا بھی بیان کیا ہے اب یہ تو بالکل مناسب نہیں کہ ان کی جو باتیں ہم کو اچھی معلوم ہوں ان کی تصدیق کریں، اور جو ناگوار ہوں ان کی تکذیب اور یہ بھی غیر مناسب ہے کہ تاریخ کے بعض حصوں کو محض اس لئے تسلیم کریں کہ ان سے ہم کو خوشی ہوتی ہے اور بعض کا اس لئے انکار کریں کہ وہ ہماری تکلیف اور ناراضی کا باعث ہیں، پھر یہ بھی نامناسب ہے کہ روایات میں جو کچھ ہے سب کا سب تسلیم کر لیا جائے یا سب کو جھٹلا دیا جاوے، یا یہ راوی بھی تو انسانوں ہی میں سے ہیں ان سے صحت اور غلطی دونوں کا

امکان ہے، وہ صحیح بول سکتے ہیں اور جھوٹ بھی، خود قدما اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے اور اسی لئے انہوں نے جرح و تعدیل کے، تصدیق و تکذیب کے، ترجیح و استقامل کے اور شک کے اصول اور قواعد وضع کئے، پس ہمارے لئے قدما کی راہ چلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی حرج کی بات ہوگی، کہ اس قدیم آئین کے پہلو یہ پہلو ہم ان جدید قواعد کا بھی اضافہ کر لیں جو نئے لوگوں نے دریافت کئے ہیں اور جن سے کسی معاملے کی تحقیق اور چھان بین میں مدد ملی جاسکتی ہے۔

اس بات میں شک کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ سے اختلاف کیا یہ اختلاف بغاوت تک پہنچا جس میں ان کی جان گئی اور اس بغاوت نے مسلمانوں کو اس طرح متفرق کیا کہ پھر آج تک جمع نہیں ہو سکے،

یقیناً اس اختلاف اور بغاوت کے کچھ اسباب ہوں گے، حضرت عثمانؓ نے خود کشتی نہیں کی اور نہ اپنے آپ کو قاتلوں کے حوالے کر دیا، پھر جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے اختلاف کر کے ان کے خلاف بغاوت کی اور ان کی جان تک لے لی، انہوں نے بھی یہ سب کچھ بلا سبب نہیں کیا، کچھ تو ایسی باتیں تھیں جن کو وہ غلطی سے یا صحیح طور پر برا سمجھتے تھے، جن کی وجہ سے اختلاف اور پھر بغاوت پیدا ہوئی، اور بغاوت نے وہ سانحہ بپا کیا جس کی ان کے پاس مثال نہیں، یعنی خلیفہ کو جبر اور قوت سے قتل کر دینا۔

پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت ایک سچی حقیقت تھی، جس میں ادنیٰ شک کی گنجائش نہیں، تمام مسلمانوں نے ان کی بیعت کی، سبھوں نے ان کی خلافت سے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اطاعت کا اعلان، خلفاء کے انتخاب کے سلسلے میں مسلمانوں کے طریقے پر کہنے والے جو چاہیں کہیں لیکن یہ انتخاب صحیح اور متفقہ تھا، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انتخاب کے موقع پر سعد بن عبادہؓ ایک مخالف تھے جن کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی، لیکن حضرت عثمانؓ کی بیعت میں تو ایک بھی مخالف نہ تھا حضرت علیؓ کی تاثیر کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ یہ بات ان کی سیرت سے میل نہیں کھاتی اور نہ ان کے اخلاق اور شیخین کے ساتھ ان کے طرز عمل کو اس سے کچھ نسبت ہے، پھر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے حضرت علیؓ نے جو عہد و پیمان کیا تھا اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا جو بڑناؤ تھا، یہ بات اس کے بھی خلاف ہے، حضرت طلحہؓ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، غصہ ہوئے، گھر بیٹھ رہے، اور یہ بھی کہا کہ مجھ جیسے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بھی وہ رے نہیں رہے، دوسروں کی طرح انہوں نے

بھی بیعت کر لی اور خلیفہ کی اطاعت کی، پس حضرت عثمانؓ کی خلافت شیخین کی خلافت کی طرح صحیح اور متفقہ تھی، اور جو کچھ انہوں نے حکم دیا، جو کچھ کیا اور کہا اس کی حیثیت ایک ایسے امام کے احکام اور افعال کی تھی جس کی بیعت صحیح اور جس کی اطاعت واجب تھی، لیکن بیعت جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں خلیفہ اور رعایا کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے، صرف رعایا یا تنہا خلیفہ پر ہی ذمہ داری نہیں ہوتی، حضرت عثمانؓ اور مسلمانوں کے درمیان اس بات پر عہد و پیمانہ ہوا تھا کہ حضرت عثمانؓ اللہ کی کتاب، رسولؐ کی سنت اور شیخین کی راہ پر چلیں گے، اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے اور مسلمان ان کی اطاعت کریں گے اور جب تک خلیفہ راہ سے نہ ہٹ جائے وہ اطاعت اور فرماں برداری میں رہیں گے،

تو اب اصل سوال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کتاب و سنت اور شیخین کی سیرت کی پوری پوری پابندی کی یا کچھ اس کے خلاف کیا، اگر خلافت کیا تو مسلمانوں پر بیعت کی ذمہ داری نہیں رہ جاتی، اور اگر پوری پوری پابندی کی تو بغاوت محاصرہ اور قتل تو الگ رہا مسلمانوں کو اس کا بھی حق نہیں کہ وہ اس کے کسی حکم کی نافرمانی کریں یا اس کی روش سے ناراض ہوں،

تصویر کا یہی رخ ہے جسے پیش کرنا چاہئے، اب ہمیں دیکھنا ہے کہ قدم نے اس کو مختصر اور مفصل کس طرح پیش کیا ہے،

قدماء کا نقطہ نظر

حضرت عثمانؓ پر اعتراض اور ان سے اختلاف والے تمام واقعات پر قدماء نے خالص مذہبی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالی ہے اور یہی نقطہ نگاہ حضرت عثمانؓ کے تمام معاصرین کا ہے چاہے وہ آپ کے حامی ہوں یا مخالف اس لئے کہ وہ دین اور دنیا دونوں قسم کے معاملات کو اسی دینی عینک سے دیکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی بحثوں میں مسائل کے صحیح، غلط، مفید اور مفید نہ ہونے سے کہیں زیادہ کفر و ایمان کی بات ہوتی ہے، پس ان کے نقطہ نظر کی وضاحت کرنے میں ہم منطلقہ واقعات کو ان ہی کی نگاہوں سے دیکھیں گے، البتہ واقعات کی نوعیت کا کچھ فرق ضرور ہمارے پیش نظر ہوگا اس لئے کہ بعض واقعات تو خالص دینی ہیں اور کسی آیت یا حدیث سے متعلق ہیں، اور بعض ایسے ہیں جن کا تعلق سیاسی امور سے ہے، جن میں امام کو اجتہاد کا حق ہے کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جن کا سماجی نظام سے تعلق ہے اور اس میدان میں بھی امام اجتہاد کا حق دار ہے یعنی غلطی کرنے پر معذور اور حق پر مبنی حالت میں فضیلت اور امتیاز کا مالک، سیاسی امور اور سماجی نظام میں جو چیز معیار کا درجہ رکھتی ہے وہ عدل ہے اور مسلمانوں کی اکثریت کی رضامندی،

اب ہم ان واقعات میں ایسی باتوں سے بحث کا آغاز کرتے ہیں جو بالکل مذہبی ہیں حضرت عثمانؓ کے مخالف معترضین ہیں کہ انھوں نے عثمانؓ کی خلافت اتمہ میں لیتے ہی اللہ کی ایک حد معطل کر کے قرآنی حکم کی سخت خلاف ورزی کی اور یہ اس طرح کہ عبید اللہ بن عمرؓ کو معاف کر دیا، اور ان سے ہرمزان، جفینہ اور ابو لؤلؤ کی لڑکی کا بدلہ نہیں لیا، ہرمزان ایک ایرانی مسلمان امیر تھا، دوسرے دونوں ذمی تھے، اور اللہ نے مسلم اور ذمی دونوں کے خون کی حفاظت کی ہے، اور حدیں مقرر کی ہیں مقتول مسلمان ہو یا ذمی، ہر حالت میں قاتل پر حد جاری ہوگی، سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ
عَلَيْكُمْ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ
الْحَرْبِ بِالْحَرْبِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عَفَىٰ
لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَأَتْبَاعُهُ
بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَإِذَا أُوذِيَ الْإِنْسَانُ
بِذَلِكَ تَخَفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ
فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَعَلَهُ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَلكُمْ فِي الْقِصَاصِ
حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ ۝

اے ایمان والو فرض ہوا تم پر قصاص
مقتولوں میں، آزاد کے بدلے آزاد
غلام کے بدلے غلام اور عورت
کے بدلے عورت، پھر جس کو معاف
کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے
کچھ بھی تو تا بعداری کرنی چاہیے مرنے
دستور کے اور ادا کرنا چاہئے اس
کو خوبی کے ساتھ، یہ آسانی ہوئی
تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی
پھر جو زیادتی کرے اس فیصلے کے
بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک
اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی
زندگی ہے اے عقل مندو،

اسی طرح سورہ نسا میں ارشاد ہے،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا
إِلَّا خَطَاً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَوَيْسَةٌ
مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ يَصَدَّقَ
فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ هَدَىٰ وَلَكُمْ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ
وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ
بَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَمِنْهُمْ مُسْلِمَةٌ
إِلَىٰ أَهْلِهَا وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

اور مسلمانوں کا کام نہیں ہے کہ قتل
کرے مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو قتل
کرے مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرے
گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا
پہنچائے اس کے گھردالوں کو مگر یہ
کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول تھا
ایسی قوم میں سے کہ وہ تمہارے دشمن
ہیں اور خود وہ مسلمان تھا تو آزاد
کرے گردن ایک مسلمان کی اور اگر

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
 نَسْتَايَعِينَ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ
 وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا
 وَمَنْ يَمُتْ مِنْكُمْ مِثْلًا مَّتَّحِقًا
 فَجَزَاءُ ذُو جَهَنَّمَ خِلْدًا فِيهَا
 وَغَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ
 وَآمَدَ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا .

تھا وہ ایسی قوم میں سے کہ تم میں اور
 اس میں عہد ہے تو خون بہا پہنچائے
 اس کے گھر والوں کو اور آزار کرے
 گردن ایک مسلمان کی پھر جس کو پیر
 نہ ہو وہ روزے رکھے دو مہینے کے برابر
 گناہ بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جاننے
 والا حکمت والا ہے اور جو کوئی قتل کرے
 مسلمان کو جان کر تو اس کی مزار دوزخ
 ہے ، پٹا رہے گا ، اس میں اور اللہ
 کا اس پر غضب ہوا اور اس کو
 لعنت کی اور اس کے واسطے تیار
 کیا بڑا عذاب ،

پھر سورہ مائدہ میں ہے ،

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى
 بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ
 قَتَلَ نَفْسًا بِخَيْرِ نَفْسٍ أَوْ
 فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ
 النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا
 فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا
 وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا
 بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّا كَثَرْنَا عَلَيْهِمْ
 نَجْدًا ذَلِكُمْ فِي الْأَرْضِ الْمُسْرِفُونَ .

اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل
 پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو
 بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے
 کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس
 سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا
 ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب
 لوگوں کو اور لاکھے ہیں ان کے پاس
 رسول ہمارے کھلے ہوئے حکم پھر
 بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی
 ملک میں دست درازی کرتے ہیں

سورہ اسرئٰی میں ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

اللَّهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ

مَنْظُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيِّهِ

سُلْطٰنًا فَلَا يُمْسِكُ فِي الْقَتْلِ

اِنَّهُ كَانَ مَنْظُورًا

اور نہ بارہواں جان کو جس کو منع کر دیا

ہے اللہ نے مگر حق پر، اور جو مارا گیا ظلم

سے تو دیا ہم نے اس کے وارث کو

زور، اور حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے

میں اس کو مدد ملتی ہے،

اللہ نے ان تمام آیات میں حدیں بیان کی ہیں کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان سے

آگے بڑھ جائے، ان میں سے بعض آئینیں قتل عمد کے بارے میں ہیں اور بعض غلطی سے قتل

کے متعلق، اس میں کچھ شک نہیں کہ عبید اللہ نے ہرمزان اور اس کے ایک یا دو ساتھیوں

کو غلطی سے قتل نہیں کیا، بلکہ عمداً کیا، خاص ارادے سے کیا، اور اگر ان سے تلوار نہ لے لی

جاتی تو شاید وہ اوروں کو بھی قتل کر دیتے، حضرت عثمانؓ کے مخالفین نے ان سے کہا،

نصرت قرآنی کے ماتحت قتل کی حد جاری کرنا واجب ہے، انھوں نے جواب میں کہا، کل ان کے

باپ مارے گئے آج میں ان کو قتل کروں ہم کہا جاتا ہے کہ خود مہاجرین نے حضرت عثمانؓ

سے یہی کہا، بہر حال اہم بات یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبید اللہ کو معاف کر دیا اور معتز ضیق کو جس

میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں یہ جواب دیا کہ ہرمزان اور اس کے ساتھیوں کا کوئی ولی نہیں، اس

لئے میں ان کا ولی ہوں، جس کا کوئی ولی نہیں خلیفہ اس کا ولی ہوتا ہے اور اللہ نے ولی کو معافی کا عہد

بنایا ہے، اور اس معافی پر ثواب بھی دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اللہ کی اجازت

سے معافی دی ہے اور یہ کہ انہوں نے بڑی مصلحت اور تدبیر سے کام لیا، اس سے پہلے ہم بیان کر چکے

ہیں کہ حضرت علیؓ اور بہت سے مسلمان حضرت عثمانؓ کو اس معافی کا حقدار قرار نہیں دیتے،

بعد میں تکلمین نے بھی اس بحث میں حصہ لیا، اہل سنت اور معتزلہ اس مسئلے میں حضرت عثمانؓ

کے ہمنا ہیں اور کہتے ہیں کہ اس معافی میں حضرت عثمانؓ پر کوئی اعتراض نہیں ہے، وہ مقتولوں کے ولی

تھے اور ولی کو معاف کر دینے کا حق ہے اور خصوصاً ایسی حالت میں کہ معاف کر دینے میں ایک بڑی مصلحت

بھی کار فرما ہو اور یہاں تو داخلی اور خارجی دونوں مصلحتیں تھیں، داخلی یعنی قریش اور مہاجرین کا لحاظ

جو کہتے تھے کہ کل تو ان کے باپ مارے گئے اور آج ان کو قتل کیا جا رہا ہے، خارجی مصلحت بقول اہلسنت اور بقول معتزلہ، اگر حضرت عثمانؓ عبید اللہ کو قتل کر دیتے تو مسلمانوں کے دشمن اس پر ہنستے اور کہتے پہلے اپنے خلیفہ کو مارا بعد میں اس کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا، اس سلسلے میں شیعہ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہمنوا ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک ایسے مسئلے میں جس کو قرآن اپنی نص صریح میں واضح کر چکا ہو حضرت عثمانؓ کا اجتہاد کرنا مناسب نہ تھا اور دشمنوں کی ہنسی کا لحاظ بھی غیر مناسب ہے، اس لئے کہ وہ تو اس بات پر بھی انجلیں بجا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلیفہ نے اسلامی حدود میں سے ایک حد کو معطل کر دیا، حضرت علیؓ کے ہمنوا یہ بھی کہتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ نے وصیت کر دی تھی کہ اگر ان کے بیٹے پر مانتی قتل کا الزام ثابت ہو جائے تو اس پر قتل کی حد ضرور جاری کی جائے، پس جب خلیفہ نے ایک قطعی فیصلہ دیدیا تو حضرت عثمانؓ کو اس کا ٹوڑ دینا کسی طرح مناسب نہ تھا،

لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا نے اگر قرآن میں قاتل پر حد جاری کرنے کی تفصیل کی ہے تو اس نے معاف کر دینے کی رغبت اور دعوت بھی قرآن ہی میں دی ہے، پس معاف کر کے حضرت عثمانؓ نے قرآن کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ پابندی کی ہے اور اللہ کی مرضی اور دعوت کے مطابق عمل کیا ہے، پھر یہ کہنا بھی بجا نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے فاروق اعظمؓ کے فیصلے کو ٹوڑ دیا اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اگر یہ روایت صحیح ہے وصیت کی تھی کہ قتل ثابت ہو جائے تو ان کے بیٹے سے قصاص لیا جائے اس کے معنی یہ ہے کہ انہوں نے کوئی حکم نہیں دیا تھا، بلکہ چاہا تھا کہ اللہ کی کتاب پر عمل ہو اور اس معاملے میں حق و انصاف یہی ہے کہ امام قصاص کا حکم دے اور اگر معافی میں مصلحت دیکھے تو معاف کر دے اگر حضرت عمرؓ ایک قطعی فیصلہ فرمادیتے اور اس کے نفاذ سے پہلے وفات پا جاتے تب بھی بعد کے امام کا حق تھا کہ وہ معاف کر دے اس لئے کہ معافی حکم کا ٹوڑنا نہیں ہے بلکہ حکم کا تسلیم کرنا ہے اور اپنے اختیار کا ترک کرنا۔

پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ نے کوئی حد معطل کر دی یا اللہ کے حکم سے سرتابی کی۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبید اللہ کو تھوڑی بہت قید کی سزا نہ دیکر اور اپنے مال سے خوں بہا ادا کر کے ایک بہت دور کی بات کی جس سے نہ عبید اللہ کی آزادی میں کوئی فرق آیا اور نہ ان پر کوئی مالی مصیبت آئی، بلکہ راویوں کا بیان ہے کہ عبید اللہ جب مدینہ میں قیام نہ کر سکے تو

حضرت عثمانؓ نے ان کو کوفہ بھیجا اور ان کو ایک گھراور زمین دی، یہ تمام باتیں اگر صحیح ہیں تو یہ عفو اور حلم میں غلو کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کی بنا پر کچھ لوگ خیال کر سکتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک مقتولوں کے خون کی کوئی اہمیت نہیں اسی طرح کچھ لوگ محسوس کر سکتے ہیں کہ قریش کی خوشنودی اور مصلحت وقت کی رعایت حضرت عثمانؓ نے حدود سے متجاوز ہو کر کی۔

حضرت عثمانؓ کی دوسری بات جو لوگوں کو ناگوار ہوئی وہ یہ کہ انہوں نے منامیں پوری نماز پڑھی حالانکہ رسول خدا ﷺ شیعین اور خود حضرت عثمانؓ نے ہر سوں قصر کیا، بلاشبہ مسلمان حیرت میں ہو گئے، جب منیٰ میں حضرت عثمانؓ نے قصر نہیں کیا لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا۔ کیا آپ نے یہاں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعت نماز نہیں پڑھی، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا یقیناً، پھر عبدالرحمنؓ نے پوچھا، کیا حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے ساتھ آپ نے دو رکعت نہیں پڑھی، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا یقیناً، پھر عبدالرحمنؓ نے کہا اور کیا خود آپ نے یہاں لوگوں کو دو رکعت نہیں پڑھائی، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا یقیناً تب عبدالرحمنؓ نے کہا پھر آپؓ یہ نئی بات کیا کر رہے ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا، میں نے مکہ میں اقامت کی ہے پھر طائف میں میری کچھ زمین ہے جہاں میں قیام کروں گا، میں نے خیال کیا کہ یمن کے دیہاتی کہیں یہ نہ سمجھنے لگیں کہ مقیم کی نماز دو رکعت ہو گئی ہے، عبدالرحمن بن عوف نے جواب دیا آپؓ کو دیہاتیوں سے خون نہیں ہونا چاہئے رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت اس وقت پڑھی جب اسلام پھیلنا بھی نہ تھا اور اب تو اسلام کی بنیاد مضبوط ہو چکی ہے، اب یہی بات کہ آپؓ نے مکہ میں آفات کہ لی ہے تو آپ کی بیوی مدینہ میں ہیں، اگر آپ چاہتے تو ان کو ساگر رکھ سکتے تھے اور ساتھ نہ لانے کا بھی آپ کو اختیار ہے، اور آپ کا یہ فرمانا کہ طائف میں آپؓ کی زمین ہے تو طائف کے اور آپ کے درمیان تین رات کی مسافت ہے، حضرت عثمانؓ نے جواب میں کہا، میں نے یہی مناسب جانا، راویوں کا بیان ہے کہ واپسی میں عبدالرحمنؓ کی ملاقات راستے میں عبداللہ ابن مسعود سے ہوئی انہوں نے فرمایا حضرت عثمانؓ کو دیکھا آپؓ نے چار رکعتیں پڑھا دیں حالانکہ آنحضرتؐ نے شیخینؓ نے اور خود انہوں نے اس جگہ دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں، مجھے یہ معلوم تھا، لیکن اختلاف سے بچنے کی خاطر میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ چار ہی رکعتیں پڑھی ہیں، عبدالرحمنؓ نے کہا میں بھی واقف تھا اور میں نے اپنے ساتھیوں سمیت دو

ہی رکعتیں پڑھی ہیں، لیکن اب جیسا تم کہتے ہو، اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ میں سے ممتاز افراد نے منیٰ میں پوری نماز پڑھنے پر حضرت عثمان سے اختلاف کیا، اور بحث بھی کی اور جب دیکھا کہ وہ اپنی رائے بدلنے پر تیار نہیں تو تفریق کے خوف سے انہیں کامساک تسلیم کر لیا،

ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس معاملے میں صحابہ کے اختلاف کی بنیاد ایک تو یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عمل سے ایک سنت موزوشہ کی مخالفت ہوتی تھی، دوسری اہم چیز مہاجرین کا یہ خیال کہ ہجرت کے بعد آنحضرت نے مدینہ کو اپنے اور اپنے رفقاء کے لئے مقام سکونت مقرر کیا اور مکہ اور اس کے قریب و ہواہ کو دارالغربتہ قرار دیا، آپ کو ناگوار تھا کہ مکہ میں آپ یا آپ کے صحابہ کچھ زیادہ قیام کریں تاکہ اس بات کا شبہ نہ کیا جائے کہ جو لوگ اس سرزمین سے ہجرت کر گئے وہ پھر یہاں آ رہے ہیں یا آنے کی خواہش رکھتے ہیں، آپ کو یہ بات اس قدر ناپسند تھی کہ بعض مہاجر صحابیوں کا مکہ میں انتقال کرنا بھی گوارا نہ تھا، اور خدا سے ان کے حق میں دعا کی کہ جس سرزمین کو چھوڑ کر چلے گئے، وہاں موت نہ دے، مکہ میں سعد بن وقاص کے بیمار ہونے پر جس صحابی کو آپ نے مقرر کیا تھا اس کو حکم دیا تھا، کہ اگر ان کی وفات ہو جائے تو مکہ میں دفن نہ کرنا، بلکہ مدینہ کے راستے میں جب حضرت عثمان نے منیٰ میں مقیم کی طرح چار رکعت پڑھائی، تو انصار اور مہاجر سبھیوں کو اس حقیقت کا احساس ہوا، اور ڈرے کہ حضرت عثمان نے منیٰ اور ان کے صحابہ کے خلاف، کہیں مکہ کو دارالغربتہ سے نکال کر اقامت کی جگہ تو نہیں بنا دیں گے، لیکن پھر بھی انھوں نے حضرت عثمان کا طریقہ اختیار کیا اور نماز جیسے اہم رکن میں تفریق پیدا ہونے کے ڈر سے منیٰ میں قصر نہیں کیا،

ہمیں اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ حضرت عثمان نے اجتہاد سے کام لیا، اور بے سمجھ دیہاتیوں کو غلط فہمی سے بچایا، اس اجتہاد میں وہ حق پر رہے ہوں یا خطا پر لیکن ان کی نیت بھلائی کی تھی اور عرف بھلائی کی اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے مدینہ چھوڑ کر مکہ یا کسی اور جگہ جانا کسی طرح پسند نہیں کیا، جب فتنے کی آگ زیادہ بھڑکی تو آپ پر یہ بات پیش کی گئی کہ مکہ میں قیام فرمائیں جہاں کوئی بات مزاج کی ناگواری کا

باعث نہ ہوگی، لیکن اللہ کے رسول کا پڑوس چھوڑنا آپ نے منظور نہیں کیا، حالانکہ ضرورت کا تقاضا تھا، کوئی امر خارج نہ تھا، اور آپ مکہ میں خارجی امداد آنے تک پناہ لے سکتے تھے، اسی طرح امیر معاویہ کی پیشکش پر آپ شام جاسکتے تھے، لیکن آپ کہیں نہیں گئے، پس واضح ہو جاتا ہے کہ آپ نے مکہ کو مقام سکونت بنانے کا ارادہ نہیں کیا اور منیٰ میں جو کچھ ہوا وہ اس سے زیادہ تہ تھا کہ آپ نے ایک نصیحت کی، جسے مسلمانوں نے منظور کر لیا اور اپنی نمازیں پوری کر لیں اگرچہ حضرت عثمانؓ کی دلیل سے وہ پوری طرح مطمئن نہ ہو سکے،

حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کا ایک دینی اعتراض یہ بھی ہے کہ آپ نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لی حالانکہ آنحضرتؐ نے غلاموں اور گھوڑوں سے زکوٰۃ معاف کر دی تھی، اور شیخین کے عہد میں بھی معاف رہی،

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت متواتر نہیں اور رواۃ کا اس پر اتفاق نہیں دوسری بات یہ کہ حضرت عثمانؓ نے زکوٰۃ پر کچھ کم نہیں کیا بلکہ اٹھا کر دیا، غالباً آنحضرتؐ اور شیخین کے زمانے میں گھوڑوں کی بہت کمی تھی اور مسلمانوں کی فوج میں گھوڑے سواروں کی ضرورت تھی اس وقت مسلمان اللہ کے دشمنوں اور اپنے مخالفوں کے ڈرانے کے لئے قوت جمع کرنے اور گھوڑے باندھنے کی اپنے بس بھر تیاری کر رہے تھے، اس وقت آنحضرتؐ نے اور شیخین نے اس کی زکوٰۃ معاف کر دی لیکن فتوحات کے بعد جب دنیا قدموں پر گرنے لگی، مال و دولت کی کثرت ہوئی، اور مسلمانوں میں گھوڑوں کی حیثیت مال تجارت کی ہی ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے تمام نفع بخش مال کی طرح اس میں بھی زکوٰۃ کا حکم نافذ کر دیا،

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مخصوص چراگاہیں بنائیں، حالانکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہوا، پانی اور چارہ تمام انسانوں کے لئے مباح کیا ہے، اس معاملے میں راویوں کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ آپ نے صدقات کے اونٹوں اور اپنے اور بنی امیہ کے اونٹوں اور گھوڑوں کے لئے خاص چراگاہیں بنوائی تھیں، بعض کچھ کہتے ہیں اور خود حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ انھوں نے صرف صدقات کے اونٹوں کے لئے چراگاہیں مخصوص کی تھیں، کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد بھی مسلمانوں نے اعتراض کیا کہ صدقات کے لئے چراگاہیں بنائیں، حضرت عثمانؓ نے اپنے اس عمل

کی توجہ میں کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ حکومت اور رعایا میں چراگاہ سے متعلق کوئی جھگڑا نہ ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے عاقبت اور احتیاط کی راہ نکالی اس پر بھی جب انھوں نے مسلمانوں کی کشاکش دیکھی تو اس میں تشدد سے کام نہیں لیا اور خدا سے مغفرت مانگتے ہوئے درگزر کیا پس یہ کوئی گرفت کی بات نہیں،

اب جب زکوٰۃ اور صدقات کے اونٹوں کی بات نکل آئی ہے تو ہم اس اعتراض کا تذکرہ بھی کر دینا چاہتے ہیں جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین کرتے ہیں، کہ حضرت عثمانؓ نے صدقات کی رقمیں جنگ پر اور دوسرے رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کی ہیں، اعتراض کرنے والوں کا کہنا ہے کہ صدقات کے مالوں کے مصارف مقرر ہیں، اللہ نے تفصیل کرتے ہوئے آیت نازل کی،

خیرات کا مال تو بس فیروں کا حق ہے

اور محتاجوں کا اور ان کا رکھنے کا جو

خیرات کے وصول کرنے پر تعینات

ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کا پرچانا

منظور ہے ان مصارف میں ال خیرات یعنی

زکوٰۃ کو خرچ کیا جائے اور نیروقید غلامی

سے غلاموں کی گردنوں کے پھرانے میں

اور مسافروں کے زادراہ میں یہ حقوق اللہ

کے ٹھہراتے ہوئے ہیں، اور اللہ جاننے والا

اور صاحب تدبیر ہے،

اللہ نے ان مصارف کی جس حصر کے ساتھ تفصیل کی ہے اور فریضۃ من اللہ کا جو امانہ کر دیا ہے اس کے پیش نظر امام کو حق نہیں کہ وہ صدقات کو ان مصارف کے علاوہ کہیں خرچ کرے اس اعتراض کا جواب اہل سنت اور معتزلہ متکلمین نے دیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا ہی وقت کیا ہے جب انھوں نے دیکھا کہ بیت المال میں گنجائش ہے اور یہ کہ جنگی ضروریات کا تقاضا ہے، پس انھوں نے صدقات کی مدد سے قرض لیا اور جنگ پر خرچ کیا اور اس پختہ ارادے سے کیا کہ بیت المال

میں وسعت ہوتے ہی یہ قرض ادا کر دیں گے، اور امام کو اس کا حق ہے کہ وہ ایک مصحف سے دوسرے مصحف کے لئے قرض لے، قرض ادا کرنے کا پختہ ازاوہ رکھنے کے بعد امام کے لئے ایسا کرنے میں نہ دین کی کوئی مخالفت ہے اور نہ کسی سنتِ موروثہ میں رد و بدل، متکلمین کے اس جواب پر ہم کہتا چاہتے ہیں کہ دینی حیثیت سے اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن ایک مصحف سے دوسرے مصحف کے لئے قرض لینا ہی قباحت ہے جو بالی تدبیر میں کسی تخرابی کا پتہ دیتی ہے، جو اشارہ کرتی ہے کہ جنگ پر اور مصالحِ عامہ پر بے روک ٹوک اور غیر محتاط مصارف ہو رہے ہیں، غیر مستحق لوگوں کو بخشش کے طور پر عطیات دیئے جا رہے ہیں آئندہ کسی مقام پر ہم بہت جلد اس مسئلہ پر بحث کریں گے،

حضرت عثمانؓ پر مخالفین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو ایک قرآن مجید پڑھنے پر مجبور کر دیا، اس پر بھی اکتفا نہیں کیا کہ دوسرے لکھے ہوئے صفحات کا پڑھنا پڑھانا ممنوع قرار دیا جائے بلکہ بات ہی ختم کر دی اور ایک مصحف کے علاوہ جس قدر قرآنی آیات کے لکھے ہوئے صفحات تھے سب کو جلا ڈالنے کا حکم دے دیا، یہی سبب ہے کہ بعض معترضین کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

نزل القرآن علی سبعة احرف
کُلھا کات شاف

قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا
سب کے سب کافی اور شافی ہیں،

ایسی حالت میں ایک مصحف کے سوا باقی کا پڑھنا ممنوع قرار دینا، ایک کے علاوہ سب کو جلا دینا، ان نصوص کی قرأتِ روک دینا ہے جنہیں اللہ نے نازل کیا ہے، اُن صفحات کو جلا دینا ہے جن میں وہ قرآن لکھا تھا جو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا تھا اور امام کے لئے مناسب نہیں کہ وہ قرآن کا ایک حرف بھی بیکار کرے، یا ایک نص بھی جلا دے، لوگوں کو ایک مصحف پر متحد کر دینے کا مسئلہ اس قدر آسان نہیں ہے جتنا حضرت عثمانؓ کے مخالف اور حاشی خیال کرتے ہیں، آنحضرتؐ سے کبھی ہوئی روایات بیان کی جاتی ہیں آپ فرماتے ہیں: نزول القرآن علی سبعة احرف لیکن مسلمان آج تک اس حدیث کے مطلب بیان کرنے پر متفق نہیں ہو سکے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ احرف سے مراد وہ معانی اور مطالب ہیں جن کا ذکر قرآن مجید

نے وعدہ وعید، امر و نہی اور وعظ و قصص کے ماتحت کیا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ احرف سے مراد تصوف کی راہیں ہیں، ایک جماعت خیال کرتی ہے کہ احرف کا مطلب وہ الفاظ ہیں جو زبانوں کے اختلافات کی بنا پر باہم مختلف ہیں، بہر حال مسلمان متفق نہیں ہو سکے کہ اس حدیث کا ٹھیک ٹھیک مفہوم کیا ہے، توجیب تک حضرت عثمانؓ کے حامی اور مخالف کسی ایک مفہوم پر متفق نہ ہو جائیں اس حدیث کو دلیل نہیں بتایا جاسکتا، روایات سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمان خود عہد نبویؐ میں قرآن کی قرات میں مختلف تھے اور یہ اختلاف صرف لہجوں میں نہ تھا بلکہ الفاظ میں بھی تھا لیکن معانی میں اختلاف نہ تھا، پھر ان اختلاف کرنے والوں نے بات دربار نبوتؐ میں پیش کی آنحضرتؐ نے سبھی قراتوں کی اجازت دیدی اس لئے کہ معانی میں کچھ اختلاف نہ تھا، صرف الفاظ میں کچھ ہیر پھیر تھا، قرآن مجید صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے عہد میں جمع کیا گیا حضرت عثمانؓ کے پاس صدیوں اور سرحدوں سے شکایتیں پہنچیں کہ مسلمان قرآن مجید کے پڑھنے میں اختلاف کرتے ہیں اور آپس میں جھگڑا کرتے ہیں بعض لوگ اپنے قرآن کو دوسروں کے مصحف پر ترجیح دیتے ہیں اور نبوت تفریق تک پہنچ چکی ہے، حدیثہ الیمان نے حضرت عثمانؓ کو لکھا "قبل اس کے کہ قرآن کے بارے میں بھوٹ پڑ جائے آپ امت محمدؐ کی خیر لیجیے"

پس اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک قرآن کر دینا، اختلافات کا خاتمہ کر دینا اور مسلمانوں کو ایک حرف یا ایک زبان میں قرآن پڑھنے پر آمادہ کر لینا حضرت عثمانؓ کا وہ کارنامہ ہے جو اپنے اندر غیر معمولی جرات رکھتا ہے، اور جرات سے کہیں زیادہ اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ اخلاص ہے اگر حضرت عثمانؓ مسلمانوں کو باہم مختلف الفاظ رکھنے والی زبانوں میں کئی کئی طرح قرات کرتے رہتے دیتے تو یقیناً یہ ایک ناانفغانی اور تفریق کا سرچشمہ ہوتا، اور قطعاً الفاظ کا یہ اختلاف فتوحات کے بعد جب کہ غمی عرب ہو رہے تھے اور دیہات کے عرب قرآن سیکھ رہے تھے معانی کے خوفناک اختلاف تک پہنچا دیتا،

یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اور معتزلہ حضرت عثمانؓ کی اس عظیم الشان خدمت کے اعتراف کرنے اور اس میں آپ کا شرف اور امتیاز ماننے میں متردد نہیں ہوئے حضرت عثمانؓ نے قرآن ایک کر کے مسلمانوں کو تفریق سے بچایا، اور ان کو ایک ایسی چیز پر جمع کر دیا جس میں وہ اختلاف

نہیں کر سکتے، اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے حضرت عثمانؓ کے اس عمل پر حضرت علیؓ یا شوریٰ کے کسی رکن کو کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ علیؓ کو فرماتے ہیں کہ اگر عثمانؓ کی جگہ میں ہوتا تو قرآن کے بارے میں مسلمانوں کو اسی بات پر آمادہ کرتا جس پر انہوں نے کیا، پس اس معاملے میں مذہبی حیثیت سے حضرت عثمانؓ پر کوئی اعتراض نہیں، اہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصحف کی کتابت کا کام آپ نے صحابہؓ میں سے چند افراد کے حوالے کر دیا، اور ان قاریوں کو نظر انداز کر دیا، جنہوں نے قرآن خود نبیؐ سے سنا اور سیکھا تھا اور شہروں میں بہت سے لوگوں کو اس کی تعلیم دی تھی، مناسب تھا کہ ان سب قاریوں کو جمع کرتے اور کتابت مصحف کا کام ان کے ذمے کرتے یہاں سے ہم کو عبد اللہ بن مسعودؓ کی ناراضی کا پتہ چلتا ہے وہ قرآن کے سب سے بڑے حافظ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے منہ سے میں ستر سورتیں حاصل کی تھیں جب زید بن ثابتؓ سن تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ کا زید بن ثابتؓ اور ان کے ساتھیوں کو موع دینا اور عبد اللہ بن مسعودؓ وغیرہ کو نظر انداز کر دینا ہم کو آسانی کے ساتھ اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ اس سے اعتراض اور کشیدگی کے جذبات پیدا ہوتے

شاید قرآنی صفحات کا جلا دینا بعض مسلمانوں کی ناگواری اور کوفت کا باعث ہو اور اختلافات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینے کی عثمانی تدبیر ان کو پسند نہ ہو، مسلمان اس زمانے میں اگر تمدنی طور پر کچھ آگے ہوتے تو حضرت عثمانؓ کے لئے ممکن ہوتا کہ وہ جلائے جانے والے صفحات کو عوام بلکہ خواص سے بھی دور رکھ کر ضائع ہونے سے بچالیتے، لیکن وہ تہذیب کی اس منزل میں نہ تھے کہ کتب خانوں کی تنظیم اور آثار کی حفاظت کا سامان کرتے اور جب مذہبی اور سیاسی حیثیت سے حضرت عثمانؓ کا یہ عمل کوئی قصور نہیں تو دین کی کسی بات کے ضائع ہونے کا کوئی غم نہیں ہاں اس کا افسوس کر سکتے ہیں، کہ اہل علم اور محققین کے لئے عربی زبان اور اس کے لہجوں کی تحقیقات کے بعض مواقع جاتے رہے، لیکن جو کچھ ہوا اس کی حیثیت لسانی تحقیقات اور لہجوں پر بحث و نظر سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے

حضرت عثمانؓ کی ایک اور بات ہے جس پر ان کے مخالفوں کو اعتراض ہے جس میں عذر داری کی گنجائش ہم کو نظر نہیں آتی، حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا حکم بن العاص اور ان

کے متعلقین کو مدینہ واپس بلا لیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہایت سختی کے ساتھ مدینہ سے نکال دیا تھا، حکم بن العاص کا مکان عہد جاہلیت میں آنحضرت صلعم کے پڑوس میں تھا، حکم اپنے شرین پڑوسی کو بڑی سے بڑی اذیت پہنچاتا تھا، یہی حکم تھا جس نے حضرت عثمانؓ کو اسلام لانے کی سزا میں رتی سے باز رکھا دیا تھا اور قسم کھاتی تھی کہ جب تک اپنے باپ دادا کے ذریعہ پر واپس نہ آجائیں ان کو اسی طرح رکھوں گا لیکن پھر یوں ہو کر آپ کو کھول دیا، حکم فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو کر مدینہ آیا لیکن اس کا اسلام موت سے بچنے کی ایک ترکیب تھی ثبوت یہ کہ وہ اس کے بعد بھی اپنی حرکتوں سے آنحضرتؐ کو تکلیفیں پہنچاتا تھا چنانچہ آپ کے پیچھے پیچھے جانا، آنکھوں سے انشائے کرتا، مسخر کے ساتھ آپ جیسی حرکتیں کرتا، ایک دن وہ آپ کے کسی حجرے میں دفعۃً آگیا، آپ غصے میں باہر نکل آئے اور اس کو پہچان کر فرمایا۔ اس بزدل کے لئے میری کون مدد کرے گا؟ اس کے بعد آپ نے اس کو مدینہ سے نکال دیا، اور فرمایا وہ کبھی میرا پڑوسی نہیں رہ سکتا، حضرت عثمانؓ نے آنحضرتؐ سے حکم کی واپسی کے لئے سفارش کی لیکن آپ نے کوئی وعدہ نہیں کیا، پھر حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی، انہوں نے مسترد کر دی، پھر حضرت عمرؓ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا، حضرت عمرؓ نے نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا بلکہ حضرت عثمانؓ کو ڈانٹا، اور متنبہ کیا کہ آئندہ وہ حکم کے بارے میں گفتگو نہ کریں، پھر جب وہ خود خلیفہ ہوئے تو حکم کو مدینہ واپس بلا لیا، یہ دیکھ کر مسلمانوں کو برا معلوم ہوا اور ممتاز صحابہ نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر اعتراضات کئے، انہوں نے جواب دیا، کہ اس سلسلے میں آنحضرتؐ سے بات چیت ہوئی تھی حضرت عثمانؓ کا جواب امید افزا تھا، لیکن ابھی بات پوری نہیں ہوئی کہ آپ وفات پا گئے حضرت عثمانؓ کے حامی معتزلہ اور اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی رائے میں حکم کی جلا وطنی دائمی سزا نہ تھی اس لئے کہ جیسے جیسے دن گذرتا ہے جلا وطن کے حالات میں اصلاح ہوتی جاتی ہے تب اس کو معاف کر دینا چاہیے اور موقع دینا چاہیے، کہ وہ اپنی سرزمین میں واپس آجائے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آنحضرتؐ حکم کی واپسی پر راضی ہیں، لیکن صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے اس بات کو اس لئے تسلیم نہیں کیا کہ یہ تنہا حضرت عثمانؓ کا کہنا تھا اس کے لئے کوئی شاہد نہ تھا لیکن جب ان کو خلافت ملی تو انہوں نے اپنے ذاتی علم کی بنا پر قبیلہ کو دیا، اور خلیفہ کو یحییٰ بن علیؓ نے اپنے ذاتی علم کی بنا پر قبیلہ

لیکن حضرت عثمانؓ کے معترضین کہتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں حکم کا آنحضرتؐ کے ساتھ جو سلوک تھا، اور بناوٹی مسلمان ہونے کے بعد اس نے آپؐ کے ساتھ جو طرز عمل رکھا، پھر آپؐ کا یہ فرمانا کہ، اس بزدل کے لئے میری مدد کون کرے گا؟ وہ مدینہ میں میرے ساتھ کبھی نہیں رہ سکتا، یہ سب باتیں حضرت عثمانؓ کو روکتی ہیں کہ وہ حکم کو مدینہ واپس بلائیں، خلیفہ کے لئے اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ کرنا اس وقت مناسب نہیں ہے جب ایسا شبہ موجود ہے کہ اس حکم میں رشتہ داری کی رعایت ہے، اس لئے کہ حکم حضرت عثمانؓ کے چچا ہیں صرف یہی شبہ کافی تھا، کہ حضرت عثمانؓ حکم کو مدینہ بلانے سے باز رہتے، پھر اگر ہم آنحضرتؐ کے اس قول کا کہ وہ مدینہ میں میرے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتا، کا اضافہ کر لیں تو نبیؐ کی حرمت کا ادنیٰ تقاضا تھا کہ حضرت عثمانؓ حکم کو مدینہ بلا کر وفات کے بعد آنحضرتؐ کا ساتھی نہ بنا دیتے جب کہ آپؐ زندگی میں اس کے انکاری تھے،

حضرت عثمانؓ نے حکم اور ان کے لڑکوں کے ساتھ بعد میں جو کچھ کیا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کو مدینہ بلانے کا مقصد یہ تھا کہ انھیں مواقع کے لئے ترجیح دیں، ان کی وجہ دوسروں پر برتری حاصل ہو، سیاسی، انتظامی اور مالی معاملات میں ان سے مدد لی جائے، چنانچہ آپؐ نے حکم کو بہت سامان دیا، اس کی موت کے بعد اس کی قبر پر ایک خیمہ بنا دیا، علاوہ ازیں حادثہ بن حکم کو مدینہ کے بازار پر مقرر کر دیا، جس نے اپنی ذات پر اور دوسروں پر بڑی زیادتی کی، اس نے ایسی روش اختیار کی جس کو راست بازی اور تقویٰ سے کوئی نسبت نہ تھی، البتہ اس میں حرص و طمع اور بہت زیادہ دولت جمع کرنے کی خواہش تھی،

پھر حضرت عثمانؓ نے اسی پر بس نہیں کیا، عارضت کو بھی بہت زیادہ مال دیا جیسا کہ آگے آپ پڑھیں گے، پھر مروان بن الحکم پر خاص عنایت کی نظر کی اس کو عطیات دینے مقرب بنایا اپنا وزیر اور مشیر رکھا، ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حکم اور اس کے لڑکوں کو محض ہمدردی اور عنایت کی بنا پر نہیں بلایا تھا، بلکہ اس لئے بلایا تھا کہ وہ آپؐ کے دست و بازو بن سکیں، یہ وہ تمام باتیں جن کو معترضین حضرت عثمانؓ کی مذہبی حیثیت کے خلاف پیش کرتے ہیں

میرے خیال میں اُن میں سے اکثر ایسی ہیں جن سے حضرت عثمانؓ پر کوئی حرف نہیں آتا، یہ حکم بن العاص اور اُن کے لڑکوں کی بات ہی ایک ایسا اعتراض ہے جس کے جواب میں ثنویاری نے لیکن یہ بات بہر حال حضرت عثمانؓ کے دین کو مجروح نہیں کرتی، انھوں نے ایک سنت کی مخالفت کی اور اس کا غلط یا صحیح ایک مطلب بتایا، لیکن انھوں نے دین کے کسی اصول میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ دین کے کسی رکن کو گرایا، اور پھر وہ مرد مجتہد ہیں اُن سے خطا اور صواب دونوں کا امکان ہے، اور ہر خلیفہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسی راہ نہیں چل سکتا، خواہ اس نے لوگوں سے عہد کیا ہو کہ وہ زندگی میں شیخینؓ کا پابند رہے گا، ہمارا یقین ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ اپنے واقعات کے ساتھ اسی حد پر ٹھہر جاتے تو مسلمان ان کے ساتھ خیر خواہی اور سخت نکتہ چینی کی حد سے آگے نہ بڑھتے اور معاملات کی ذمہ داری ان کے سر ڈال کر خدا کے حوالے کر دیتے جو اُن سے نرم یا گرم جیسا چاہتا تھا حساب لیتا لیکن حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال اس حد سے آگے بڑھے اور ایسی باتیں کیں جن سے لوگوں کے حقوق میں اُن کے مصالح میں اور ان کی آزادی میں مداخلت ہوئی اور یہ ایک بڑے فتنے کا سرچشمہ ثابت ہوا،



تقرری اور برطانی

گورنروں کے تقرری اور برطانی میں اور انتظامی امور میں حضرت عثمانؓ کے مسلک پر مسلمانوں کو بڑا اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ نے مسلمانوں کے معاملات کی لگام چنڈ ایسے نوجوانوں کے ہاتھوں میں دیدی جن میں نہ صلاحیت تھی نہ مقدرت اور جو نہ دین کے خیر خواہ تھے نہ اللہ اور اس کے رسول کے مخلص حکومت کے عہدوں سے صحابہؓ کو برطرف کر دیا، حضرت عمرؓ کی وصیت پر توجہ نہیں کی اور لوگوں کی گردنوں پر ابو معیط اور بنی امیہ کو سوار کر دیا، لوگوں نے بیزاری اور ناراضی کا اظہار کیا، لیکن آپ نے کچھ اثر نہیں لیا، بالآخر ان حاکموں کا فسق اور بے راہ روی کھل گئی پھر بھی آپ نے ان کو برطرف نہیں کیا اور کیا تو اس وقت جب کوئی چارہ کار نظر نہ آیا،

آپ نے کوفہ پر سعید بن ابی وقاصؓ کی جگہ ولید کا تقرر کیا، بصرہ میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی جگہ عبداللہ بن عامر کو وی، مصر میں عمرو بن العاصؓ کی جگہ عبداللہ بن ابی سرح کو حاکم بنایا اور پورا ملک شام امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیا،

ان تمام معاملات پر ہم نے اپنی رائے پیش کر دی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف مسلمانوں اور اہل سنت حضرت عثمانؓ کی طرف سے جواب وہی میں بے جا تکلفات سے کام لے رہے ہیں اور دوسری طرف مخالفین اعتراض کی راہ سے آگے بڑھ کر بدنام کرنے کی حد میں جا رہے ہیں، حضرت عثمانؓ کے حامیوں کا یہ کہنا منقول نہیں کہ وہ بے قصور ہیں، ان کو مقرر ہونے والے گورنروں کے اندرونی حالات کا پتہ نہ تھا، بظاہر حالت اچھی تھی، اس لئے تقرری میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی، ولید بن عقبہ کے حالات روز روشن تھے، حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ ولید کے بارے میں آیت اتری ہے قرآن اس کو فاسق کے نام سے یاد کرتا ہے، حضرت عمرؓ نے یہ سمجھ کر کہ اب اس کی حالت ٹھیک ہو گئی ہوگی اس کو بنی تغلب کے صدقات کی وصولی

پر مقرر کیا لیکن جیسے ہی آپ کو پتہ چلا کہ وہ بدستور اپنی جاہلیت میں ملوث ہے آپ نے برطرف کر دیا، خود ولید کو بھی اپنی حالت کا ٹھیک اندازہ تھا، چنانچہ جب وہ سعد ابن ابی وقاص کے پاس کوفہ پہنچا تو روایتوں میں ہے کہ سعد نے اس سے پوچھا۔ ملاقاتی بنکر آتے ہو کہ حاکم؟ ولید نے کہا، حاکم بن کر، سعد نے کہا۔ معلوم نہیں کہ میں کچھ احمق ہو گیا یا تم عقل مند بن گئے ولید نے کہا۔ نہ تم احمق ہوتے نہ میں عقلمند بنا، قوم کے ہاتھ میں اختیار آیا اور اس نے جن لیا سعد نے کہا۔ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، پس ولید جانتا تھا کہ اس کو کوفہ کی گورنری اس لئے نہیں ملی کہ اس کی کیفیت بدل گئی، وہ خراب تھا اچھا ہو گیا ہے بلکہ اس لئے کہ قوم مختار تھی اس نے موقع دیدیا، اسی طرح حضرت عثمانؓ بخوبی جانتے تھے کہ عبداللہ ابن عامر ۲۵ سال کا نیا نوجوان ہے، ہاجر اور انصار میں دوسرے عرب قبائل میں ایسے افراد موجود تھے جو عبداللہ سے زیادہ معتمد عبداللہ سے زیادہ تجربہ کار اور اس سے بہت پہلے کے مسلمان ہیں،

اسی طرح حضرت عثمانؓ بخوبی جانتے تھے کہ عبداللہ ابن ابی سرح کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے، آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن اس کے خون کا اعلان کیا تھا، پس ان لوگوں کے حالات کچھ چھپے دھکے نہ تھے اور حضرت عثمانؓ جیسیوں پر تو بالکل عیاں تھے، پھر معزز لہ اور اور اہل سنت کا یہ کہنا بھی معقولیت نہیں رکھتا کہ گورنروں کی آلودگی اور خرابی کا پتہ چلتے ہی حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر دیا، اس لئے کہ انھوں نے ولید کو اسی وقت برطرف کیا جب برطرفی کے سوا چارہ کار نہ تھا، ہمارا بیخیال نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حد جاری کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی، لیکن اس کا ہم کو یقین ہے کہ ولید کو انھوں نے اسی وقت معزول کیا جب اس کی برائی طشت از بام ہو گئی، گواہوں نے اس کی شراب نوشی کی گواہی دیدی، کوفہ والے چلا اٹھے، انصار اور ہاجرین نے برطرفی پر شدت کے ساتھ اصرار کیا، ولید کے بعد سعید کو بھی خوشی سے برطرف نہیں کیا، بلکہ مجبور ہو کر، کوفہ والوں نے سعید کو شہر میں داخل ہونے نہیں دیا، اور حضرت عثمانؓ کو لکھا، کہ بغاوت منظور کیجئے یا پھر ابو موسیٰ اشعریؓ کو والی مقرر کیجئے اسی طرح عبداللہ ابن ابی سرح کو بھی خوشی سے معزول نہیں کیا، بلکہ مصر لوں نے بغاوت کی دھمکی دی، انصار اور ہاجرین نے بھی معزولی پر اصرار کیا، حضرت علیؓ نے اس پر قتل کے

الزام کی تحقیق کا مطالبہ کیا تب جا کر کہیں حضرت عثمانؓ نے اُس کو برطرف کیا اور محمد بن ابوبکرؓ کے لئے فرما لکھا، ان باتوں میں تو شک کی گنجائش نہیں، البتہ وہ خط کی بات مشکوک ہے جو بعد میں لکھا گیا اور جس میں مصریوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پس یہ بات صحیح نہیں کہ ان کو گوزردوں کے حالات کا علم نہ تھا، اور نہ یہ صحیح ہے کہ خرابی کی اطلاع پانے ہی حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر دیا، اور مخالفین کا یہ کہنا کہ آپ کے گورنر حکومت کرنے کی قابلیت اور مقدرت نہیں رکھتے تھے کھلی ہوئی زیادتی ہے، اس لئے کہ اُن کی اہلیت اور مقدرت میں کچھ شک نہیں فتوحات میں اُن کی کارکردگی، ان کی ہمت اور حوصلہ اس کا ثبوت ہے لیکن یہ قابلیت اور قدرت اس حکومت کے لئے تھی جس کی بنیاد قوت پر تھی، شوکت پر تھی، جبر اور برتری پر تھی، اسلامی فرائض یعنی عدل، انصاف، اخوت اور مساوات پر نہ تھی اس پابندی عہد پر نہ تھی جو حضرت عثمانؓ نے کیا تھا، کہ وہ کتاب و سنت اور شیخینؓ کی میرت سے ایک قدم بھی نہیں ہٹیں گے،

پس حضرت عثمانؓ کے تقرر اور برطرفی کو اُن کے عہد و پیمان سے کوئی نسبت نہیں اور بلاشبہ جن لوگوں نے اُن کے حاکموں کو تنگ کیا اُن کے خلاف بغاوت کی اور ان پر اعتراض کرتے رہے وہ خطاکار نہ تھے،



مالی پالیسی

حضرت عثمانؓ کی مالی پالیسی اُن کے پورے دورِ خلافت میں زیادہ تر قابلِ اعتراض رہی بہت سے اُن کے معاصرین نے پھر رادوں اور مورخوں نے اس سے اپنی تاراجی کا اظہار کیا ہے بعد میں متکلمین نے اس کو اپنے اختلافات کا موضوع بنایا، معتزلہ اور اہل سنت نے اس کی حمایت کی، شیعہ اور خوارج نے مخالفت کی، مختصراً حضرت عثمانؓ کی مالی پالیسی کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ جہاں بھی مصلحت سمجھے عوام کا مال خرچ کر سکتا ہے، اور جب منصبِ خلافت کے ماتحت وہ مسلمانوں کے معاملات کی تدبیر کے لئے وقف ہو چکا ہے تو اپنی ذات کے لئے، گھر والوں کے لئے اور قرابت داروں کے لئے عوام کے مال میں بقدر کفالت لے سکتا ہے، مورخین نے ٹھیک طور پر اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہونے سے قبل بڑے سخی، بڑے روادار اور بڑے فیاض تھے، غیر معمولی دولت کے مالک تھے اور تیر دست نفع بخش کاروبار کرتے تھے، اُن کی دولت اُن کے تمام مصارف کے لئے گنجائش رکھتی تھی، پھر جب آپ خلیفہ ہو گئے تو اس منصب نے تجارت کرنے اور نفع کماتے سے روک دیا، اور یہ ضروری تھا کہ خلافت سے پہلے جو آپ کے مصارف تھے وہ علیٰ حالہ باقی رہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس خیال کے تھے کہ خلافت کو خلیفہ کی مالی زندگی پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے، اگر اس کا ذاتی مال ضرورتوں کو پورا نہیں کر رہا ہے تو عوام کا مال اس کو پورا کر دے اس لئے کہ اس کی دولت میں کمی اور دولت کی نفع بخشی میں رکاوٹ اسی لئے ہے کہ وہ اپنا سارا وقت عوام کی دولت کے انتظام میں صرف کر رہا ہے،

حضرت عثمانؓ کی طرح خلافت سے پہلے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے پاس دولت اور ثروت نہ تھی، اُن میں سے کسی ایک نے بھی بیرومنہ نہیں خریدا، زمین خرید کر مسجد نبویؐ میں توسیع نہیں کی، اس لئے نہیں کہ نخل سے کام لیا بلکہ اس لئے کہ وہ دولت مند ہی نہ تھے پھر یہ دونوں خلیفہ حضرت عثمانؓ کی طرح اپنی ذات پر گھر والوں پر اور متعلقین پر فراخی اور فیاضی سے خرچ نہیں

کرتے تھے اس لئے کہ ان کی دولت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی، پس خلافت کی ذمہ داری لینے کے بعد ان دونوں حضرات کی روش میں اگر کچھ تبدیلی ہوتی تو وہ یہ کہ یہ اور بھی سخت گیر اور محتاط ہو گئے، لیکن حضرت عثمانؓ خلافت کے بعد بھی اپنی پہلی روش پر قائم رہے غالباً تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب ذاتی سرمایہ کم ہو گیا، تو انھوں نے مسلمانوں کے مال سے اتنی مقدار لینا اپنے لئے مباح کر لیا جتنی تجارتی مشغولیت، نفع میں پس انداز کر سکتی، شروع شروع معاملہ اسی طرح رہا اس کے بعد اس میں اضافہ ہوا اور پھر اقتدار نے آپ کا رخ زیادہ سخاوت اور فیاضی کی طرف پھیر دیا، حضرت عثمان کے مالی مسک کی وضاحت میں ایک اور بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے، اور وہ یہ کہ غالباً حضرت عثمانؓ اس خیال کے تھے کہ مسلمانوں کو ان کی نگرانی کا بھی حق نہیں ہے، سزا دینا تو الگ رہا، وہ سمجھتے تھے کہ جو عہد و پیمانہ انھوں نے کیا ہے اس کی جواب دہی عوام کے سامنے نہیں بلکہ خدا کے سامنے کرنی ہے، اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ جب لوگوں نے ان سے معزول ہونے کا اہم مطالبہ کیا تو وہ مطمئن رہے، اور مطالبہ کرنے والوں سے اور دوسروں سے فرمایا، جو خلعت خدائے عزوجل نے مجھے پہنا دی ہے میں اس کو اتارنے والا نہیں ہوں، اور یہ کہ آگے بڑھا کر کوئی میری گردن اڑا دے یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں خدائے عزوجل کا پہنایا ہوا لباس اتار دوں۔

پس خلافت حضرت عثمانؓ کی نظر میں ایسی ذمہ داری نہ تھی جس کو اپنی خواہش سے یا لوگوں کے کہنے سے واپس کر دیں، ان کے نزدیک خلافت اللہ کا پہنایا ہوا لباس ہے جس کو اتارنے کا نہ خود ان کو حق ہے اور نہ کسی دوسرے کو، یہ تو صرف اللہ کے اختیار کی بات ہے وہی اس کو زندگی کا لباس اتارنے کے دن اتار سکتا ہے،

حضرت عثمانؓ کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے شیخینؓ کو دیکھا جبکہ دونوں نے خلافت کی ذمہ داری لی کسی نے ان کو ان کی زندگی تک علیحدہ نہیں کیا اس طرح ان کو بھی جب تک ان کی زندگی ہے کوئی خلافت سے علیحدہ نہیں کر سکتا، اگر خلافت اور اس سے حاصل ہونے والے اقتدار کے بارے میں حضرت عثمانؓ کا یہی نظر یہ ہے تو پھر حیرت کی بات نہیں اگر وہ ان لوگوں کو تنگ کریں جو ان سے اقتدار کے لئے برسرِ پرچاش تھے، جو ان کو انتظامات میں، سیاسیات میں اور مالیات میں

بعض تصرفات سے روکنا چاہتے تھے اس لئے کہ وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں لوگوں کے سامنے نہیں حضرت عثمانؓ کی یہ رائے کسی تصنیع کی بنا پر نہیں اور نہ معترضین سے بچنے کی خاطر ہے بلکہ سچی نیت اور خالص بصیرت کے ماتحت وہ ایسا سمجھتے تھے غالباً ان کے زمانے کے بہت سے مسلمان بھی خلافت اور اس کے اقتدار کے متعلق یہی خیال رکھتے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ میں ایسے حضرات تھے جو خلیفہ سے اختلاف اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے، خواہ وہ اعتدال سے دور اور راہ سے ہٹ گیا ہو، یہ لوگ اللہ کی اس آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں اور اس کی تاویل پسند نہیں کرتے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت

کرو رسول کی اور اپنے میں سے اولوالامر کی،

الرَّسُولِ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

یہ لوگ اگر خلیفہ کی طرف سے کوئی زیادتی ہو جائے تو اس کو برداشت کرنا اس لئے اچھا سمجھتے تھے کہ اس پر ان کو آخرت میں ثواب ملے گا اور اس لئے بھی کہ خلیفہ سے مقابلہ میں کہیں کسی گناہ کی زد میں نہ آجائیں، اور پھر اس میں ان کے لئے کوئی حرج کی بات نہ تھی کہ دنیا میں زیادتی برداشت کر لیں اور آخرت میں ثواب کے مستحق نہیں، اور خلیفہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہو اور خدا کو اس کا حساب دے،

حضرت ابوذرؓ کا یہی مسلک تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کی زیادتی کو ناپسند کرتے ہوئے بھی ان کی اطاعت اور فریاد برداری کرتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اسی مسلک پر تھے جب ذاتی معاملے میں حضرت عثمانؓ نے آپ کے ساتھ زیادتی کی، اور دین کے معاملے میں جب مہنی میں آپ نے نماز پوری کر لی، حالانکہ آپ کو حضرت عثمانؓ سے اتفاق نہ تھا،

عرض حضرت عثمانؓ مالیات میں اور جنگ میں بدستور اپنا انتظام اور اپنی سیاست چلاتے رہے ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اجتہاد کرنا ان کا حق ہے اور اس اجتہاد کی جوابدہی خدا کے سامنے کرنی ہے اور یہ کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کی اطاعت اور خیر خواہی کریں اور مشورے بھی دیں، ان کا جی چاہا تو مان بھی لیں گے جیسا کہ بعض مواقع پر ہوا اور نہ جی چاہا تو منسرد کر دیں گے اور اس کی بھی متعدد مثالیں ہیں، حکومت اور اقتدار کا یہ تصور ایک نیا تصور ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں سے قطع نظر کر کے اقتدار کی کوئی صورت نکل سکتی ہے، فاروق اعظمؓ کا رویہ تو منسرد

سخت تھا کہ خود مسلمان گرائی محسوس کرتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ روم کی ملکہ نے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم کے لئے جواہر کا ایک ہار تحفے میں بھیجا اس لئے قبل ام کلثوم عرب کے بعض تحفے ملکہ کو بھیج چکی تھیں، اتفاق کی بات کہ ڈاکین نے تحفہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دیا حضرت عمرؓ نہیں چاہتے تھے کہ ہار ام کلثوم کو دیا جائے، چنانچہ الصلوٰۃ جامعہ کہہ کر سب لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور ہار کے بارے میں سوال کیا سبھوں نے متفقہ کہا کہ یہ ام کلثوم کی چیز ہے اور ان تک پہنچا دینی چاہیے، لیکن حضرت عمرؓ نے اس میں حرج محسوس کیا اس لئے کہ وہ ہار مسلمانوں کی ڈاک میں کیا تھا۔ چنانچہ اس کو بیت المال میں رکھنے کا حکم دیا اور بیوی کو ان کے بھیجے ہوئے تحفے کا خرچ دلوایا ہم جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنی ذات کے ساتھ اور گھر والوں کے ساتھ جو طرز عمل اختیار فرماتے تھے وہ لوگوں پر بڑا گراں تھا، حد یہ ہے کہ عورتیں اور لڑکیاں ان سے تباہی کرنے سے گریز کرتی تھیں اور بعضوں نے تو ان کا پیغام تک رد کر دیا، کہاں یہ طرز عمل اور کہاں وہ طریقہ کار کہ حضرت عثمان نے بیت المال کے بعض جواہرات سے گھر کے بعض لوگوں کے لئے زیور بنا دیا اور جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا، تو فرمایا "ہم اس مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق ضرور لے لیں گے کوئی نادمنا ہو تو ہوا کرے"

بڑی ناگواری اور افسوس کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کے متعلق حضرت عثمانؓ کا نقطہ نظر وہی ہے جو زیاد نے اپنے مشہور خطبے میں پیش کیا ہے وہ کہتا ہے "لوگو! اب ہم تمہارے حاکم اور حامی بن گئے ہیں، اس اقتدار کی بدولت جو خدا نے ہم کو دیا ہے، ہم تم پر حکمرانی کرتے ہیں اور اس سبکس کے عوض جس کی وصولی کا خدا نے ہم کو حقدار بنایا ہے ہم تمہاری حفاظت کرتے ہیں" اس کے پیش نظر تعجب کی بات نہیں اگر ہم روایتوں میں حضرت عثمانؓ کا یہ قول پڑھتے ہیں "الوبکر اور عمرؓ اپنی جانوں پر اور اپنے متعلقین پر زیادتی کر کے اللہ سے قربت حاصل کرتے تھے اور میں عمرؓ پر وہی جیسے صلہ رکھی کر کے اللہ سے قربت حاصل کرتا ہوں" حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اجتہاد کیا اور اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے زیادتی کرنے والے بنے، حضرت عثمانؓ نے اجتہاد کیا، رشتہ داروں کو توڑا اپنی ذات پر بھی کچھ سختی نہیں کی کیا اب بھی ہم کو ضرورت یہ رہ جاتی ہے کہ ہم اس روایت کی صحت پر بحث کریں جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مروان بن الحکم کو افریقیہ کے مال غنیمت

میں سے پانچواں حصہ یا خمس کا پانچواں حصہ دیا یا خمس کی جو قیمت اس کی طرف باقی رہ گئی تھی اسکو بخش دی یا جس میں نہ ہو
 کہ آپ نے اپنے چچا عکرم اور ان کے لڑکے حارث کو تین لاکھ دیا، اور عبداللہ بن خالد بن سعید اموی کو تین
 لاکھ پیش کیا اور ان دو آدمیوں کو جو عبداللہ بن خالد کے ساتھ آئے تھے ایک ایک لاکھ دیا یہاں تک
 کہ بیت المال کے خزانچی عبداللہ بن ارقم نے رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے عہدے سے مستعفی ہو
 گئے، انھیں عبداللہ بن ارقم کو حضرت عثمان نے استعفا کے بعد تین لاکھ کی رقم پیش کی لیکن انھوں نے
 نہ رو تقویٰ کے پیش نظر لینا منظور نہیں کیا، حضرت عثمان نے زبیر بن العوام کو ہ لاکھ طلحہ بن عبید اللہ کو ایک لاکھ
 سعید بن العاص کو ایک لاکھ کا عطیہ دیا، اور اپنی تین یا چار لڑکیوں کا بعض قریشیوں سے عقد کیا تو ہر ایک کو ایک
 ایک لاکھ دینا دیا،

پس حضرت عثمان خیال کرتے تھے کہ ان کو ان عطیات کے دینے کا حق ہے، اور خزانچی ان کی عدول
 حکمی یا ان سے بحث کا مجاز نہیں، اور جب سخاوت کا یہ عالم ان کو گوارا تھا تو بیت المال سے قرض لے لینا
 بھی گوارا کیا کہ جب بے سہرا ہوگا ادا کر دیں گے پھر کھلی بات ہے کہ ان کے گورنروں نے بھی یہی مسک اختیار
 کیا، عطیات دینے قرض لئے، بعضوں نے قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیا، اسی سلسلے میں عبداللہ بن
 مسعود کو کوفہ میں اپنے عہدے سے استعفی دینا پڑا جس طرح عبداللہ بن ارقم کو مدینہ میں مستعفی ہونا پڑا، خلیفہ اوس
 کے گورنر عولم کے مال کا اگر اس طرح آزادانہ استعمال شروع کر دیں تو مقام حیرت نہیں کہ بروقت فوج کو مال کی تنگی ہو
 خلیفہ مجبور ہو کہ صدقات کی مددوں میں سے قرض لے کر جنگ پر خرچ کرے جس سے اس کے بارے میں ناراضی
 اور مخالفت پیدا ہو جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے اور ان تمام باتوں سے اگر کوئی نتیجہ نکلیں تو وہ یہ کہ حضرت
 عثمان کی مالی پالیسی زیادہ منظم اور محتاط نہ تھی،

پھر جب خلیفہ اور اس کے حاکم عوام کے مال میں اس طرح اپنے ہاتھ آزاد کرویں تو تعجب کیا کہ یہی
 ہاتھ صدقات کی رقموں کی طرف بڑھیں، جنگ کے اخراجات کے لئے نہیں بلکہ عطیات اور صلہ رحمی کی خاطر،
 جیسا کہ روایتوں میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے حارث بن عکرم کو اپنی قضاء کے صدقات کی وصولی
 کے لئے بھیجا جب وہ رقم لے کر آئے تو انھوں نے وہ سب رقم ان کو بخش دی اس سے بھی پڑھ کر یہ کہ
 جنگ و امن کی یہ ضروریات خلیفہ اور گورنروں کی یہ فیاضیاں اور یہ عطیات شاید بیت المال ہی
 کو محتاج بنا دیں اور نتیجہ یہ نکلے، کہ زکوٰۃ جزیہ اور خراج کی رقموں کی وصولی میں رعایا پر بیجا تشدد و اہل

جبر سے کام لینا پڑے اور اس کا اندازہ ان روایتوں سے ہوتا ہے جن میں عبداللہ بن سعد کی مصروفوں پر زیادتی کا ذکر ہے، جن میں عمرو بن العاصؓ نے حضرت عثمانؓ کو جواب دیا ہے کہ مصر کی اوقافی نے دو دو تونیاں دیا لیکن اس کے بچے سب مر گئے، جن میں بتایا گیا ہے کہ صدقات کی وصولی کرنے والوں نے وہاں تیوں پر ظلم و زیادتی سے کام لیا اور نام حضرت عثمانؓ کا لگا دیا، حضرت عثمانؓ نے یہ سب کچھ سنا اور کچھ اقتدار نہیں کیا، علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ کی سخاوت مال منقول تک محدود نہ تھی وہ غیر منقولہ جائیدادیں بھی عطیہ فرماتے تھے، چنانچہ اعتراض کرتے ہوئے لوگوں نے کہا ہے کہ انھوں نے بنی امیہ کو بڑی بڑی زمینیں عطیہ کی ہیں، معزولہ اور اہل سنت ان عطیات کے بارے میں جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں، کہ حضرت عثمانؓ نے یہ کارروائی زمینوں کی دستی اور ان کو زراعت کے قابل بنانے کے خیال سے کی ہے اور آپ کا یہ عمل مسلمانوں کی ایک خیر خواہی ہے شیعوں نے جواب سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ زمینوں کے عطیات کی حضرت عثمانؓ نے خود یہ توجیہ نہیں کی ہے، شیعہ تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ پورے قریش میں بنی امیہ کچھ زمین کی دستی کے اپٹلٹ نہیں تھے، اور نہ سارے عرب میں قریش ہی بڑی ہوئی زمینوں کی کاشت کے بڑے ماہر تھے، اور نہ تمام مسلمانوں کو چھوڑ کر صرف عربوں کو اس میں خاص مہارت حاصل تھی، بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس نظریے کا نتیجہ ہے جو خلیفہ اور اس کے اقتدار کے متعلق حضرت عثمانؓ نے قائم کر رکھا تھا اور ان اختیارات کے اثرات ہیں جن پر حضرت عثمانؓ اور ان کے حوالہ مطلق تھے،

اس سے پہلے ہم نے اس اقتصادی انقلاب کا تذکرہ کر دیا ہے جو حضرت عثمانؓ اس طرح لانا چاہتے تھے کہ عربی ہلاد کے باشندے غنیمت میں ملی ہوئی اپنی صوبوں اور شہروں کی زمینوں کو فروخت کر دیں اور اس کے بدلے میں جو میراث العرب کی کوئی زمین لے لیں، ہم نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اس سے اسلام میں بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیریں پیدا ہو گئیں اب اگر اس حقیقت کو بھی سامنے کر لیں کہ خلیفہ اور گورنروں نے بنی امیہ اور قریش پر سخاوت کی بارش برساتی جس نے اکثر قریشیوں کو شہروں میں زمینوں کا مالک بنا دیا، تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مالی پالیسی کے وہی نتیجے نکل سکتے تھے اور دونوں بڑے، ایک تو عوام کے مال کا بے جا اور غلط استعمال جس سے مالیات میں ابتری پیدا ہوتی ہے اور دوسرا ظلم ہوتا ہے دوسرا سرمایہ داروں کے ایسے طبقے کی پیدائش جس کے حوص طمع کی کوئی حد ہی نہیں ہے، جو جائیدادیں بڑھانا ہی چلا جاتا ہے، جو مزدوروں کو خریدتا ہے، جو امتیاز اس کے اندر نہیں، اپنے کو اگر

ایک تصور کرتا ہے، پھر اقتدار کے حصول کیلئے مقابلہ کے میدان میں آتا ہے اور ترقی کرنا ہوا امارت اور خلافت
 تک کا خواہاں بنتا ہے، بالآخر معاملہ فتنہ و فساد کے اس مرحلے تک پہنچتا ہے جہاں مسلمانوں کی بات بگڑ جاتی
 ہے حضرت عثمانؓ کی جان جاتی ہے اور حکومت بنی امیہ سے نکل کر بنی عباس کے خاندان میں چلی جاتی ہے
 ایک فطری بات ہے کہ ایسی سخاوت کے ساتھ بیت المال سب لوگوں کے لئے کسی طرح گنجائش نہیں
 رکھ سکتا تھا پھر یہ بھی فطری بات ہے کہ کچھ نہ پانے والوں کے دلوں میں پانی والوں کی طرف سے اور دینے والوں
 کی طرف سے میل پیدا ہو، اور اس طرح خلیفہ اور حاکموں سے ان کے تعلقات کشیدہ ہوں پھر یہ تمام باتیں
 ان کو غور و فکر کی دعوت دیں اور وہ شیخینؓ اور آنحضرتؐ کی سیرت اور طریقے پر نگاہ ڈالیں اور ان پر واضح
 ہو جائے کہ حضرت عثمانؓ کا طور طریقہ ایک تو سنت موروثہ کے خلاف ہے اور دوسرے لوگوں پر ظلم ہے،
 یہی وجہ ہے کہ باہر کے شہریوں نے محاصرہ سے پہلے جب بغاوت کی تو حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا
 کہ وہ مال غنیمت کے مصارف کے بارے میں نظر ثانی کریں اور سن رسیدہ صحابہ کے علاوہ انھیں لوگوں
 کو دین جنہوں نے اس کے لئے جہاد کیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اس معاملے میں حضرت
 عثمانؓ کو حد سے باہر دیکھا جس سے ان کو روکا، بلکہ ایک جدید مسلک اختیار کرنے کا مطالبہ کیا، جو
 حضرت عمرؓ کے مسلک سے بھی الگ تھا، مال غنیمت کے متعلق حضرت عمرؓ کا معمول سب کو معلوم ہے
 وہ اللہ کا حکم جاری فرماتے تھے یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ رکھ لیتے تھے باقی چار خمس غنیمت
 لانے والوں میں تقسیم کر دیتے تھے، پھر اس خمس میں جزیہ اور خراج کی رقمیں ملا دیتے تھے اور یہ کل
 رقمیں رفاہ عام پر خرچ کرتے تھے، اور اس کے بعد مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے وظیفے
 مقرر کرتے تھے، دوسرے مسلمانوں کی طرح فوج بھی غنیمت کے حصوں کے علاوہ وظیفوں
 میں حصہ پاتی تھی، پس جب شہریوں نے بیت المال کی جمع شدہ رقم میں خلیفہ اور اس کے حاکموں
 کی زیادتی دیکھی تو انھوں نے مطالبہ کیا کہ عوام کے مال میں سے عطیات صرف فوجی مجاہدین کے
 لئے خاص ہوں، خواہ بالفعل وہ لڑائی پر ہوں کہ نہ ہوں اگر لڑائی پر ہیں تو عطیات ان کا
 معاوضہ ہوں گے اگر معذور ہیں تو جیکل کی اصطلاح کے مطابق یہ ان کی پنشن ہوگی، سن رسیدہ
 اور معمر صحابہ سب کے سب پنشن کے حقدار ہیں اس لئے کہ انھوں نے اللہ کے رسولؐ کے ساتھ غزوات
 میں شرکت کی، لیکن ان کے علاوہ جو مسلمان ہیں جنہوں نے جہاد نہیں کیا معرکوں میں شریک نہیں

ان کا ان عطیات میں کوئی حقہ نہیں ہونا چاہیے، اس طرح حضرت عثمان کی مالی سیاست نے باغیوں کو مجبور کر دیا، کہ وہ حضرت عثمان کے مسلک میں بھی تبدیلی کے خواہاں ہوں، اور جب حضرت عثمان حضرت عمر کی راہ سے اس قدر ہٹے کہ سرمایہ داروں کا طبقہ پیدا کر دیا، تو باغیوں کے لئے حرج نہ تھا کہ وہ ان کا اور ان کے گورنروں کا ہاتھ پکڑتے خواہ اس میں حضرت عمر کے مسلک سے کچھ اختلاف ہی ہوتا، اس لئے کہ جب ایثار کی راہ چھوڑ کر مطلب ہی کا راستہ چلنا ہے تو کیوں نہ کم از کم ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں مطلب کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کی کچھ نہ کچھ تو رعایت ہوتی ہو، اور سرمایہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو جانا ہو جن کے ہاتھوں نے سرمایہ پر رکھ کر یہ دولت پیدا کی ہے پھر سب سے زیادہ اہم نکتہ جو باغیوں کے مطالبے میں ہے وہ یہ کہ حضرت عثمان کی پیدا کردہ سرمایہ داری میں جس قدر عمومیت اور عدل سما کے اس کی گنجائش نکالی جائے انھوں نے دیکھا کہ قریش کے نوجوان اور مدینہ کے لوگ زیادہ تر عطیات کے سہارے بے کاری کی زندگی جی رہے ان کو عطیوں کی بالکل ضرورت نہیں اس لئے انھوں نے کہا، ان میں سے جو مالدار ہے بیت المال میں اس کا کوئی حق نہیں، اور جو مفلس ہے اس کو کام کر کے اپنی روزی کمانی چاہیے، عوام کا مال بے کاروں اور تنگموسوں پر خرچ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، حضرت عثمان نے باغیوں کے اس مطالبے کو تسلیم کیا اور خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے کہا، جس کے پاس کھیت ہو اس کو کاشت میں لگ جانا چاہیے، اور جس کے پاس کوئی دھندا ہو اس کو اس کے ذریعے اپنی روزی کمانا چاہیے ہمارے پاس مجاہدوں اور بزرگ صحابہ کے سوا کسی کے لئے عطیہ نہیں ہے۔

لیکن حضرت عثمان اپنے اس پروگرام کو علی جانہ نہ پہناسکے، فتنہ اور فساد ان کی راہ میں حائل ہو گیا، اگر حضرت عثمان عوام کے مال میں حضرت عمر کے طریقے پر عمل کرتے اور اخراجات میں حق اور انصاف ملحوظ رکھتے تو اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو شہر عظیم سے بچا لیتے اور اسلام انسانیت کے لئے ایک ایسا باصلاحیت سیاسی اور سماجی نظام پیدا کر سکتا، جو اس کو بہت سی آدب و نشوونما اور خرابیوں سے بچا لیتا جن میں وہ الجھ کر مبتلا ہو گئی، لیکن زندگی کے موثرات اور اسباب حضرت عثمان سے زیادہ قوی تھے، اور کون جانتا ہے کہ اگر موت جلدی نہ کرتی تو حضرت عمر کا بھی بس چلتا یا نہیں؟

حضرت عثمان اور مخالفین

(مخالفوں اور معترضوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا بیڑا تو بھی مسلمانوں کی برہمگی اور ہزاری کا ایک سبب ہے، اس معاملے میں حضرت عثمانؓ کی روش حضرت عمرؓ سے بڑا فرق رکھتی ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو جس قدر تاکید اس کی فرمائی کہ وہ لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں ان کو ان کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا ہے، اتنی کسی بات کی نہیں کی، انہوں نے اپنے حاکموں کو رعایا پر جبر و زیادتی کرنے سے مارنے پینے سے جس سختی کے ساتھ روکا، کسی اور بات سے نہیں روکا، چنانچہ وہ مقررہ حد کے اندر ہی مارنے کی اجازت دیتے تھے، اور اپنے گورنروں کو اگر انہوں نے ناحق مارا ہے، یا حد سے زیادہ مارا ہے برگز معاف نہیں کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ حد سے بڑھ گئے اور اپنے گورنروں کو رعایا پر تشدد کرنے کا، مارنے پینے کا، جلا وطن کرنے کا اور قید کرنے کا موقع دیا اور خود انہوں نے دو جلیل القدر صحابی کو مارا یا مارنے کا حکم دیا، عمار بن یاسر کو اتنا مارا کہ وہ فتق کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، عبداللہ بن مسعود کو مسجد نبوی سے اس بری طرح نکلوا یا کہ ان کی بعض پسلیاں ٹوٹ گئیں) اہل سنت اور معتزلہ خواہ کتنی ہی جو ابدی کریں لیکن حضرت عثمانؓ بہر حال حدود سے متجاوز ہیں، مذکورہ بالا دونوں صحابیوں نے حضرت عثمانؓ پر ایسی ہی تلخ تنقید کی ہو اور جیسے بھی اعتراضات ان پر کئے ہوں، لیکن کوئی نہیں جانتا کہ ان پر مقدمہ چلایا گیا ہو ان کے خلاف ثبوت ہم پہنچائے گئے ہوں، ان کو اپنی مدافعت میں صفائی کا موقع دیا گیا ہو، حضرت عثمانؓ نے ان کے بارے میں اپنے حاکموں کی سن لی، اپنے مقربوں کا کہا مان لیا اور بلا دلیل ان کو سزا دی، ان کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہ تھا، معتزلہ اور اہل سنت مدافعت میں کہتے ہیں کہ امام کو سزا دینے کا حق ہے، قطعاً امام خدا ہے لیکن اس میں فرد جرم کی، شہادت کی، اور صفائی کے بیان کی شرط ہے، اور ہم نہیں جانتے کہ عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود کو حضرت عثمانؓ نے عدالت میں پیش کیا، خود حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو تینگ کیا، جلا وطن کیا یا جلا وطن ہونے پر مجبور کیا اور محض

اس لئے کہ ان کو حضرت عثمانؓ کی وہ مالی پالیسی پسند نہ تھی جو انہوں نے عوام کے مال کے بارے میں اختیار کر رکھی تھی، جو اس نظام اجتماعی کے مخالف تھے، جس نے دو لقمندوں کا طبقہ پیدا کیا اور جس نے ان کو چاندی سونا اور بے حد مال جمع کرنے کا موقع دیا، پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے حاکموں کو اجازت دی کہ وہ مخالفت میں آواز اٹھانے والوں کو ان کے شہروں سے نکال باہر کریں، چنانچہ انہوں نے ایک جماعت کو دربدہ پھر ایلا سعید نے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا، امیر معاویہؓ نے سعید کے پاس واپس کیا، پھر سعید نے ان کو عبد الرحمن بن خالد کے حوالے کیا اور یہ سب کچھ بلا مقدمہ چلائے، بلا شہادتیں پیش کئے، اور بلا صفائی کا موقع دئے، حضرت عثمانؓ نے عبد اللہ بن عامر کو اجازت دی کہ عامر بن عبد القیس کو شام جلاوطن کر دے امیر معاویہؓ نے یہ معلوم کرتے ہی کہ انہو الامظلوم ہے اور اس کے خلاف دروغ بیانی کی گئی ہے چاہا کہ اس کو فوراً بصرہ واپس کر دیں لیکن عامر نے خود منظور نہیں کیا عبد اللہ بن ابی مرہ کی جرأت دیکھے اس نے اپنی شکایت کرتے والوں میں سے ایک کو استفد مارا کہ وہ مری گیا تب ہاجر، انصار اور خود ازواج مطہرات مجبور کی گئیں کہ حضرت عثمانؓ سے مصریوں کے ساتھ انصاف کرنے پر اصرار کریں چنانچہ آپ نے اس کا ارادہ بھی کر لیا لیکن نہ کر سکے۔

یہ انتہائی سخت گیر پالیسی جو خلیفہ اور اسکے حاکموں نے لوگوں کے من و آزادی پر اور لوگوں کی جانوں پر مسلط کر دی تھی آنحضرتؐ اور صحابہؓ کی سیر سے اسکو کوئی نسبت نہیں، بعض نے خود آنحضرتؐ پر تنقید کر دی تھی اور کہا تھا عدل یا محمد فانك لم تعدل ایکس بار کہا دو بار کہا اور تیسری بار کہا تو حضرتؐ نے فرمایا یہ کہا انفسوس تجھ پر اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون کرے گا مسلمانوں نے چاہا کہ معترض کی خبریں لیکن آنحضرتؐ نے ان کو اس سے روک دیا، کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو پہلے نہ تھے پس حضرت عثمانؓ نے حالات کے مطابق قدم اٹھایا یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسی زیاد نے عراق والوں سے کہی تھی، وہ کہتا ہے تم نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جو پہلے نہ تھے، ہم نے بھی ہرجم کے لئے نئی سزا پیدا کر لی حیرت کی بات ہے کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے گورنروں کی سیاست ہم کو زیاد کی سیاست کی یاد ایک سے زیادہ مرتبہ دلاتی ہے۔

اب جبکہ ہم واقعات اور واقعات پر متکلمین کے خیالات پیش کر چکے ہیں ہم کو موقع ہے کہ فتنے پر براہ راست نظر ڈالیں اور اسکی ابتداء سے لیکر آخری مرحلے تک پہنچیں جہاں یہ سانحہ خونین پیش آتا ہے اور خلیفہ دھوکے سے نہیں بچتا اور زبردستی سے قتل کر دیا جاتا ہے۔

۱۰ محمد انصاف کرنا اپنے انصاف نہیں کیا

معاصرین کی رائے میں تبدیلی

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا بڑی خوشی اور اطمینان کے ساتھ استقبال کیا، اس لئے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی پیدا کردہ شدت اور تنگی میں سہولت اور وسعت پیدا کر دی، ناظرین اس سے قبل پڑھ چکے ہیں کہ خلیفہ ہوتے ہی آپؓ نے لوگوں کے وظیفوں میں اضافہ کر دیا اور ان کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کیا پھر عطیات کی عنایت کر کے انہیں وہ خوشحالی اور فراخی بخشی جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں نصیب نہ تھی اور قریش نے تو خاص طور پر ایسی آزادی محسوس کی جو اس سے پہلے ان کو حاصل نہ تھی، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ فاروق اعظمؓ کی طرح ترہ کی گھائی پتھر کی گرون پکڑے کھڑے نہیں رہے کہ ان کو دوزخ کی آگ میں ٹوٹ پڑنے سے روکے رکھیں۔ بلکہ درمیان سے ہٹ گئے اور قوم کو شہروں اور صوبوں میں جہاں چاہے پھیلنے دیا، مورخین کا قریب قریب متفقہ بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال امن اور عافیت سے گزرے، اس کے بعد بھی دوسرا دور شروع ہوا دشواریاں اور مشکلات سراٹھانے لگیں،

(مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چھ سال تک تو مسلمان حضرت عثمانؓ سے خوش رہے اس کے بعد چار سال تک گرامی کا دور رہا اور دسویں سال کے بعد سے تنگ آجانے کی کیفیت پیدا ہو گئی، شروع شروع میں لوگوں نے نرمی برتی پھر کچھ تیزی آگئی اور اس کے بعد تشدد کا دور آیا جو بڑھتے بڑھتے ناگواری کے آخری مرحلے تک پہنچ گیا اور خلیفہ کی جان تک لے لی گئی)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شروع کے دس برس میں حضرت عثمانؓ کو کسی مخالفت کا سامنا کرنا نہیں پڑا مخالفت تو خلافت کے پہلے ہی دن عبید اللہ ابن عمرؓ کے قہقہے کے ساتھ وجود میں آگئی لیکن مقصد یہ ہے کہ خطرناک مخالفت آخر کے دو سال میں سامنے آئی، میں سمجھتا ہوں کہ جب سے بڑھاپے میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے اللہ کے رسولؐ کی انگوٹھی گر پڑی، لوگوں کے دلوں میں برا خیال بڑھنا گیا یہ انگوٹھی حضرت کی مہر تھی، صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو وراثت میں ملی تھی، وہ حکومت کے تمام فرماؤں پر

اس کو لگانے تھے، اور اس میں بیرو برکت پاتے تھے اور اس کو ایک اہم و رفتہ کرتے تھے، جہاں کہیں بھی وہ اس کو لگانے اس حیثیت سے لگانے کہ رسول اللہ ﷺ کے نائب ہیں آپ ہی کا طریقہ جاری کرتے ہیں، آپ ہی کی راہ پر چلتے ہیں، آپ ہی کی مہر سے دستخط کرتے ہیں، حضرت عثمانؓ کو یہ انگوٹھی حضرت عمرؓ سے ملی اور حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے اور حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ کے گھر سے ملی جب یہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے کنوئیں میں گر گئی مسلمانوں نے اس کے نکلنے کی بڑی کوشش کی، بہت ڈھونڈا لیکن کنوئیں میں پانی کم ہونے کے باوجود کسی کو نہ ملی، اس لئے مسلمانوں کو بہت برا معلوم ہوا اور بدشگونگی کے خیالات دلوں میں آنے لگے، خود حضرت عثمانؓ کو برا لگتا ہوا، پھر آپ نے اسی انگوٹھی کی طرح ایک نئی انگشتری بنوائی اور اس پر پہلے کی طرح "محمد رسول اللہ" کا نقش بنوایا، لیکن یہ نئی انگوٹھی جس کو رسول اللہ ﷺ اور شیخین کی انگلیوں نے نہیں چھوا ایک بناوٹی انگوٹھی تھی، جس سے کوئی روایت وابستہ نہیں، جسے اب تک کسی کام میں نہیں استعمال کیا گیا، کہنا چاہیے کہ اس انگوٹھی کے استعمال سے حضرت عثمانؓ نے ایک نئے دور کا آغاز کیا (راویوں کا بیان ہے کہ عبدالرحمن بن عوف وہ پہلے دلیر ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے حکم میں مداخلت کی اور لوگوں کا توجہ بڑھایا، ہوا یہ کہ بعض وصول کرنے والے صدقات کے اونٹ لائے، حضرت عثمانؓ نے یہ اونٹ حکم کے بعض عزیزوں کو بخش دیا، جب عبدالرحمن بن عوف کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے کچھ صحابہ کو بلایا اور ان کو بھیج کر وہ اونٹ واپس منگوائے، اور لوگوں میں تقسیم کر دیا، حضرت عثمانؓ گھر میں تھے اور کچھ نہیں کیا اور نہ کہا خود عبدالرحمنؓ اور ان کے ساتھیوں سے کچھ بھی نہیں کہا عبدالرحمنؓ اور ان کے ساتھیوں کی یہ حرکت حقیقت میں بڑی خطرناک تھی کیونکہ یہ خلیفہ کے حکم میں تبدیلی کے مترادف تھی لیکن حضرت عثمانؓ کا ناموش رہنا اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا یعنی غلطی کا اعتراف اور شان میں کمی)

حضرت عثمانؓ کے صلاحیتیں

اس کے بعد لوگ حضرت عثمانؓ کے مسلک میں بجا طور پر یا غلطی سے جو بات بھی ناپسند کرتے اس کا اظہار کرنے لگے، بعضوں نے تو اس میں بھی دُرح نہیں سمجھا کہ لوگوں کے سامنے حضرت عثمانؓ کی موجودگی میں ان کی مخالفت کریں اور کچھ لوگ نافرمانی کی بھی جرأت کرنے لگے، ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے دولت مندوں کی مذمت سے روکا، لیکن انہوں نے یہ حکم نہیں مانا اور کہہ دیا، "عثمانؓ کو ناراض کر کے خدا کو راضی کرنا میرے نزدیک اچھلا ہے اس سے کہ عثمانؓ کی مرضی کے لئے خدا کو ناراض کروں،"

ولید بن عقبہ کا معاملہ بھی خلافت کے رعب و داب کے خلاف تھا، یہ بات کچھ خلیفہ کے شایان شان نہ تھی کہ اس کے ایک گورنر پر شراب پینے کا الزام ثابت ہو جائے اور وہ اس پر حد جاری کرنے اور اسکو بہ طرف کرنے پر مجبور ہو جائے، اور پھر ادھر ادھر لوگ آپس میں رٹے زنی کرتے ہوئے کہیں کہ حضرت عثمانؓ نے سعید کو بٹا کر اور ولید کا تقرر کر کے غلطی کی، ایک تو وہ ان کا رشتہ دار تھا اور دوسرے گورنری کے قابل بھی نہ تھا،

اس کے بعد شہروں میں مخالفت کی تحریک زور پکڑنے لگی جس کی صدائے بازگشت مدینے تک پہنچی اور مدینے میں مخالفت کی خبریں شہروں میں پھیلیں جس سے مخالفین کو طاقت ملی اور حضرت عثمانؓ مجبور ہوئے کہ مدینے میں معترفوں کو ڈرائیں دھمکائیں اور شہروں میں اخراج اور جلا وطنی کے احکام جاری کریں، ڈرانے دھمکانے میں بعض اوقات حضرت عثمانؓ آپے سے باہر ہو جاتے تھے، مورخین کا بیان ہے کہ ۳۴ھ میں حضرت عثمانؓ کے ماتحتوں لوگوں کو جو کچھ پہنچا اس سے زیادہ برا سلوک شاید ہی کسی نے کسی کے ساتھ کیا ہو، صحابہؓ یہ سب کچھ دیکھتے تھے اور سنتے تھے، اور بجز زید ابن ثابتؓ، ابو اسید ساعدیؓ، کعب ابن مالکؓ اور حسان ابن ثابتؓ کی چھوٹی سی جماعت کے کوئی نہ منع کرتا تھا اور نہ مدافعت کرتا تھا، ہاں مدینہ کے صحابہؓ نے مختلف سرحدوں پر پھیلے ہوئے صحابہؓ کو خطوط لکھے کہ مدینہ اگر خلافت کے بلٹے ہوئے کاموں کو ٹھیک کرو، تم جہاد کی خاطر گھروں سے نکلے ہو، لیکن

بہاد تمہارے پیچھے ہے، تم دین کی بقا اور حفاظت کیلئے مدینہ واپس آ جاؤ، اقتدار دین کے لئے ایک شرعیٹیم بن چکا ہے، لوگ جگہ جگہ جمع ہو کر ہونیوالے واقعات اور پیش آئندہ اے مصائب کا تذکرہ کرنے لگے، حضرت عثمان پر اعتراضات کی اور الزامات کی بھرمار ہوئی، اور لوگوں نے حضرت علی کو مجبور کیا کہ وہ حضرت عثمان کے پاس جائیں اور ان سے گفتگو کریں، مورخین کہتے ہیں کہ حضرت علی گئے اور حضرت عثمان سے کہا۔ مجھے لوگوں نے بھیجا ہے اور آپ کے متعلق بہت سی باتیں کہی ہیں، واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں، میں تو کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے آپ واقف نہ ہوں نہ آپ کو کوئی ایسی بات بتا سکتا ہوں، جس کو آپ نہ جانتے ہوں، ہمیں جو کچھ معلوم ہے آپ یقیناً اس سے واقف ہیں، کسی بات میں ہم مسبوق نہیں کہ اس کی اطلاع آپ کو دیں، نہ ہم سے کوئی پیر خلوت میں خاص کر دی گئی جو آپ کو پہنچا دیں، آپ کو چھپڑ کر ہم میں کوئی بات نہیں، آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، ان کی باتیں سنیں، ان کی صحبت میں رہے، ان کی دامادی کا شرف پایا، ابن ابی قحافہ (ابوبکر) کسی عمل حق میں آپ سے آگے نہیں، ابن خطاب (عمر) کسی بھلائی میں آپ سے بہتر نہیں، رشتہ داری کے اعتبار سے آپ رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہیں آنحضرت کی دامادی میں تو درجہ آپ کو حاصل ہے وہ دونوں کو نہیں اور نہ وہ کسی بات میں آپ سے آگے ہیں، پس اپنے معاملے میں آپ خدا کو سامنے رکھئے، واللہ کہ آپ کو کچھ دکھلانے اور تباہی کی ضرورت نہیں، راستہ روشن ہے اور صاف، دین کے آثار برقرار ہیں، عثمان! جان لو ہدایت اور اخلاق میں سب سے زیادہ صاحب فضل خدا کے نزدیک وہ عادل خلیفہ ہے جس نے جانی بوجہی سنت کو برقرار رکھا اور چھوڑی ہوئی بدعت کو مٹایا، بخدا تمام باتیں صاف صاف ہیں سنتوں اور بدعتوں کے نشانات جدا جدا ہیں، خدا کے نزدیک سب سے برا آدمی ظالم امام ہے، جو خود گمراہ ہے اور دوسروں کی گمراہی کا باعث، وہ سنت کو مٹاتا اور بدعت متروک کو زندہ کرتا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو زمانے ہوئے سنا۔ "قیامت کے دن ظالم امام کو بے بار و مدد گار لایا جائے گا، اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ چکی کی طرح اس میں چکر لگائے گا، پھر وہ جہنم کی گہرائی میں پھینک دیا جائے گا، میں آپ کو اللہ سے اس کی قوت اور انتقام سے ڈراتا ہوں، اس کا عذاب شدید و دردناک ہے، خبردار کہیں اس امت کے مقتول امام نہ بن جانا، اس لئے کہ کہا جاتا ہے کہ اس امت میں سے ایک امام قتل کیا جائے گا جو قوم پر قیامت تک

قتل و قتال کا دروازہ کھول دے گا، معاملات مشتبہہ کر کے لوگوں کو جماعتوں میں منتشر کر دے گا، باطل کی بلندی کی وجہ سے لوگ حق کو نہ دیکھ سکیں گے اور حیران و سرگرداں رہیں گے، معلوم نہیں حضرت علیؓ کی یہ گفتگو انہیں الفاظ میں حضرت عثمانؓ تک پہنچی یا اس کے قریب المعنی الفاظ میں لیکن اصل مقصد تو یہ ہے کہ مدینہ میں حضرت عثمانؓ کی مخالفت اور اصرار اور ہر کی انفرادی حد سے آگے بڑھ چکی تھی اور باقاعدہ منظم شکل میں مقررہ مقصد کے ماتحت براہ راست حضرت عثمانؓ تک پہنچ چکی تھی اور اب انتظار تھا کہ دربار خلافت سے کیا جواب ملتا ہے، پس کہنا چاہئے کہ مخالفت کی تحریک آجکل کی ہماری اصطلاح میں منفی مقادمت سے ترقی کر کے ایجابی بن چکی تھی، حضرت عثمانؓ نے حزب مخالف کے نمائندے کی باتیں سنیں اور جواباً کہا۔ جو کچھ آپ کہتے ہیں بخدا مخالفین بھی یہی کہتے ہوں گے، اگر میری جگہ آپ ہوتے تو قسم خدا کی میں آپ پر کڑی نکتہ چینی نہ کرتا، نہ آپ کو مخالفین کے حوالے کرتا، آپیں عیوب نکالتا اور نہ آپ کی نگاہ میں یہ کوئی بری بات ہوتی کہ میں نے صلہ رحمی کی، غریبی اور محتاجی دور کی، بیکیوں کو پناہ دیا، ان لوگوں کو والی بنایا، جو عمرؓ کے گورنروں کے مشابہ تھے، قسم سے کہو علیؓ! کیا تم کو معلوم ہے کہ غیرہ بن شعبہ میں کوئی خاص بات نہ تھی،

حضرت علیؓ - جی ہاں

حضرت عثمانؓ - اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ عمرؓ نے ان کو والی بنایا تھا۔

حضرت علیؓ - جی ہاں جانتا ہوں

حضرت عثمانؓ - پھر مجھ کو الزام کیوں دیتے ہو اگر میں نے ابن عامر کو قرابت کے پیش نظر والی بنا دیا

حضرت علیؓ - میں آپ کو بتاؤں؟ عمرؓ ابن خطاب جس کو بھی والی بنانے اس کے کان پر سوار

رہتے ایک حرف بھی اس کے خلاف سن پاتے تو اسی وقت طلب کرتے اور بات

ٹھکانے تک پہنچا دیتے، اور آپؓ ایسا نہیں کرتے آپؓ اپنے رشتہ داروں کے لئے

نرم ہیں ان سے دبتے ہیں،

حضرت عثمانؓ - وہ آپؓ کے بھی رشتہ دار ہیں،

حضرت علیؓ - میری زندگی کی قسم ان سے میرا رشتہ بہت زیادہ قریب کا ہے، لیکن آپؓ کی نظر

عنایت دوسروں پر ہے

حضرت عثمانؓ آپ جانتے ہیں کہ عمرؓ اپنے پورے دور خلافت میں معاویہ کو حاکم بنائے

رہے تو میں نے بھی ان کو حاکم رکھا،

حضرت علیؓ قسم سے کہئے کیا یہ واقع نہیں ہے کہ عمرؓ کا غلام میرا جتنا ان سے ڈرتا

تھا معاویہ اس سے کہیں زیادہ عمرؓ سے ڈرتے تھے،

حضرت عثمانؓ ہاں ٹھیک ہے،

حضرت علیؓ اور آپ کا یہ حال ہے کہ معاویہ آپ سے بلا مشورہ کئے معاملات کا فیصلہ

کرتے ہیں، اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ خلیفہ کا حکم ہے، اور آپ یہ سب کچھ

جانتے ہوئے بھی معاویہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

یہ مختصر سا مکالمہ، مخالفت کی تحریک کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتا ہے، اور اس کے تمام گوشوں

کو واضح کر دیتا ہے، اور معلوم ہو جاتا ہے کہ مدینہ میں لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی کس کس بات پر اعتراض تھا

اور حضرت عثمانؓ کے پاس اعتراضوں کا جواب کیا تھا، حضرت عثمانؓ پر اعتراض یہ ہے کہ وہ عطیات اور عہدے

میں اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دیتے ہیں، اور اپنے حاکموں سے جو انہیں کے رشتہ دار ہیں دیتے ہیں،

حضرت عثمانؓ کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے رشتہ داروں کی اولاد مفلسوں کی خدمت اور بے بسوں

کی دستگیری کے علاوہ کچھ نہیں کیا اور یہ کہ گورنروں کے تقرر میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلتے رہے

حضرت عمرؓ نے میسرہ بن شعبہ کو حاکم بنایا تھا، حالانکہ ان میں کوئی خاص بات نہ تھی اور معاویہ کو آنتریک

باقی رکھا تھا، حضرت علیؓ کا جواب یہ ہے کہ عمرؓ اپنے گورنروں پر کڑی نگرانی رکھتے تھے غلطی پر مواخذہ کرتے

تھے، اور یہ کہ حضرت عمرؓ کے غلام میرا سے کہیں زیادہ خود معاویہ حضرت عمرؓ سے ڈرتے تھے، پھر دو لوگوں

آدمی کسی بات پر متفق نہ ہو سکے اور گفتگو بلا نتیجہ ختم ہو گئی، ہاں حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ پر اپنے غصے

کا اظہار کر دیا، ان کو اپنا عیب جو، مترض، اور دشمن کے حوالے کرنے والا کہہ دیا، حالانکہ باہمی رشتہ

داری کا تقاضا تھا کہ وہ رعایت سے کام لیتے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ضروری سمجھا کہ اجتماع

طور پر اس مخالفت کا مقابلہ کریں اور لوگوں کو ڈرائیں دھمکائیں، چنانچہ باہر نکلے اور مسجد میں جا کر منہ

نبوی سے خطبہ دیا۔ اما بعد! ہر چیز اور ہر کام کے لئے ایک آفت اور ایک معیبت ہوتی ہے اس امت کی آفت اور اس نعمت کی معیبت عیب لگانے والے اور طعن و تشنیع کرنے والے ہیں، وہ دلوں میں بھار خلاف جذبات رکھ کر برتاؤ ایسا کرتے ہیں جس سے تم خوش ہو سکو، شتر مرغ کی طرح پہلی آواز کے پیچھے بولتے ہیں، دور کا گھاٹ پسند کرتے ہیں، گندے پانی پر اترتے ہیں، اور ناگواری سے پیتے ہیں، ان کا کوئی پیش رو نہیں، معاملات نے ان کو عاجز کر دیا ہے، روزی پیدا کرنا ان پر دشوار ہو گیا ہے، اسے لوگوں کو ابن خطاب کے لئے جو باتیں منظور تھیں انہیں کو میرے لئے عیب اور اعتراض جانتے ہو، انہوں نے تم کو ٹھوکر لگائی، ہاتھ سے رانا، زبان سے ذلیل کیا اور تم خوشی ناخوشی برداشت کرتے رہے اور میں نے تمہارے ساتھ نہ می برتی اپنے کاندھے پر بٹھایا، اپنا ہاتھ اپنی زبان تم سے روکا تو تم مجھ پر یہ بڑا دکھاتے ہو، خدا کی قسم میری اجتماعی قوت زیادہ ہے، میرے حامی مجھ سے بالکل قریب ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں، اگر میں ان کو آواز دیدوں تو ابھی دوڑ پڑیں، میں نے تمہارے لئے مقابل تیار کر رکھے ہیں ان کو زیادہ دیا ہے، اپنا دولت میں نے تم پر تیز کیا ہے، تم مجھ میں ایسی برائیاں نکالتے ہو جو مجھ میں نہیں ہیں، ایسی باتیں میرے متعلق کہتے ہو جو میں نے زبان سے نہیں نکالیں، پس اپنی زبانیں روک لو، طعن و تشنیع چھوڑ دو، اپنے حاکموں کو عیب لگانے سے باز آ جاؤ، میں نے تم سے اپنا ہاتھ اٹھالیا اور ہاں یہ تو بتاؤ تمہارا کیا حق مارا گیا، تقسیم کے بعد مال میں سے کچھ بچ رہا تو کیا اس بچے ہوئے مال میں بھی مجھے کچھ کرنے کا اختیار نہیں، تو پھر میں خلیفہ کیا؟ مروان ابن الحکم نے کچھ کہنا چاہا لیکن حضرت عثمانؓ نے ڈانٹ کر بٹھا دیا، اور کہا معاملہ میرا اور میرے ساتھیوں کا ہے تم کو درمیان میں بولنے کی کیا ضرورت، میں نے تم کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بیچ میں تم کچھ نہ کہنا۔

حضرت عثمان کے پورے دور خلافت میں یہ ان کا سب سے زیادہ تیز گرم اور سخت خطبہ ہے خود ان کو بھی اس کی تیزی کا احساس تھا اور انہوں نے اپنی نرم طبیعت کے مناسب معذرت کی اور کہا، تم مجھ میں ایسی برائیاں اور باتیں نکالتے ہو جو مجھ میں نہیں اور جو میں نے زبان سے نہیں نکالیں اور ابھی خطبہ پورا ہوا بھی نہیں تھا کہ تمہاری اس حد پر آگئے جو آپ کی سیرت کا حصہ ہے اور مروان سے کہہ دیا کہ بات میری اور میرے ساتھیوں کی ہے یعنی وہ اپنے مخالفوں سے نہیں بلکہ دوستوں سے باتیں کر رہے ہیں اور اس لئے تیزی اور سختی دکھائے ہیں

کہ ان کے دوستوں نے بھی ان کے ساتھ شدت سے کام لیا ہے اور ان کو آپ سے باہر کر دیا، عظیم لطیف انسان غصہ ہوتا ہے لیکن ذرا ہی چشم پوشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے جو اس کی عادت ہے۔

حضرت عثمانؓ کا اپنے دوستوں پر یہ اعتراض ہے کہ وہ عیب لگانے والوں کی سنتے ہیں، ہوزبان سے تو خوش کرنے والی باتیں کرتے لیکن دل میں تکلیف پہنچانے والے خیالات مخفی رکھتے تھے، ابو خلیفہ کے بارے میں غلط اور گمراہ کن باتیں پھیلانے اور ایسی امیدیں دلانے جن کے برائے کی کوئی صورت نہ تھی، حضرت عثمانؓ اپنی اس گفتگو میں ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ حزب مخالف کے اعضاء ہیں اور آپ کے خلاف جسارت کرتے ہیں، اور جمع ہوتے ہیں تاکہ اپنی دیرینہ آرزو جس کے بہت عرصے سے منتظر ہیں پوری کریں، لازمی طور پر یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق حضرت عثمانؓ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے لئے خلافت کا منصب چاہتے ہیں، ان کے علاوہ عمار بن یاسر جیسے اور دوسرے بعض مہاجر اور انصار بھی ہو سکتے ہیں جو حضرت عثمانؓ سے کھلا اختلاف رکھتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ اپنے دوستوں سے فرماتے ہیں کہ میری جن باتوں پر آج اعتراض ہے، کل وہی عمر کرتے تھے تو کوئی اعتراض نہ تھا اس لئے کہ انہوں نے سختی سے کام لیا اور لوگ ڈر گئے اور میں نے نرمی برتی اس لئے میرے اوپر لوگ دلیر ہو گئے ہیں، اس کے بعد مخالفین کو دھمکانے جو فرماتے ہیں۔ میرے ساتھ لوگوں کی طاقت ہے میرے حامی میرے قریب ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں اور حکم کے منتظر ہیں، اس میں شک نہیں اس دھمکی میں حضرت عثمانؓ اپنے ان حریفوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ثروت اور شوکت میں ان کے برابر نہیں، واقعہ یہ ہے کہ بنی امیہ عدو ابھی زیادہ تھے اور قریش کے تمام قبیلوں سے زیادہ حضرت عثمانؓ کے حامی اور مددگار بھی، آگے چل کر پھر حضرت عثمانؓ اپنے دوستوں کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں، تم کو غصہ میری کس بات پر ہے؟ میں نے تمہارا حق پورا پورا ادا کیا، ابو بکرؓ اور عمرؓ جو کچھ دیتے تھے میں نے اس میں کوئی کمی نہیں کی، بیت المال کے سلسلے میں فرمایا بچے ہوئے مال میں کیا مجھے اتنا کرنے کا بھی اختیار نہیں؟ پھر میں خلیفہ کس بات کا، حضرت عثمانؓ کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے بیت المال سے مسلمانوں کا حق ادا کر دیا تو باقی مادہ مال میں ان کو اختیار ہے جو چاہیں کریں، منصب خلافت ان کو اس کا حق دار بتاتا ہے، کسی اور کو اس میں برا ماننے کی یا اس میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں، پس کہنا چاہئے کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین

کے مقابلے کا پہلا مرحلہ طے ہو گیا، معترضوں نے مخالفت کی، اپنی مخالفت کو منظم کیا، خلیفہ کے سامنے اس کو پیش کر دیا، خلیفہ نے اعتراض کا جواب دیا، پھر مجمع عام میں خطبہ دیا اور یاد دہم کیا اور سخت تاکید کی آخر میں نرمی کا بھی اظہار کیا لیکن اپنی جگہ جسے رہے ایک پارچ بھی نہیں ہٹے، مخالفین بھی اپنی جگہ قائم رہے اور بس سے مس نہیں ہوئے لیکن گرد و پیش کے حالات حضرت عثمان اور ان کے مخالفین سے زیادہ شدید تھے مخالفت اپنی جگہ باقی رہی، مخالفین کو صوبوں سے خبریں ملیں کہ شہروں میں مخالفت کی تحریک مدینہ سے کہیں زیادہ زوروں پر ہے حضرت عثمان نے فاروق اعظم کی اتباع کی اور اپنی خلافت کے پورے دور میں لوگوں کے ساتھ سچ کیا صرف پہلے سال بیمار ہونے کی وجہ سے اور آخری سال محصور ہونے کی وجہ سے سچ میں شرکت نہیں کر سکے، آپ ہر سال حج کے موقع پر اپنے گورنروں سے ملتے، ان حالات سنتے اور انہیں ہدایتیں فرماتے جب تک کہ میں آپ نے اپنے حاکموں سے ملاقات کی تو ان کو مشورہ کی غرض سے اکٹھا کیا، راویوں کا بیان ہے کہ آپ نے عمرو بن العاص کو بھی بلایا تھا، لیکن مجھے اس میں شک ہے اس لئے کہ ۳۳ھ میں عمرو بن العاص آپ کے گورنر نہ تھے، پھر یہ کہ جب سے آپ نے ان کو مصر سے معزول کر دیا، وہ آپ کے خیر خواہ نہ تھے،

عمرو بن العاص کا نام راویوں نے اس مشورے میں اس لئے نتھی کر دیا کہ انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف جو چالاک اور چال بازی کی باتیں کی ہیں، اس پر خامہ فرسائی کر سکیں، غالب گمان تو یہ ہے کہ اس مجلس مشورہ میں یہی چار گورنر جو اہم صوبوں پر حکومت کرتے تھے شریک ہوئے یعنی امیر معاویہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، عبداللہ بن عامر اور سعید بن العاص، جب یہ لوگ جمع ہوئے تو حضرت عثمان نے کہا، ہر امام کے وزیر ہوتے ہیں، آپ لوگ میرے وزیر ہیں آپ کو معلوم ہے کہ لوگ مجھ سے کس طرح کھینچے ہوئے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ میں اپنے گورنروں کو برطرف کر دوں، اب آپ حضرات مجھے مشورہ دیجئے کہ میں اس سر اٹھانے والے نقتے کے بکے میں کیا کروں؟، امیر معاویہ نے کہا کہ گورنروں کو ان کے صوبوں میں واپس بھیج دیجئے، ان کی قابلیت اور مقدرت کے پیش نظر ان پر اعتماد کیجئے کہ وہ تدبیر کے ساتھ اپنے صوبوں کو سنبھالیں، امام کے لئے یہ کافی ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو چن لیا ہے، سعید بن عامر نے مشورہ دیا، کہ حزب مخالف کے لیڈروں اور فتنہ و فساد کے بانوں کو قتل کر دیا جائے عبداللہ بن سعد نے رائے دی کہ لوگوں کو

بیت المال کی راہ سے رضامند کیا جائے ان کو عطیات دیئے جائیں اور ان پر قبضہ رکھا جائے
عبداللہ ابن عامر نے اپنا یہ خیال پیش کیا، کہ لوگوں کو جہاد پر بھیجا جائے، جنگ ان کو سرحدوں پر کا
عرصے تک مشغول رکھے گی، حضرت عثمانؓ نے اس رائے کو پسند کیا چنانچہ آپ نے گورنروں کو داپر
کر دیا اور ان کو تاکید کر دی کہ وہ اللہ کے حقوق میں شدت برتیں اور اپنا طرز عمل ٹھیک رکھیں
اور رعایا پر پوری نگرانی رکھتے ہوئے ان کو جہاد پر بھیجیں اور جس کی طرف سے بھی کسی ٹیڑھ کا پتہ چلے ان
کا وظیفہ بند کر دیں اس کے بعد حضرت عثمانؓ مدینہ واپس آئے، امیر معاویہ بھی شام جاتے ہوئے راستے
میں بمسفر ہے، مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ نے ایک دوسری مجلس شوریٰ طلب کی جس میں امیر معاویہؓ
کے علاوہ چند جلیل القدر صحابہؓ نے بھی شرکت کی، مثلاً حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیر اور سعدؓ، امیر معاویہؓ
نے بات کا آغاز کیا یہ حاضرین کو معمر خلیفہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فتنہ اور نفاق سے بچنے کی تاکید کی
اس تاکید میں دھمکی کا رنگ بھی تھا، حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو ڈانٹا، بہر حال دونوں میں جو سوال و
جواب ہوا وہ تلخی سے خالی نہ تھا۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے بڑے سکون اور نرمی سے باتیں کیں اور کہا میں قوم کے مشورہ پر
ہوں، وہ مجھے جہاں لے جائے گی جاؤں گا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ سے کہا گیا کہ آپ نے فلاں فلاں
کو عطیات دیئے ہیں وہ واپس منگو آئے، حضرت عثمانؓ نے واپسی کا وعدہ کیا، اور سب خوش اور متو
ہو کر مجلس سے لٹھے، بلاشبہ حزب مخالف کو تھوڑی سی کامیابی ہوئی، حضرت عثمانؓ نے ان کے لیڈروں
سے گفتگو کی اور ان کے بعض مطالبات بھی مان لئے، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ پھر مہاجرین
کو بوڑھے خلیفہ کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور دھمکی کے اشارے بھی، عام طور پر خیال کیا جانے لگا کہ
آنے والا ۳۵ھ لوگوں کے لئے ایک گونہ سکون اور اطمینان کا سال ہوگا۔ لیکن کوفہ والوں نے بغاوت
کر دی، اور جیسا کہ آپ نے پڑھا انہوں نے سعید کو واپس کر دیا اور مطالبہ کیا کہ ان کا والی ابو موسیٰ
اشعریؓ کو بنایا جائے، حضرت عثمانؓ ان کا مطالبہ ماننے پر مجبور ہوئے، تاہم سب سے پہلا فتنہ تھا جو
کوفہ نے دوسرے شہروں کے لئے ایک مثال کے طور پر پیش کیا، چنانچہ بہت جلد دوسرے شہروں نے
اس کی اتباع کی اور باغیوں کو معلوم ہو گیا کہ مقصد حاصل کرنے کے لئے بغاوت ہی ایک سیدھا راستہ
تھوڑے ہی دنوں بعد مصری کوفہ والوں کی راہ چل پڑے اور ۳۵ھ کے رجب میں انہوں نے ایک

پڑاوند مرتب کیا اور اس اعلان کے ساتھ کہ یہ لوگ عمرہ کی غرض سے جا رہے ہیں، ان کو مدینہ بھیجا، لیکن مدینہ آنے کے بعد ان لوگوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے ان کے اور ان کے گورنروں کے مسک کے بارے میں گفتگو اور بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یہاں پہنچ کر راویوں میں اختلاف ہوتا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ ان کی ملاقات حضرت عثمانؓ سے ایک گاؤں میں ہوئی جو مدینہ کے قریب تھا، چنانچہ ان لوگوں نے قرآن مجید کو حکم بنا کر سوال و جواب کیا حضرت عثمانؓ نے ان کو مطمئن کر دیا اور وہ راضی ہو گئے اسی طرح ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو بھی مطمئن کر دیا اور انھوں نے معذرت کی اور درگزر کا وعدہ کیا اور بعض راوی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کے پاس جہا جو اور انصار کی ایک جماعت بھیجی جس میں حضرت علیؓ اور محمد بن مسعود انصاریؓ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان دونوں آدمیوں سے عہد کیا کہ وہ محل شرط پر بھی آئے والوں کو راضی کریں گے انھیں منظور ہے چنانچہ یہ سفیران لوگوں کے پاس آئے ان کی صحبت کر کے راضی کیا، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو لیکر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تاکہ ان کو مزید اطمینان دلا دیں، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نکلے اور لوگوں کو خطیبہ دیا جس کی وفد کی تعریف کی اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور خدا سے مغفرت چاہی پھر رونے لگے اور اس وقت کہ ان کے لئے لوگوں کے دل رقت سے بھر گئے اور مصری ہنسی خوشی واپس چلے گئے۔ راویوں کا یہ ہے کہ اس خطیبہ کے آخر میں حضرت عثمانؓ نے کہا تھا: "اب اگر مصیبت آئے تو تم میں سے کسی آدمی میرے پاس آجائیں جو زیادتی بھی مجھے معلوم ہوگی میں اس کو دور کروں گا اور جو ہر دہ بھی میرے پریش کی جائے گی میں اسے پورا کروں گا، لیکن ابھی وہ گھر پہنچے ہی تھے کہ مروان آپ کے پاس گیا اور آپ کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر دی چنانچہ جب آپ گھر سے نکلے تو لوگوں کو بری طرح بے دیا، اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے لوگوں کو اپنا بھائی بنایا، ان کی رضا مندی اور وعده کے پیش نظر لوگ متفق ہو گئے تھے کہ آپ کی اطاعت اور محبت کریں، اور آپ سے بھلائی اور خیر کی امیدیں رکھیں لیکن دن گذرنے سے اور حضرت عثمانؓ نے کچھ نہ کیا نہ کہنے کے مطابق کوئی تبدیلی کی نہ کسی گورنر کو برطرف کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ سال شوال کا مہینہ آنے ہی مصریوں نے دوسری بار خروج کیا اس مرتبہ ان کی تعداد کم سے کم پانچ لاکھ تھی اور زیادہ سے زیادہ بتانے والے ایک ہزار بتاتے ہیں

اسی زمانہ میں کوفہ اور بصرہ سے بھی لوگ نکلے اور سب کے سب مدینہ کے باہر پہنچے اور حضرت کو اپنے آنے کی اطلاع کو دی، حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ اور محمد بن مسلمہؓ کو بھیجے کیا، حضرت علیؑ نے انکار کر دیا، اور محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ میں اللہ کو ایک سال میں چھٹلا نہیں سکتا، لیکن پھر بھی مدینہ والوں نے منظور نہیں کیا کہ کچھ لوگ زبردستی گھس آ رہے ان کے مقابلے کے لئے نکل آئے اب مصر، کوفہ اور بصرہ کے وفود نے دیکھا کہ علیؑ، طلحہؓ، اور پڑاؤ ڈال دیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ان کی جماعت ہے جو زبردستی دلتے دلتے ہے، اور واپس جانا کی حفاظت کرنا چاہتی ہے تب وہ سب کے سب واپس ہونے لگے ان لوگوں ایسا ظاہر کیا کہ وہ اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہیں، اس کے بعد مدینہ والوں نے لیٹن کو لیا اور سے خطرہ دور ہو گیا اور حملہ آور اٹھے پاؤں چلے گئے چنانچہ سکون و اطمینان کی زندگی کر دی لیکن یکایک مدینے کی گلیاں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں اور لوگ دم ہٹنے لگے، اب ان کو معلوم ہوا کہ اپنے شہروں کو واپسی کا مظاہرہ ایک دھوکا تھا، جب ان آنے والوں نے دیکھا کہ شہر میں امن و سکون ہے تو وہ بلا روک ٹوک مدینہ اور ایک پکارنے والے نے بلند آواز سے اعلان کیا، جو کوئی اپنے گھر میں بیٹھ رہا جو ہمیں تکلیف پہنچانے سے باز رہا اس کو امان ہے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کیا گیا، یہیں سے اس خط کا قصہ شروع ہوتا ہے، جس کے متعلق راویوں نے کہا ہے واپسی میں اس کو مصریوں نے پکڑا اور اس کے بعد وہ مدینہ کی طرف لوٹ پڑے خیال میں یہ قصہ سر سے من گھڑت ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل خود راویوں کا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مصریوں سے سوال کیا کہ کوفہ اور بصرہ والوں کو کیسے ہوا کہ تم کو یہ خط ملا ہے حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنے راستے پر الگ تھا، مصریوں نے تمہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں؟ آخر میں انہوں نے کہا، اس کا جو مطلب جی چاہے نکالو اب ہم کو اس شخص کی ضرورت نہیں، اور یہ بات نہ معقول ہے اور نہ قابل کہ حضرت عثمانؓ اس قسم کی چال کریں، کہ ایک جماعت سے ایک طرف رضا مندی کا اظہار کرے اور دوسری طرف اپنے خفیہ فاسد کے ذریعے گورنر کو حکم دیں، کہ جب وہ جماعت شہر پہنچے تو اس

missing - 40 - 52

حضرت عثمان پر باغیوں کی زیادتی

معمول کے مطابق ایک دن حضرت عثمانؓ گھر سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھا کر منبر پر بیٹھے
 وعظ و نصیحت شروع کر دی، وعظ کے دوران میں آپؓ نے کہا۔ اے دشمنو! خدا سے ڈرو
 خدا سے، واللہ مدینہ کے لوگ جانتے ہیں کہ تم حدیث نبوی کے مطابق ملعون ہو، پس نیکیوں کے
 ذریعے اپنی خطاؤں کا خاتمہ کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ برائیوں کو نیکیوں سے مٹاتا ہے ہونے
 کا بیان ہے کہ اس پر محمد بن مسلمہ اٹھے اور کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، پھر حکیم ابن
 کھڑے ہوئے اور ان کو بٹھا دیا، اس کے بعد زیاد بن ثابت کھڑے ہوئے اور کہا، مجھ سے قرآن طلب
 لیکن محمد بن قتیہ نے ان کو بٹھا دیا، محمد بن مسلمہ اس بات کی شہادت دینا چاہتے تھے کہ اللہ نیکیوں
 کے ذریعے برائیوں کا خاتمہ کرتا ہے، اور زیاد بن ثابت چاہتے تھے کہ یہ بات قرآن مجید سے ثابت کر
 لو گوں کے سامنے ان الحسنات بیدھین السیئات کی آیت تلاوت کریں، لیکن ان دونوں کو
 لوگوں نے بٹھا دیا، پھر جبہ ابن عمرو ساعدی کھڑا ہوا جو انصار میں سے ایک شخص تھا اور کہنے لگا
 عثمانؓ تم منبر سے نیچے اترو ہم ایک عبا پہنا کر تم کو ایک بوڑھے اونٹ پر سوار کریں گے اور بس
 طرح تم نے ہمدگوں کو شہر بدر کیا ہے، ہم تم کو جیل دغان بھیج دیں گے، حضرت عثمانؓ نے
 کہا، بھابھو تیرا اور تیری تجوینہ کا ایہ جبہ حضرت عثمانؓ کو چھیڑا کرتا تھا، اور قتل کی
 دیتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ اگر آپؓ نے خلافت نہیں چھوڑی تو میں آپ کی گردن میں
 ڈال کر کھجلی والی اونٹنی پر بٹھاؤں گا، اور جیل دغان پر لے جا کر چھوڑ دوں گا،
 برآں یہ شخص آپؓ کے گورنروں کے بارے میں اور خاص طور پر مروان اور حکم کے
 بارے میں آپؓ کو سخت وسست کہا کرتا تھا اور جب کوئی اس سلسلے میں اس
 گفتگو کرتا، اور یہ جواب دینا چاہتا تو کہا کرتا تھا کہ کل جب میں خدا سے ملوں گا
 واللہ میں اس سے کہوں گا۔ انا اطحنا ساداتنا وکبوا

فاصلونا السبیل لہ

حضرت عثمانؓ جبکہ کابواب دیناری چاہتے تھے کہ جہاہ بن سعید غفاریؓ جو ابوذر کے خاندان کے ہیں اور بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے صحابی ہیں کو دکر منبر تک پہنچ گئے اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے خطبے کا عصا لے لیا اور اپنی ران پر مار کر اس کو توڑ دیا، یہ وہی عصا تھا جسے ہاتھ میں لے کر رسول اللہ ﷺ اور شیخین خطبہ دیا کرتے تھے، راویوں کا بیان ہے کہ اسی دن ان کے پاؤں میں آکلہ کی بیماری پیدا ہو گئی، حضرت عثمانؓ نے بعد میں عصا کو بوڑھے کا حکم دیا، پھر لوگوں نے گر ٹرے کی اور ایک دوسرے پر کنگر پھینکنے لگے اسی اثنا میں ایک پتھر حضرت عثمانؓ کو اس طرح لگا کہ گر پڑے اور، بیہوشی کی حالت میں گھر پہنچائے گئے اس کے بعد قتل ہو کر ہی گھر سے نکلنا نصیب ہوا،

محاصرے میں شدت اور پانی روک دینا | اس دن کے بعد سے حقیقت میں باغیوں کی روش بُری ہو گئی انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنے سے

بھی روکا اور ان کی جگہ اپنے ایک آدمی غافقی کو مقرر کیا، جو مصریوں کا سردار تھا، کبھی کبھی طلحہ بن عبید اللہ اور بعض اوقات حضرت علیؓ نماز پڑھتے تھے اس کے بعد باغیوں نے حضرت عثمانؓ پر پانی روک دیا تا آنکہ آپ اور آپ کے گھر کے لوگ پیاس کی شدت محسوس کرنے لگے ایک دن کھڑکی سے سر باہر نکال کر آپ نے لوگوں کو یاد دلایا کہ آنحضرتؐ کے حکم سے انہوں نے بیرونہ خریدا اور مسلمانوں کے لئے عام کر دیا، ابی نے اس کے صلے میں ان سے جنت کا وعدہ کیا آج ان پر اسی کنویں کا پانی حرام کیا جا رہا ہے اور مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ کھاری پانی سے افطار کریں، اسی طرح آپ نے ان کو یاد دلایا کہ آنحضرتؐ کے حکم سے انہوں نے زمین خرید کر مسجد کی تنگی دور گردی اور اس کے عوض آنحضرتؐ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا آج وہ پہلے مسلمان ہیں جن کو اسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے روکا جاتا ہے اس کے بعد آپ نے صحابہ سے اور امہات المؤمنینؓ سے چاہا کہ اگر ہو سکے تو بیٹھا پانی بھیج دیں، حضرت علیؓ نے تدبیر کر کے پانی پہنچا دیا، اور باغیوں کے پاس پہنچ کر ان کو ڈانٹا کہ یہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ نہ مومنوں کا طریقہ ہے نہ کافروں کا، رومی اور ایرانی بھی اپنے قیدیوں کو کھلانے پلاتے تھے ام المؤمنین، ام حبیبہؓ ابی سفیانؓ تقوڑا سا پانی لے کر آئیں تو باغیوں نے ان کے حجر کے منہ پر مارا اور اس کے کمر کا

بہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اتباع کی انہوں نے ہمیں گمراہ کیا

پشکا کاٹ دیا، ام المومنین گرنے کے قریب ہو گئیں لیکن کچھ لوگ پہنچ گئے انہوں نے پشکا دیا اور پھر
پہنچا یا حالانکہ ام المومنین نے باغیوں کو بتا دیا تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے بنی امیہ کے کچھ متمسکین
کے بارے میں باتیں کرنے جا رہی ہیں اور اس سلسلے میں بنی امیہ کی وصیتیں حضرت عثمانؓ کے پاس
ہیں، لیکن باغیوں نے ان کی ایک نہ سنی اور نہ کسی بات کی تصدیق کی، محاصرے کی شدت کے بعد
صحابہؓ خانہ نشین ہو گئے اور لوگ بھی اپنے گھروں میں بیٹھ رہے، اگر کوئی نکلتا بھی تو تلوار لے کر نکلتا
اس کے بعد تو مصیبت بڑھ گئی، خون ریزی عام ہوئی، حضرت عثمانؓ بار بار کھڑکی سے سر باہر نکال کر
باغیوں کو نصیحت کرتے، فتنہ فساد سے بچنے کی تاکید کرتے، اللہ کی آیات اور رسول کی احادیث ان کو
یاد دلاتے لیکن وہ لوگ کچھ نہ سنتے تھے اور نہ کچھ تو بہ کرتے تھے بلکہ بعض اوقات نہایت سخت جملات دیتے تھے

حضرت عثمانؓ کے حامیوں کی تیاری | بنی امیہ کے کچھ دلیر اور لڑنے والے افراد اکٹھا ہوئے اور ان کے

لوگ ایک ساتھ ہو کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے اور حفاظت کرنے لگے، ان میں عبداللہ ابن
عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادے حسنؓ اور حسینؓ اور محمد ابن طلحہؓ تھے، حضرت
عثمانؓ نے ان میں عبداللہ ابن زبیرؓ کو امیر بنایا تھا اور حکم دیا تھا کہ لڑائی نہ کرنا اور اس اہلاد سے
طور پر قائم رہنا، معاملات نے بڑی نازک صورت اختیار کر لی، حتیٰ کہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے پاس
جانے سے اور گھر والوں کو باہر نکلنے سے روکا گیا۔

امداد آنے کی خبر | کچھ دنوں ہی حالت رہی، پھر یہ خبر آئی کہ عراق کی امداد

چلی ہے، اس کے بعد راویوں کے بیان میں شدید اختلاف ہے حضرت عثمانؓ کے حامی راوی کہتے
ہیں۔ باغیوں کو خطرہ ہوا کہ اگر امداد مدینہ پہنچ گئی تو وہ ان کی راہ میں حائل ہوگی، اس لئے
نے محمد ابن ابوبکرؓ کی قیادت میں اپنے چند آدمیوں کو اندر گھسا دیا یہ لوگ عمرو بن حرم کے مکان سے
حضرت عثمانؓ کے گھر سے متصل تھا اور جس کے بیچ میں پھوٹا سا دروازہ تھا، حضرت عثمانؓ تک
گئے اور ان کو قتل کر دیا، لیکن مخالف راویوں کا بیان ہے کہ ابتداء گھر والوں ہی سے ہوئی،
وہ باغیوں کی طرف دوڑ پڑے حضرت عثمانؓ کھڑکی سے سر نکالے ہوئے تھے کہ باغیوں نے

خانیس نیار بن عیاض اسلمی نے جو سیر رسیدہ صحابی تھے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور نصیحت کی کہ
 "ہاں خود خلافت سے برطرف ہو جائیں، اسی اثناء میں نیار بن عیاض کو ایک تیریا ایک پتھر گھر
 کے میل سے لگا جس سے وہ مر گئے، اب باغیوں نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ ہمارے آدمی کے
 قاتل کو ہمارے حوالے کرو تا کہ ہم اس سے قصاص لیں، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ مجھے کیا معلوم
 کہ قاتل کون ہے، یا یہ کہا کہ میں ایک ایسے آدمی کو جو میری طرف سے مدافعت کر رہا ہے اور تم میری
 جان کے خواہاں ہو کیوں تمہارے حوالے کروں،

باغیوں کا گھر میں گھسنا اور قتل کرنا

اس کے بعد ایک ہی سخت رات درمیان
 میں رہی صبح ہونے ہی باغیوں نے گھر

پر حملہ کر دیا اور دروازے میں آگ لگانے لگے، تب گھر کے لوگ مقابلہ کرنے کیلئے گھر سے نکلے، اور
 لڑائی میں شدت پیدا ہو گئی عبداللہ ابن زبیر کو بہت زیادہ زخم آئے، مروان بن الحکم تو اس
 طرح گرا کہ لوگوں نے مر جانے کا شبہ کیا بہت سے لوگوں کی جانیں گیس اور باغی گھر میں گھس آئے
 اسی درمیان میں عمرو بن حزم نے اپنا دروازہ کھول دیا، پھر اس کے اندر کے چھوٹے دروازے
 سے حضرت عثمانؓ تک پہنچے اور ان کو قتل کر دیا۔

غالب گمان یہ ہے کہ باغیوں نے یہ سن کر کہ بہت جلد مدینہ میں، امداد آنے والی ہے چاہا
 کہ کمک آنے سے پہلے کام پورا کر دیں، ادھر مروان بن الحکم نے بھی مزید انتظار نہیں کیا اس لئے کہ
 باغیوں کی طرح اس کو بھی امداد کی خبریں مل چکیں تھیں پس اُس نے بھی لڑائی شروع کرنے میں عجلت
 سے کام لیا اور خیال کیا کہ وہ محاصرہ اٹھانے میں کامیاب ہو جائے گا اور امداد آنے تک مقابلہ
 جاری رکھ سکے گا، پھر یہ اس کو اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ معاویہ اور ابن عامر کو یہ کہنے کا موقع
 ملے کہ ان کی فوجوں نے اگر محاصرہ اٹھایا، اور انہیں زندگی بخشی، پس وہ چاہتا تھا کہ باہر کی
 امداد ایسی حالت میں آئے کہ وہ اور اس کے نبی امیہ کے ساتھی میدان میں برسہا برس پیکار ہوں اور
 شجاعت دے رہے ہوں، اسی لئے وہ اور اس کے ساتھی مقابلے کی دعوت دیتے ہوئے
 رجز پڑھتے ہوئے نکلے، حضرت عثمان صبر کرنے اور لڑائی سے باز رہنے کی تاکید فرما رہے
 تھے، لیکن یہ لوگ ان کی نہ کچھ سنتے تھے، اور نہ ان کی باتوں کا کچھ جواب دیتے تھے،

تب حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو تلوار رکھ دینے کی قسم دی جن سے اطاعت کی امید تھی، پناہ چاہنے والوں کے حامیوں کی ایک جماعت نے تلوار رکھ دیا لیکن بنی امیہ باز نہ آئے باہمی خوں ریزی کی حالت تھی، لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر میں گھس رہے تھے اور گھروالے منتشر ہو رہے تھے کہ اتنے میں ایک نکلنے والے نے آواز دی کہ ہم نے ابن عثمان کو قتل کر دیا اس کے بعد گھر کے تمام دروازے کھل گئے گھر اور بیت المال لوٹ لیا گیا، فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور مسلمانوں پر مصیبت کا سیلاب عظیم آگیا،

کیا حضرت عثمانؓ آخر وقت میں
محرر قتل ہونے پر تیار ہو گئے تھے؟

تاہم یہ پتہ چلتا ہے کہ آخر میں حضرت عثمانؓ کنارہ کی طرف مائل ہو چکے تھے، راویوں کا بیان ہے کہ سعد

ابن ابی وقاصؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان

کچھ سن کر فوراً واپس ہوئے اور مسجد میں جا کر حضرت علیؓ سے ملیے اور کہا۔ ابوالحسن! آپ

میں آپ کو ایسی خبر دیتا ہوں جیسی کسی نے کسی کو نہیں دی، آپ کے خلیفہ راضی ہو چکے ہیں پس

ان کی امداد میں پہل کیجئے ابھی یہ لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی اطلاع آئی

میں یقین کرتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ نے سعد کو بلا کر چاہا کہ ان کے ذریعے حضرت علیؓ کو

میں ڈال کر قتل و قتال روک دیں اور خلافت کا منصب شوریٰ کے افراد اور دوسرے ارباب

حل و عقد کے سپرد کر دیں کہ وہ جس کو چاہیں دیں، لیکن یہ پیغام بہت بعد از وقت تھا اور

کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

امیر معاویہ کی ہجویر میں

حجرت کے تئوں دنوں میں حضرت عثمان سے شفقت ہونے سے قبل امیر معاویہ نے آپ کے
ساتھ ہجویر میں بھی تھیں اور آپ نے ہجویر کو قلعہ طور پر مسترد کر دیا تھا، پہلی ہجویر میں وہ حضرت
عثمان سے کہتے ہیں کہ آپ میرے ساتھ شہم چلنے والے ہیں آپ کے لئے امن اور کامیابی ہے، لیکن آپ
نے انکار کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت چھوڑنا اور دارالہجرت سے نکل کر کسی اور گھر
بنا اپنے کو ارا نہیں کیا، غالباً حضرت عثمان کے دلی خیالات کچھ اور تھے جس کا اظہار معاویہ
سے مناسب نہیں ہوا، آپ نے خیال کرتے تھے کہ اگر مدینہ کی رہائش ترک کر دی تو دارالہجرت اس
شہر سے مستقل ہو جائے گا۔ جس میں اسلیم دشمنان اسلام پر غالب آیا، جس میں نبی اور بعد
میں شیخین نے اسلام کی رفعت کا سجدہ بلند کیا، حضرت عثمان اس بی بی بات کو سخت ناپسند
خیال فرماتے تھے۔ اور ان کے نزدیک امن سے زیادہ ناگواری کی کوئی بات نہ تھی کہ صحابہ اور علم
مسلمان ان سے یہ کہتے کہ آپ نے اسلام کی حکومت نبی اور صحابہ کے معزز کردہ مقام سے ہٹا
کر ایک اجنبی جگہ میں منتقل کر دی، پھر یہ کہ اگر حضرت عثمان یہ منظور کرتے تو ان کی حیثیت امیر
معاویہ کے ہاتھ میں ایک قیدی کی ہو جاتی اور معاویہ بن ابی سفیان کا قیدی رہنے سے کہیں
زیادہ پسندیدہ بات آپ کے لئے یہ تھی کہ اپنے ان ساتھیوں کے قیدی بنے رہیں، جن کے ساتھ آپ
نے ہجرت کی، جن لوگوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی اور آپ کے ساتھ اور بنی کے ساتھ غزوات میں
شریک رہے، اور جو آپ کے ساتھ بنی کے ارشادات پر گوش بردار تھے، اگرچہ معاویہ بن ابی
سفیان کی آپ سے رشتہ داری تھی، اور ان کے ساتھ رہنے میں سلامتی تھی اور عزت و شوکت بھی
دوسری ہجویر امیر معاویہ نے آپ کے سامنے یہ پیش کی تھی کہ میں شامی فوج کا ایک دستہ
جمع دیتا ہوں جو مدینہ میں رہ کر آپ پر ہونے والی زیادتیوں کی مدافعت کرے گا، حضرت عثمان نے
پہلی ہجویر کو بھی مسترد کر دیا اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو فوجیوں

Marfat.com

کے پڑوس سے تنگ کرنا نہیں چاہتا، حضرت عثمانؓ کے ولی خیالات جس کا اظہار معاویہ کے سامنے ضروری نہیں سمجھا غالباً یہ تھے کہ وہ آنحضرتؐ اور صاحبینؓ کی راہ سے اپنے کو ہٹا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ قوت اور غلبہ کی بناء پر اپنی حکومت منوایں، اور دار ہجرت کو معاویہ کے مجوزہ تسلط کا محکوم بنائیں، اور اس طرح اسلام میں اس المناک حادثے کا سبب بنیں کہ مہاجرین، انصار، مسجد نبوی اور مدینہ منورہ سب کے سب معاویہ کی بھیجی شامی فوج کے آگے سزنگوں ہوں، پھر فوج بھی ایسی جس نے نہ بنی کو دیکھا نہ بنی سے کچھ سنا نہ صاحبینؓ کی زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھی، حضرت عثمانؓ نہیں چاہتے تھے کہ وہ پہلے مسلمان بنیں جس نے خلافت کو سلطنت بنا دی، جس نے خلافت کی رحمت اور چشم پوشی کو سلطنت کے قہر اور خوف میں تبدیل کر دیا اور اگر آپ یہ منظور کر لیتے تو ایک جابر اور ڈکٹیٹر ہوتے جو فوج کے بل بوتے پر بنی کے صحابہ پر حکومت کیا، ایسی فوج جو آپ کے حامیوں کی حمایت کرتی، آپ گھر میں ہوتے تو گھر کی حفاظت کرتی، اور جب آپ گھر سے نکلنے تو آپ کو اپنی حفاظت میں رکھتی، مدینہ کے راستوں پر چلتے ہوئے آپ کی نگرانی کرتی، اور جب خطبہ کیلئے گھر سے ہوتے تو ہر طرف سے آپ کو اپنے احاطے میں رکھتی، بھلا ان باتوں کا بنی سیرت سے شیخینؓ کی سیرت سے کیا جوڑ؟ حضرت عثمانؓ تو مدینہ کی گلیوں میں کیلے بلا کسی حفاظت چلتے تھے، قوم کے جمگھٹوں پر گزرتے، ان سے کچھ فرماتے، کچھ ان کی سنتے، مسجد میں آرام فرماتے چادر میں لپٹے ہوئے چادر ہی کا تکیہ بنا کر، جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے تو لوگوں سے ایک شفیع باب نیک بھائی یا ایک مخلص دوست کی طرح خطاب فرماتے، ان کی خیر و عافیت اور حالات و ضرورت یافت فرماتے، مرلیضوں کی بیماری پر سی کرتے اور بازار کے بھاد بھی پوچھتے، پھر اذان کے بعد بدیتے اور جو کچھ فرمانا چاہتے فرماتے، پھر تشریف رکھتے اور لوگوں سے خیریت مزاج، ان کی وریات اور بازار کی حالت دریافت کرتے اور جب دوسری اذان ہو جاتی تو نماز پڑھتے، حالات کے پیش نظر کیسے ہو سکتا تھا کہ یہ سب چھوڑ کر شام چلے جاتے، نہ منبر نبوی پر خطبہ دیتے، نہ مسجد نبوی میں نماز پڑھا سکتے اور کیا حال ہوتا آپ کا اگر مدینہ میں ایسی حالت میں قیام کر لیتے تھے کہ شامی فوج آپ کو اپنے گھر سے لئے ہوئے ان سے بچاتی جو آپ کے ساتھ اور بنی کے ساتھ تمام لوگوں اور غزوات میں شریک رہے، پس حضرت عثمانؓ کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ معاویہ کی درختوں کی

متلوڑ فرمائیے اور مدینہ چھوڑ دیتے یا شامی فوج کا مدینے میں قیام گوارا کر لیتے، چنانچہ معاویہؓ نے جب آپ کے انکار پر کہا۔ تو پھر آپ سے جنگ ہوگی اور آپ کی جان جائے گی۔ آپ نے فرمایا۔
 حسبن اللہ و نعم الوکیل۔

پس خلافت کا آغاز کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کی خواہش تھی کہ وہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے نقش قدم پر چلیں اور ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہوں اور بڑی حد تک انہوں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ نہ شان و شوکت دکھائی نہ اقتدار و برتری کا مظاہرہ کیا ہاں ان تک وہ کمزوری پہنچی جو لوگوں تک بدینتی کی یا بدی کی راہ سے نہیں بلکہ کرمیاناہ اخلاق، نیر خواہی اور سوق خدمت کے راہ سے پہنچی ہے۔

پھر ہمیں یہ بھی بتا لھولنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی وہ ستر سال کے عمر تھے اور غیر معمولی فیاض، دریا دل، شدید حیا دار، نیک طبیعت، نرم لوگوں سے حسن ظن، اور رشتہ داروں سے انتہائی ہمدردی رکھنے والے، اب اگر کسی شخص یہ تمام اوصاف جمع ہو جائیں اور پھر اس کے قریبی رشتہ دار اقتدار کی پوری استعداد اور حوصلہ کا بے پناہ حوصلہ رکھتے ہوں تو بلاشبہ یہ تمام چیزیں اس فتنے کا باعث ہو سکتی ہیں جو حضرت عثمانؓ کو پیش آیا، پھر ان اوصاف پر مزید اگر یہ تصور بھی پیش نظر رکھا جائے صیابہ کبار کی ایک جماعت کا دل دنیا کی طرف مائل ہوا اور وہ اس کی طرف پورے شوق و رغبت کے ساتھ جھک پڑے اور دنیاوی اسباب کے حصول میں بیش از بیش حصہ لیا اور بھی کیا، پھر اس چیز نے ان کے دلوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ وہ خلافت کے استحقاق میں عثمانؓ سے کم نہیں ہیں، بلکہ خلافت کا بار اٹھانے اور اس کا نظم سنبھالنے کی زیادہ قدر رکھتے ہیں، اس لئے کہ ابھی وہ عمر کی اس منزل میں نہیں ہیں جہاں حضرت عثمانؓ پہنچ چکے تو بلاشبہ یہ تمام باتیں حضرت عثمانؓ کی راہ میں انتہائی مشکلات پیدا کر دیتی ہیں اور انہیں شواہد میں اس طرح پھنسا دیتی ہیں کہ اگر کسی الجھاؤ سے نجات ملی بھی تو اس لئے کہ اس زیادہ پیچیدہ الجھاؤ سامنے موجود ہے۔

پھر ان تمام مشکلات پر ایک مزید اضافہ یہ کر لیجئے کہ مہاجر اور انصار کے یہ بڑے بوڑھے

اچھی طرح خبر لے، پھر یہ بات بھی معقول نہیں ہے، اور نہ قابل قبول ہے کہ مروان خلیفہ کے خلاف ایسی جرات کر سکتا ہو کہ خود ایک خط لکھے پھر اس خلیفہ کی مہر لگائے اور خلیفہ ہی کے ایک غلام کے ہاتھ اسی کے اونٹ پر سوار کر دے۔ یہ تمام باتیں ایک سطحی دل لگی قرار دی جاسکتی ہیں، ان کو واقعہ نہیں کہا جاسکتا، حقیقت حال بالکل معمولی ہے، — باہر شہر اور صوبے کے لوگوں سے خلیفہ نے ایک وعدہ کر لیا، اس وعدے پر مطمئن ہو کر وہ چلے گئے، بعد میں ثابت ہوا کہ خلیفہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، تب وہ باغی بن کر اور یہ طے کر کے آئے کہ اس کام سے فرصت پا کر ہی ہوں گے، اور جب مدینہ پہنچے تو دیکھا کہ مقابلے کے لئے صحابہ تیار ہیں۔ یہ لڑا ان کو گوارا نہ تھی اس لئے واپسی کی چال چلی، لیکن تھوڑی دور جا کر جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب یہ بزرگ اور ممتاز صحابہ ہتھیار اتار کر گھروں میں جا بیٹھے ہیں تو واپس آئے اور بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے مدینہ میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ صحابہ کو نہ قتل کرنا چاہتے تھے نہ ان سے جنگ، اور نہ یہ چاہتے تھے کہ مدینہ کے قرب و جوار میں ایسا کوئی معرکہ ہو جو احد اور احزاب کے معرکوں کی پرتازہ کروے وہ صرف خلیفہ کا محاصرہ کرنا چاہتے تھے اُن کو اس بات کی خبر تھی کہ خلیفہ کو معزول کر دیں یا قتل، چنانچہ انھوں نے اپنا مقصد پایا مدینے میں داخل ہو گئے اور خلیفہ کا محاصرہ کر لیا،

میں یقین کرنا چاہتا ہوں کہ خود مدینہ میں ان باغیوں کے حامی اور مددگار تھے جنہوں نے اُن کو بلایا ان کی حوصلہ افزائی کی اور صحابہ کے ارادوں سے مطلع کیا، انھوں نے یہ بھی بتایا کہ مدینہ کی فضا میں امن اور سکون ہے، پھر جب محاصرہ ہوا تو یہ بھی شریک ہو گئے، ابتدا میں محاصرہ بہت ہلکا تھا، یعنی مدینہ میں داخلہ اور حضرت عثمانؓ کے مکان کا احاطہ، خلیفہ کو اپنے گھر میں جانے پر گھر سے نکلنے کی آزادی تھی وہ لوگوں کو نمازیں پڑھاتے تھے خود بھی باغی ان کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے، وہ لوگوں کو خطبہ دے کر وعظ و نصیحت کرتے ادا

ذکر پہنائی فرماتے تھے اسی دوران میں مصالحت کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور سفیر کبھی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں اور کبھی باغیوں کے ہاں جاتے تھے، باغی چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ خود سے برطرف ہو جائیں اور حضرت عثمانؓ وہ عبا جو حداثے سے واصل تھے ان کو پہنائی تھی اتارنے پر تیار نہ تھے، پھر یک ایک معاملے میں پھپھدگی بڑھ گئی، باغیوں کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے صوبے کے حاکموں کو لکھا ہے کہ وہ ان کی مدد کریں، اور باغیوں کو مدینہ سے نکلنے کے لئے فوجی امداد بھیجیں، اس کا علم ہونا تھا کہ محاصرے کی کیفیت بدل گئی اور اس کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے ساتھ باغیوں کا طرز عمل بھی بدل گیا،



اب تک جو زندگی جیتے رہے، اگر وہ نری بدوی نہ تھی تو شہری سے کہیں زیادہ دیہاتی زندگی کے قریب تھی اور اب جو آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو ایک زبردست حکومت کی آغوش میں پایا جس کی حدیں دور دراز تک پھیلی تھیں جس کے معاملات پیچیدہ اور الجھے ہوئے تھے، جس کے چلانے کے لئے کوئی وقتی اور ہنگامی سیاست کافی نہ تھی بلکہ ایک مستقل بنیادی اور متمدن سیاست کی ضرورت تھی، ایسی سیاست جس کے اصول موروثی، جس کی روایات مقررہ ہوں، ان تمام نقطوں کو جب تب فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ زندگی کے وہ حالات اور موثرات جو حضرت عثمانؓ کو اس وقت گھیرے ہوئے تھے، ان کی قوت خود حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں سے کہیں زیادہ تھی، کوئی صاحب یہ کہنے کی جرأت نہ کریں کہ حضرت عمرؓ کے سامنے بھی تو یہی حالات تھے، پھر وہ کس نے ان پر غالب آگئے اس لئے کہ فاروق اعظمؓ ان یکتا اور یگانہ افراد میں ہیں جو انسانیت کو شاد و درہمی نصیب ہوتے ہیں، ایسے افراد بعد میں آنے والوں کو تھکا دیتے ہیں، اور سخت مشکلات منبلا کر دیتے ہیں، اگر احتیاط و امنگیر نہ ہوتی تو میں کہتا کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں جو کچھ گزری ان کی تمام ذمہ داری اس جو ہر کمال پہ ہے جو فاروق اعظمؓ کو ملا اور جس سے ان کے تمام ساتھی محروم تھے، انہیں میں ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے،

————— چیز —————

دورِ راستے

بہر حال ان حوادث اور انقلابات نے جن کی پہلی منزل حضرت عثمانؓ کا خون تھا، مسلمانوں کو دو صاف اور سیدھے راستے پر کھڑا کر دیا ایک تو وہ جو پہلے سے قوموں کا چلا ہوا ہے یعنی سلطنت اور ملک گیری کا راستہ جس کی بنیاد تدبیر استقلال قوت اور شوکت پر ہے جو دنیاوی مشکلات کا حل دنیا کے اسباب سے کرنا جانتا ہے، چنانچہ وہ ترقی کرتا ہے طاقتور بنتا ہے، مچھوٹا بھلتا ہے، پھر اس پر کمزوری طاری ہوتی ہے، اضمحلال اور، افسردگی کا دور آتا ہے، تاکہ دوسری حالت پیدا ہو، دوسری حکومت بنے، اور دوسرے عوام سامنے آئیں، اور دوسرا وہ راستہ جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہموار کیا، جس کے نشانات شیخینؓ نے نصب کئے، جس کی بنیاد حکومت کی قوت نہیں بلکہ عدل اور محبت کی طاقت ہوتی ہے، جو قوت کو ایک ذریعہ اور وسیلہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا، اس راہ کو ذاتی مفاد سے، تکم اور جبر سے کوئی نسبت نہیں، یہ دنیا کی مشکلات کا حل دنیا کے ذرائع سے کرنا نہیں جانتا، بلکہ دنیا کی مشکلات کا حل دین سے کرتا ہے، اس کی بنیاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر ہے، مہلانی سے رغبت اور برائی سے نفرت پر ہے، اخلاص و ایثار پر اور خود غرضی سے توبہ پر، اس کے لئے سب سے پہلی معتبر چیز سنیوں کی صفائی اور دلوں کی پاکیزگی ہے، یہ ساری دنیا کو صرف آخرت کا ذریعہ تصور نہیں کرتا، بلکہ آخرت کے ساتھ ساتھ ایک نئی دنیا بھی اس کے پیش نظر ہے، جو زمانے کی ترقی کے ساتھ طہارت اور پاکیزگی میں ترقی کرتی جاتی ہے،

حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں نے اپنے آپ کو انہیں دورِ راستوں پر کھڑا پایا، ان کی اکثریت نے پہلا راستہ اختیار کیا، اور آزمائش میں ڈالے گئے، اور دنیاوی دوسری قوموں کی طرح آج تک مبتلائے آزمائش ہیں، کچھ تھوڑے سے لوگوں نے دوسرے

چلنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ بہر حال انسان ہی تھے، ابھی وہ کھوڑی دور آگے بڑھے، کہ ان کی جانوں کے لئے امتحان کا معرکہ پیش آیا اور اکثریت نے ان پر غلبہ پا لیا۔ آج مسلمان آنکھیں کھولی کر دیکھتا ہے، تو اس کو لگتا ہے کہ پہلا راستہ معمور ہے لوگ انہوں کی طرح اس پہ ٹوٹے پڑتے ہیں، اور دوسرا راستہ ہے تو صاف اور کھلا ہوا، ن وہ خالی ہے، اس پہ چلنے کی مہارت صرف اولوالعزم کو ہے، لیکن اب لوگوں میں اولوالعزم کہاں ؟

.....

حصہ - ۷

ایک سوال حسن کا جواب ضروری ہے

یہاں پہنچ کر ایک سوال سامنے آتا ہے جس کا قدیم اطمینان بخش جواب نہیں دیا، بلکہ اکثر تو جواب دینے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی، لیکن ہمیں جواب تو بہر حال معلوم کرنا ہے، سوال ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنروں نے امداد بھیجنے میں کیوں اتنی دیر کی کہ باغی محاصرہ کر سکے، اور رہے، تا آنکہ ان کی جان تک لے لی، کہا جاتا ہے کہ محاصرہ مسلسل چالیس دن تک باقی رہا جانتے ہیں کہ اس وقت آمدورفت کی آسانی نہ تھی اور نہ مسافت قریب تھی، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شہروں میں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ خبریں پھیل جایا کرتی تھیں، عبداللہ ابن سعد کو معلوم کہ مصری حضرت عثمانؓ کے خلافت شروع کر چکے ہیں، اس نے امیر معاویہؓ کو اس کی خبر کر دی تھی حضرت عثمانؓ کو بھی خط لکھ دیا تھا، ابو موسیٰ اشعریؓ کو قیوں کے نکلنے سے واقف تھے، اور ابن سعد کی طرح یہ بھی جانتے تھے کہ یہ کہاں اور کیوں جاتے ہیں، اب عبداللہ ابن عامر کا بھی کر لیجئے، کہ وہ بصرہ سے نکلنے والوں سے بے خبر نہ تھے، پس یہ معلوم ہوتے ہی کہ ان کے شہرہ خلیفہ کی بغاوت کرنے جا رہے ہیں، کیوں یہ گورنر فوراً دوڑ نہ پڑے اور پھر جب خلیفہ نے امداد لئے ان کو خطوط لکھے، کیوں نہ یہ اٹھ کھڑے ہوتے اور کیوں اتنی دیر کی کہ ان کے پہنچنے سے پہلے مصیبت آگئی، اور خلیفہ کی جان گئی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے گورنروں بات کا عادی بنا دیا تھا کہ ہر سال حج کے موقع پر حاضری دیں اور ملاقات کریں، پھر کیوں اس یہ سب کے سب اپنے شہروں میں ٹھہرے رہے اور حج کے لئے نہیں نکلے، حتیٰ کہ محصور اور خلیفہ کو حج کے لئے ابن عباسؓ کو مقرر کرنا پڑا، ان سب باتوں سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ بقول مورخین ابن عباسؓ نے حج کے لئے آنے والے تمام مسلمانوں کو حضرت عثمانؓ کا ایک خط پیش کیا جس میں انھوں نے اپنا معاملہ اور اپنی صفائی پیش کی ہے مورخین بیان ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ خط موقع پر لوگوں کو پڑھ کر بنایا پھر یہ کیا بات

کہ یہ خط جس کو طبری نے بہ تمام و کمال نقل کیا ہے عام لوگوں نے سنا، اور ادھر ادھر ہو گئے، گویا کچھ ہوا ہی نہیں، ان میں سے ایک بھی خلیفہ کی امداد کے لئے کھڑا نہیں ہوا، اور ان کی کوئی جماعت بھی مدینہ نہیں گئی، کہ ہاں ہونے والے واقعات کا پتہ خود معائنہ کرتی، اور ہاں یہ کئے گا گورنر کس طرح اطمینان کا سانس لیتا رہا، خلیفہ کی نصرت کے لئے لوگوں کو دعوت نہیں دی اگر وہ مکہ والوں ہی کو بلا لیتا، اور دیہات کے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ایک فوج ترتیب دے لیتا تو یقیناً باغیوں کو مصروف رکھ سکتا، تا آنکہ شہروں سے مستطم فوجی مدد آجاتی، پس کیا معاملہ ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہو سکی، ان گورنروں میں سے کسی میں حرکت پیدا ہوئی، اور نہ حاجیوں نے خلیفہ کی امداد کے لئے کسی بیانی کا اظہار کیا، تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے، کہ پوری امت نے خلیفہ سے ہاتھ اٹھا لیا، رعایا برواشتہ فاطر ہوئی، گورنروں نے کچھ کا کچھ سوچا، اور قصداً آل مٹول سے کام لیا، اور سب کے سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہے اور خلیفہ کو مدینہ والوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ مدینہ والوں کی اکثریت باغیوں کے ساتھ ہے، صحابہ کی ایک مختصر سی جماعت حضرت عثمانؓ کی ماننے والی ہے، اور وہ بھی کرتی کچھ نہیں، زبان سے زیادتیوں کی برائی کرتی ہے اگر صحابہ کی یہ جماعت باغیوں کی خدمت کرتے ہوئے ان کا مقابلہ کرتی اور ان کے منہ پر خاک ڈالتی تو بقول بعض قدما یہ باغی ناکام و نامراد واپس چلے جاتے، تو پھر حضرت عثمانؓ کی یہی بات ٹھیک ہے کہ "لوگ اب ان کی زندگی سے اکتا گئے ہیں" غالب گمان یہ ہے کہ لوگوں پر صرف ان کا بڑھاپا گرا نہ تھا بلکہ ان کی سیاست کی عمر بھی ایک بوجھ بن گئی تھی، جو نہ خلافت کی سیاست تھی نہ ملک گیری کی، بلکہ ایک چیز تھی بین بین،

✽

یہ بات صحیح ہے کہ لوگوں نے عثمانؓ کی سیاست سے اکتا گئے ہیں

حضرت عثمانؓ کی زندگی کے آخری دن

جس رات حضرت عثمانؓ کے گھر سے تیرا پتھر پھینکا گیا، اور نیار بن عیاض اسلمی مارے گئے اس کی صبح آپ روزے سے تھے، آپ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہے تھے کہ آج اُن کی زندگی کا آخری دن ہے آج اُن کی جان لے لی جائے گی، حاضرین نے کہا، امیر المؤمنین اللہ شہنشاہ کے لئے کافی ہے تب آپ نے کہا اگر تم میری آرزو اور خوش فہمی نہ سمجھو تو میں ایک عجیب بات کہوں لوگوں نے کہا ہم ایسا نہیں سمجھیں گے، آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ان کے ساتھ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے، آپ نے فرمایا عثمان! آج رات تم ہمارے یہاں انتظار کرو گتگو کا سلسلہ جاری رہا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں، علامہ نے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ کا ارشاد ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی حالت میں بھی ایک مسلمان کا خون حلال نہیں، ایمان کے بعد کفر، پاکبازی کے بعد زنا، بلا عوض کسی کو قتل، قسم خدا کی کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہ جاہلیت میں کیا نہ اسلام میں، اور جب سے خدا نے ہدایت دی مجھے اپنے دین بدلنے کا خیال تک نہیں آیا، اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا پھر بنیاد پر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں، سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا، اگر مجھے قتل کر دیا تو کبھی متفقہ نماز نہیں پڑھ سکیں گے، اور نہ کبھی ایک صف ہو کر دشمن سے مقابلہ کر سکیں گے اس کے بعد آپ حاضرین کو قتل و قتال سے بچنے کی ہدایت فرماتے رہے اور حاضرین کا اصرار تھا، کہ دشمنوں سے ضرور مقابلہ کرنا چاہیے آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک ذمہ داری سونپی ہے میں صبر کے ساتھ اس پر قائم رہوں گا، تاکہ اس معرکے میں گرا دیا جاؤں میرے لئے مقدر ہے، آپ اسی طرح اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے رہے، اتنے میں باگھس آئے اور آپ کا کام تمام کر دیا

اس لئے شواہد کا معائنہ قتل

۱۰ طبقات ابن سعد مطبوعہ لیدن تبصرہ حقہ پہلی قسم ص ۱۰۰

آپ کے قاتلوں کے متعلق زبردست اختلاف ہے لیکن اس میں شک اور انکار کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ آپ کا خون قاتلوں کے لئے کسی طرح بھی حلال نہ تھا، اس لئے کہ آپ جس مسلک کے پابند تھے اس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے آپ کے ساتھیوں کی بے راہ روی دانستہ ہو سکتی ہے، اور نادانستہ بھی، پس آپ کے معترضین اور مخالفین کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش اس کی تھی کہ وہ بغاوت کرتے اور امت کو بغاوت پر آمادہ کرتے اگر کامیاب ہو جاتے تو صوبوں کے لئے، مسلمانوں میں سے نمایندگان مقرر کر لیتے، اب یہ نمایندگان کا فرض تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے بحث و مباحثہ اور گفت و شنید کرتے، پھر ان کی سنتے کچھ اپنی سناتے، اس کے بعد اگر ان کا باقی رکھنا مناسب خیال کرتے تو باقی رکھتے ورنہ معزول کر کے ان کی جگہ دوسرا امام مقرر کر لیتے اور حضرت عثمانؓ کا معاملہ نئے امام کے حوالے کر دیتے جو ان سے ان کی جانوں اور مالوں کے بارے میں اگر کوئی تفسیہ تھا تو باز پرس کرتا لیکن وہ باغی جن کو مسلمانوں کی وکالت حاصل نہیں ہے اس کا حق نہیں رکھتے کہ خلیفہ کو معزول کر دیں، اور یہاں تو معزول کرنے کی بھی بات نہیں ہے انہوں نے تو خلیفہ کا خون ہی کر دیا ہے، حالانکہ عام مسلمانوں کی طرح خلیفہ کا خون حرام تھا، بلکہ اس میں خلافت کی حرمت کا اضافہ بھی تھا،

لوگ ان باغیوں کی طرف سے بہت سے عذر پیش کرتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ مصر، شام اور عراق کے گورنروں کے خوف کی وجہ سے خلیفہ کو معزول نہیں کر سکتے تھے، اور نہ مزید انتظار اور اگر وہ قتل نہ کر دیتے تو حضرت عثمانؓ یا ان کے حاکم خوران کو قتل کر دیتے، لیکن یہ عذر بھی ان کو اجازت نہیں دیتا، کہ اللہ کا حرام کیا ہوا خون حلال سمجھیں اور خلافت کے اقتدار کو اس طرح ذلیل کریں،

شاید باغیوں کے لئے اور خود حضرت عثمانؓ کے لئے اور ان تمام افراد کے لئے جن کے ہاتھ اس تفسیہ میں خون سے رنگین ہیں، صفائی کا ایک ہی بیان ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اس وقت کے حالات اور زندگی سے محیط موثرات سب کے بس سے باہر تھے اور اللہ نے مقدر کیا تھا کہ اس فتنہ عظیم میں مبتلا کر کے ان کے دین اور ان کی دنیا دونوں کا امتحان لے گا حضرت علیؓ نے کوفہ والوں سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، عثمانؓ نے اپنی رائے پر غلط اصرار کیا اور تم نے بے مبری کا

مظاہرہ کیا، اس فتنہ عظیم کی یہی بہترین تفسیر ہے

ابن سعد کہتے ہیں کہ مجھے فضل بن دین نے خبر دی کہ ان کو ابان ابن عبد اللہ سلمی سے اور ان کو نعیم ابن ابی ہند سے اور ان کو ربیع بن حراش سے معلوم ہوا، وہ فرماتے ہیں، میں حضرت علیؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ابن طلحہ آئے اور حضرت علیؓ کو سلام کیا، حضرت علیؓ نے مرحیا کہا تو اس نے جواباً کہا، امیر المؤمنین مجھے مرحبا کہتے ہیں، حالانکہ آپ نے میرے والد کو قتل کیا ہے اور میرا مال لے لیا ہے، آپ نے کہا، تمہارا مال بیت المال میں رکھا ہوا ہے کل آ کر تم وہاں سے لے لو، رہی تمہاری یہ بات کہ میں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے تو میں چاہتا ہوں، کہ میں اور تمہارے باپ ان لوگوں میں ہوں جن کے لئے اللہ کا ارشاد ہے

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰی سِدْرٍ

مُتَقَابِلِينَ

اس پر ہمدان کے ایک ایک چشم آدمی نے کہا اللہ اس سے بھی زیادہ انصاف کرنے والا ہے، حضرت علیؓ اس طرح چلائے کہ مکان ہل گیا اور فرمایا اگر ہم نہیں تو اس آیت کے مصداق اور کون ہوں گے،

✽

سچان کا قائل: صحابہ اور یہ اللہ کو

سچا قائل: قریشی یعنی

سچا قائل: فساد

۴۱

امدادیے حضرت عثمان کا اصولوں کے ناخط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اے اللہ! اللہ عزوجل نے محمدؐ کو برحق بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، آپ نے اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائے، پھر اللہ نے آپ کو بلا لیا، اور آپ اپنا فرض ادا کر کے ہم میں وہ کتاب چھوڑ گئے، جس میں حلال و حرام ہے اور جس میں ان باتوں کا بیان ہے جن کو اللہ نے مقدر کیا ہے اور جاری کیا ہے، خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اس کے بعد مجھے بلا بتائے اور بلا پوچھے امت کی ایک جماعت کے سامنے شوریٰ میں داخل کر دیا گیا، اس کے بعد شوریٰ والے اپنی اور لوگوں کی موجودگی میں میری طلب کے بغیر مجھ پر متفق ہوئے، اور میں بیعت اور مقتدی کی طرح ان میں پسندیدہ اور ناقابل اعتراض کام کرتا رہا، میں نے جدت اور تکلف سے کام نہیں لیا، اور نہ اپنی تابعداری چاہی، لیکن جب معاملات تکمیل کو پہنچے اور اہل شرنا کام رہے تو گزری ہوئی باتوں پر کینے اور حسد کا اظہار کرنے لگے، حالانکہ وہ باتیں قرآنی احکام کے مطابق ہیں اور ان میں کوئی ظلم و زیادتی نہیں، وہ ایک بات کا مطالبہ کرتے ہیں پھر بلا کسی دلیل اور سبب کے دوسری بات کا اعلان کرتے ہیں انھوں نے مجھ پر اور مدینے کی ایک جماعت پر من مانے الزامات لگائے، پس میں صبر کرتا رہا، اور برسوں دیکھتا سنتا رہا، اور کچھ نہیں کیا، پھر اللہ عزوجل پر ان کی جرأت اور بڑھتی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے حرم کے پڑوس میں سرزمین

ہجرت میں لوگوں کو ہمارے خلاف ابھارا اور دیہاتیوں کو جمع کیا، پس یہ لوگ
غزوہ احزاب کے دن کی جماعتوں کی طرح ہیں، یا ان لوگوں کی طرح جنہوں
نے معرکہ احد میں ہمارا مقابلہ کیا، البتہ یہ لوگ ظاہر کچھ اور کرتے
ہیں، اب جو ہمارا ساتھ دے سکتا ہو دے



عاجیوں کے نام حضرت عثمان کا خط

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے بندے عثمان امیر المؤمنین کی طرف سے تمام مسلمانوں کے نام سلام علیکم میں تم سے اس خدا کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اما بعد! میں تمہیں اس خدائے بزرگ و برتر کی یاد دلاتا ہوں جس نے تم پر عالم کیا، تم کو اسلام سکھایا، اور گمراہی سے بچایا، کفر سے نکالا، تم کو نشانیاں بتائیں، رزق میں وسعت بخشی، دشمن پر غالب کیا، اپنی نعمتوں سے ڈھانک لیا، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے،

اور اگر گنوا احسان اللہ کے نہ پڑے
 کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف
 ہے ناشکر۔ اے ایمان والو ڈرتے ہو
 اللہ سے جیسا چاہیے، اُس سے ڈرنا،
 اور نہ مریو مگر مسلمان۔ اور مضبوط
 پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ
 نہ ڈالو اور یاد کرو احسان اللہ کا
 اپنے اوپر جب کہ تمھے تم آپس میں دشمن
 پھر الفت دی تمہارے دلوں میں باب
 ہو گئے اس کے نفل سے بھائی اور تم
 تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے

وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْمَوْنَ
 بِهَا إِلَّا نَسَانٌ لَّظُومٌ كُفَّارٌ —
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
 حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا
 وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ — وَاعْتَصِمُوا
 بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا
 وَادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
 إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ
 قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ
 إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُزْرٍةٍ
 مِنَ النَّارِ فَنَقَذَكُم مِّنْهَا

كذالك يبين الله لكم
آياته لعلكم تهتدون.
ولتكن منكم امة يدرعون
الى الخير ويامرون بالمعروف
وينهون عن المنكر واولئك
هم المفلحون — ولا
تكونوا كالذين تفرقوا و
اختلفوا من بعد ما جاءهم
البينات واولئك لهم عذاب
عظيم — واذكرو نعمة
الله عليكم وميثاقه
الذي اوثقكم به اذ
قلتم سمعنا واطعنا.
يا ايها الذين آمنوا ان
جاءكم من سق نبأ فتيونا
ان تصيبوا قومنا بجهالتنا
فتصيحوا على ما فعلتم
ناحين — واعلموا اننا
فيكم رسول الله لونيظيكم
في كثير من الامور لعينتم
ولعن الله حبيب اليكم
الانيمان وزينه في قلوبكم
وكره اليكم الصغرة و

پھر تم کو اس سے نجات دی اسی طرح
کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم
راہ پاؤ، اور چاہیے کہ رہے تم میں
ایک جماعت ایسی جو بلائی رہے نیک
کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے
کاموں کا اور منع کریں برائی سے
اور وہی پہنچے اپنی مراد کو اور مت ہو
ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف
کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو
حکم صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے
اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور
عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا جب
تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا
اے ایمان والو اگر آئے تمھارے
پاس کوئی گنہگار خبرے کر تو تحقیق
کر لو کہیں جائے پڑو کسی قوم پر نادانی
سے پھر کل کو اپنے کئے پر ٹھو پھانے
اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ
کا اگر وہ تمھاری بات مان لیا کرے
بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے
پر اللہ نے محبت ڈال دی تمھارے دل
میں ایمان کی اور کھپا دیا اس کو تمھارے
دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمھارے

الفسوق والحصیان اولئک
 هم الراشدون ، فضلامن
 اللہ ونعمتہ واللہ علیہم حکیم
 ان الذین یشترون بحہد
 اللہ وایمانہم ثمناً قلیلاً
 اولئک لا خلاق لہم فی الآخرة
 ولا یکلمہم اللہ ولا ینظر
 الیہم یوم القیمة ولا
 یرزقہم ولہم عذاب
 الیم — فاتقوا اللہ ما
 استطعتم واسمعوا واطیعوا
 وانفقوا خیراً لانفسکم
 ومن یوق شح نفسه فاولئک
 هم المفلحون — وادفوا
 بحسد اللہ اذا عاہدتم
 ولا تنقضوا الیمان بعد توکیدھا
 وقد جعلتم اللہ علیکم
 کفیلان اللہ یعلم ما
 تفعلون ، ولا تكونوا کالذین
 تقضت غزلہا من بعد قوتہ
 انکاتأخذون ایمانکم
 دخلاً بینکم ان تعوت
 امتہ ہی اربی من امتہ انما

دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی
 وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ
 کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ
 سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا جو لوگ
 مول لیتے ہیں اللہ کے اقرار پر اور اپنی
 قسموں پر تھوڑا سا مول ان کا کچھ حصہ
 نہیں آخرت میں اور بات کرے گا ان
 سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی
 طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے
 گا ان کو اور ان کے واسطے عذاب ہے سو
 ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے اور
 سزا اور مانو اور خرچ کرو اپنے پہلے
 کو اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ
 سے سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے اور
 پورا کرو عہد اللہ جب آپس میں عہد کرو
 اور نہ توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد
 اور تم نے کیا ہے اللہ کو صامین اللہ
 جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور مت رہو
 جیسے وہ عورت کہ توڑا اس نے اپنا
 سوت کا تا ہوا محنت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے
 کہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دخل دینے کا
 پہانہ ایک دوسرے میں اس واسطے کہ
 ایک فرقہ ہو چڑھا ہوا دوسرے

یبلوكم الله به وليبين
لكم يوم القيامة ما كنتم
فيه تختلفون ولو شاء
الله لجعلكم امة واحدة
ولكن يصل من يشاء و
يهدي من يشاء ولتسئلن
عما كنتم تعملون ولا
تتخذوا ايمانا نكروا خلا
بينكم فتزل قدم بعد
ثبوتها وتذوقوا السوء
بما صددتم عن سبيل
الله ولكم عذاب عظيم
ولا تشتروا بجهد الله ثمنا
قليل ان ما عند الله دهر
خير لكم ان كنتم تعلمون
ما عندكم ينفد وما
عند الله باق وليجزين
الذين صبروا اجرهم
بأحسن ما كانوا يعملون
يا ايها الذين امنوا اطيعوا
الله واطيعوا الرسول وادلى
الامر منكم فان تنازعتم
في شئ فردوه الى الله والرسول

یہ تو اللہ پر کھتا ہے تم کو اس
سے اور آئندہ کھول دے گا اللہ تم کو
قیامت کے دن جس بات میں تم جھگڑ
رہے تھے اور اللہ چاہتا تو تم سب
کو ایک ہی فرقہ کر دیتا لیکن راہ بھلانا
ہے جس کو چاہے اور سبھاتا ہے جس
کو چاہے، اور تم سے پوچھ ہوگی
جو کام تم کو تھے اور نہ ٹھہراؤ
اپنی قسمتوں کو دھوکا آپس میں کہ دگ
نہ جاتے کسی کا پاؤں جمنے کے پیچھے
اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ
تم نے روکا اللہ کی راہ سے اور تم کو
بڑا عذاب ہو اور نہ لو اللہ کے عہد
پر مول ٹھوڑا بیشک جو اللہ کے
یہاں ہے، وہی بہتر ہے تمہارے
حق میں اگر تم جانتے ہو۔ جو تمہارے
پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا اور ہم بدلے
میں دے گے صبر کرنے والوں کو ان کا
حق اچھے کاموں پر جو وہ کرتے تھے
اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور
حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں
سے ہوں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں
تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے

ان كنتم تؤمنون بالله
والیوم الآخر ذالك خیر
احسن تاویلا - وعده الله
الذین امنوا منكم و
عملوا الصلحت لیستخلفنهم
فی الارض كما استخلف
الذین من قبلهم ولیمكن
لهم دینهم الذی ارتغی
لهم ولیبدلنهم من
بعد خوفهم اما یعبد
ونتی لا یشرکون بی شیئا ومن
صرف بعد ذالك فاولئك
هم الفاسقون - ان
الذین ینبأ یحونك انما
ینبأ یحون الله ید الله فوق
اید یدهم فمن نكث
فانما ینكث علی نفسه
ومن اوفی بما عاهد علیہ
الله فسیؤتیہ اجر عظیما

اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ
پر اور قیامت کے دن پر یہ بات اچھی
ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام۔
اور وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے
جو تم میں ایمان لائے ہیں، اور گئے
ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے
قائم کر دے گا، ان کو ملک میں،
جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو
اور جمادے گا ان کے لئے دین ان
کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور
دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے
میں امن میری بندگی کریں گے شریک
نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی
ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو
وہی لوگ ہیں نافرمان، اے پیغمبر
جو لوگ صلح حدیبیہ کے وقت تمھارے
ہاتھ پر ہونے مرنے کی بیعت کر رہے
ہیں، وہ تم سے نہیں بلکہ خدا ہی سے
بیعت کر رہے ہیں، تمھارا نہیں بلکہ
خدا ہی کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے
جو ایسا پکا قول و قرار کرنے کے
بعد اس کو توڑ دے گا تو توڑنے
کا وبال خود اسی پر پڑے گا، اور جو

اس عہد کو پورا کرنا رہے گا جو اس
نے خدا کے ساتھ کر لیا ہے تو عنقریب
خدا اس کو بڑا اجر دے گا،

اما بعد خدائے بزرگ و برتر تمہارے اتحاد اور اطاعت سے خوش ہے، نافرمانی
نا اتفاقی اور اختلاف سے بچنے کی تاکید کرتا ہے، پہلے کے لوگوں نے جو کچھ کیا اس
کی اس نے تم کو خبر کر دی ہے، تاکہ اگر تم نافرمانی کرو تو تم پر رحمت قائم رہے،
پس خدائے بزرگ و برتر کی نصیحت قبول کرو اور اس کے عذاب سے بچو تم برباد
ہونے والی قوموں میں دیکھو گے، کہ ان کی تباہی کا سبب یا ہی اختلاف ہے الا یہ کہ
ان کو متحد کرنے والا کوئی ہو، اگر تم متحد نہیں رہے تو متفقہ نماز نہیں پڑھ سکو گے
دشمن تم پر مسلط کر دیا جائے گا، اور تم میں سے بعض بعض کی آبروریزی کریں گے اور
جب ایسا ہونے لگے گا تو اللہ کے لئے کوئی دین نہ ہوگا، اور تم ٹولپوں میں بٹ جاؤ گے
اللہ عزوجل نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا:

ان الذین فرقوا دینہم
وکانو شیعاً لست منہم فی
شیئی انما امرہم الی اللہ
ثم ینبئہم بما کانوا
یفعلون

اے پیغمبر جن لوگوں نے اپنے دین میں
تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے تم
کو ان کے جھگڑوں سے کچھ سروکار نہیں
ان کا معاملہ بس خدا کے حوالے کر دو
ان کا حساب لے گا، پھر جو کچھ دنیا میں
کیا کرتے تھے، ان کا نیک و بد ان
کو بتا دے گا،

میں تم کو خدا کا دیا ہوا حکم دیتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

شعیب علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:-

یا قوم لایجوز منکم
شقاقی ان یحییٰ حکم مثل

اور بھائیو میری منہ میں آکر کہیں
ایسا جرم نہ کر بیٹھنا کہ جیسی مصیبت

قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم
صالح پر نازل ہو چکی ہے اس جرم
کی پاداش میں ویسی ہی مصیبت
تم پر بھی آنازل ہو اور قوم لوط کے
کھنڈر تم سے کچھ ایسے دور نہیں
ان کو دیکھ کر عبرت پکڑ سکتے ہو اور
اپنے ہر دور دگار سے اپنے پچھلے گناہوں
کی معافی چاہو، پھر آئندہ کے لئے
اس کی جناب میں توبہ کرو، بیشک
میرا پروردگار بڑا مہربان اور محبت
کرنے والا ہے،

ما اصاب قوم نوح اوقوم
هود اوقوم صالح وما قوم
لوط منکم ببعد و
استغفروا ربکم ثم توبوا
الیہ ان ربی رحیم ودود

ابعد! جو لوگ میرے متعلق یہ سب باتیں کہتے ہیں وہ بظاہر اللہ کی کتاب کی
طرف دعوت دیتے ہیں، اور حق کی طرف بلا تے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دنیا ان کا
مقصود نہیں پھر جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو لوگ مختلف خیال کے
ہو گئے، کسی نے تو حق کا دامن پکڑ لیا، کسی نے انکار کیا کسی نے محض اس شوق
میں کہ بچر اور بلا حق منصب خلافت حاصل کریں حق کو چھوڑ دیا میری عمر کے ساتھ
اقتدار کے لئے ان کی امیدیں بھی طویل ہو چکی ہیں، اس لئے وہ عجلت سے کام لے
رہے ہیں، انہوں نے آپ لوگوں کو لکھا ہے کہ وہ میرے وعدے کے سلسلے
میں دوبارہ آئے ہیں، لیکن میں نہیں جانتا کہ میں نے کوئی ایسی بات چھوڑ دی ہے
جس کا میں نے ان سے عہد کیا تھا، ان کا خیال ہے کہ وہ مجھ سے حدود جاری
کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، میں نے کہا ایک کے بارے میں تم جاری کرو جس
کے متعلق جانتے ہو کہ وہ مجرم ہے جس نے تم پر دور یا نزدیک سے ظلم کیا ہو اس
لے طبری کے متعدد نسخوں میں اسی طرح ہے،

پر تم حد جاری کرو، وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھا جائے، میں نے کہا پڑھے جسے پڑھنا ہے لیکن جو بات خدا نے نازل نہیں کی ہے، اس میں غلو اور تشدد سے کام نہ لے، انھوں نے کہا کہ درمائدہ اور سبکیوں کی مالی امداد ہوتی چاہیے مال کے ذریعے اچھی اور مفید راہیں نکالنی چاہئیں، خمس اور صدقات کے بارے میں بے عنوانی نہیں ہونی چاہیے، اچھے قومی ایمان دار اور متقی افراد کو حاکم بنانا چاہیے، مظلوموں کو انصاف ملنا چاہیے، میں نے یہ تمام باتیں منظور کیں میں ازواج مطہرات کے پاس گیا اور ان سے گفتگو کرتے ہوئے سوال کیا کہ مجھے کیا حکم دیتی ہیں، انھوں نے کہا کہ عمرو بن العاص کو حاکم بناؤ اور عبداللہ ابن قیس کو اور حادہ کو اپنی جگہ رہنے دو، ان کو آپ کے پہلے خلیفہ نے حاکم بنایا ہے پھر ان سے ان کی حکومت کے لوگ خوش ہیں عمرو بن العاص کو ان کے عہدے پر لوٹا دو ان کا صوبہ ان سے راضی ہے، یہ سب باتیں میں نے کر دیں لیکن اس نے مجھ پر زیادتی کی اور حق کے حدود سے متجاوز ہوا۔

میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں اور میرے وہ ساتھی جنہیں خلافت کی طمع ہے، جلد بازی سے کام لے رہے ہیں، انھوں نے مجھے نماز سے روک دیا ہے، میرے اور مسجد کے درمیان حائل ہو گئے اور مدینے میں لوٹ اور غارتگری مچا دی ہے، میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور یہ لوگ میرے سامنے تین باتیں پیش کر رہے ہیں ایک تو یہ کہ میں ہر اس شخص کا بدلا دوں جس کو مجھ سے بجا یا بیجا نقصان پہنچا ہو، دوسری یہ کہ میں خلافت سے دست بردار ہو جاؤں، تاکہ یہ لوگ کسی دوسرے کو خلیفہ بنالیں، تیسری یہ کہ میں ان کے کسی ہم خیال صوبے یا شہر میں چلا جاؤں جہاں میری اطاعت سے گلو خلاصی حاصل کریں، میں نے ان سے کہا، پہلے کے خلفاء سے بھی بے جا یا بجا غلطیاں ہوئی ہیں لیکن ان سے کسی نے بدلے

سے پہلی روایت اور اس بیان میں اختلاف معلوم ہوتا ہے اس پر ہم کتاب کے دیگر حصے میں بحث کریں گے۔

کا مطالبہ نہیں کیا، میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ میری جان کے پیچھے پڑے ہیں اب رہی یہ بات کہ میں اللہ عزوجل کے کام اور خلافت سے دست بردار ہو جاؤں تو مجھے یہ گوارا نہیں اس سے زیادہ پسندیدہ میرے لئے یہ ہے کہ مجھ پر کتے چھوڑ دیتے جائیں، اب رہا شہروں میں میرا بھیجا جانا جہاں لوگ میری اطاعت سے انکار کریں تو میں ان کا کوئی مختار نہیں ہوں، پہلے بھی میں نے اپنی اطاعت پر ان کو مجبور نہیں کیا تھا، انھوں نے تو اپنی اصلاح اور خدا کی خوشنودی کے لئے خود ہی اطاعت کا اعلان کیا، تم میں سے جو بھی صرف دنیا کا طلب گار ہوگا، اس کو اتنا ہی لے گا، جتنا خدا نے اس کے لئے مقدر کیا ہے اور جس کا مقصود اللہ اور آخرت ہے، امت کا مفاد ہے رسول اللہ ﷺ اور ان کے دونوں خلفاء کی سنت ہے تو اللہ اس کو اس کی جزا دے گا، میرے ہاتھ اس کی جزا نہیں، اگر میں تم کو ساری دنیا بھی دیدوں تو یہ تمھارے دین کی قیمت نہ ہوگی پس خدا سے ڈرو اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کا ٹھیک اندازہ کرو تم میں سے جس کو عہد و پیمان توڑ دیتا ہو، میں اس کے لئے یہ پسند نہیں کر سکتا اور نہ خدا کو یہ پسند ہے کہ اس کا عہد و پیمان توڑ دیا جائے۔ مجھ کو جو چیز پیش کی جا رہی ہے وہ حقیقت میں موت ہے اور دوسرے کو خلیفہ بنا دیتا میں اس کو اللہ سبحانہ کی نعمت کو پھیر دینا تصور کرتا ہوں اور خون ریزی کو، امت میں نفاق کو اور بڑے طریقے کو ناپسند کرتا ہوں میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں کہ صرف حق اور عدل کا دامن پکڑو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس کے معانی میں عہد کی پابندی کرو۔ ارشاد خداوندی ہے

ادفوا بالعہد ان العہد کات مسؤلوا

یہ میری اللہ سے معذرت ہے شاید تم کچھ نصیحت پکڑو اما بعد میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔

ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربحی ان ربحی غفور رحیم

میں نے اگر کچھ لوگوں کو سزائیں دی ہیں تو اس سے میرا مقصد بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا، میں اپنے ہر کام سے خدا کی طرف رجوع ہوتا ہوں، اور اس سے مغفرت چاہتا ہوں اس کے سوا کوئی درگزر کرنے والا نہیں، میرے رب کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے،

انہ لا یقنظ من رحمة اللہ الا القوم الصالحون۔ انہ یقبل التوبة عن عبادة ویعفو عن السیات ویعلم ما یفعلون

میں خدا سے تمہاری اور اپنی مغفرت چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس امت کے دل بھلائی پر جمع کرے اور فسق سے ان کو دور رکھے،
والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ ایہا المؤمنون المسلمون

حضرت علیؑ

تاریخ اور سیاست کی روشنی میں

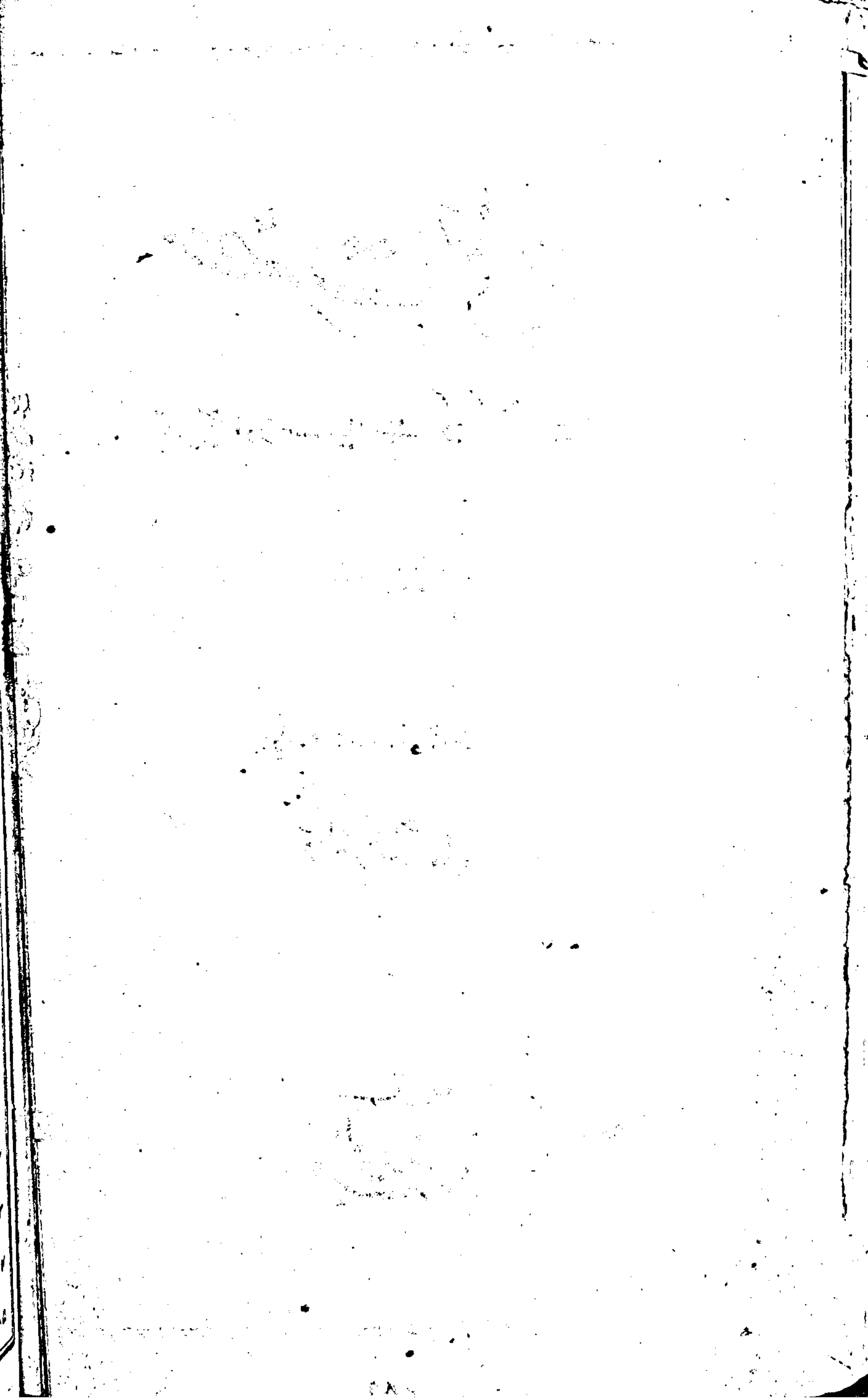
حصہ دوم،

مصنف

ڈاکٹر الطحسین

مترجم

عبدالحمید نعمانی



فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحات	نمبر شمار	مضمون	صفحات
۱	حضرت عثمانؓ کے بعد	۲۹۴	۱۷	شام کی جنگ	—
۲	حضرت علیؓ کی خلافت کا استقبال	۳۰۳	۱۸	حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان خط و کتابت	۳۶۲
۳	بنی ہاشم اور خلافت	۳۱۰	۱۸	حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خط و کتابت	۳۶۲
۴	حضرت علیؓ اور گورنر	۳۱۴	۱۹	طرفین کا مقابلہ	۳۷۰
۵	حضرت علیؓ کے مخالفین	۳۱۹	۲۰	جنگ	۳۷۲
۶	مشورہ	۳۲۲	۲۱	طرفین کی کیفیت	۳۷۵
۷	حضرت علیؓ اور پہلے کے خلفاء	۳۲۳	۲۲	حضرت علیؓ کے ساتھی	۳۸۰
۸	حضرت علیؓ اور کوفہ	۳۲۷	۲۳	فریقین کے حکم	۳۸۳
۹	حضرت علیؓ اور بصرہ	۳۲۸	۲۴	معرکہ صفین میں سبائی	۳۹۲
۱۰	حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھی	۳۳۲	۲۵	خارجی	۳۹۷
۱۱	حضرت علیؓ حضرت عائشہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے	۳۳۵	۲۶	ٹائلٹوں کا اجتماع	۴۰۲
۱۲	ابن سہارت	—	۲۷	حضرت علیؓ اور خارجی	—
۱۳	جنگ	۳۳۸	۲۸	حضرت علیؓ اور آپ کے حامی	۴۱۴
۱۴	کیفیت جنگ	۳۴۱	۲۹	حضرت علیؓ اور خارجی	۴۲۱
۱۵	معرکہ جمل کے بعد	۳۴۲	۳۰	حضرت علیؓ کی حکومت	۴۲۷
۱۶	حضرت علیؓ بصرہ میں	۳۴۷			

۵۰۳	عراق میں امیر معاویہؓ کی سیاست	۲۲	۲۳۰	حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ	۳۱
۵۰۶	حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ	۲۵	۲۴۱	بصرہ پر امیر معاویہؓ کی نگاہیں،	۳۲
۵۱۱	حضرت حسینؓ	۲۶	۲۴۵	امیر معاویہؓ کی حضرت علیؓ کے	۳۳
۵۱۴	امیر معاویہؓ کے گورنر اور شیعہ	۲۶		خلافت چال	
۵۱۹	امیر معاویہؓ کے گورنر اور شیعہ	۲۸	۲۴۸	عربی بلاد پر امیر معاویہؓ کی نگاہیں	۳۴
۵۲۵	ابن زیاد کی نسبت فرزندگی	۲۹	۲۵۰	حضرت علیؓ اور خارجی	۳۵
۵۳۱	زیاد بصرہ کا گورنر	۵۰	۲۵۳	شام کی جنگ کے لئے حضرت علیؓ	۳۶
۵۳۴	مجرم عدیؓ کا قتل	۵۱		کی تیاری،	
۵۴۵	یزید کی جانشینی	۵۲	۲۵۶	حضرت علیؓ کی سیرت	۳۷
۵۴۹	زیاد اور خارجی	۵۳	۲۵۹	گورنروں کے ساتھ حضرت علیؓ	۳۸
۵۵۹	یزید	۵۴		کا طرز عمل	
۵۶۳	حضرت حسینؓ	۵۵	۲۶۸	نظام خلافت	۳۹
۵۶۷	حضرت حسینؓ کے بعد	۵۶	۲۸۱	سازش	۴۰
۵۷۱	حضرت حسینؓ کے بعد	۵۷	۲۸۳	حضرت علیؓ اپنے حامیوں اور دشمنوں	۴۱
۵۷۴	فتنہ کا خاتمہ	۵۸		کے درمیان	
	⋮		۲۹۱	حضرت حسنؓ	۴۲
			۲۹۵	مصالحت	۴۳

یہ دوسری کتاب ہے جو مصر کے مشہور ادیب اور ناقد ڈاکٹر طاہر حسین نے الفتنہ الکبریٰ کے موضوع پر لکھی ہے پہلی کتاب میں حضرت عثمانؓ کے عہد پر مورخانہ تبصرہ تھا اور اس میں حضرت علیؓ کے دور کے حالات اور واقعات کی تاریخی تحقیق اور تنقید ہے سال بھر سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے کہ پہلی کتاب پیش کی جا چکی اب اس کا دوسرا حصہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی ایک بیس کرڑی بھی ہے غالباً اب تک وہ چھپ نہیں سکی،

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو اختلافات اور الجھاؤ پیدا ہوا اور آگے بڑھ کر جس نے حضرت علیؓ کے ماحول اور نظام خلافت کو بری طرح متاثر کیا اس پر اسلامی تاریخ کا بہ مطالعہ کرنے والا حیرت سے دم بخود رہ جاتا ہے، وہ بصرہ، کوفہ، جمل، نہروان، اشام اور صفین کے مختلف اور متعدد عنوانوں پر جن حوادث کی تفصیل پڑھتا ہے، خود نگہ اور مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں ہونے والے واقعات پر نظر ڈالتا ہے تو اس کے تعجب کی کوئی حد نہیں رہ جاتی، پھر روایات کی کثرت اور اس کا تضاد و تنوع اس کے لئے مزید حیرانی کا سبب بن جاتا ہے،

ڈاکٹر طاہر حسین نے اپنی ان دونوں کتابوں میں واقعات کا تجزیہ اور ماحول کی تحلیل، سیاست اور تاریخ کے تقاضوں کو پیش نظر کر کے کوشش کی ہے کہ اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کا یہ تعجب دور اور ان کی یہ حیرت ختم کی جائے اور ان کو بتایا جائے کہ جو کچھ ہوا حالات کا عین تقاضا تھا،

بالکل ضروری نہیں کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کا مسلک اور ان کا نقطہ نظر سب کے لئے قابل قبول باعث اطمینان ہو، لیکن بلاشبہ اختلاف رکھنے والوں کے لئے ان کا یہ اقدام ایک دعوتِ فکر و نظر ہے، کتاب کا نام علیؓ و نبوہ ہے یعنی علیؓ اور آپ کے صاحبزادے اس لئے کہ اس میں حسنؓ اور حسینؓ کا تذکرہ بھی آ گیا ہے پوری کتاب کے دیکھنے سے مطالعہ کر رہو لے پر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اس فتنے کے دور میں حضرت علیؓ کا حسنؓ اور حسینؓ کا موقف کیا تھا، اور ان حضرات کے بالمقابل امیر معاویہؓ اور یزیدؓ کس پوزیشن میں تھے؟

حال ہی میں پاکستان سے خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں مولف نے بتایا ہے کہ امیر معاویہؓ اور یزیدؓ کے موقف متعلق عامۃ المسلمین کا نقطہ نگاہ حقیقت کے ہٹا ہوا ہے میرا خیال ہے کہ خود مولف حقیقت تک پہنچنے میں ناکام ہو گیا کہ ناظرین اس کتاب کی تاریخی نشرویات اور توجیہات سے اندازہ لگا سکیں گے۔

بیتنا ائلیا بحسبنا ائحسبنا

حضرت عثمانؓ کے بعد

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو دو ایسی خطرناک مشکلیں پیش آئیں جن کی صدیق اکبرؓ کے عہد سے لیکر اب تک کی مشکلات میں کوئی مثال نہیں ملتی ایک خود منصب خلافت کی شکل اور دوسری نظام حکومت الہی کو برقرار رکھنے اور قاتلوں اور قساویوں کو اللہ کے حکم کے مطابق سزا دینے کی،

حضرت عثمانؓ کے حادثے کے دن شام ہو چکی اور مسلمانوں کا کوئی امام نہ تھا، جو ان کے معاملات کا منتظم ان کے نظام کا نگران اور ان کے اقتدار کا حاکم ہوتا، اللہ کے احکام ان میں جاری کرتا اور سب کاموں کے بعد وہ اس عظیم الشان حکومت کے معاملات پر نظر رکھتا جس کو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے قائم کیا تھا، اور حضرت عثمانؓ نے جس کے حدود مشرق و مغرب تک پھیلا دیئے تھے، اس لئے کہ یہ مفتوحہ مقامات اور علاقے جہاں ابھی مسلمانوں کا اقتدار پوری طرح جم نہ سکا تھا اس کے محتاج تھے کہ کوئی انہیں سنبھالے، وہاں کے نظام میں استقلال اور مضبوطی پیدا کرے اور ان کی سرحدوں کو بہت دور کر کے جو متعین ہونے نہیں پاتی تھیں، اور حضرت ابو بکرؓ کے عہد سے مسلسل فتوحات کی بنا پر تشریف لے گئے تھے کہ اتنے میں فساد کا دور آگیا اور مسلمان رادھ متوجہ ہو گئے یا یوں کہئے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت فتوحات سے ہٹ کر فتنوں میں مشغول ہو گئی،

اسلامی فوجوں کا پڑاؤ سرحدوں پر اس طرح رہا کرتا کہ آج ہیں کل آگے بڑھیں ان فوجوں کا کام صرف یہ نہ تھا کہ فتوحات حاصل کریں بلکہ مفتوحہ سرزمین میں آئین اسلام کا اجراء بھی انہیں کا کام تھا وہ پہلا پرانا اقتدار ختم کر کے اس کی جگہ نیا اقتدار قائم کرتی تھیں پھر نظام حکومت میں ایک طرف تاجدار کے مزاج کے مطابق کچھ اضافے کرتیں دوسری طرف مفتوحین کی طبیعت اور افتاد کی رعایت سے پہلے نظام کی کچھ باتیں باقی رکھتیں، ان اسلامی فوجوں کو اس کی ضرورت تھی کہ مزید فوج اور ساز و سامان سے

کوئی ان کی اہم اور بڑا ہے، مثنوی بنائے اور ضرورت کی ہر چیز ان کے لئے فراہم کرے،
 ظاہر ہے کہ جن جہا جہا اور انصار نے حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور خود حضرت عثمانؓ
 کی بیعت کی تھی ان کے دامن پر حضرت عثمانؓ کے خون کا دھبہ نہیں، یہ تو بصرہ، کوفہ اور مصر کی سرحدوں پر مقیم
 فوجوں میں سے بعض ٹولیوں کا کام تھا اور بعض ان دیہاتیوں کا جو ان ٹولیوں کے ساتھ ہو گئے اور کچھ
 جہا جہا زادے بھی اس کے ذمہ دار ہیں جنہوں نے اس سلسلہ میں اعانت کی،

بڑے بڑے جہا جہا اور انصار صحابہؓ اس حادثے میں تین مختلف خیال کے تھے زیادہ تر تو ایسے تھے
 جو صورت حال دیکھتے، رنجیدہ ہوتے، اصلاح کا ارادہ کرتے لیکن کچھ بن نہ پرتی اور پھر کوتاہی بابے نیازی سے
 نہیں بلکہ مجبوری اور بے چارگی سے خاموشی اختیار کر لیتے، کچھ صحابہؓ ایسے تھے جن پر معاملات اچھی طرح
 کھل نہ سکے، انہوں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ فتنے سے دور گوشہ عافیت میں جا بیٹھیں اور غیر جانب دار ہیں
 ان تک اللہ کے رسول ﷺ کی وہ حدیثیں مہنچی نہیں جن میں فتنوں سے ڈرایا گیا اور ان سے
 بچنے کی تاکید کی گئی ہے چنانچہ بعض تو خانہ نشین ہو گئے اور بعضوں نے مدینہ کی سکونت چھوڑ دی
 کہ اپنا دین اپنے ساتھ لے لوگوں سے دور رہیں، کچھ صحابہؓ ایسے تھے جنہوں نے نہ گوشہ عافیت میں جانا پسند کیا
 اور نہ اپنے کو بچاؤ کے حوالے کرنا بلکہ وہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان کھڑے ہو گئے، بعضوں نے
 خلیفہ کی خیر خواہی کرتے ہوئے کوشش کی کہ باغیوں اور خلیفہ میں مصالحت کرا دیں اور بعضوں نے حضرت
 عثمانؓ سے شدید اختلاف کیا اور ان سے اپنی انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف لوگوں کو
 ابھارا، ان سے دشمنی پر آمادہ کیا اور بعضوں نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کا مطلب، کم سے کم یہ نکلتا ہے کہ
 انہوں نے نہ باغیوں کو برا سمجھا اور نہ ان کو مقابلہ کرنے سے روکا،

پھر جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو اکثر صحابہؓ بری طرح متاثر ہوئے کہ وہ خلیفہ کی کچھ مدد نہ کر
 سکے، اب انہوں نے مستقبل پر غور کیا اور تہیہ کر لیا، کہ اپنے معاملات اور آنے والے واقعات کا مقابلہ
 کریں گے، گوشہ عافیت میں چلے جانے والوں نے کنارہ کشی میں اور شدت پیدا کر لی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ
 اپنی روش پر قائم رہے گناہ میں شریک نہیں ہوئے اور فتنے سے بچائے گئے، اب رہے دوسرے حضرات تو
 وہ انتظار کرنے لگے کہ لوگ کیا چاہتے ہیں، اپنے اوپر اعتماد یا کسی بیڈر کا سہارا؟ اور مسلمانوں کا کوئی
 نظام تحریر کی صورت میں محفوظ مقرر تو تھا نہیں جس کے مطابق منصب خلافت جب وہ خالی ہو پڑ کر لیا کریں

وہ تو ایسے مواقع پر جس طرح بن پڑتی اس خلا کو پُر کر لیا کرتے تھے،

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کس طرح ہوئی آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کس طرح اپنی بیعت کو ایک اتفاقی معاملہ فرماتے ہیں جس کے ذریعے اللہ نے مسلمانوں کو فتنے سے بچا لیا آپ سے یہ بھی مخفی نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے اور مسلمانوں سے ایک بات کہی اور مسلمانوں نے اس کو مان لیا نہ کسی کو مانگوار ہوئی نہ کسی نے جھگڑا کیا مہاجرین میں سے بعضوں نے خود حضرت صدیق اکبرؓ سے کچھ لے دے کر ناچاہی لیکن آپ نے ان کو ایسا جواب دیا جس سے وہ مطمئن ہو گئے، اس کا بھی آپ کو پتہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی کو کوئی ہدایت نہیں کی بلکہ اس کے لئے پچھ مہاجرین کی ایک مجلس شوریٰ بنا دی جن سے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی بھر راضی ہے، ان میں سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا جس سے کسی نے اختلاف نہیں کیا پھر حضرت عثمانؓ نے بھی کسی کے لئے کوئی ہدایت نہیں کی اور اگر فرماتے بھی تو لوگ ان کی بات نہیں مانتے اس لئے کہ وہ ان سے ان کے حاشیہ نشینوں سے اور ان کے گورنروں سے واقعات کی بنا پر ناراض تھے،

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت عمرؓ نے جن چھ صحابہ کو باہمی مشورہ کی ہدایت کی تھی حضرت عثمانؓ کے بعد وہ چاہے رہ گئے تھے اس لئے کہ عبدالرحمن بن عوفؓ کا عثمانی خلافت کے دوران ہی میں انتقال ہو چکا تھا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ باقی رہ گئے تھے ان چاروں میں بھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لہذا کل تین ہی رہ گئے، مزید یہ کہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق خلفاء کی بیعت کرنے والے بہت سے صحابہ اب مدینہ منورہ میں معالے کے وقت موجود نہ تھے، کچھ لوگ تو ارتداد کی لڑائیوں اور روم و فارس کی فتوحات میں شہید ہو چکے تھے اور کچھ بستروں پر اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے تھے، ایک جماعت جس میں جہاد کی طاقت تھی سرحدوں پر خیمہ زن تھی اور جن میں جہاد کی طاقت نہ تھی وہ نئے نئے شہروں میں بس گئے تھے، پس حضرت عثمانؓ کے حادثے کے موقع پر مہاجر اور انصار کی جو جماعت موجود تھی وہ مدینہ کی اس جماعت جیسی نہ تھی جو تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر حاضر تھی،

پھر علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ میں بھی باہم اتحاد خیال نہ تھا، منظورم خلیفہ کے ساتھ ہر ایک کا طرز عمل الگ تھا، اور اسباب قتل پر ہر ایک کی رائے دوسرے سے جدا تھی

حضرت علیؓ نے لوگوں کو بغاوت اور فساد سے روکنے کی امکانی کوشش کی جیسا کہ اس کتاب

کے پہلے حقے میں گذرا اٹھوں نے باغیوں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان گفت و شنید کا فرض انجام دیا، باغیوں کو مدینہ سے واپس کیا بعد میں ایک مرتبہ اور بیچ میں پڑے اور حضرت عثمانؓ کو راضی کر لیا پھر جب باغی بلا اطلاع مدینہ میں گھس آئے اور حضرت علیؓ ان کو نکال باہر کرنے سے بالوں ہو گئے تو چاہا کہ حضرت عثمانؓ کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں لیکن ایسا نہ کر سکے، پھر سخت محاصرے کے زمانے میں جب حضرت عثمانؓ بہت پیاسے تھے آپ نے کوشش کی کہ میٹھا پانی آپ تک پہنچا دیں،

حضرت زبیرؓ نے نہ تو باغیوں کو روکنے میں نمایاں حصہ لیا اور نہ مخالفوں کو ابھارنے اور آمادہ کرنے میں قابل ذکر گرمی دکھائی، البتہ وہ موقع کا انتظار کرتے رہے، طبیعت ان کی باغیوں کے ساتھ تھی شاید یہ خیال کرتے تھے کہ نوبت یہاں تک نہیں پہنچے گی،

اب رہے حضرت طلحہؓ تو وہ کھلم کھلا باغیوں کی طرف جھکے ہوئے تھے باغیوں کو علانیہ بھڑکاتے تھے ان کی ایک جماعت کو اپنا گرویدہ بنا رہے تھے اور حضرت عثمانؓ نے اس کی شکایت کھلے طور پر بھی کی اور بصیغہ راز بھی بار بار اظہار کیا، راویوں کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے امداد چاہی چنانچہ آپ حضرت طلحہؓ کے پاس گئے اور دیکھا کہ باغیوں کا ایک بڑا گروہ وہاں جمع ہے حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ حضرت طلحہؓ اپنی یہ روٹ چھوڑ دیں لیکن وہ باز نہ آتے تب حضرت علیؓ ان کے پاس سے لوٹ کر بیت المال آئے اور جو کچھ اس میں تھا نکال کر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ کے ساتھی ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت علیؓ کی اس کارروائی سے حضرت عثمانؓ خوش تھے،

راویوں کا خیال ہے کہ یہ دیکھ کر حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور معذرت کرنے لگے، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ یہ حاجری معذرت اور ندامت کی نہیں بلکہ ناکامی اور شکست کی ہے طلحہؓ تجھ سے خدا حساب لے گا۔

بات جو کچھ بھی رہی ہو پھر حال حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں یہ تینوں منتظر تھے کہ لوگ کیا کرتے ہیں، اور حالت یہ تھی کہ پوری آبادی پر باغیوں نے خوف دہرا اس کا وہ عالم طاری کر دیا تھا کہ مظلوم خلیفہ کی لاش رات کی تاریکی میں لوگوں سے بہت چھپا کر دفن کی جاسکی یہ بات آدب آئے حضرت عثمانؓ کے بعد امام کی بیعت کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ شہادت کے بعد ہی حضرت علیؓ کے لئے بیعت لی گئی، لیکن یہ واقعہ نہیں ہے اس بہوت کر دینے

والی شورش اور بغاوت کے پیش نظر واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں کئی دن تک لوگوں نے اس طرح گزارا کہ ان کا کوئی امام نہ تھا ان دنوں معاملات کی نگام بغاوت کے ایک لیڈر منافق کے ہاتھ میں تھی، خلیفہ سے فرصت پالینے کے بعد باغی حیران تھے، وہ جانتے تھے کہ لوگوں کے لئے ایک امام کی ضرورت ہے، اور اس امام کی بیعت جس قدر جلد ممکن ہو کر لینی چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عثمانؓ کے گورنر ان پر قابض ہو جائیں اور ان سے بھی طاقت و معاویہ کہیں اپنی فوج بھیج کر مدینہ پر اپنا اقتدار نہ جمالیں اور اور پھر باغیوں کو ان کے کئے کی سزا دے دیں، باغی یہ بھی جانتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا امام نہیں بن سکتا اس لئے کہ امامت کا معاملہ جہاجر اور انصار کے ہاتھ میں ہے وہی قریش کے کسی فرد کو جن کو بیعت کرتے ہیں،

پھر ان کی خواہشیں بھی مختلف تھیں، مصری حضرت علیؓ کو چاہتے تھے، کوفہ کے لوگ حضرت زبیرؓ کے سامنے تھے بصرہ کے باشندے حضرت طلحہؓ کے طرفدار تھے ان میں سے ہر ٹولی اپنے اپنے لیڈروں کے ہاں آئی جاتی تھی لیکن تینوں لیڈر اپنی جماعت کی طرف سے پیش کردہ امامت قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، بالآخر باغیوں کو یقین ہو گیا کہ وہ ایک ایسے امام کا تقرر نہیں کر سکتے اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جہاجر اور انصار کا تعاون حاصل کریں جو ان تینوں میں سے کسی کو پسند کریں، اور اس سے اس منصب کے قبول کرنے پر اصرار کریں پھر یہ ان کے اصرار کی تائید کریں اتنا آنکہ وہ راہی ہو جائے چنانچہ یہ باغی صحابہ کے گھروں کا چکر لگانے لگے اور ان سے اصرار کے ساتھ درخواست کرنے لگے کہ امت کے لئے ایک امام چن دیجئے، جہاجر اور انصار نے دیکھا کہ یہ کام تو بہر حال کرنا ہے پس انھوں نے خود سوچا اور اپنے ملنے والوں سے تبادلہ خیال کیا اندازہ یہ ہوا کہ عام رجحان حضرت علیؓ کی طرف ہے لوگ ان کو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں پر مقدم خیال کرتے ہیں،

اس طرح انصار اور جہاجرین نے حضرت علیؓ کو خلافت کا منصب پیش کیا اور ان سے قبول کر لینے پر اصرار بھی کیا پھر باغیوں نے اس اصرار کی تائید کر دی، حضرت علیؓ نے انکار کرنا چاہا لیکن پھر انکار کی کوئی صورت نظر نہیں آئی باغیوں کے پیش کرنے پر آپ نے ضرور انکار کیا تھا، اب جب کہ انصار بھی پیش کر رہے ہیں اور سابق خلفاء کی طرح کرنا چاہتے ہیں تو انکار کی کوئی وجہ نہ رہی چنانچہ آپ نے ان کی درخواست قبول کر لی، اور سابقہ روایت کے مطابق منبر نبوی پر جا بیٹھے اور لوگ آکر

بیعت کرنے لگے ہاں چند آدمیوں نے انکار کیا اور حضرت علیؓ نے ان سے اصرار بھی نہیں کیا اور نہ باغیوں کو اجازت دی کہ ان کو مجبور کریں، ان چند آدمیوں میں ایک حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ہیں جو مجلس شوریٰ کے ایک رکن تھے انھوں نے انکار کرتے ہوئے حضرت علیؓ سے کہا میری طرف سے آپ مطمئن رہیے، حضرت علیؓ ان کو اس بات کی اجازت دے دی انکار کرنے والوں میں دوسرے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں، حضرت علیؓ نے ان سے امن پسندی اور لوگوں کے معاملات میں دخل درمعقولات نہ کرنے کی ضمانت چاہی، انکار کرتے پر حضرت علیؓ نے کہا چھوٹے سے بڑے ہو گئے لیکن میں نے ہمیشہ تم کو ناشائستہ پایا، اس کے بعد فرمایا اسے جانے دو میں خود اس کا ضمان ہوں، گوشہ نشینوں کی جماعت نے بھی بیعت سے انکار کیا تھا، حضرت علیؓ نے ان کو بھی مجبور کرنا نہیں چاہا اور نہ ان پر کسی زیادتی کے روادار ہوئے حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ نے بھی بیعت نہیں کی تھی لیکن باغیوں نے ان کو مجبور کیا اور حضرت علیؓ نے بھی ان دونوں کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کی طرح معاف نہیں کر دیا، اس لئے کہ باغیوں کی طرح ان کو حضرت علیؓ بھی خوب جانتے تھے ان کو معلوم تھا کہ حضرت طلحہ اور حضرت عثمانؓ کے کٹر مخالفوں میں سے ہیں اور خود خلیفہ بننے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں اور جانتے تھے کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر کسی کو اکسا یا نہیں لیکن کسی باغی کو روکا بھی نہیں اور پھر خلافت کی تمنا میں وہ حضرت طلحہؓ سے کم نہیں اس لئے ان کو بیعت سے معاف نہیں کیا کہ جس قدر بھی ہو سکے ان کو پابند کر لیں، بعض روایات کے مطابق حضرت علیؓ کی بیعت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے پانچ دن بعد ہوئی اور روایتوں میں آٹھ دن ہے اس کے بعد یہ بات عام ہو گئی کہ بصرہ، کوفہ اور مصر کی سرحدوں اور حجاز پر حضرت علیؓ کی سیادت قائم ہو گئی،

حضرت علیؓ کے لئے ایک غور طلب اور پیچیدہ مسئلہ شام کا تھا صورت حال یہ تھی کہ ایک تو شام بغاوت سے الگ رہا دوسرے اس کی زمام حکومت حضرت عثمانؓ کے چچا زرارہ جہالی حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ شام اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا طرز عمل کیسا رہا، لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ مسلمانوں کے امام ہو گئے، مدینے میں جو ہاجر اور انصار موجود تھے انھوں نے آپ کی بیعت کزی سرحدوں کی طرف سے ان باغیوں نے آپ کی بیعت کی جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ واد

خطرناک مشکلوں میں سے ایک یعنی خلافت اور خلیفہ کی مشکل کا خاتمہ ہو گیا، دوسرے لفظوں میں یوں کہتے کہ حضرت علی اور عام لوگوں پر یہ واضح ہو گیا کہ مصیبت دور ہو گئی اور اب اس کے بعد تمام معاملات میں امن و خوشگواہی اور استقلال پیدا ہو جائے گا،

تو امام کے لئے ضروری تھا کہ اب دوسری خطرناک مشکل کی طرف متوجہ ہو یہ دوسری مشکل مقتول امام کا مسئلہ ہے، تے امام کا فرض ہے کہ وہ مقتول امام کے خون اور اس کے قاتلوں کے بارے میں اللہ کے فرمان اور دین کے حکم کا اعلان کرے، اگر مقتول امام ظالم تھا تب تو بدلے کی اور قاتلوں سے قصاص کی کوئی بات نہیں لیکن اگر مظلوم تھا تو جدید امام کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کا بدلہ لے اور قاتلوں پر قصاص کا حکم جاری کرے جو اللہ کا فرمان ہے

مہاجر اور انصار صحابہ کی رائے تھی کہ حضرت عثمانؓ مظلوم تھے اور امام کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ اس خون کا بدلہ لے کہ اگر حقوق کی پامالی کی جاتی رہی، خون ریزی ہوتی رہی اور حدود کا اجرا عمل میں نہیں آیا، تو دین کے قیام کے کوئی صورت نہ ہوگی مقتول اگر کوئی معمولی انسان ہوتا، تب بھی یہ سب کچھ ہونا ضروری ہے چہ جائیکہ وہ امام اور مسلمانوں کا خلیفہ ہو، مہاجر اور انصار کہا کرتے تھے، عثمانؓ کے قاتلوں سے اگر ہم قصاص نہ لیں تو لوگ اس بات سے کس طرح رُک سکیں گے کہ جس امام پر غصہ آیا اس کے خلاف بغاوت کر دی اور پھر اس کو قتل کر دیا، یہی بات لوگوں نے حضرت علیؓ سے کہی آپ نے سنا اور ان کے خیال کی تصدیق کی اس کے بعد ان کے سامنے حقیقت کی یہ تصویر رکھی کہ جہاں تک اقتدار کا سوال ہے بلا شک وہ بیعت کے ذریعے میری طرف منتقل ہو چکا ہے لیکن عملاً تو وہ اب تک باغیوں کے ہاتھ میں ہے آج شہر پر انھیں کا فوجی قبضہ ہے خلیفہ اور صحابہ بے بس ہیں، وہ شہر اور شہریوں کے بارے میں چبا بھی چاہیں فیصلہ کر سکتے ہیں البتہ حالت میں اچھا یہ ہے کہ کچھ دنوں مہلت اور معقولیت کا سہارا لیا جائے تا آنکہ معاملات سیدھے ہو جائیں اور خلیفہ کا اقتدار مستحکم ہو جائے، اس کے بعد اس مسئلے پر نظر ڈالی جائے گی اور کتاب سنت کی روشنی میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کا نفاذ عمل میں آئے گا،

صحابہ تو حضرت علیؓ کے نقطہ نظر سے مطمئن ہو گئے لیکن باغیوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انھوں نے خلیفہ کا خون اس لئے کیا ہے کہ وہ ظالم تھا جس کے بدلے کا کوئی سوال ہی نہیں

نہیں ہوتا اور نہ اہم کو اس کے غوص کسی کی جان لیتی چاہیے،
 مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون کی تحقیق کا ارادہ کیا لیکن کارردانی کی
 تکمیل کی صورت نہ نکل سکی ایک جماعت بصدغی کہ حضرت عثمانؓ کے خون میں محمد بن ابوبکرؓ کا ہاتھ بھی ہے یہ
 محمد بن ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے صاحبزادے ہیں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بھائی اور
 خود حضرت علیؓ کے مونسلیٹھے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا
 تھا، حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عثمانؓ کے قاتل ہو، انہوں نے انکار کیا اور حضرت
 عثمانؓ کی بیوی نائلہ بنت فراتہ نے ان کی تصدیق کر دی لیکن جیسے ہی باغیوں کو بھنک لگی کہ
 حضرت علیؓ تحقیقات کر رہے ہیں انہوں نے اپنے اتحاد اور غصے کا اظہار کیا جس کے بعد
 حضرت علیؓ نے وہ روش اختیار کی جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں، اور موقع کا انتظار کرنے لگے،
 آپ کے ساتھ مدینہ کے عام صحابہ بھی منتظر رہے،

شاید ناظرین کو یاد ہوگا کہ تحت خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت عثمانؓ کو جس قسم کا الجھاد
 پیش آیا تھا حضرت علیؓ کو بھی اپنی خلافت کے آغاز میں اسی قسم کی ایک پچیدگی کا سامنا ہوا حضرت
 عثمانؓ کو سب سے پہلی مشکل حضرت عبید اللہ بن عمرؓ کی پیش آئی جنہوں نے ہرمزان کو اس تہمت
 پر قتل کر دیا تھا کہ اس نے ان کے باپ کے قتل پر آمادہ کیا تھا لیکن عبید اللہ نے یہ خون بلا ثبوت اور
 بلا دلیل کیا تھا ان کے پاس اس کے لئے قاضی کا کوئی فیصلہ نہ تھا،

مسلمانوں کی ایک جماعت کا خیال تھا جس میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں کہ عبید اللہ پر
 قتل کی حد جاری ہونا چاہیے اور ایک دوسری جماعت پر یہ بات بڑی گراں تھی کہ حضرت عثمانؓ
 نے خلافت کا آغاز حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے کے قتل سے کریں حضرت عثمانؓ نے
 عبید اللہ کو معاف کر دیا، اس لئے کہ ہرمزان کا کوئی ولی نہ تھا جو خون کا دعویٰ کرتا ایسی حالت
 میں خلیفہ ولی ہوتا ہے جسے معاف کر دینے کا بھی حق ہے اس وقت حضرت علیؓ اور بہت سے
 مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا، اس کو ایک ظلم، ایک خون ناسخ
 و اللہ کی حدود میں ایک تجاوز خیال کیا حضرت علیؓ عثمانی ہمد کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اگر
 میں اس فاسق کو پاجاؤں گا تو ہرمزان کے قتل کے بدلے اس کو ختم کر دوں گا،

حضرت عثمانؓ کے سامنے مسلمانوں کے ایک خلیفہ کا لڑکا ناحق خون کے الزام میں پیش ہوتا ہے حضرت عثمانؓ اس کو معاف کر دیتے ہیں اور اس معافی پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، حضرت علیؓ کے سامنے مسلمانوں کے ایک دوسرے خلیفہ کا لڑکا قتل کے الزام میں پیش ہوتا ہے اور قتل بھی کس کا، رعایا میں سے کسی پناہ گزین غیر ملکی کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے ایک امام کا، لیکن علیؓ، محمد بن ابوبکرؓ کو معاف نہیں کرتے اس کی تحقیقات کرتے ہیں جس میں واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے اس کے بعد واقعات اور حالات مزید تحقیقات کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور قاتلوں کے حق میں دین کا حکم جاری نہیں ہونے پاتا،

اور واقعہ تو یہ ہے کہ محمد بن ابوبکرؓ نے اپنے اٹھ سے حضرت عثمانؓ کا خون نہیں کیا بلکہ وہ اوروں کی طرح دیوار چڑھ کر گھر میں اترے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل سے محمد بن ابوبکرؓ کا گہرا یا ہلکا تعلق ضرور تھا لیکن اس خونی حادثے سے جن لوگوں کا پورا پورا تعلق تھا وہ اتنے زیادہ اتنے قوی اور اتنے خوفناک تھے جن پر قابو نہیں پایا جاسکتا تھا یا جدید امام ان سے قصاص نہیں لے سکتا تھا، اس کے بعد توجہ واقعات پیش آتے آگے پڑھیں گے کہ ان کی وجہ سے مقتول خلیفہ کا قضیہ مشکل اور پیچیدہ ہی ہوتا گیا،

حضرت علیؓ کی فتلا کا استقبال

جس خوشنودی، خوشدلی اور سکون قلب کے ساتھ بڑھتی ہوئی اُمنگوں اور شگفتہ امیدوں کے ماحول میں مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا استقبال کیا تھا وہ بات حضرت علیؓ کی خلافت کے استقبال میں نہ تھی، یہاں تو سکتے کا عالم تھا اور بے چینی، خوف و ہراس تھا اور اضطراب لوگوں میں کشاکش اور معاملات میں پھیدگی، اس لئے نہیں کہ حضرت علیؓ ہیں کوئی ایسی بات تھی جو اس فضا کا باعث بنی بلکہ لوگوں کی زندگی کا ماحول ہی ایسا تھا جس نے ان میں یہ کیفیت اضطراری طور پر پیدا کر دی تھی، حضرت عثمانؓ خلافت کے تخت پر ایک ایسے خلیفہ کے بعد بیٹھے جو بڑا صاحب اقتدار اور سخت گیر تھا، انصاف کی خاطر اس نے لوگوں کو جن پر غار اور دشوار گزار راہوں پر چلایا اس کی تاب ہی لاسکتے تھے جو ارادے کے بڑے پکے اور جن میں صبر اور برداشت کا غیر معمولی حوصلہ ہو اس نے لوگوں کے معاملے میں بڑی شدت برتی ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں بتایا ہے کہ اللہ کے معاملے میں حضرت عمرؓ عموماً مسلمانوں کے لئے اور خاص طور پر قریش کے لئے کتنے سخت تھے، اور کس طرح خطرہ تھا کہ قریش کہیں اپنے لئے یا دوسروں کے لئے فتنے کا باعث نہ بن جائیں، لیکن حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے سختی کی جگہ نرمی، گردن کی جگہ چشم پوشی تنگی کی جگہ فراخی سے کام لیا، مشقت کے بدلے راحت پہنچائی و طبیفوں میں اہل حقہ کر دیا، دشواریوں کی جگہ آسانیاں فراہم کر دیں لوگوں نے ان کی خلافت کے ابتدائی برسوں میں ان کو حضرت عمرؓ سے بڑھ کر جانا،

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا دور آیا، انھوں نے مقررہ و طبیفوں میں کچھ اضافہ نہیں کیا، نہ مال غنیمت میں سے کچھ دیا نہ لوگوں کے کاموں میں کچھ آسانی پیدا کی اور کرنا چاہا تو یہ کہ حضرت عمرؓ کا راستہ جہاں سے چھوٹ گیا ہے وہاں سے مھپر چلنا شروع کیا جائے،

حضرت عمرؓ کے بعد لوگ امن و اطمینان سے تھے، ہاں ان کے اطمینان میں ایک بکے رنج

کی آمیزش ضرور ہو گئی تھی، اور وہ معموم سے متھے کہ ان کا یہ نیک اور متقی امام دھوکے سے ہارا گیا یہ حادثہ جہا جہا انصار کی موجودگی میں نہیں ہوا اور نہ شہروں اور سرحدوں کے باشندوں اور فوجیوں کی سازش کا نتیجہ تھا پس یہ حادثہ بیک وقت شدید تھا اور آسان بھی جس کی بلیغ ترین تعبیر میں حضرت عمرؓ نے خنجر کا ہلک زخم لگ جانے پر قرآن مجید کی آیت پڑھی، دکان اہل اللہ قدر اہل قدر یعنی اللہ کا حکم پہلے سے تجویز کیا ہوا ہوتا ہے،

پس حضرت عمرؓ کی وفات مقدرات میں سے ایک بات تھی نہ کوئی ٹولی حملہ آور ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑی اور نہ مسلمانوں کی کسی جماعت نے آپ کے خلاف کوئی سازش کی، ایک معمولی مکار نے دھوکا دیا جس میں موت کے سوا چارہ کار نہ تھا،

مگر حضرت عثمانؓ کا خون تو ایک بے لگام بغاوت اور ایک ایسے فتنے کا نتیجہ تھا جس میں لوگ اپنی تیز کھوپڑی تھے انھیں یہ پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ آگے بڑھ رہے ہیں یا پیچھے ہٹ رہے ہیں،

حضرت عثمانؓ کا خون اس خوف و ہراس کا نتیجہ تھا جو ایک عرصے تک پورے مدینہ پر چھایا رہا اور بعد میں دور دور تک پہنچا جس سے لوگ گھبرا اٹھے، والیان ریاست یعنی صوبے کے حاکموں نے فوجیں تیار کیں، سرحدوں پر بھیجنے کے لئے نہیں جہاں بھیجنے کی ضرورت تھی بلکہ دار الحکومت مدینہ منورہ کیلئے تاکہ وہاں امن بحال کیا جائے اور خوف و ہراس کا خاتمہ ہو اور خلیفہ کو محاصرے سے نکالا جائے لیکن ابھی یہ فوجیں دار الحکومت تک پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ خلیفہ کو قتل کر دیا گیا فوجیں اپنے اپنے مقامات پر واپس ہو گئیں اور مدینہ میں بدستور خوف و دہشت اور بے چینی کا دور دورہ رہا،

حج کے زمانے میں بغاوت کی خبریں حاجیوں تک پہنچ چکی تھیں عبداللہ بن عباس نے ان کو حضرت عباسؓ کا وہ اعلان سنایا تھا جس میں آپ نے ظلم و زیادتی سے اپنے کو بری بتایا تھا اور باغیوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خلیفہ سے بغاوت کر رہے ہیں لوگوں نے خوف و ہراس کی حالت میں حج کے احکام ادا کئے اور اضطراب پریشانی کے عالم میں واپس آکر ہوطنوں سے مدینہ کے پرخطر حالات کا بیان کیا ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا استقبال مسلمانوں نے اداس چہروں اور چینی بھرے دلوں سے کیا جبکہ ان کی پریشانی اور بے اطمینانی یہ دیکھ کر بڑھتی جا رہی تھی

کہ قاتل باعنی ابھی مدینے ہی میں ہیں اور قبضہ جملے پیٹھے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جدید خلیفہ اور اس کی بیعت کرنے والے مہاجر اور انصار باغیوں کے ہاتھوں میں قیدی ہیں پناچہ حضرت علیؑ نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ خلیفہ وقت پر شورش کے سبب کیا گزری اور کس طرح گزری تو وہ اس کی تحقیقات کرنے پر قدرت نہ پاسکے علاوہ ازیں مدینہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو خوب جانتے تھے، ان کا اندازہ تھا کہ سب نہیں تو بعض گورنر ضرور اس نئی خلافت سے اپنی ناگواری کا اظہار کر کے خلیفہ سے جھگڑا کریں گے، خاص طور پر ان کو معاویہؓ ابن ابی سفیان سے ڈر تھا کہ ان کو معلوم تھا، کہ مقتول خلیفہ سے معاویہؓ کی رشتہ داری ہے، ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ شامی معاویہؓ کے فرماں بردار ہیں، کیونکہ حضرت فاروق اعظم کے زمانے سے، ان کے حاکم ہیں، مدینہ والے جانتے تھے کہ بنی امیہ میں معاویہؓ کا پوزیشن کتنا اونچا ہے، اور یہ کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں ظہور اسلام سے بھی پہلے کی قدیم عداوت ہے، بنی اور ان کے صحابہ جب اپنا نیا دین لے کر مدینہ کی طرف نکلے، تو قریش کی قیادت ابو سفیان نے کی، جب بدر کے معرکہ میں قریشی سرداروں کا خاتمہ ہو چکا تھا، تو اُحد کے معرکہ میں قریش کے ساتھ ابو سفیان ہی آئے اور بدر کے مشرک مقتولوں کا بدلہ لیا، ابو سفیان کی بیوی ہند نے، جو معاویہؓ کی ماں ہے وحشی کو اس خوشی میں آزاد کر دیا کہ اس نے حمزہ کو قتل کر دیا، ہند حمزہ کے قتل کے بعد میدان معرکہ میں جاتی ہے پڑی ہوئی لاشوں میں حمزہ کو تلاش کرتی ہے، جب ان کی لاش پا جاتی ہے تو پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالتی ہے اور اس کو چباتی ہے، خندق کے معرکہ میں ابو سفیان ہی قریش کے قائد تھے، انہوں نے ہی عربوں کو بنی اور صحابہ کی مخالفت میں پکاکیا یہودیوں کو اس طرح اکسایا کہ انہوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو بنی اور صحابہ کے ساتھ کیا تھا، یہ ابو سفیان ہی تھے جو قریش کو بنی کے مقابل بنائے رکھنے کی تدبیریں اور آنحضرتؐ کے خلاف مکاریاں اور چال بازی کرتے رہے یہاں تک کہ فتح مکہ کے دن آگے اور اس وقت اسلام قبول کیا جب مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

لوگ حضرت معاویہؓ کے متعلق جو کچھ چاہیں کہیں کہ وہ اسلام لانے کے بعد رسول ﷺ کے

لے ایک حبشی غلام کا نام جس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر حمزہ کو قتل کر دے گا تو آزاد کر دیا جائے گا۔

کے مقرب بن چکے تھے، ان کا شمار وحی کے کاتبوں میں ہے، وہ مسلمان تھے اور مخالف مسلمان تھے، آنحضرتؐ کے اور تینوں خلفاء کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے، ان تمام باتوں کے باوجود معاویہ بہر حال اُحد اور خندق کے معرکوں میں مشرکین کے قائد ابو سفیان کے بیٹے تھے، وہ ہند کے لڑکے تھے جس کی حمزہؓ سے دشمنی کا یہ عالم کہ قتل کے بعد ان کی لاش تلاش کر کے ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبائے اور نبی کریم ﷺ کو اپنے معزز چچا کے غم میں تقریباً بے ضبط کر دے۔

مسلمان حضرت معاویہ اور ان کے جیسے آخر میں اسلام لانے والوں کو امان یافتہ کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا، جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو، تم سے کوئی باز پرس نہیں،

لوگ ان تمام باتوں کو جانتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہاشمی خلیفہ اور اموی امیر کے درمیان معاملات کا تصفیہ آسانی اور نرمی سے نہیں طے پاسکتا، لوگ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد قریش نے خلافت کا رخ بنی ہاشم کی طرف سے اس لئے پھیر دیا کہ نبوت اور خلافت قریش کے اس خاندان میں جمع کرنا امن و عافیت کے خلاف ہے اور نامناسب بھی، لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ اللہ نے بنی ہاشم کو نبوت سے نوازا کہ بہت کچھ خیر و برکت کا مالک بنا دیا ہے اب ان کو اسی فضل و کرم پر قناعت کرنی چاہئے،

۱۰ رسول اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وحی حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ لکھا کرتے تھے اگر یہ غیر حاضر ہوتے تو وحی کی کتابت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کیا کرتے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن عاصؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ آپ کی ذاتی ضروریات کے حالات تحریر کرتے اور عہد اللہ بن ارقم بن عبد یغوث اور علان بن عقبہؓ لوگوں کی ضروریات کیلئے کتابت کیا کرتے تھے اور زیادہ تو عبد اللہ بن ارقمؓ نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے بادشاہوں کو خطوط لکھے،

اسی طرح ابن ابی حدید نےج البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے ایک تھے لیکن ان کی کتابت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھے؟ ارباب محققین کا مسلک یہ ہے کہ وحی کی کتابت نو علیؓ اور زید بن ثابتؓ اور زید بن ارقمؓ کیا کرتے تھے اور حنظلہ بن یحییٰؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ بادشاہوں اور قبائل کے سرداروں کے نام آنحضرت ﷺ کی طرف سے خطوط لکھتے تھے اور علیؓ کی ضروریات کی ضرورتاً اور عہد اللہ بن ارقمؓ سے لکھا کرتے تھے، ابن الجین مصنف علی بن ابی طالبؓ کی سنی ص ۱۱ مطبوعہ قاہرہ، مترجم

اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو صرف یہی خطرہ نہ تھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں جھگڑا ہوگا، بلکہ وہ ڈرتے تھے کہ ایک طرف تو علیؓ اور بنی ہاشم کے تعلقات میں خرابی پیدا ہوگی دوسری طرف کل خاندان قریش باہم دست و گریباں ہوگا، ان حالات میں وہ اپنے سامنے ایک ایسی زندگی دیکھ رہے تھے جس کی صبح و شام میں نہ امن و عافیت تھی نہ فراخی اور خوشحالی، البتہ خوف تھا اور بے چینی، ان کو خطرہ تھا کہ کہیں یہ زندگی آگے چل کر انہیں مصیبت کے کسی بڑے دلیل میں نہ پھنسا دے، وہ جب غور کرتے انہیں نظر آتا کہ بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہؓ کی ایک جماعت معاملات سے دور رہنا پسند کرتی ہے اور لوگوں کا ساتھ دینا نہیں چاہتی، چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے معاملات سے الگ رہی، حضرت علیؓ کی بیعت میں حصہ نہیں لیا اور انتظار میں وقت گزارتی رہی، اس جماعت میں اچھی خاصی اتحاد ایسے افراد کی تھی جو خوبی اور نیکی میں انتخاب تھے اور اس قابل کہ سب زیادہ ان کا احترام کیا جائے جیسے سعد بن ابی وقاصؓ اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر جیلانے والے، فارس کے فلاح، نبیؐ جن لوگوں سے خوش ہو کر دنیا سے گئے ان میں کے ایک فاروقؓ کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ کے رکن اور جیسے عبداللہ بن عمرؓ وہ مرد نیک جو مسلمانوں میں اختلاف خیال کے باوجود اپنے دی تفقہ کی وجہ سے مقبول ہیں، محاسن کے دلدادہ، حرم و طمع سے دور اور مسلمانوں کے بلا رورعبت تیر خواہ، پھر لوگوں نے دیکھا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے رضا اور رغبت کے ساتھ بیعت نہیں کی ہے ان تمام باتوں کو دیکھ کر اور جان کر اور ان کا اندازہ لگا کر کیوں نہ لوگ سرا سیمہ اور خوفزدہ ہوں؟ تاہم نئے خلیفہ ایسی قابلیت کے مالک تھے، کہ لوگوں کا دل اطمینان اور امیدوں سے بھر دے، وہ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، حضرت ام المومنین خدیجہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے، مردوں میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے والے، اسلام کی دعوت اور اعلان کے پہلے نبی کریم ﷺ کی تربیت میں رہنے والے اللہ کے رسول صلعم نے احساس فرمایا کہ ابو طالب زندگی کے دن تنگی میں گزار رہے ہیں، آپ نے کوشش کی کہ بیٹوں کا بوجھ اٹھانے میں دوسرے چچا ابو طالب کی امداد کریں، چنانچہ صرف عقبیل ابو طالب کے پاس رہ گئے اور وہ یہ چاہتے بھی تھے، باقی دوسرے لڑکے اور بھائیوں کی پرورش میں چلے گئے، آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور ان کی تربیت پر داخت فرمائے لگے، جب اللہ نے آپ کو

نبوت کے لئے پسند فرمایا تو حضرت علیؓ آپ کی تربیت میں تھے، اور ابھی دس سال سے کچھ ہی بڑے تھے، پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ اسلام کے ساتھ ساتھ پلے اور بڑے ہوئے نبی کریم کو آپ سے بھی محبت تھی، وہ آپ کو غیر معمولی درجے میں مقدم رکھتے تھے، ہجرت کے موقع پر آپ کو لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور آپ نے ان کے مالکوں تک پہنچا دیا، پھر قریش نے جس رات اللہ کے رسول صلعم کو قتل کر دینے کی سازش کی تھی آپ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور آپ سوئے اس کے بعد آپ نے ہجرت کی اور مدینہ میں نبی کریم ﷺ سے جملے اس کے بعد مواغات کی تقریب میں رسول خدا نے اپنے ساتھ حضرت علیؓ کا بھائی چارہ قائم کیا، پھر اپنی لڑکی حضرت فاطمہ سے بیاہ دیا بعد میں تمام غزوات میں حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے سخت معرکوں میں علم آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا، خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت رکھتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کو بھی اس سے محبت ہے، دوسرے دن جب صبح ہوئی تو جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا، مدینہ پر اپنا جانشین بنا کر جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک جانے لگے تو فرمایا تم میرے لئے موسیٰ کے ماروں ہو، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، حجۃ الوداع جاتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا جس کا میں سردار ہوں علیؓ بھی اس کے سردار ہیں، اے خدا جو علیؓ کو دوست رکھے اسکو تو بھی دوست رکھو اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کرے۔

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے علم اور تفقہ سے خوب واقف تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سب سے زیادہ قبیلہ کرنے کی طاقت حضرت علیؓ میں ہے، حضرت عمرؓ کو جب کسی معاملے کے فیصلے میں پیچیدگی سامنا ہوتا تو اس کو حضرت علیؓ کے سامنے پیش کرتے، حضرت عمرؓ نے جب شوریٰ کی ہدایت کی تھی اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ اس چیل سہروالے کو مسلمان اگر اپنا والی بنا لیں تو وہ ان کو بے راہ نہیں ہوتا دیکھا، حضرت علیؓ کے محاد اور محاسن بہت زیادہ ہیں، نبی کریم ﷺ کے صحابہ اپنے اختلاف کے باوجود ان محاسن کا اعتراف کرتے ہیں، تابعی بزرگ ان اوصاف کے قائل ہیں اہل سنت کا ان فضائل پر یقین ہے جس طرح شیعوں کا یقین ہے،

لگے چلکر جب ہم حضرت علیؓ کی سیرت اور مشکلات اور مصائب میں ان کے طرز عمل کی تفصیل پیش

کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت علیؓ مذکورہ بالا فضائل اور محاسن بلکہ اس سے بھی زیادہ کے اہل تھے، اور بلاشبہ آپ میں سب سے زیادہ یہ صلاحیت تھی کہ مسلمانوں میں فاروق اعظمؓ جیسی روش اختیار کریں اور ان کو اسی راہ پر لے جائیں اور اگر حالات سازگار ہوتے تو حضرت علیؓ مسلمانوں کو بھلائی کا میاں بنا اور سعادت کی اس منزل پر پہنچا دیتے جہاں ان کو حضرت عمرؓ پہنچا چکے تھے،

حضرت عمرؓ خدا کی ان پر رحمت ہو، بڑی سچی فراست کے مالک تھے، انہوں نے بالکل ٹھیک اندازہ کیا تھا، جس میں کوئی غلطی نہ تھی کہ اگر حضرت علیؓ کو خلافت دیدی جاتی تو وہ لوگوں کو سیدھی راہ سے بھٹکنے نہ دیتے، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ان سے بہت زیادہ مشابہ ہیں، وہ بھی حق کے بارے میں سختی سے پیش آتے ہیں، حق کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں، حق کا انکار کرنے والوں یا حق کے معاملے میں تنگی برتنے والوں کے لئے بڑے سخت ہیں، لیکن قوم نے ابن خطاب کی وفات کے بعد جب دنیا قدموں پر گر رہی تھی، جب سرگرمیوں میں قوت تھی، جب اقدام نتیجہ خیز تھا، جب معقولیت اور ذہانت کا رزما تھی، اور معاملات مسلمانوں کی منشاء کے مطابق چل رہے تھے، حضرت علیؓ کو خلیفہ نہیں بنایا، اور بنایا تو حضرت عثمانؓ کو بنایا، پھر نتیجہ دونوں کے حق میں جو کچھ ہونا تھا ہوا، اس کے بعد جب دنیا گم گئی معاملات میں انتشار ہو گیا اور اقتدار کی رسی ڈھیلی ہو گئی بعضوں نے بعض کے ساتھ بدگمانی کی حد کر دی، بعضوں نے بعض کے خلاف کارروائیوں کی اتہا کر دی، تب جا کر کہیں ایک اچھی خاصی تعداد نے حضرت علیؓ سے التجا کی اور آپ کی بیعت کی کچھ لوگ ضرور آپ کے دور رہے لیکن ان کا مقصد آپ کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا نہ تھا، ہاں ایک جماعت نے آپ کی بیعت سے انکار کیا وہ نہ آپ کو پسند کرتی تھی اور نہ اسے آپ کی اطاعت منظور تھی اپنے خلیفہ اور اس کے ساتھیوں نے جو نظر اٹھائی تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ غیر معمولی حالات اور معاملات سے دوچار ہیں وہ ایک ایسے مشتبه فتنے کے گھرے میں ہیں جس کی تاریکی بذاتی کا خاتمہ کر چکی ہے، آدمی اس میں اپنا ہاتھ لکالے تو اس کو اپنا ہاتھ نظر نہ آئے۔

بڑی بڑی مشکلات کے ان پہاڑوں اور فتنہ و فساد کی ان بے رحم تاریکیوں کے درمیان بھی ایک بالکل مطمئن آدمی کی طرح حضرت علیؓ اپنے دل میں ایمان کی صداقت، دین کی سچی محبت حق کی بغاوت کا جذبہ اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی کی تڑپ بہ تمام دکھ پاتے تھے، اسلام کے معاملے میں انہوں نے نہ سر مو انحراف کیا اور نہ ذرا بھی رو رعایت کی، جدھر حق دیکھا ادھر چل پڑے، پھر کسی طرف نہیں جھکے

نہ کسی کا انتظار کیا انجام کی بھی پرواہ نہ کی، اس کو اہمیت نہ دی کہ کامیاب ہوں گے یا ناکام زندگی ملے گی یا موت، ہاں اہمیت تھی تو اس کی کہ راستے بھرا اللہ راہی رہے اور دل مطمئن۔

خلافت اور نبی ہاشم

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اور ان کے چچا حضرت عباسؓ دونوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ منصبِ خلافت صرف بنی ہاشم کا حق ہے، یہ نہ کسی درخاندان میں منتقل ہونا چاہیے اور نہ کسی غیر ہاشمی کو خلیفہ بنانا چاہئے، اور اگر حضرت عباسؓ اسلام لانے میں پچھڑ نہ گئے ہوتے، تو بھتیجے کی جانشینی کے لئے یقیناً خود اپنی ذات کو پیش کر دیتے اور مسلمانوں پر حکومت کی وراثت حاصل کر لیتے، لیکن انہوں نے معاملہ پر غور کیا اور سمجھا کہ حضرت علیؓ اس اقتدار کے وارث بننے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں، اس لئے اسلام لانے میں انہوں نے پہل کی ہے وہ آنحضرت ﷺ کے پرورش کردہ ہیں، وہ غزوات کی مصیبتوں میں پوری طرح ثابت قدم رہے اور اس لئے رسول ﷺ ان کو بھائی کہا کرتے تھے، جس پر ایک دن امین نے آنحضرت ﷺ سے مزاج کرتے ہوئے کہا تھا، بھائی بھی کہتے ہیں اور انہیں سے اپنی لڑکی بھی بیاہ دی ہے، مزید برآں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے لئے فرمایا ہے کہ وہ میرے لئے موسیٰ کے مارون ہیں اور یہ کہ جس کا میں سردار ہوں حضرت علیؓ بھی اس کے سردار ہیں،

انہیں تمام باتوں کے پیش نظر عباسؓ وفات نبویؐ کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہاتھ بڑھائیے میں آپؐ کی بیعت کروں گا، لیکن حضرت علیؓ نے فتنے کا خطرہ محسوس کر کے اس سے انکار کر دیا اس واقعہ کا تذکرہ بہت دنوں بعد حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کیا، قریش کے ایک اور آدمی نے چاہا تھا کہ حضرت علیؓ کی بیعت کملے اس کی یہ خواہش اس لئے نہیں تھی کہ حضرت علیؓ سے محبت تھی اور وہ آپؐ سے خوش تھا یا وہ بنی کریم ﷺ سے آپؐ کے خاص تعلق کا اعتراف کرنا چاہتا تھا، بلکہ اس کا یہ ارادہ عبدالمناف کی خاندانی عصبیت کی بنا پر تھا، یہ آدمی ابو سفیان ہے اسلام سے مقابلہ اور بنی کریم ﷺ سے جنگ کے دوران میں ہی آدمی قریش کا سردار تھا، اس نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر مکہ پر چھا گیا ہے، تو مجبوراً اسلام قبول کر لیا، حضرت عباسؓ اس کو بنی کریم صلعم

کی خدمت میں لائے جہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ دینے میں اس کو کچھ تردد نہیں ہوا، اس لئے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہ ہونے کا اعتراف کر لینے میں اس کے نزدیک کوئی مضائقے کی بات نہ تھی، لیکن جب اس سے یہ شہادت طلب کی گئی کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تو اس نے کہا اس کے بارے میں میرا دل صاف نہیں ہے، اور اگر حضرت عباسؓ اس کو آمادہ نہ کرتے اور قتل کی دھمکی نہ دیتے تو وہ ہرگز رسالت کا اقرار نہ کرتا، یہ حال وہ مسلمان ہوا اور نبی کریم ﷺ نے قریش میں اس کے وقار کی رعایت رکھ کر جب اسلامی فوج مکہ میں فاتحانہ داخل ہو رہی تھی اس کے گھر کو بھی امن کی جگہ قرار دی، پس حضرت ابو سفیان ان امان یافتہ لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو اللہ کے رسول نے مکہ کے فاتحانہ داخلے کے موقع پر صحاف کر دیا تھا، ان واقعات کے پیش نظر اس کو اپنے خلیفۃ المسلمین ہونے کا تو خیال بھی نہیں آسکتا تھا، البتہ اس نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اس کے باپ عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں اور یہ کہ حضرت علیؓ اس اقتدار کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، لیکن خلافت قبیلہ تمیم کے ایک آدمی حضرت ابو بکرؓ کو دی جا رہی ہے اور اندازہ ہے کہ اس کے بعد یہ منصب قبیلہ عدی کے ایک شخص عمر تک پہنچے گا تو اس نے باپ کی قریبی اولاد کو چمکے بیٹوں پر ترجیح دی اور حضرت علیؓ سے کہا، اتھ بڑھائیے میں آپ کی بیعت کروں گا، لیکن حضرت علیؓ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کی طرح اس کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا، اگر آپ ان دونوں بوڑھوں کی بات مان لیتے تو مسلمانوں میں خواہ مخواہ کا فتنہ پیدا کر دیتے، پھر اس فتنے کا مقابلہ کرنے اور اس پر غلبہ پانے کی بات تو درکنار اس کی برداشت ہی بس سے باہر ہوتی۔

اس لئے کہ آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بیعت کے معاملے میں انصار میں اختلاف تھا، اب اگر قریش میں بھی بھوٹ پڑ جاتی تو انجام کیا ہوتا، اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں کچھ عرب دین سے پھرنے لگے تھے اب اگر قریش اور انصار ایک دوسرے کے مقابل ہو جاتے تو صورت حال کا نقشہ کیا ہوتا؟

پس حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت ابو سفیان سے اپنی بیعت کا انکار کرنے میں بالکل متوجہ نہ تھے، ان کا طرز عمل سراپا خیر تھا، وہ اللہ اور اسلام کے پوری طرح مخلص تھے، اپنی ذات کو خلافت کے لئے پیش نہیں کیا اور نہ اس سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ سے جھگڑا کیا، بلکہ لوگوں کی طرح ان کی بیعت کرنی

طبیعت کو تقاضے کے خلاف دبا یا اور مسلمانوں کی خاطر اپنی طبیعت کو اس بات پر راہنی کر لیا کہ اپنے حق سے چشم پوشی کر لیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کا اندازہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے بعد خلافت انہیں کو ملیگی اور مسلمان اس بوڑھے کو خلیفہ بنا دینے میں معذور تھے، جس کو اپنی بیماری کے دنوں میں آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ وہ نماز میں لوگوں کی امامت کرے، تاہم حضرت علیؓ نے بیعت کرنے میں تیزی نہیں دکھائی، بلکہ کچھ دیر لگاؤ، شاید وہ حضرت ابو بکرؓ سے خفا تھے، جس طرح فاطمہؓ خدا کی ان پر رحمت ہو، حضرت ابو بکرؓ سے خفا تھیں، اس لئے کہ جب انہوں نے اپنے باپ کی میراث ان سے طلب کی تو حضرت ابو بکرؓ نے انکار کرتے ہوئے، حضرت کی حدیث سنائی۔ ہم انہیں کسی کو وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ سب کا سب صدقہ ہے، لیکن بہر حال حضرت علیؓ آئے اور بیعت کرتے ہوئے اپنی تاخیر کا یہ عذر پیش کیا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ قرآن جمع کر لینے کے بعد ہی گھر سے نکلوں گا، حضرت ابو بکرؓ نے آپ کا یہ عذر قبول کر لیا۔

حضرت ابو بکرؓ بوڑھے ہو چکے تھے ان کی عمر ساٹھ سے اوپر ہو چکی تھی، اور حضرت علیؓ ابھی جوان تھے تیس سال سے کچھ زیادہ کی عمر تھی، سوچتے تھے کہ ان کے اور مسلمانوں کے سامنے مستقبل کا میدان بہت وسیع ہے بہت جلد ان کو ان کا حق مل جائے گا، جب اللہ اس بوڑھے کو اپنے جوہر رحمت میں بلا لے گا جس کو نبی کریم ﷺ نے دین کے ایک کام کیلئے آگے کیا تھا، پھر مسلمانوں نے دنیا کے کاموں کے لئے بھی اسی کو آگے کر دیا۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت کیلئے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا اور مسلمانوں نے بالاتفاق اس نامزدگی کو منظور کیا، ایک نے بھی مخالفت نہیں کی یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے محسوس کر لیا کہ ان کے اور قریشی مہاجرین کے درمیان ایک کھلا ہوا اختلاف ہے، وہ خلافت کو اپنا حق خیال کرتے ہیں اور مہاجر اس کے لئے اس کا حق تسلیم نہیں کرتے مہاجر ان کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی خیال کرتے ہیں، جو پابندی اور دل کیلئے ضروری ہے، وہ ان کے لئے بھی ہے، اب رہے انصار تو انہوں نے خلافت سے بایوس ہو کر اپنے آپ کو قریشی مہاجرین کے لئے رضا مند بنا لیا تھا، ان میں سے جس کو پیش کیا جاتا، اس کی بیعت کر لیتے حضرت علیؓ نے فتنے کو برا سمجھا، امن و عافیت کو مقدم جانا اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی، کہ حضرت ابو بکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ کی بھی بیعت کر لی، اور جس بات کو اپنا حق خیال کرتے تھے اس کا اظہار تک نہیں کیا اور صبر سے کام لیتے رہے۔ اپنے خلیفہ اول کی طرح حضرت عمرؓ کی بھی خیر خواہی کی، پھر جب فاروق اعظمؓ کو، خنجر مارا گیا اور خلافت کا منصب چھ ارکان شوریٰ کے حوالے کیا گیا، حضرت علیؓ کو یقین تھا کہ قریش

ان کی ہمنوائی کریں گے اور نہ انکا حق تسلیم کریں گے تو نہ اپنے لئے تحریک کی نہ لوگوں پر ان کی مرضی کے خلاف خبر کرنا چاہا، اور اگر کرنا بھی چاہتے تو اس کی کوئی صورت نہ تھی، اسلئے کہ آپ کی حمایت میں کوئی جماعت نہ تھی، اور نہ آپ کسی زبردست پناہ میں جاسکتے تھے، ماں کچھ مکتورے سے لے چھے مسلمان آپ کے ہم خیال تھے جو دبی زبان سے آپ کے لئے تحریک کرتے تھے، لیکن وہ کمزور تھے، ان کے پاس جو کچھ قوت تھی وہ اسلام کی تھی، نہ وہ کوئی مادی طاقت رکھتے تھے اور نہ خاندانی عصیت کا زور، جیسے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت مقداد بن اسود وغیرہ شیخین کی طرح حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بھی بیعت کر لی، جانتے تھے کہ آپ کو دیا جا رہا ہے، لیکن پھر بھی آپ نے بیعت میں پس و پیش نہیں کیا اور نہ پہلے دونوں خلفاء کی طرح حضرت عثمانؓ کے ساتھ خیر خواہی میں کوئی کمی کوتاہی کی، تاآنکہ مصائب کا دور آگیا، جس کی تفسیر ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے عثمانؓ میں کھینچی ہے۔

یہ فطری بات تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اپنے متعلق غور فرماتے اور جو زیادتی آپ کے ساتھ کی گئی ہے اس پر کچھ سوچتے، لیکن پھر بھی آپ نے خلافت کی طلب نہیں کی اور جب تک آپ کو مجبور نہیں کر دیا گیا آپ نے بیعت کے لئے اپنے کو پیش نہیں کیا، حضرت عثمانؓ کے بعض باغیوں نے تو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ آمادہ نہ ہوں گے تو آپ کو بھی انہیں کی جگہ پہنچا دیا جائے گا، علاوہ ازیں مدینہ کے مہاجر اور انصار آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے درخواست کی کہ مسلمانوں کے والی بن کر ان کو اس فتنے کی تاریکی سے نکالیں پھر جب اپنے انکی درخواست منظور کر لی تو کسی صحابی کو مجبور نہیں کیا جس نے چاہا اس کی بیعت لی اور جس نے انکار کیا اسے چھوڑ دیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسامہ ابن زیدؓ کو اور انصار کی ایک جماعت کو جس کے سردار محمد بن مسلمہ تھے چھوڑ دیا بقول اکثر مورخین کے حضرت علیؓ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو نہیں چھوڑا اسلئے کہ باغیوں سے ان کے تعلق کی بنا پر فتنے کا خطرہ تھا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی بیعت پر مجبور نہیں کیا گیا، بلکہ یہ اپنی خوشی سے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور بیعت کی بعد میں جب انہوں نے خلیفہ کا سلوک اپنی توقع کے خلاف دیکھا تو اپنا نقطہ نظر بدل دیا، غالباً یہ دونوں سمجھے ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ کو ان کی سخت ضرورت ہے ان میں سے ایک کو فہم اور دوسرا بصرہ میں غیر معمولی اثر رکھتا ہے اور انہیں دونوں شہروں نے بغاوت میں غیر معمولی طور پر مشترک حصہ لیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ کو فہ اور بصرہ کے لوگوں نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے اشتعال دلانے سے یا کم از کم ان کی مرضی سے بغاوت میں سرگرمی دکھائی تھی۔

پس یہ دونوں اس توقع میں تھے کہ حضرت علیؓ بہت جلد محسوس کر لیں گے کہ کوفہ اور بصرہ میں ان کو اپنی اپنی جماعتوں میں غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل ہے اور بلا تامل ان کو اپنی حکومت میں شریک کر لیں گے اس طرح یہ خلافت ثلاثی یعنی سہ طاقتی ہوگی اور شوریٰ کے یہ تین ارکان باہم حکومت تقسیم کر لیں گے حجاز مصر اور شمالی افریقیہ کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقے حضرت علیؓ کی حکومت میں ہوں بصرہ اور اس کے مضافات کا علاقہ حضرت زبیرؓ کے تابع رہے اور کوفہ اور اس کے آگے کے علاقے پر حضرت طلحہؓ حکمران ہوں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خیال کرتے تھے کہ اگر ان کی یہ سہ طاقتی خلافت مستحکم ہوگی تو شام کا مسئلہ نہایت آسان ہوگا لیکن حضرت علیؓ نے ان کو ان دونوں شہروں کی گورنری دینے سے انکار کر دیا، اور چاہا کہ ان کے ساتھ حضرت عمرؓ جیسا سلوک کریں اور ان کو اپنے ساتھ مدینے میں روک رکھیں جس طرح حضرت عمرؓ نے اس سے پہلے ممتاز صحابہ کو مدینہ میں روک رکھا تھا لیکن حضرت علیؓ نے ان دونوں کے ساتھ وہ سختی نہیں برتی جو حضرت عمرؓ جہاد کی اجازت مانگنے والے صحابہ کے ساتھ کرتے تھے، بلکہ ایک ہریان دوست کی طرح ان سے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں حضرات کو اپنے ساتھ رکھوں کہ آپ کی جدائی سے مجھے وحشت ہوگی، اب ان دونوں کو معلوم ہوا کہ ان کا خیال اور اندازہ غلط تھا، اور یہ کہ حضرت علیؓ وہ دروازہ کھولنے والے ہیں جو حضرت عمرؓ پر خنجر سے وار کے بعد بند ہو چکا تھا، اور ان کا انجام مدینے میں ان ممتاز صحابہ کو انجام ہوا جو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے چنانچہ ان کو مدینہ میں قیام کرنا ہوگا، ہر سال وہ اپنا مقررہ وظیفہ حاصل کر سکیں گے اور حضرت عثمانؓ کی نرمی اور داری اور چشم پوشی سے جو کچھ مل جایا کرتا تھا وہ حضرت علیؓ سے کسی صورت میں نہیں ملے گا، پس انھوں نے نہ کوفہ مانگا نہ بصرہ بلکہ رنجیدہ ہو کر چپ چاپ بیٹھ رہے اور سنجیدگی اور غور کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کرنے میں مصروف ہو گئے

حضرت علیؓ اور صوبوں کے گورنر

حضرت علیؓ کا نرم اور مدبرانہ جواب سن لینے کے بعد بھی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے دل سے بصرہ اور کوفہ کا خیال نہیں نکلا، بلاذری کا بیان ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا، کہ انتظامات میں مضبوطی کے پیش نظر آپ شام پر حضرت معاویہؓ کو برقرار رکھتے اور عراق کے دونوں شہروں پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو مقرر کر دیجئے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس رائے کی مخالفت

کی اور کہا بصرہ اور کوفہ دولت اور خراج کے چہنمے ہیں اگر ان پر ان دونوں کو حکمران بنا دیا گیا تو یہ مدینہ میں مقیم خلیفہ کو تنگ کریں گے اور شام پر حضرت معاویہؓ کا باقی رہنا حضرت علیؓ کے لئے مفید ہونے سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہوگا، حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ کی رائے مان لی اور مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ قبول نہیں کیا،

دوسرے مورخوں نے اس کو ایک دوسری طرح بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علیؓ کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے ان کو مشورہ دیا کہ ایک سال تک عثمانی گورنروں کو جن میں حضرت معاویہؓ بھی تھے ان کے عہدوں پر باقی رکھیے تاکہ لوگ آپ کے حق میں پکے ہو جائیں اور صوبوں سے وفاداری کی اطلاع بھی آپ تک آجائے ایک سال گزرنے کے بعد جیسی تبدیلی مناسب سمجھتے کر لیجئے گا، حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس لئے کہ چالبازی آپ کو طبعاً ناپسند تھی، اس کے بعد مغیرہ دوسرے دن آئے اور حضرت علیؓ سے کہنے لگے کہ میں نے اپنی پہلی رائے بدل دی اور اب مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے مغیرہ واپس ہو رہے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو دیکھ لیا اور حضرت علیؓ کے پاس آکر ان سے دریافت کیا کہ مغیرہ کیا کہہ رہے تھے؟ حضرت علیؓ نے ان کو دونوں باتیں بتا دیں، ابن عباسؓ نے کہا کل اس نے جو کچھ کہا اس میں آپ کی خیر خواہی اور اخلاص تھا اور آج اس نے جو بات کہی وہ فریب اور دھوکا ہے اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اصرار کے ساتھ حضرت علیؓ پر زور ڈالا کہ معاویہؓ کو ان کی جگہ کم از کم ضرور برقرار رکھیں، لیکن اپنے دامن پر مکر و فریب کے دانغ سے ڈر کر حضرت علیؓ نے یہ منظور نہیں کیا اور شام کی حکومت حضرت ابن عباسؓ کو دینا چاہی لیکن انھوں نے قبول کرنے سے معذرت کی،

مورخین میں چاہے جیسا اختلاف ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو حضرت علیؓ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے ایک تو یہ بات ان کی راستبازی کے خلاف تھی کہ انھوں نے بار بار حضرت عثمانؓ کو انھیں گورنروں کے تقرر پر ٹوکا تھا لوگوں کے سامنے ان کے طرز عمل سے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کل تک تو ان کے معزول کرنے کا مطالبہ کرتے رہے، اور آج ان کے برقرار رکھنے پر رضامند ہو جاتے، دوسرے سیاست کا تقاضا بھی اس کے خلاف تھا اس لئے کہ فتنہ کی آگ لگانے والے یہ باغی صرف خلیفہ کی

تبدیلی نہیں چاہتے تھے وہ تو سیاست کا کل نقشہ بدل دینا چاہتے تھے جس میں گورنروں کا تباہی پہلا قدم تھا، ان حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ لوگ شاید معاف کر دیتے جن کو کوفہ والوں نے خود پسند کیا تھا، اور حضرت عثمانؓ نے بھی لوگوں کی اصلاح اور فتنے کی روک تھام کے خیال سے اس کو منظور کر لیا تھا، بہر حال مدینہ والوں کی بیعت سے فرصت پا کر پہلا کام جس کی حضرت علیؓ نے توجہ کی وہ صوبوں کے لئے گورنروں کا تقرر تھا چنانچہ آپ نے نہایت مناسب انتخاب کیا بصرہ کے لئے حضرت عثمان بن حنیف ایک مشہور اور ممتاز انصاری کا تقرر کیا اور شام کے لئے انھیں کے بھائی حضرت سہیل ابن حنیف کو روانہ کیا اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کی طرف روانہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ انصار کو خوش کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ بصرہ، کوفہ اور شام جیسے اہم مقامات کے لئے آپ نے انھیں میں سے تین افراد کو پسند کیا،

اب رہ گیا کوفہ تو بعض مورخوں نے روایت کی ہے کہ اس کے لئے آپ نے عمارہ بن شہابؓ کو چنا تھا، لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ایک کوئی نے ان کو واپس ہو جانے کے لئے کہا اور دھمکی دی کہ اگر واپس نہ ہوں گے تو قتل کر دے گا، اس نے یہ بھی کہا کہ کوفہ کے لوگ اپنے امیر حضرت ابوموسیٰؓ کے سوا کسی کو پسند نہیں کریں گے چنانچہ عمارہ واپس آ گئے، اور حضرت ابوموسیٰؓ نے اپنی اور کوفہ والوں کی بیعت حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیج دی

حضرت علیؓ نے یمن کا حاکم اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کیا جب یمن پہنچے تو حضرت عثمان کے گورنر یعنی بن اسیبہ مکہ روانہ ہو گئے اور اپنے ساتھ سارا مال بھی لیتے گئے، مکہ کی حکومت پر حضرت علیؓ نے شروع میں بنی مخزوم کے ایک آدمی خالد بن عاص بن ہشام ابن مغیرہ کو مقرر کیا لیکن مکہ والوں نے حضرت علیؓ کے لئے اس کی بیعت سے انکار کر دیا، کہا جاتا ہے کہ ایک نوجوان مکی نے حضرت علیؓ کا مکتوب چبا کر پھینک دیا جو مزوم کے حوض میں جاگرا اور مکہ سے متعلق ایک اور بات ہے جس کا ہم آگے چل کر تذکرہ کریں گے،

حضرت علیؓ کے گورنر اپنے اپنے صوبوں کی طرف روانہ ہو گئے، قیس بن سعد تو آسانی سے مصر پہنچ گئے اور عام مصریوں سے حضرت علیؓ کے لئے بیعت لے لی البتہ ایک جماعت مقام خربتیا میں جمع ہو کر حضرت عثمانؓ کے فضاہ کا مطالبہ کرنے لگی، لیکن اس جماعت نے نہ کسی پر ہاتھ اٹھایا نہ کوئی حکم توڑا

البتہ قصاص کا انتظار کرتی رہی

عثمان بن حنیف جب بصرہ پہنچے تو لوگوں نے ان کے ساتھ کوئی بیہودگی اور چال بازی نہیں کی حضرت عثمان کے حاکم عبداللہ بن عامر جو کچھ بے سکے سب لاد کر ماکہ چلے آئے اور وہیں مقیم ہو گئے ، کوثر میں اپنا حاکم بھیجتے کی روایت ہر خند کہ میں نے پہلے پیش کر دی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے وہاں کسی کو حاکم بنا کر نہیں بھیجا بلکہ حضرت ابوموسیٰ ہی کو باقی رکھا اسلئے کہ وہ کوثر والوں کی مرضی کے مطابق تھے حضرت سہل بن حنیف شام کی طرف روانہ ہوئے ابھی وہ شامی حدود تک پہنچے ہی تھے کہ حضرت معاویہ کے سواروں سے ڈبھیر ہو گئی سواروں کے پوچھنے پر حضرت سہل نے کہا وہ حاکم ہو کر آتے ہیں سواروں نے جواب دیا اگر آپ حضرت عثمانؓ کی طرف سے ہیں تو حکومت حاضر ہے لیکن اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو جس نے بھیجا ہے اسی کے پاس چلے جائیے چنانچہ وہ حضرت علیؓ کے پاس چلے آئے جیسے ہی لوگوں کو یہ معلوم ہوا وہ سخت رنجیدہ ہوئے اور یقین کر لیا کہ حضرت معاویہؓ لڑائی پر آمادہ ہیں اب لوگوں نے حضرت علیؓ کا خیال معلوم کرنا چاہا کہ وہ کیا چاہتے ہیں لڑیں گے یا صلح کریں گے یا پھر انتظار کو ناپسند کریں گے ؟

لیکن حضرت علیؓ حق پر رہنے کے بعد جھکنے کے قائل نہ تھے وہ چال کرنے اور تاک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے اور تہ باتوں میں لگی لپٹی یا ڈھکی چھپی رکھتے تھے پھر بھی حضرت معاویہؓ کے معاملے میں انہوں نے کسی جد بازئی سے کام نہیں لیا، بلکہ سورہ بن مخزمہ کو اپنا ایک خط دیکر بھیجا جس میں حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ وہ بیعت کر لیں اور شام کے روسا اور حوزین کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ آجائیں خط میں یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ اپنے علاقے کے حاکم باقی رہیں گے، کہا جاتا ہے کہ خط حضرت علیؓ نے سیراجہنی کے ہاتھ روانہ کیا تھا حضرت معاویہؓ نے جب یہ خط پڑھا تو کچھ جواب نہیں دیا بلکہ انتظار میں رکھا اور خود خفیہ تدبیریں کرنے لگے حضرت علیؓ کا نامہ رجب جواب پر اصرار کرتا تو اس کو خوفناک جنگ کے مناظر پیش کرنے والے اشعار سناتے تھے

حرباً ضرراً ما تشب العجزل والضرماً
شنعاً شیت الصداع وللصما
یوجد لها ضرراً مولی ولا محصاً

ادم ادمه حصن اوخذ ابیدی
فی جارحم واهلکم اذعان متقلد
اعیا المسودیها والسیدون فلم

ملاہ کی طرح جھے رہو، یا پھر مجھے ایک ہولناک لڑائی کی دعوت دو

تمہارے پڑوسیوں اور لڑکوں کی ایسی سخت خون ریزی ہوگی کہ کنپٹی اور سر کے بال سفید ہو جائیں آقا اور غلام دونوں عاجز ہو جائیں گے، اور ہمارے سوا کوئی والی اور حاکم نہ ہوگا۔

حضرت عثمان کے حادثے کا تیسرا مہینہ تھا، جب حضرت معاویہؓ نے ایک دن بنی عسب کے ایک آدمی کو بلایا اور اس کو اپنے دستخط کا ایک طومار دینا دیا جس کی سرخی تھی۔ من جانب معاویہ بن ابی سفیان بنام علی ابن ابی طالب۔ اور اس کو ہدایت کر دی کہ جب مدینہ میں داخل ہو تو اس لیے ہوئے کاغذ کو اونچا کر دے کہ لوگ سرخی پڑھ لیں اس کے بعد اس کو حضرت علیؓ کے توالے کر دینا اور اگر وہ تمہارے آنے کے بارے میں تم سے کچھ بائیں کریں تو تم ان سے یوں کہنا۔ اور یوں کہنا۔ یہ عیسیٰ مدینہ پہنچا اور اس طومار کو انا بلند کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت معاویہ کا جواب لے جا رہا ہے، اب لوگوں کی آتش شوق تیز ہونے لگی کہ دیکھیں حضرت معاویہؓ نے کیا لکھا ہے، غالباً بہت سے لوگ عیسیٰ کے پیچھے حضرت علیؓ کے مکان تک پہنچے ہوں گے، جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے وہ طومار آپ کو دیا، آپ نے اسکو کھولا تو اس میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا پایا اس کے سوا اس میں کچھ نہ تھا، تب آپ نے عیسیٰ سے پوچھا، کیا خبر لائے ہو، اس نے جان کی امان طلب کی، حضرت علیؓ نے منظور کر لیا اس کے بعد اس نے بتایا کہ شامی حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کا پکارا وہ کہ چلے ہیں، انہوں نے حضرت عثمانؓ کا خون آلودہ پیر میں عوام کیلئے لٹکا دیا ہے، جس کے گرد پیش لوگ جمع ہیں اور زارہ قطار رو رہے ہیں، پھر اس نے کہا کہ شامی آپ کو حضرت عثمانؓ کے خون کا طرم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے خون کے سوا ہمیں کوئی بات منظور نہیں اس کے بعد عیسیٰ باہر نکلا اور حضرت معاویہ کے خلاف مشتعل مجمع سے بڑی مشکل کے بعد چھٹکارا پاسکا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ کے بڑے بڑے لوگوں کو بلایا، جن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی تھے اور سب کے سامنے حضرت معاویہؓ کا جواب یعنی اعلان جنگ رکھا اور کہا بھلائی اسی میں ہے کہ فتنہ بڑھنے سے پہلے ختم کر دیا جائے اور قبل اس کے کہ شامی ان پر حملہ آور ہوں شامیوں پر حملہ کر دیا جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طرف سے حضرت علیؓ کو تسلی بخش جواب نہیں ملا اور لڑائی کے لئے جس جوش و خروش کی ضرورت تھی اس کا مظاہرہ نہیں کیا گیا، پھر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے آپ سے مکہ جانے کی اجازت چاہی جس میں درخواست کی سی نرمی نہیں بلکہ مطالبہ اور اصرار کی سی شدت تھی اور عدم منظوری کی حالت میں خلاف ورزی کی دھمکی بھی، حضرت علیؓ نے کہا، جہاں تک ہو سکے گا روکنے کی کوشش کی جائے بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے عمرہ کی غرض سے مکہ جانے کی اجازت

چاہی تھی، اور حضرت علیؓ کو ان کی اس غرض پر شبہ تھا، اس لئے ان دونوں نے آپ کو یقین دلایا کہ ان کا مقصد صرف عمرہ ہے، بات جو بھی رہی ہو، یہ دونوں حضرت علیؓ کی مرضی سے یا خلاف مرضی بہر حال مکہ روانہ ہو گئے اور حضرت علیؓ شامیوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگے کہ ان کے اقدام سے پہلے خود حملہ کر دیں، ابھی آپؓ کو لڑائی کی تیاریوں میں تھے کہ مکہ سے بے چین کر دینے والی خبریں آئیں، جن سے آپؓ کی رائے میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور آپؓ نے اپنا منصوبہ اور منزل بدل دی۔

حضرت علیؓ کے مخالفین

آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا حادثہ حج کے دنوں میں ہوا، اس وقت مدینہ کے بہت سے لوگ حج سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے، ان کو واقعہ کی اطلاع مدینہ کے راستے ہی میں ملی ان میں کچھ تو ایسے تھے جو یہ سن کر مدینہ پہنچے اور حضرت علیؓ کی بیعت کر لی اور کچھ ایسے تھے جو خبر پاتے ہی لٹے پاؤں مکہ واپس آ گئے اس لئے کہ فتنہ و فساد سے دور رہنا چاہتے تھے یا یہ کہ ان واقعات کا ان پر بہت برا اثر پڑا اور ان کے دلوں میں نئے خلیفہ کے خلاف غمے اور مخالفت کے جذبات نہاں تھے، خود مدینہ کے بعض لوگ جو حضرت علیؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر تھے بیعت کر لینے یا بیعت سے انکار کر دینے کے بعد مدینہ چھوڑ رہے تھے اس لئے کہ ان کو حضرت علیؓ سے اختلاف تھا یا اس لئے کہ وہ مکہ میں گوشہ نشین ہو جانا چاہتے تھے، کیونکہ مکہ مکرمہ امن و عافیت کا ترم ہے جہاں خون خرابہ نہیں ہو سکتا، جہاں پہنچ جانے والے کو ڈرا یا دھمکایا نہیں جاسکتا چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنی جان اور اپنا دین فتنوں سے بچانے کے لئے نکل پڑے، حضرت علیؓ ان کو واپس بلانے کے لئے سوار دوڑانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ آپؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ جو حضرت عمرؓ کی زوجہ محترمہ تھیں آگئیں اور حضرت علیؓ کو یقین دلایا کہ وہ شورش اور مخالفت پیدا کرنے کی غرض سے نہیں جا رہے ہیں، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی مکے کا رخ کیا اور جانے کا مقصد عمرہ کرنا بتایا، یا اطمینان دلایا کہ وہ حضرت معاویہؓ اور شامیوں کی طرف سے جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، پھر حضرت عثمانؓ کے گورنر ہونے میں سے جس کو بھی موقع مل سکا وہ مکہ آگیا، عبد اللہ بن عامر آئے، یعلیٰ بن امیہ آئے اسی طرح بنی امیہ کے بہت سے آدمی آئے، انہیں میں سے مروان بن الحکم اور سعید بن العاصؓ میں ازواج مطہرات میں سے مکہ میں حضرت حفصہ بنت عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ موجود تھیں حضرت عائشہؓ

حج سے فراغت پا کر مدینہ روانہ ہو چکی تھیں، راہ میں حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر ملی اور بتایا گیا کہ لوگوں نے حضرت طلحہؓ کی بیعت کر لی یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئیں اس لئے کہ ان کی طرح حضرت طلحہؓ بھی قبیلہ تیم کے تھے لیکن پھر ان کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جس نے ان کو حقیقت حال سے باخبر کر دیا اور بتایا کہ مدینہ میں حضرت علیؓ کی بیعت کی جا چکی ہے، یہ سن کر حضرت عائشہؓ کو بڑی کوفت ہوئی اور کہا کہ علیؓ کو خلیفہ دیکھنے سے پہلے اچھا ہوتا کہ آسمان زمین پر گر پڑتا پھر ساتھ والوں سے کہا مجھے واپس لے چلو چنانچہ مکہ واپس آگئیں، لوگوں میں یہ بات عام ہو چکی تھی کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے خوش نہیں ہیں بلکہ انک والی بات کے بعد تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت علیؓ سے سخت ناراض ہیں جب آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کو طلاق دے دینے کا اشارہ کیا، اور کہہ دیا کہ — اور بہت سی عورتیں ہیں، یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جس میں اللہ نے حضرت عائشہؓ کی برأت کی ہے پس حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ کی یہ بات دل سے ٹھہلا نہ سکیں، اس زمانے میں مسلمانوں کی تاریخ جن زبردست اور موثر ترین شخصیتوں سے روشناس ہو سکی ان میں ایک شخصیت حضرت عائشہؓ کی بھی ہے وہ اپنے والد ماجد کی طرح صرف نرعم دل نہ تھیں بلکہ ان میں فاروق اعظمؓ کی طرح شدت بھی تھی پھر وہ اس دراثت کی بھی خاص حصہ دار تھیں جو جاہلیت کے دور نے عربوں کو دیا تھا چنانچہ وہ بہت زیادہ اشعار یاد رکھتی تھیں اور بر محل پیش کیا کرتی تھیں اپنے والد کو حالت نزع میں دیکھ کر آپ نے جب شاعر کا یہ شعر پڑھا

لعمرك ما يعني الشراء عن الفتى اذا حشوت يوماً وضاق بها الصد

زندگی کی قسم نزع کی حالت میں دولت انسان کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی،

تو پھر نبی کریم ﷺ نے ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا ام المؤمنین

کیا تم یہ آیت تلاوت نہیں کر سکتی تھیں

وَجَاءت سَكْرَةٌ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ

موت کی سختی قریب آ پہنچی ہے یہی وہ ہے

ذَلِكَ مَا كُنْتُمْ مِنْهُ تَحِيدُونَ

جس سے تو بدگمتا تھا

لہ یہ شعر عرب کے مشہور سخی عاتم طائی کا ہے۔ مترجم

ازواج مطہرات میں حضرت عثمانؓ کی سب سے زیادہ مخالف حضرت عائشہؓ تھیں اتنی مخالف کہ جب حضرت عثمانؓ بصر پر کھڑے عبداللہ بن مسعودؓ کے خلاف حد سے بڑھ کر بول رہے تھے تو پردے کی آڑ سے چلاتے ہیں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا وہ حضرت عثمانؓ کے بہت سے کاموں پر اور ان کے گورنروں کے طرز عمل پر معترض ہونے سے کبھی نہ کتنی نہیں یہاں تک کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ بغاوت پر آمادہ کرنے والوں میں ایک آپ بھی ہیں، میرے خیال میں حضرت علیؓ سے حضرت عائشہؓ کی خفگی کے دو سبب اور ہیں، ایک تو وہ جس میں حضرت علیؓ کے اختیار کو کچھ دخل نہ تھا آپ کی شادی نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے ہوئی تھی جن سے حسن اور حسینؓ پیدا ہوئے اور اس طرح نبیؐ کی آنے والی نسل کے آپ باپ بنے اور حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی حالانکہ حضرت ام المومنین ہار یہ قبیلہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری دنوں میں ابراہیم کی ماں بن سکیں پس یہ لا ولدہ کا غم آپ کو ایک حد تک ستاتا تھا خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے،

دوسرا سبب یہ کہ حضرت علیؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد اسماء ختمیہ سے نکاح کر لیا تھا، یہ اسماء محمد بن ابوبکرؓ کی ماں ہیں اس کے بعد محمد بن ابوبکرؓ کی پرورش حضرت علیؓ کے زیر نگریت ہوئی انھیں باتوں کی وجہ سے حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے ناراض تھیں

پس جب ان کو معلوم ہوا کہ مدینہ والوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی ہے تو غضب ناک ہو کر مکہ واپس آئے اور صحن خانیہ میں فروش ہو کر پردہ ڈال لیا، لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے جن سے آپ پردے کے اندر سے باتیں کرتے حضرت عثمانؓ کے خون پر ناراض ہو کر فرماتے — حضرت عثمانؓ کی زبان اور کوڑے نے ہم کو برہم کر دیا اور ہم نے ان پر عتاب کیا جس پر وہ نادام ہوئے اور معذرت چاہی، مسلمانوں نے ان کا عذر قبول کر لیا اب اس کے بعد وہ یہاں نہیں اور شورش پسندوں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور دھلے ہوئے کپڑے کی طرح ان کو نچوڑا یہاں تک کہ مار ڈالا اور اس طرح ایک حرام خون کو حلال جانا، وہ بھی حج کے پینے میں اور مدینہ جیسے مقام میں جس کی حرمت کا حکم ہے

لوگ آپ کی یہ باتیں سنتے تھے اور متاثر ہوتے تھے اور کیوں نہ متاثر ہونے آپ ام المومنین تھیں، اللہ کے رسول ﷺ کی وہ بیوی جن کی آغوش میں آپ کی وفات ہوئی، ایسے باپ کی بیٹی

ہجرت میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں قرآن میں آئینیں اتریں جن کو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑا ماننے لگے،

حضرت عائشہؓ کی باتیں سن سن کر مکہ لغارت کے جذبات سے نہجڑک اٹھا تھا ایسی حالت میں حضرت علیؓ کا وہ فرمان پہنچا جس میں خالد بن عاص بن مغیرہ کو مکہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ بیعت کا انکار کر دیا گیا اور وہ فرمان زمزم کے حوض میں پھینک دیا گیا اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مکہ پہنچے اور حضرت علیؓ کے مخالفین کے ساتھ مل گئے جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے عقے میں بھرتے تھے اسی دن سے مکہ شایموں کے علاوہ حضرت علیؓ کی امامت کے مخالفوں کا مرکز بن گیا،

مشورہ

قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی، اس بات پر سب کا اتفاق ہوا کہ یہ فتنہ اسلام میں ایک زبردست حادثے کا باعث بنا، اور خلیفہ بجا لیت مظلومی شہید کر دیئے گئے اب ایسا اقدام ضروری ہے جس سے یہ مورخہ بند ہو اور اللہ کا دین اپنی شان کے مطابق برقرار رہے اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ ہو کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے خون کا بدلہ لیا جائے خواہ وہ کوئی ہو، اس کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے مشورے کے حوالے کیا جائے، مسلمان اپنی رضا و رغبت اور دلی اطمینان کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کو سامنے رکھ کر جس کو چاہیں اپنا خلیفہ بنا لیں اور اس معاملہ میں کوئی سختی اور زبردستی نہ کی جائے نہ گردنوں پر معلق تلواروں کی دھمکی دی جائے، پھر اس بات پر غور ہوا کہ حصول مقصد کا طریقہ کیا ہو؟ بعضوں نے اپنا یہ خیال پیش کیا کہ مدینہ میں حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا جائے لیکن بقول مورخین مدینہ والوں کی قوت سے ڈر کر یہ تجویز رد کر دی گئی اور اس لئے بھی کہ ایسا کرنا مدینہ الرسول پر حملہ اور واقعہ احزاب کو دہرانا ہے جو شاید حضرت عثمانؓ کے باغیوں نے کیا تھا بعضوں نے یہ رائے دی کہ ہم کو کوفہ جانا چاہیے اور وہاں حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف جنگ کا علم بلند کر دینا چاہیے لیکن یہ رائے بھی رد کر دی گئی اس لئے کہ کوفہ پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بڑا اثر تھا اور وہ شورش پسند نہ تھے اور اس لئے بھی کہ حضرت عثمانؓ کے کٹر باغی اور جرم کرکام کرنے والے مخالف کوفہ ہی میں تھے پس وہ طبعی طور پر قوم کو روکتے اور یہ بے عزتی گوارا نہیں کرتے، پھر ان کی نظر انتخاب بصرہ پر پڑی

اس لئے کہ اس میں قبیلہ مضر کے لوگ بکثرت آباد تھے اور اس لئے کہ عبداللہ بن عامر نے اُن کو یقین دلایا کہ بصرہ والوں پر اس کے بڑے بڑے احسانات اور ان سے دوستی کے تعلقات ہیں وہ اس کی نہیں گے اور خاطر خواہ امداد بھی کریں گے مگر کو اپنی جنگی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا خیال ان کو اس لئے نہیں آیا کہ وہ امن و امان کا حرم محترم ہے جہاں خونریزی نہیں کی جاسکتی اور حضرت معاویہؓ کی وجہ سے وہ شام کی طرف سے بالکل مطمئن تھے اور اگر یہ لوگ عراق اور اس کے آگے کی سرحدوں پر غالب آجاتے تو حضرت معاویہؓ اس موقع میں تھے کہ مصر کی فکر سے بھی ان کو بے نیاز کر دیں، چنانچہ یہ لوگ کوچ کی تیاری کرنے لگے عبداللہ بن عامر اور لعلی بن امیہ نے ساز و سامان سے ان کی بہت کچھ مدد کی پھر عوام کو ساتھ چلنے کی دعوت دی گئی اور تقریباً تین ہزار کی جمیعت ساتھ ہو گئی حضرت عائشہؓ اور ان کے بیان کا عوام پر یہ اثر دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ام المومنین سے درخواست کی کہ وہ بصرہ تک ساتھ چلیں، حضرت عائشہؓ نے جواب میں کہا تم دونوں مجھے لڑائی کرنے کا حکم دیتے ہو انہوں نے کہا نہیں نہیں ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیں گی اور ان کو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے پر آمادہ کریں گی، تب آپ نے بلا پس و پیش منظور کر لیا، حضرت عائشہؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کو بھی ساتھ چلنے پر رضامند کر لیا تھا لیکن اُن کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو روکا اور ازواج مطہرات کے لئے اللہ نے جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہونے وی اللہ کا حکم ہے،

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو قدیم

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكِنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ

جاہلیت کے مطابق نہ پھرو،

تَبَرُّجِ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُولٰٓئِ الْاِم

قوم کوچ کے لئے پاہر رکاب تھی، حضرت علیؓ کو جب یہ خبریں ملیں تو انہوں نے شامیوں سے جنگ کا خیال چھوڑ دیا تاکہ ان باغیوں کو ان کے ارادے سے باز رکھیں،

حضرت علیؓ اور سابق خلفاء

حضرت علیؓ نے بھی خلافت کا جس طرح استقبال کیا، سابق خلفاء میں اس کی کوئی مثال نہیں، حضرت ابوبکرؓ کے وقت کوئی صحابی ان کا مخالفت نہ تھا، ہاں سعد بن عبادہؓ کی ایک بات تھی حضرت فاروقؓ اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ غنیؓ سے بھی کسی نے اختلاف نہیں کیا لیکن حضرت علیؓ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کی

ایک جماعت ان کی بیعت سے اختلاف رکھتی ہے اختلاف رکھنے والوں میں بعض وہ صحابی ہیں جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی بشارت سے نوازا ہے بعض تو فتنے سے بچنا چاہتے ہیں اور بعض لڑنے کے لئے آمادہ ہیں شاید حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ نے بصرہ جاتے ہوئے راستے میں اپنے باپ کو بالکل صحیح مشورہ دیا تھا کہ جب تک فتنے کا زمانہ ہے آپ حضرت عثمانؓ کے معاملہ سے بے تعلق ہو جائیے اور مکہ چلے جاتیے بعض روایات میں ہے کہ اپنی زمین واقع یمن میں چلے جائیے، لیکن حضرت علیؓ اپنی موجودگی پر مصر تھے اور کہیں نہیں گئے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا حادثہ ہو جانے پر حسنؓ نے مشورہ دیا کہ اب لوگوں سے کنارہ کشی کر لیجئے اور کہیں چلے جائیے تا آنکہ عربوں کی گئی ہوئی عقل واپس ہو جائے آپ تو اگر ساڈے کے مورخ میں بھی ہوں گے تو لوگ وہاں سے نکال کر آپ کی بیعت کریں گے اور اس کی ضرورت نہ ہو گی کہ آپ کچھ عرض کریں، پھر بصرہ کے اسی راستے میں حضرت حسنؓ نے راستے دی کہ عراق نہ جائیے مبادا بے یار و مددگار جان سے جائیں لیکن حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے کی ایک بات بھی نہیں مانی یہ ان سے کس طرح ہو سکتا تھا کہ لوگوں کو فتنے میں مبتلا دیکھیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو عہد و پیمانہ انھوں نے اللہ سے کر رکھا تھا اس سے پہلو نہیں کریں چنانچہ انھوں نے خلیفہ کی خیر خواہی کی، کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے ان کے ساتھ پیش آئے انھوں نے رعایا کے ساتھ بھی خیر خواہی کی ان کو گناہ اور نافرمانی سے روکتے رہے خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں ان کی امداد کرتے رہے علاوہ ازیں حقدار ہوتے ہوئے بھی آپ نے لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود لوگوں نے آپ کو مجبور کیا باغیوں نے مجبور کیا کہ بغاوت کا خمیازہ بھگتتے سے بچ سکیں اہل بصرہ اور انصار نے مجبور کیا کہ امام کے تقرر کی کوئی صورت بن پڑے اور لوگوں میں اللہ کے احکام کا اجرا عمل میں آئے،

پھر یہ صورت بھی قابل عمل نہ تھی کہ حضرت علیؓ مدینہ میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے کہ حضرت معاویہؓ اور شامی آکر ان پر حملہ کریں یا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عراق اور اس کے بعد سرحدوں کو گھیرتے ہوئے اور خراج کا مال سمیٹتے ہوئے مدینہ پر چڑھائی کر دیں تو پھر مقابلہ کے لئے نکلیں، پس ضروری تھا کہ حضرت معاویہؓ کے انکار بیعت کے بعد حضرت علیؓ شام سے معرکہ آرائی کیلئے نکل کھڑے ہوں، حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کی دلیل قوی تھی، پورے حجاز اور صوبوں کے مسلمانوں کی زبردست اکثریت آپ کی بیعت کو چکی تھی اور آپ کی اطاعت سے گریز نہیں کیا جاسکتا تھا،

حضرت معاویہؓ اگر اپنے معاملہ میں انصاف اور اخلاص سے کام لینا چاہتے تو ان کا فرض تھا کہ لوگوں کی طرح ، حضرت علیؓ کی بیعت کر لیتے اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے وارثوں کو لے کر آپ کے پاس آتے اور قاتلوں سے قصاں کا مطالبہ کرتے لیکن ان کو تو قصاص سے کہیں زیادہ اس کی فکر تھی کہ خلافت کا رخ کسی طرح حضرت علیؓ سے پھیر دیا جائے ، چنانچہ حضرت علیؓ کی وفات اور حضرت حسنؓ سے مصالحت کے بعد جب ان کے لئے حکومت کا میدان صاف ہو گیا تو قصاص یا درہا نہ قاتلوں کی تلاش اب ان کو امن و امان کچھتی اور انشاد اچھا معلوم ہونے لگا ،

حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف بھی حضرت علیؓ کی دلیل حضرت معاویہؓ سے کچھ کم قوی نہ تھی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کر لی تھی اب ان کا فرض تھا کہ عہد کی پابندی کرتے اور بیعت میں صداقت باقی رکھتے ، اگر حضرت علیؓ کی اطاعت ان کو پسند نہ تھی اور وہ بعض کاموں میں ان کی مدد کرنا نہیں چاہتے تھے تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ، حضرت اسامہ بن زیدؓ ، محمد بن مسلمہؓ وغیرہ ممتاز صحابہ کی طرح کنارہ کشی اختیار کر لیتے لڑائی تو کھڑی نہ کرتے ، لوگوں کو یا بھی جنگ کی آگ میں تو نہ جھونکتے ، مسلمانوں میں اس بری طرح پھوٹ تو نہ ڈالتے جس کا منظر آگے چل کر آپ دیکھیں گے ،

اب رہا حضرت عائشہؓ کا معاملہ تو اللہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھیں ، پس ضروری نہ تھا ، کہ پہلے خلیفہ کی طرح حضرت علیؓ کے عہد میں بھی وہ اللہ کے حکم کی پابندی میں بگھریں بیٹھیں ، اچھی باتوں کا حکم دیتیں بری باتوں سے منع کرتیں ، دوسری اہمات المؤمنین کی طرح نماز اور زکوٰۃ ادا کرتیں اللہ کی جن حکمتوں اور آیتوں کی آپ پر تلاوت کی گئی ہے ان کی یاد دلائیں حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار اور ان کی خلافت کے تسلیم نہ کرنے پر بھی انھیں حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی تکلیف اور کوئی ناگواری پیش نہ آتی کہ وہ ام المؤمنین تھیں نبی کریم ﷺ کی غیر معمولی محبت ان سے وابستہ تھی وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی تھیں بہر حال اتنا ضرور تھا کہ حضرت عائشہؓ کا درجہ حضرت علیؓ کی نگاہ میں کنارہ کشوں کے برابر نہ تھا ، یوم جمل کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی جس طرح توفیر باقی رکھی اس سے حضرت علیؓ کے نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے شاید کوئی یہ کہے کہ قوم کو صرف حضرت عثمانؓ کا غصہ نہ تھا ، بلکہ لوگ اس کے بھی خلاف تھے کہ باقی حضرت عثمانؓ ہی جیسا ایک یہ سربراہ ان پر مسلط کر دیں ، حالانکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے باہم مستورہ سے خلیفہ کا انتخاب ہو لیکن جواب یہ کہ خلافت کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت مسلمانوں کے باہم

مشورے سے نہیں ہوئی بلکہ وہ تو ایک اتفاقی بات تھی بقول حضرت عمرؓ اللہ نے اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا، اور خود حضرت عمرؓ کی بیعت بھی مسلمانوں کے مشورے سے عمل میں نہیں آئی بلکہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو نام زد کیا اور مسلمانوں نے یہ نامزدگی منظور کر لی اس لئے کہ ان کو شیخین پر اعتماد تھا اور وہ ان سے محبت بھی کرتے تھے لیکن وہ مجلس شوریٰ جس نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا اطمینان بخش رضامندی کی حامل نہ تھی، حضرت عمرؓ نے قریش کے چھ آدمیوں کو مقرر کیا کہ اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں، چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو چن لیا، اور کہا جاسکتا ہے کہ اس کارروائی میں انھوں نے بڑی حد تک اختلاف اور فتنے سے بچنے اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی کوشش کی،

پس حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا اور ان تمام حضرات کا جو کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے یہ فرض تھا کہ جتنا ہو سکتا معاملے کو روکتے اور حضرت علیؓ کی بیعت مجبوری سے نہیں رضامندی کے ساتھ کر لیتے اور پھر ان کے ساتھ مل کر ایک طرف ان خرابیوں کی اصلاح اور درستی کی کوشش کرتے جو باغیوں نے پیدا کر دی تھیں اور دوسری طرف ایک مضبوط اور مستقل نظام وضع کرنے میں دقت صرف کرتے جو خلیفہ کے انتخاب اور حکومت کے چلانے میں رہنمائی کرتا اور مسلمانوں کو عہد عثمانی جیسے مصائب کا شکار ہونے سے بچاتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس وقت قوم نے جو کچھ سوچا اور سمجھا وہ ہمارے دل و دماغ جیسی بات نہ تھی، ان سے دین کے لئے اور اپنے لئے جو کچھ ہو سکتا تھا انھوں نے کیا،

حضرت صدیق اکبرؓ کو خلافت کے ابتدائی دور میں جو کچھ پیش آیا حضرت علیؓ کو بھی ایسی جیسی ایک بات سے دوچار ہونا پڑا عہد صدیقی میں تمام عربوں نے خلیفہ کی مخالفت کی اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا، لیکن حضرت ابو بکرؓ کو صحابہؓ کی امداد اور حمایت حاصل تھی انھوں نے بڑی تیزی کے ساتھ فتنے کی آگ بجھادی اور عربوں کو زمین کے مختلف حصوں میں روانہ کر دیا جہاں وہ فتوحات میں مشغول ہو گئے فاروق اعظمؓ آئے تو انھوں نے فتوحات کی رفتار میں اور تیزی پیدا کر دی حضرت عثمانؓ بھی شیخین کے نقش قدم پر چلے اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں فتوحات کا دائرہ بڑھاتے ہی چلے گئے،

لیکن حضرت علیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی انھیں ہر سے کچھ لوگ بدل گئے جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حامی اور معاون تھے نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد چھوٹ پڑ گئی اور عثمانؓ آپس میں لڑنے لگے سرحد کی فوجی پیش قدمی چھوڑ کر اپنی جگہ رک گئے، شام میں تو بعض دن نے یہاں تک کیا کہ سرحد چھوڑ کر اپنے ان بھائیوں سے

سے مقابلہ کے لئے چلے آئے جو حضرت علیؓ کے حامی تھے یہ دیکھ کر رومی آرزو کرنے لگے کہ ان کے جن مقامات پر مسلمان قابض ہو چکے ہیں ان سے واپس لے لیں اور اگر حضرت معاویہؓ کچھ دسے کر ان سے مصالحت خرید نہ لیتے تو وہ شام پر چلے کا ارادہ کر ہی چکے تھے پھر جب فضا ٹھیک ہو گئی تو امیر معاویہؓ رومیوں کے لئے فرصت پاچکے تھے سپہر حال حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور عائشہؓ بصرہ جاتے کے ارادہ سے نکل پڑیں اور ادھر حضرت علیؓ نے شام سے اپنی توجہ ہٹالی، اور طے کر لیا کہ ان تینوں کو جا کر سمجھائیں گے اور واپس لائیں گے ادھر حضرت معاویہ کو کافی وقت اور موقع ملا کہ اپنی حکومت مضبوط کر لیں اور فوجی تیاری کے ساتھ ساتھ مصر میں حضرت علیؓ کے خلاف خفیہ کارروائیوں کی بھی تکمیل کر دیں، حضرت علیؓ مدینہ سے نکلے، لوگوں کی مرضی کے خلاف نکلے آپ کے اس سفر کو لوگ فال بد تصور کرتے تھے حضرت علیؓ کو اندازہ نہ تھا کہ اب وہ مدینہ سے ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں، ان کا خیال تھا کہ وہ بہت جلد ان تینوں سے مل کر بحث و مباحثہ کے بعد واپس رہتی رہتی کر کے جماعت میں شامل کر لیں گے اور پھر ان کو مدینہ لائیں گے اور خود دوسرے خلفاء کی طرح مدینہ ہی میں قیام کریں گے اور مسلمانوں کے معاملات کی لگام اپنے ہاتھ میں لیں گے، لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ معلوم ہوا کہ لوگ آگے بڑھ چکے ہیں، اور اب وہ بصرہ پہنچے ہوں گے اور مسلمانوں کو وہاں آپ کی بیعت سے روکتے ہوں گے لیکن اس کے بعد بھی حضرت علیؓ مصالحت سے مایوس نہیں ہوئے البتہ اس کی بڑی احتیاط کی کہ یکایک لڑائی نہ چھڑ جائے چنانچہ آپ نے راستے کرتے ہوئے کوفہ والوں کے پاس آدمی بھیجے کہ ان کو حمایت اور تعاون کی دعوت دیں،

حضرت علیؓ اور کوفہ

حضرت علیؓ کے آدمی کوفہ آئے تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں کے حاکم ابو موسیٰ اشعریؓ شورش اور خون ریزی سے گریز کرتے ہوئے لوگوں کو امام کی حمایت سے روکنے پر زور دے رہے ہیں ان کی دلیل اس معاملے میں بھینس بھینسی تھی ان کے خیال میں امام کسی کافر دشمن سے تو لڑنا نہیں چاہتے تھے اس میں تو ان کے بالمقابل انہیں کی جیسی ایک قوم ہے، اللہ پر رسولؐ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والی پس انھوں نے اس کو بہت برا سمجھا کہ مسلمان، مسلمانوں سے لڑیں، اپنے ہی لفظ نظر کو انھوں نے شہر والوں کے لئے بھی ضروری قرار دیا اور دین کا یہ عام حکم ہے کہ انسان جو بات اپنے لئے پسند کرے دوسروں کے

لئے بھی اسی پر رضامند ہو پاپس ابو موسیٰ انصاریؓ نے کوفہ والوں کو لڑائی سے باز رکھ کر ان کو امام کی امداد سے دور رہنے کا مشورہ دیکر گویا اپنے ساتھ اور شہر والوں کے ساتھ بڑی خیر خواہی کی اور خلوص برتا، لیکن ابو موسیٰ انصاریؓ تو حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے اور کوفہ والوں کی بیعت حضرت علیؓ کے لئے بھی لے چکے تھے، یہ بیعت ان پر اور شہر والوں پر خلیفہ کی حمایت اور اعانت فرض کر دیتی ہے اگر اس میں ان کے لئے کوئی مضائقہ کی بات تھی تو خلیفہ کے سامنے اپنا استغنیٰ پیش کر کے کام چھوڑ دیتے اور کنارہ کشی اختیار کر کے اوروں کی طرح فتنے سے دور رہتے لیکن یہ کہ حضرت علیؓ کی بیعت کوئی انہیں کی طرف سے حاکم ہونا بھی قبول کر لیا، اور پھر ان کے حکم سے سزائی، یہ کوئی معتقول بات نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو سخت سست کہا اور معزول بھی کر دیا اور ان کی جگہ حضرت فرظ بن کعب انصاریؓ کو نیا حاکم بنا کر بھیجا، پھر اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو روانہ کیا کہ وہ کوفہ والوں کو حمایت پر آمادہ کریں بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اشتر نے حضرت علیؓ سے اجازت مانگی کہ مجھے کوفہ جانے دیجئے آپ نے اجازت دیدی شہر میں پہنچ کر اشتر نے اپنی قوم کے چند رعب و اب والے آدمیوں کو اکٹھا کیا اور حاکم کی کوٹھی پر پہلہ بول دیا، اس وقت ابو موسیٰ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے اور جو کچھ بھی کوٹھی میں اور بیت المال میں تھا سب سمیٹ لیا اور ابو موسیٰ کو برطرفی پر مجبور کر دیا، چنانچہ وہ کوفہ سے نکل کر مکہ آئے اور کنارہ کشوں کے ساتھ وہیں لگے، اشتر نے کوفہ والوں کو خلیفہ کی حمایت کی دعوت عام دی اور ان کو مقام ذی قاز تک لائے جہاں حضرت علیؓ ان کے منتظر تھے،

حضرت علیؓ اور بصرہ

بصرہ کا معاملہ کوفہ سے بھی ٹیڑھا تھا، یہاں کے لوگ حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے تھے اور آپ کے عہد عثمان بن حنیف کے فرمانبردار تھے لیکن بہت جلد ان پر حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور عائشہؓ اور ان کی فوج کا سایہ پڑ گیا، یہ دیکھ کر عثمان بن حنیف نے اپنے دو سفیران کے پاس بھیجے، ایک عمران بن حصین خواہی رسول اللہ ﷺ کے صحابی دوسرے ابوالاسود دؤلی، ان دونوں نے ان کے پاس پہنچ کر سوال کیا کہ آپ لوگ یہاں آکر کیا چاہتے ہیں؟ جواب ملا ہم حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے سپرد کیا جائے وہ اپنے مشورے سے جس کو چاہیں خلیفہ بنا لیں، سفیروں نے اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ لوگ کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہوئے پھر یہ دونوں واپس

آئے اور عثمان بن حنیف کو بتایا کہ وہ لوگ لڑائی کرنے کے سوا کوئی دوسری بات نہیں چاہتے تب انہوں نے لڑائی کی تیاری کی اور بصرہ والوں کے ساتھ نکلے اور مقابلے میں آکر کھڑے ہو گئے اس کے بعد بحث و مباحثہ ہونے لگا جو بے نتیجہ رہا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اپنی تقریروں میں حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے پر زور دیا اور خلافت کے لئے مسلمانوں کا مشورہ ضروری قرار دیا اس کے جواب میں بصرہ کے ان لوگوں نے تقریریں کیں جن کے پاس حضرت طلحہؓ کے خطوط آئے تھے جن میں حضرت عثمانؓ کے قتل پر ابھارا گیا تھا، اس کے بعد بصرہ کے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ایک طرف سے آواز آئی کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ٹھیک کہتے ہیں دوسری طرف سے آواز آئی جھوٹ کہتے ہیں اور گمراہی پر ہیں، اب کیا تھا ہر طرف سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں، اختلاف میں شدت پیدا ہو گئی اور بصرہ کے لوگ آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے، اس کے بعد حضرت عائشہؓ اپنے اونٹ پر لائی گئیں، آپ نے خطبہ دیا، اور بڑی بلاغت کے ساتھ دیا، شگفتہ زبان، میٹھے بول اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ آپ نے فرمایا — تمہاری خاطر ہم حضرت عثمانؓ کے عصا اور کوڑے سے خفا ہونے رہے تو کیا حضرت عثمانؓ کی خاطر ہم تلوار پر طیش میں نہ آجائیں، یاد رکھو تمہارے خلیفہ مظلوم مارے گئے ہیں ان کی بعض باتیں ہم کو پسند نہ تھیں اس پر ہم نے ان کو کہا سنا چہرہ باز آگئے اور اللہ سے توبہ کی، اور ایک مسلمان سے اگر اس نے خطا کی ہے اس سے زیادہ کیا مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے اور لوگوں کو راہنی، لیکن پھر بھی ان کے دشمنوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور اس طرح تین حرمتوں کا بیک وقت خون کیا، خون کی حرمت کا، مہینے کی حرمت کا، اور مدینہ منورہ کی حرمت کا،

لوگوں نے گہری خاموشی سے سنا لیکن تقریر ختم ہوتے ہی پھر شور و غوغا کی آوازیں آنے لگیں کچھ تائید میں کچھ تردید میں، اس کے بعد لوگوں میں گالی گلوچ اور جوتی پیزا رہونے لگی، مگر اس کے باوجود عثمان بن حنیف کیساتھ بصرہ والوں کی ایک زبردست فوج جمی ہی، اور شدید معرکہ رہا اور کافی لوگ زخمی ہوئے اس کے بعد روک تھام ہوئی اور حضرت علیؓ کے آنے تک مصالحت ہو گئی ایک معاہدہ لکھا گیا، جس کی رو سے عثمان بن حنیف بدستور حاکم مقرر رہے اور انھیں کے قبضے میں ہتھیار اور بیت المال رکھا گیا، اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ کو یہ آزادی دی گئی کہ وہ بصرہ میں جہاں چاہیں قیام کریں، بظاہر لوگوں میں امن و امان کی کیفیت پیدا ہو گئی عثمان بن حنیف معمول کے مطابق اپنے

مال تقسیم کرنے اور شہر کا انتظام کرنے چلے گئے لیکن بصرہ میں آنے والی یہ قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی ایک نے کہا اگر ہم علیؓ کے آئے تک رہے تو وہ ہماری گردنیں اڑا دیں گے چنانچہ انہوں نے عثمان بن حنیف پر پشچون مارنے کا فیصلہ کر لیا، رات نہایت تاریک اور اس میں سخت آندھی چل رہی تھی ان لوگوں نے مروج غنیمت جان کر عثمان پر ایسی حالت میں حملہ کر دیا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے، ان کو بری طرح مارا پٹیا، ان کی وارھی موچھ کے بال نوج لے لئے اس کے بعد بیت المال کا رخ کیا اور وہاں کے چالیس پہرہ داروں کو قتل کر دیا جو سب کے سب غیر عرب تھے اور عثمان بن حنیف کو قید کر کے انہیں پہنچائیں اب تو بصرہ والوں کی ایک جماعت برسرِ بزم ہو گئی اس کو اس بد عہدی کا میر کے ساتھ اس زیادتی کا اور بیت المال پر اس طرح دھاوا کر دینے کا بڑا بیخ ہوا وہ شہر سے بچتے ہوئے ایک طرف نکل آئی تاکہ لڑائی شروع کر دے اور جس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے اس کی حمایت کرے،

یہ جماعت قبیلہ ربیعہ کے لوگوں کی تھی اس کی قیادت حکیم بن جبہ عبدی کر رہا تھا اس کے مقابلے کے لئے حضرت طلحہؓ اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر نکلے اور لڑنے لگے، حضرت طلحہؓ کے ساتھیوں نے حریف کے ستر سے زیادہ آدمیوں کا صفایا کر دیا، حکیم ابن جبہ بھی بڑی بے جگری سے مقابلہ کرنے کے بعد مارا گیا بعد میں اس کے قصاص کا معاملہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا، کہتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ کے آدمیوں میں سے کسی نے اس پر ایسا وار کیا جس سے اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی حکیم اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کے پاس آیا اور اس کو پھینک کر حملہ آور کو اس طرح مارا کہ وہ گر پڑا اس وقت حکیم کی زبان پر یہ رجز جاری تھا،

یا نفس لا تراعی

اے دل کچھ حصرح نہیں

ان قطعو کراعی

اگر میرا پاؤں کاٹ دیا گیا ہے

ان معی ذراعی

میرا اتمہ تو سلامت ہے

اس قدر شدید زخمی ہونے پر بھی وہ لڑتا رہا اور یہ رجز پڑھتا رہا،

مرنے میں میرے لئے شرم کی کوئی بات نہیں

لیس علی فی الممات عار

شرم تو لڑائی سے بھاگنے میں ہے

والعاری الحرب هو الفرار

بزرگی یہ ہے کہ بغیر زندہ رکھی جائے،

والمجد الایضاح الذمار

اور لڑتے لڑتے جان دے دی،

اس طرح لوگوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت علیؓ کی بیعت توڑ دی بلکہ عثمان بن حنیف کے ساتھ معاہدے کی بدعہدی کا بھی اعلان کر دیا اور شہریوں میں سے جن لوگوں نے بھی اس بدعہدی پر اعتراض کیا اور حاکم کے قید کر دینے کی بیت المال کی چیزوں پر قابض ہو جانے کی اور پہرہ داروں کو قتل کر دینے کی مذمت کی ان کو قتل کر دیا گیا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ چاہا کہ عثمان پر بھی وار کریں لیکن انہوں نے ان کو آگاہ کر دیا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے شہر کے ناظم اس وقت ان کے بھائی سہل بن حنیف ہیں اگر مجھے تکلیف پہنچی تو وہ ان کی اولاد کی گردنیں اڑا دیں گے تو انہوں نے ان کو چھوڑ دیا، اور وہاں سے چل پڑے پھر بصرہ کے ایک راستے پر حضرت علیؓ سے ملے اور مذاق کرتے ہوئے کہا آپ نے مجھے بوڑھا بھیجا تھا اور میں جوان ہو کر واپس آیا ہوں

بصرہ میں مخالفین کی ان تمام حرکتوں کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں میں غصے اور دشمنی کی آگ بھڑک اٹھے اور بصرہ کے لوگوں میں جوہری طرح پھوٹ کے شکار نئے مزید نفیاق اور شقاق پیدا ہوا چنانچہ حکیم ابن جبلیہ کے حادثے پر عبدالقیس کے لوگ غضبناک ہو کر علامہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہو گئے، اور معرکے سے بچ نکلنے والے حرقوص ابن زہیر کے آدمی بھی اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو سپرد کرنے سے انکار کر دیا بعد میں یہ لوگ، حنف ابن قیس کے ساتھ چھ ہزار کی جمعیت میں کنارہ کش ہو گئے، یہ حرقوص ابن زہیر عثمان پر ٹوٹ پڑنے والوں میں بڑا سخت تھا اس کے بعد لوگوں میں بڑی پھوٹ اور سخت اختلاف ہوا ایک گروہ چپکے سے یا کھلے بند حضرت علیؓ تک پہنچا ایک گروہ منتظر رہا کہ حضرت علیؓ آئیں تو ان کے ساتھ ہو لے، ایک جماعت حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی ساتھی بنی، تاکہ حضرت عائشہؓ کی حمایت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری حضرت زبیرؓ کی امداد کرے، ایک گروہ چاہتا تھا کہ اپنے دین کی حفاظت کرنے ہوئے ننتے کی لپیٹ سے دور رہے، چنانچہ کچھ لوگوں کو کنارہ کشی کا موقع ملا اور کچھ ننتے پر مجبور ہوئے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود لیڈروں کا یہ حال تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مطمئن نہ تھے، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ میں اس بات پر اختلاف تھا کہ نماز کون پڑھائے، بڑی مشکل کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ ایک دن حضرت طلحہؓ پڑھائیں اور دوسرے دن حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کی یہ کیفیت کہ دل رنج و دلال نے بے پروا راستے میں جب پانی کے ایک چشمے پر گزرنے لگیں

تو کتوں نے بھونکا آپ نے چشمے کا نام پوچھا لوگوں نے بتایا کہ اس کو حوآب کا چشمہ کہتے ہیں تب تو آپ گھبرا کر کہنے لگیں مجھے واپس لے چلو، واپس لے چلو، رسول اللہ ﷺ کو میں نے ازواج میں بیٹھے کہتے سنا۔ تم میں سے کون ہے جس کو حوآب کے کتے بھونکیں گے، یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن زبیر آئے اور آپ کو مطمئن کرنے کی یتدبیر کی کہ بنی عامر کے بچاں آدمی آپ کی خدمت میں حاضر کئے جنہوں نے شہادت دی کہ یہ چشمہ حوآب کا چشمہ نہیں ہے،

کھلی ہوتی بھوٹ، کھلا ہوا فرقہ اور دلوں میں چھپا ہوا رنج و ملال، پھر مطلب اور خود غرضی کی باتیں اور ان پر پردہ ڈالنے کی کوششیں یہ تھا قوم کا نقشہ جب حضرت علیؓ ایک بڑی فوج کے ساتھ تشریف لائے

حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی

حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کا حال اس کے بالکل برعکس تھا، حضرت علیؓ کو اس میں کبھی شک نہیں رہا کہ خلافت کے وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں، پھر جب اس کا موقع آیا تو یہ خیال کر کے کہ حق حق دار کو مل گیا آپ نے عنان خلافت اٹھ میں لے لی، اور ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کے باغی مدینہ کے بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہ کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کر سکتے تھے یہ تو وہ تھے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ان میں بہت سے آزمائش کے موقع پر ثابت قدم بنے سختی کے مختلف حالات میں ان کا امتحان لیا گیا، انھوں نے دنیا چھوڑی دین کو اختیار کیا اپنی راہ میں زندہ رہنے سے اللہ کی راہ میں مرجاوا پسند کیا، جن لوگوں کے یہ اوصاف ہوں وہ دین کی مخالف کسی بات پر مجبور نہیں کہہ سکتے اس کے معنی یہ ہیں کہ بلا کسی خوف اور ڈر کے اپنی رضا اور رغبت سے ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی، اور اس کا پتہ اس طرح بھی چلتا ہے کہ جو چند آدمی اس بیعت سے مطمئن نہیں تھے حضرت علیؓ نے ان کو مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو آزادی دے دی اور ان کی معذرت قبول کر لی پھر باغیوں کو منع کیا کہ وہ ایسے حضرات سے کوئی تعرض نہ کریں اور نہ ان تک پہنچیں، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے جب ضمانت دینے سے انکار کیا تو خود اس کے ضمانت بن گئے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی آپ نے مجبور نہیں کیا، حضرت عثمانؓ کے موقع پر یہ دونوں ان کے ضمانت رہے اور ان کے لئے کہہ دیا کہ شش ماہ تک ان سے نہ لڑو، ان کے خلاف نہ لڑو، ان کا

تھا اس لئے حضرت علیؓ کو ان سے فتنے کا اندیشہ ہوا،

پس شامیوں کے انکار بیعت پر جب حضرت علیؓ ان سے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے یا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی بدعہدی اور مخالفت دیکھ کر جب شام سے اپنی توجہ ہٹا رہے تھے تو آپ کے دل میں کوئی تردد یا شک نہ تھا تاہم آپ نے ایک منعموم نادم کی طرح بعض مواقع پر فرمایا، اگر مجھے معلوم ہوتا، کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی تو میں اس میں حصہ نہ لیتا، مطلب یہ تھا کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہ کے بارے میں آپ کا یہ تصور نہیں تھا کہ ان کے ہاتھوں مسلمانوں میں تفریق ہوگی اور ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے، اور اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کی خلافت فتنہ اور نفاق کا سرچشمہ بنے گی، تو مسلمانوں کے امن و اتحاد کی خاطر اس سے اسی طرح باز رہتے جس طرح اس سے قبل تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر باز رہے اور طبیعت پر جبر کر کے صبر و برداشت سے کام لیتے، مگر اب جبکہ عام اور خاص مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے تو آپ بصیرت کی روشنی میں آگے بڑھتے رہے اور یہ اچھا نہیں سمجھا کہ چلنے کے بعد واپس ہوں یا اقدام کے بعد رکے رہیں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے، بخدا میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن راہ پر ہوں نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا نہ میں کم کردہ راہ ہوں نہ میری وجہ سے کوئی گمراہ ہوا،

حضرت علیؓ کی طرح ان کے ساتھیوں کے دل بھی جب وہ بصرہ جا رہے تھے تردد اور شبہ سے خالی تھے اہل ابوموسیٰ اشعریؓ کی ایک بات تھی، لیکن یہ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ بصرہ کے لوگ ان کے ہم خیال نہ تھے، حضرت علیؓ کے کچھ ساتھیوں نے اپنے دین اور خاص طور پر اپنی عاقبت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے سوال کیا کہ بصرہ آنے سے اور ان کو ساتھ لانے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ تاکہ آپ لوگوں کی موجودگی میں بصرہ کے بھائیوں سے ملاقات کروں، انھیں امن و عافیت کی دعوت دوں، ان پر حق اور صداقت کا اظہار کروں اور اس معاملے میں ان سے بحث و مباحثہ کروں شاید وہ سمجھ جائیں اور ہم آہنگی پیدا ہو کر جماعت میں وحدت کی صورت نکل آئے ان لوگوں نے سوال کیا۔ اگر حق بات نہ مانی گئی اور امن و صلح کی باتوں کو نا منظور کر دیا گیا، آپ نے جواب دیا تو ان سے جنگ میں پہل نہیں کروں گا، سوال کیا گیا، اگر انہوں نے شروع کر دی، آپ نے جواب دیا۔ تو حق کے لئے ہم ان سے لڑیں گے تا آنکہ وہ تسلیم کر لیں،

اپنی عاقبت پر اطمینان کرنے کے لئے انھیں میں سے بعض نے سوال کیا۔ لڑائی میں مارے جانے والوں کا کیا حشر ہوگا؟ آپ نے جواب دیا۔ حق کی حمایت میں سچی نیرت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لئے جس نے جنگ کی اس کا انجام شہدار کا انجام ہوگا، انھیں میں کے ایک آدمی نے ایک دن حضرت علیؓ سے سوال کیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ باطل پر متفق ہو جائیں، آپ نے جواب میں کہا۔ حقیقت تم پر کھل نہ سکی حق اور باطل افراد کی قدروں سے جانا جاتا ہے حق کو پہچاننا اہل حق کا پتہ چل جائے گا، باطل کو سمجھنا اہل باطل سمجھ میں آجائیں گے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس زیادہ جامع اور دل نشیں جواب اور کوئی ہو سکتا ہے جس سے وحی کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کوئی بھی خطا کی زد سے بچ نہیں سکتا خواہ کیسا ہی عالی مرتبہ ہو اور کوئی حق کا ٹھیکے دار نہیں بن سکتا خواہ کیسے ہی پوزیشن کا مالک ہو، پس حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی بصیرت کی روشنی میں قدم بڑھا رہے تھے وہ اپنے ہی جیسے مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانے سے ڈرتے تھے لیکن ضرورت پڑنے پر وہ اس سے رُک بھی نہیں سکتے تھے

حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ مصالحت کے لئے گفت و شنید ہو اور حق کے لئے بحث و مباحثہ بھی، لیکن اگر جنگ ہو تو اس کی ابتداء وہ خود نہ کریں پس طرفین کی کیفیت میں فرق تھا، بصرہ کے لوگ جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں باہم مختلف تھے، حضرت علیؓ کی جماعت متحد تھی، بصرہ کے لوگ ندبذب اور متزود تھے، حضرت علیؓ کے ساتھی ایک روشن اور مقرر مسلک رکھتے تھے، بصرہ کے لوگ تعداد میں کم ہو رہے تھے کچھ تو فتنے سے دل گرفتہ ہو کر اور کچھ امن پسند بن کر اور کچھ خفیہ اور علانیہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہوتے جا رہے تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی لوگ بصرہ سے کوفہ سے اور دیہاتوں سے آکر شریک ہو رہے تھے اس حالت میں حضرت علیؓ بصرہ پہنچے اور پہنچتے ہی حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے پاس اپنے میزبانی

حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ

باہم گفت و شنید

حضرت علیؓ نے قعقاع ابن عمروؓ صحابی کو سفیر بنا کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اصلی حالات کا پتہ چلا میں اور گفتگو کر کے معلوم کریں کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں اور کس ارادے سے نکلے ہیں؟ چنانچہ وہ پہنچے، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضری کی اجازت لی، پھر انھوں نے دریافت کیا کہ بصرہ تشریف لانے کا مقصد کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا لوگوں میں خرابیوں کی اصلاح، قعقاع نے کہا، اچھا ہو اگر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی بلو الیں کہ آپ کی حاضری میں ان سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں، حضرت عائشہؓ نے ان دونوں کو بلوایا، جب وہ آگئے تو قعقاع نے ان سے کہا میں نے ام المومنین سے اس شہر میں تشریف لانے کی غرض دریافت کی انھوں نے جواب دیا کہ لوگوں کی اصلاح کے لئے، اب آپ دونوں کو اس سے اتفاق ہے یا اختلاف؟ انھوں نے جواب دیا اتفاق ہے، قعقاع نے کہا تو پھر بتائیے کہ یہ اصلاح کیا ہے جو آپ لوگ چاہتے ہیں؟ اگر وہ کوئی ٹھیک بات ہے تو ہم بھی اس سے اتفاق کریں گے اور اگر بُری ہے تو اس سے بچیں گے، جواب ملا حضرت عثمانؓ مظلوم ہارے گئے جب تک ان کے قائلوں کو سزا نہیں دی جائیگی معاملات درست نہ ہوں گے، قعقاع نے کہا، آپ لوگوں نے تو حضرت عثمانؓ کے قائلوں میں سے بصرہ کے چھ سو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا صرف ایک آدمی حرقوص ابن زبیر کو نہ مار سکے جس کے قبیلے کے لوگ غصے میں مشتعل ہو کر آپ کے مخالف ہو گئے اور اسی قتل کے باعث مضر اور ربیعہ کے آدمیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور لوگوں کے ساتھ آپ کے تعلقات میں خرابی پیدا ہو گئی اور اگر یہی سلوک آپ دوسرے شہروں کے ساتھ کرنے رہے تو ایسی تباہی آئے گی کہ پھر آبادی کی توقع نہیں کی جاسکتی، حضرت عائشہؓ نے کہا تو پھر تمہارا کیا کہنا ہے؟ قعقاع نے کہا، عرض یہ ہے کہ اس بات کے لئے سکون و اطمینان کی ضرورت ہے جب فضا سازگار ہو جائے گی، اشتعال اور بیجان میں نظم و سکون پیدا

ہو جائے گا لوگوں کے دلوں سے خوف و ہراس جاتا رہے گا اور ایک دوسرے سے مطمئن ہو جائیں گے اس وقت غور کیا جائے گا کہ اس فتنے کا باعث کون لوگ ہیں، یہ جو کچھ میں پیش کر رہا ہوں مجھے اس کے پورا ہونے کے آثار نظر نہیں آتے، اس لئے کہ معاملات بہت پیچیدہ ہیں اُمت پر مصائب اور مشکلات کا نزول ہو رہا ہے اور ایک زبردست آزمائش کا سامنا ہے اب تو مشیت ایزدی کے مواخذے کے بعد ہی کچھ امید ہو سکتی ہے،

قوم نے آپ کی بات کو پسند کیا یا یوں کہیے کہ قوم نے آپ پر ظاہر کیا کہ اس کو آپ کی بات پسند ہے اور کہا ہم سب آپ کے خیال سے متفق ہیں، اگر علیؓ یہی خیال لے کر آئے ہیں تو ہم ان سے ضرور اس پر مصالحت کر لیں گے، فقہاء خوش خوش واپس آئے، اور حضرت علیؓ کو اپنی گفتگو سے باخبر کیا، وہ بھی سن کر بہت خوش ہوئے،

بصرہ کے لوگ حضرت علیؓ کے پڑاؤ میں آمدورفت رکھتے تھے، ان میں سے جو ربعی تھے وہ کوفہ کے قبیلہ ربیعہ سے ملتے تھے اور جو مضر یا یمنی تھے وہ مضر اور یمنی قبیلے کے لوگوں سے ملاقاتیں کرتے تھے ان ملاقاتوں کا موضوع سخن اگر کوئی تھا تو یہی صلح جوئی اور امن پسندی کی باتیں اور وہ بھی اس طرح کہ طرفین کے لوگ خیال کرنے لگے کہ بہت جلد معاملہ رفع دفع ہو جائے گا، اس موقع پر شیعوں کے بعض عالی محالف ایک روایت بیان کرتے ہیں جو میرے خیال میں ٹھیک نہیں اس لئے کہ وہ حالات کے طبعی تقاضوں کے خلاف ہے اور ایسی باتیں سادہ لوح ہی کیا کرتے ہیں، یا پھر وہ تصنع سے کام لینے والے جو تاریخ کی تصویر سے کہیں زیادہ اپنی تمناؤں کی تصویریں کھینچا کرتے ہیں ان غلو کرنے والوں کا خیال ہے کہ جن لوگوں سے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کا جرم عظیم سرزد ہوا، وہ مصالحت کی بات سن کر گھبرا گئے اور ڈرے کہ کہیں وہ اس صلح کی قیمت نہ قرار پائیں، چنانچہ رات اپنی مجلس میں جمع ہوئے اور اپنے اپنے خیالات پیش کرتے لگے، اٹھیک اسی طرح جیسا تم نے سیرت کی کتابوں میں دارالندوہ میں قریش کا اجتماع پڑھا ہوگا جہاں نبی ﷺ کے خلاف سازش کی گئی اور جس میں ابلیس، ایک بوڑھے نجدی کی صورت میں آیا اور حاضرین کی رہنمائی کی

اس وقت میں جماعت کا ابلیس آخر میں مسلمان ہونے والا وہ یہودی ہے جو مسلمانوں کو

دین و دنیا خراب کرنے کے لئے شہروں کا گشت لگاتا رہا جس نے حضرت عثمانؓ کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکایا جس کا نام عبداللہ بن سبا ہے، جو ابن السودا کی کنیت سے مشہور ہے،

تبادلہ خیالات کا آغاز ہوا اور مشورے پیش ہونے لگے، جو کچھ پیش کیا جاتا جماعت کا اہلبین اس کو جہل اور بیوقوفی بتا کر رد کر دیتا، تا آنکہ آخر میں ایک راتے پیش ہوئی جسے ابن السودا نے پسند کیا جس طرح نبی اکرم ﷺ کے متعلق ابو جہل کی رائے اہلبین نے پسند کی تھی، وہ راتے یہ تھی۔۔۔ پوری طرح اپنی تیاری کر لو اور چپ چاپ رہو جب فریقین اکٹھا ہوں حضرت علیؓ کی

بے خبری میں جنگ چھیڑ دو، اس طرح صلح کی راہ میں رکاوٹ بن جاؤ،

فقہ آگے بڑھتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ قوم نے اپنے پروگرام کے مطابق عمل کیا اور جیسے ہی حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ نے صلح کی کارروائی شروع کرنی چاہی ان لوگوں نے جنگ چھیڑ دی،

اس فقہ کی تردید میں کسی زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس میں کھلا ہوا تصحیح ہے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی اتنے غافل نہیں تھے کہ انھیں کے پڑاؤ میں غداری کی سازش کی جا رہی ہو، سازش کرنے والے خود انہیں کے افسر ہیں سے ہوں اور انھیں خبر تک نہ ہو، اس سلسلے میں اعتدال پسند مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ طبعی تقاضوں کے مناسب ہے کہ قوم بصرہ کے قریب جمع ہوئی، فریقین میں بحث و مباحثہ ہوا جس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا پھر جو کچھ ہونا تھا ہو کر رہا

جنگ

اہل علم مسلمانوں میں حضرت کعب ابن سور ایک بڑے نیک اور راست باز عالم تھے، عہد جاہلیت میں وہ عیسائی تھے اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد ہمیشہ نیکیوں کے پابند، بھلائیوں کے طالب اور دین میں تفرقہ رکھنے والے رہے، اللہ اور بندوں کے ساتھ خلوص رکھا، پھوٹی پھوٹی باتوں اور دنیاوی ساز و سامان سے اونچے رہے، حضرت فاروق اعظم نے آپ پر اعتماد کیا اور بصرہ کا آپ کو قاضی مقرر کیا حضرت عثمان نے بھی اپنے دور میں آپ کو باقی رکھا، حضرت علی کے حاکم نے بھی آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ بدستور بصرہ کے قاضی رہے، تا آنکہ فتنے کا زمانہ آگیا، اور حضرت عائشہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے ساتھ بصرہ آئیں، حضرت کعب ابن سور نے کوشش کی کہ لوگوں میں مصالحت کر دیں، لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے، پھر انہوں نے چاہا کہ اپنے قبیلے ازد کو کنارہ کشی پر اور بصرہ سے چلے جانے پر آمادہ کر لیں، لیکن یہ بھی نہ کر سکے، قوم کے سردار و صبرہ ابن شیمان نے ان کو خطاب کرتے ہوئے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں پرانی نصرانیت کے اثرات نمود کرتے ہیں، کیا آپ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سہم محترم کو ہم یوں ہی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد حضرت کعب نے جب دیکھا کہ قوم ساتھ نہیں دے رہی ہے تو چاہا کہ خود اکیلے فتنے سے علیحدہ رہیں، لیکن یہ خواہش بھی پوری نہ ہو سکی اس لئے کہ ام المومنین نے قسم دلائی کہ وہ ان کے ساتھ رہیں پس وہ اپنے دینی بندہ سے متاثر ہو کر حمایت کے خیال سے آپ کے ساتھ رہنے لگے،

گویا حضرت کعب سمجھ گئے کہ ام المومنین ساتھ رکھنے کی قسم دلا کر پناہ کا تقاضا رکھتی ہیں، چنانچہ ساتھ رہنے لگے، پھر بھی آپ کوشش کرتے رہے کہ لوگوں میں کسی طرح مصالحت ہو جائے، آپ کو اس کا خطرہ تھا کہ فریقین کہیں بالمقابل نہ ہو جائیں، آپ کے خیال میں ایسا ہونا لڑائی کو دعوت دینا تھا، کیونکہ ایسے مواقع پر سخیہ لوگوں کی متانت دور ہونے اور نادانوں کو طیش آنے میں دیر نہیں لگتی، لیکن تیاری کی صبح فریقین بالمقابل ہو ہی گئے، حضرت علی درمیان میں آکھڑے ہوئے، اور گفتگو

کے لئے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بلوایا، تینوں اکٹھا ہوئے تو حضرت علیؓ نے کہا۔
 کیا تم دونوں نے میری بیعت نہیں کر لی ہے، جو اب ملا، آپ کی بیعت ہم نے مجبوراً کی تھی، آپ ہم سے
 زیادہ خلافت کے حقدار نہیں ہیں، اس کے بعد حضرت طلحہؓ سے خطاب کرتے ہوئے اپنے کہا۔ اپنی
 عزت محفوظ کر کے رسول اللہ ﷺ کی عزت ساتھ لیکر نکلا ہے، چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے
 اپنا مقصد حاصل کرے، حضرت زبیرؓ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ ہم تجھ کو عبدالمطلب کی اولاد
 خیال کرتے تھے، لیکن تیرے ناخلف لڑکے نے تجھ کو ہم سے جدا کر دیا، حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہے کہ
 عبد اللہ ابن زبیرؓ نے جو حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی اسماء کا لڑکا ہے اپنی خالہ حضرت عائشہ
 کے ساتھ اور حضرت طلحہؓ تمیمی کے ساتھ نکل کر اپنے قبیلی بھوپوں کی طرفداری کی اور اس بات کا کچھ خیال
 نہیں کیا کہ اس کا باپ حضرت زبیرؓ عبدالمطلب کی لڑکی صفیہ کا لڑکا ہے، جو رسول اللہ ﷺ
 اور حضرت علیؓ کی چچی ہیں، اس کے بعد حضرت علیؓ نے زبیرؓ سے کہا، تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم سے رسول
 اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ تم ظالم بن کر مجھ سے لڑائی کر دو گے، حضرت زبیرؓ کو حدیث یاد آگئی اور
 وہ متاثر ہو گئے، ساتھ ہی وہ حضرت علیؓ اور رسول اللہ ﷺ سے اپنی قرابت سے بھی متاثر
 ہوئے اور حضرت علیؓ سے کہنے لگے، اگر مجھے یہ یاد ہوتا تو میں ہرگز نہ نکلتا، علیؓ اب میں تم سے کبھی نہیں
 لڑوں گا، حضرت زبیرؓ ام المومنین کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے اس معاملے میں معقولیت نظر نہیں
 آتی، حضرت عائشہ نے کہا۔ پھر کیا ارادہ ہے؟ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا کہ میں کنارہ کشی اختیار کرنا
 چاہتا ہوں، یہاں پہنچ کر مورخین میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے
 بعد حضرت زبیرؓ نکل پڑے اور ان کو ابن جرموز نے وادی السباع میں احنف ابن قیس کے حکم سے
 یا بلا اس کے حکم کے قتل کر دیا۔ اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لڑکے عبد اللہ نے ان کو ہزدلی کا طعنہ
 دیا اور کہا۔ ابن ابی طالب کے علم دیکھ کر تم کو یقین ہو گیا کہ اس کے نیچے تمہاری موت ہے اس لئے
 تم ہزدلی ہو گئے، اس طرح کہہ کہہ کر ان کو غصہ اور اشتعال دلایا تب حضرت زبیرؓ نے کہا، میں نے حضرت
 علیؓ سے نہ لڑنے کی قسم کھالی ہے، عبد اللہ نے جواب میں کہا ایسا تو بہت ہوتا ہے اور لوگ قسم کا کفارہ
 ادا کر دیا کرتے ہیں، اپنے غلام سر حبیب کو آزاد کر دو اور دشمن سے مقابلہ کرو، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے
 ایسا ہی کیا اور لوگوں کے ساتھ شکست کھائی، ہماری طبیعت پہلی روایت کی طرف مائل ہے، حضرت

زیر رقبہ انقلاب اور اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے جو ان کو مرتبہ حاصل تھا، اس کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، بصرہ پہنچ کر لوگوں کی فتنہ پسندی اور اختلاف دیکھ کر سخت حیرت میں تھے، ان کی سیرت بہت زیادہ بڑھ گئی، جب انہوں نے عمار بن یاسر کو حضرت علی کے ساتھیوں میں دیکھا، مسلمان حضرت عمار کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنتے چلے آئے تھے۔

دیحک یا ابن سمیۃ تقتلک انفس سمیۃ کے لڑکے تجھے باغیوں کی

الفئۃ الباغیۃ ایک جماعت قتل کر دے گی

پس جب ان کو معلوم ہوا کہ عمار حضرت علی کی فوج میں ہیں تو اس ڈر سے کانپ اٹھے کہ وہ خود کہیں انہیں باغیوں میں سے تو نہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ضبط اور برداشت سے کام لیا، حضرت علی سے ملاقات کی اور ان کی باتیں سنیں اور اس کے بعد ان کی بصیرت روشن ہوئی اور وہ قریم کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور لڑنا گوارا نہیں کیا، تا آنکہ وادی السباع میں دھوکے سے قتل کر دیے گئے، حضرت علی کو ان کی موت کا بڑا رنج ہوا، آپ نے قاتل کو آگ کی بشارت دی اور حضرت زبیر کی تلوار ہاتھ میں لیکر کہا۔ یہ وہ تلوار ہے جو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصیبتوں کے بادل چھانٹتی رہی۔

پس حضرت زبیر لڑے نہیں، بلا لڑے واپس ہو گئے۔ ان کی یہ واپسی ان کے ساتھیوں کی طاقت اور دینے والی ثابت ہوئی، چنانچہ دو پہر تک ہی لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر شکست ہو گئی، حضرت طلحہ زخمی ہو کر بھی ساتھیوں کو ابھار رہے تھے کہ ایک بے نشانہ تیران کو اگر لگا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ تیر مردان ابن الحکم کا تھا جو انہیں کے ساتھیوں میں سے تھا۔ مردان کہا کرتا تھا بخدا میں نے اس واقعہ کے بعد کبھی حضرت عثمان کے خون کے بدلے کا مطالبہ نہیں کیا، اس نے حضرت عثمان کے بعض لڑکوں سے یہ بھی کہا۔ میں نے تمہارے باپ کا بدلہ حضرت طلحہ سے پورا کر دیا۔

بات جو کچھ بھی رہی ہو۔ بہر حال لوگوں کو شکست ہوئی، حضرت طلحہ زخمی ہوئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ جانبر نہ ہو سکیں گے۔ وہ اپنا خون بہتے ہوئے دیکھتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ حضرت عثمان کا بدلہ مجھ سے لے لے کہ وہ راضی ہو جائیں، پھر اپنے غلام کو کسی ایسی جگہ چلنے کا حکم دیا جہاں

قیام کر سکیں، چنانچہ بڑی وقت اور دشواری کے بعد وہ ان کو بصرہ کے ایک اجڑے گھر میں پہنچا سکا، جہاں تھوڑی دیر کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے،

لوگوں نے سمجھا کہ لڑائی ختم ہو گئی، حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی فتحیاب ہوئے، حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں میں مناوی کرادی، زخمی پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔ بھلگنے والوں کا پھپھانا نہ کرے کوئی کسی کے گھر میں نہ گھسے کوئی مال و اسباب پر قبضہ نہ کرے، کوئی کسی عورت کو تکلیف نہ پہنچائے،

اپنے بعض کاموں میں مصروف حضرت علیؓ اس خیال میں تھے کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے اور آپ غالب آگئے ہیں، اتنے میں سخت شور و غوغا کی آواز آئی سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ لوگوں کو آمادہ کر رہی ہیں اور قاتلین حضرت عثمانؓ پر لعنت بھیج رہی ہیں، اور لوگ بھی لعنت میں ان کی ہمنوائی کر رہے ہیں، حضرت علیؓ نے کہا حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت بھیج رہے ہیں، بخدا یہ تو اپنے اوپر لعنت بھیج رہے ہیں، انہیں لوگوں نے تو عثمانؓ کو قتل کیا ہے، اے خدا حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر لعنت ہو،

لڑائی کا نقشہ

اس دن صبح کے وقت جب حضرت علیؓ طلحہ سے یاوس ہو گئے اور یقین کر لیا کہ ان کو لڑائی پر اصرار ہے اپنے ساتھیوں کو نہایت سختی کے ساتھ پہل کرنے سے روکا، اور کہا جب تک میرا حکم نہ ہو اقدام نہ کیا جائے، بصرہ کے نوجوانوں خصوصاً بیوفوں کا اس وقت یہ حال تھا کہ وہ لڑائی چھیڑنے کی حرکتیں کیا کرتے، اور حضرت علیؓ کے آدمیوں پر تیر چلاتے تھے، کتنے ہی آدمی زخمی ہوئے، جبکہ حضرت علیؓ کے پاس لیا گیا، اور درخواست کی گئی کہ اب وہ لڑائی کی اجازت دینے میں دیر نہ کریں، پھر علیؓ نے عجلت سے کام نہیں لیا، اور اجازت نہیں دی، لیکن جب واقعات زیادہ ہونے لگے تو آپ نے اپنے کوفہ کے ایک نوجوان کے ہاتھ میں قرآن دیا اور کہا کہ وہ اسے لیکر فریقین کے درمیان کھڑا ہو جائے اور اسکی طرف قوم کو بلائے، حضرت علیؓ نے اس کو بتا دیا تھا کہ اس فرض کے پورا کرنے میں اس کی جان کا خطرہ ہے، تھوڑی دیر سوچنے کے بعد نوجوان نے قرآن ہاتھ میں لے لیا اور فریقین کے درمیان کھڑے ہو کر اس کی دعوت دینے لگا، اس کے بعد لوگوں نے اس پر اتنے تیر برسائے کہ وہ جا بزنہ ہو سکا، اس سلسلہ میں راویوں نے طرح طرح کی باتیں لکھیں ہیں، لکھا ہے کہ قرآن اس کے داہنے ہاتھ میں تھا، جب وہ ہاتھ کاٹ دیا گیا

تو اس نے بائیں ہاتھ میں لے لیا جب وہ بھی کاٹ دیا گیا تو اس نے دانتوں سے پکڑ لیا یا اپنے مونڈھے پر کر لیا، تا آنکہ قتل کر دیا گیا،

اتنی بات بہر حال قطعی ہے کہ وہ نوجوان قرآن کی دعوت و تیار بنا اور اسی حالت میں وہ مارا گیا، تب حضرت علیؓ نے کہا اب کوئی حرم نہیں، پہلا محرکہ دوپہر سے پہلے تک رہا، اور زوال تک شکست ہو چکی تھی، اس کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پرہوش حامی بن کی قیادت غالباً حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کر رہے تھے آئے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کو مسجد کے گھر سے نکالا ایک ہودج میں سوار کیا جو زہروں سے محفوظ کر دیا گیا تھا یہ ہودج آپؐ کے اسی اونٹ پر رکھ دیا گیا اور پھر میدان محرکہ میں لایا گیا، یہ دیکھ کر شکست کھائے ہوئے لوگ ام المومنین کے پاس جمع ہونے لگے، انہوں نے محسوس کیا کہ وہ نہ صرف اپنی ماں کے حامی ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم اور ان کی محبوب بیوی کی حمایت کر رہے ہیں، ﷺ ان کے دلوں میں ایک نیا جذبہ پیدا ہوا جس میں ایک طرف دین کا گہرا احساس تھا اور دوسری طرف ابرو کا اور ماں کی حمایت اور غیرت کا، چنانچہ لوگ لڑنے مرنے کے لئے اپنی ماں کے آس پاس جمع ہو گئے، وہ اس کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی موجودگی میں ان کے شہر میں ام المومنین پر ذرا بھی آنے آئے،

حضرت عائشہؓ کا اونٹ جیسا کہ معرکہ میں بعض ٹریک ہونے والوں کا بیان ہے، بھرہ والوں کے لئے پناہ کا جھنڈا تھا، جہاں پہنچ کر وہ محفوظ ہو جاتے تھے، جس طرح میدان جنگ کے سپاہی اپنے جھنڈے کے نیچے پناہ لیتے ہیں، یہ دیکھ کر فاتح جماعت بھی بڑی تیزی سے بڑھی کہ جس طرح دوپہر سے پہلے ان سے ٹپٹ لیا تھا، اب شام تک ان کو بھی ٹھکانے لگا دے، اتنے میں بھرہ کے فاضلی کعب ابن ثور قرآن مجید گرون میں لٹکائے سامنے آئے اور فریقین کے درمیان کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو اللہ کی کتاب کی طرف بلانے اور شر و فساد سے روکنے لگے، لیکن حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے تیر چلا کر انہیں مار ڈالا، کہنا چاہا کہ اس طرح انہوں نے اپنے نوجوان کا بدلہ لے لیا جو فریقین کے درمیان صبح کے وقت قرآن اٹھائے مارا گیا تھا،

فریقین میں بڑا سخت مقابلہ رہا، حضرت علیؓ کے ساتھی چاہتے تھے کہ کامیابی آنے کے بعد پلٹ نہ جائے حضرت عائشہؓ کے حامی ام المومنین کے لئے اپنی جائیں قربان کر دینے پر تیلے تھے، لڑتے لڑتے تھک گئے ان میں

ایک دوسرے سے بیزاری اور مایوسی پیدا ہو گئی، آخر میں چھینے چلانے کی آوازیں فضا میں دائیں بائیں، گونجنے لگیں، لڑنے والوں سے کہا گیا کہ تیر لیفوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو، چنانچہ یہ مذموم حرکت کی گئی، بعضوں نے بعضوں کے ہاتھ اور بعضوں نے بعضوں کے پاؤں کاٹ دئے، پھر جس پر یہ گزرتی وہ خود ہی مرنے پر تیار ہو جاتا، حضرت عائشہ کے ساتھی تقریباً شکست کھا چکے تھے، لیکن اونٹ اپنی جگہ کھڑا ہوا اور ہودج اس پر بے ستور برقرار تھا، جس پر ام المومنین بیٹھی لوگوں کو منتشر اور خائف ہونے کے بعد ہمت اور جرأت پر آمادہ کرتی تھیں، لوگ اونٹ کے پاس آ کر جم جاتے تھے، ان کا مقصد فتح یا کامیابی نہ تھا، وہ تو اپنی ماں کی حمایت کرنا چاہتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے سہ

یا امنائش لا تراعی
اے ماں ذرا بھی اندیشہ نہ کرو تمہارا ہر لڑکا

کل بنیک بطل المصاع
خونناک مرد میدان ہے

اور حضرت عائشہ کا یہ حال کہ وہ اپنے دائیں بائیں اور سامنے کے لوگوں کو جوش و لاکر آمادہ کرتی اور حضرت علیؓ کے آدمی ان پر چھائے پلے جاتے اور جوش میں رجز پڑھتے جاتے سہ

یا امناعی ام نحلہ
اے ماں ہم تمہیں بڑی ناہرمان دیکھتے ہیں

والہم تخذو ولدہا وترحمہ
حالانکہ ماں اپنے بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہو

اما ترین کم شجاع یکلم
کیا نہیں دیکھتی ہو کتنے بہادر زخمی کئے جا رہے ہیں

وتختلی منہ بیدو محصم
اور ان کے ہاتھ اور کلائیوں کاٹی جا رہی ہیں

اس کے جواب میں حضرت عائشہ کے ساتھی کہتے ہیں سہ

نحن بنی ضیة اصحاب الجمل
ہم قبیلہ ضیہ کی اولاد اونٹ والے ہیں

تنازل القرن اذا بقرت نزلہ
اپنے درجہ کے لوگوں سے رٹتے ہیں جب سنہرے آئیں

والقتل اشہی صدنا من الحسن
خونریزی ہمیں شہدے سے زیادہ مرغوب ہے

نیثعی ابن صفات باطراف الامل
ہم ابن عفان کے خواہاں ہیں نیزوں کی نوک سے

ردوا علینا شیخنا ثم یجل
ہمارا سردار ہمیں واپس کر دو اور بس!

اسی حالت میں وہ جہاں نثار کر رہے تھے، اور یہ شدت کے ساتھ ان پر غالب آرہے تھے، جب کوئی اونٹ کی نیکیل تک ہاتھ پہنچاتا قتل کر دیا جاتا، اس بُری طرح قتل سے حضرت علیؓ چلا گئے

اور اپنے ساتھیوں سے کہا اونٹ کو ذبح کر دو اس کی بقا میں عربوں کی فنا ہے، یہ سن کر ایک ساتھی اونٹ پڑا اور اونٹ کو اپنی تلوار سے ذبح کر دیا، اونٹ اپنے پہلو پر گر گیا اور گرتے ہی اس کے منہ سے ایسی بُنی سونج نکلی جو کسی نے اب تک نہیں سنی تھی، یہ ہونا تھا کہ اونٹ کے حامی ٹڈیوں کی طرح منتشر ہو گئے، اب محمد ابن ابوبکر اور عمار بن یاسر آ کر ہودج اٹھاتے ہیں اور ایک طرف لیجاتے ہیں، محمد ابن ابوبکر ہودج پر کھیل ڈال دیتے ہیں، حضرت علی ان سے کہتے ہیں کہ معلوم کرو کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی، محمد اپنا سر اندر کرتے ہیں، حضرت عائشہ پوچھتی ہیں، تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا آپ کا وہ عزیز جس پر آپ بیخونہ ہیں، حضرت عائشہ نے کہا "نخشعیہ کالہر کا" محمد نے کہا۔ ہاں آپ کا بھائی محمد، اس کے بعد دریافت کرنے پر حضرت عائشہ نے بتایا کہ ایک تیر کا ٹکڑا ان کے بازو میں پیوست ہے، محمد اس کو نکالنے لگے، حضرت علی غصے کی حالت میں آئے لیکن انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنا نیزہ ہودج پر مارا اور کہا "رم کی بہن کہو کیسی رہی اللہ کی کار سازی" حضرت عائشہ نے کہا، ما ابن ابی طالب تم نے فتح پائی، اب تم ترمی اختیار کرو، حضرت علی نے فرمایا "خدا آپ کو معاف فرمائے" حضرت عائشہ نے فرمایا اور آپ کو بھی اس کے بعد حضرت علی، محمد ابن ابوبکر کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی بہن کو بصرہ کے کسی گھر میں لے جائیں چنانچہ وہ عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر لے جاتے ہیں جہاں وہ کچھ دنوں قیام کرتی ہیں،

معزکہ جمل کے بعد

حضرت طلحہ کے ساتھ معرکہ میں دوپہر سے پہلے تک لڑائی ہوتی رہی آخر شکست ہوئی اور حضرت طلحہ مارے گئے اس کے بعد شام تک لوگ لڑتے رہے اور رات آنے سے پہلے ہی شکست ہو گئی جس میں حضرت عائشہ سلامت رہیں، مسلمانوں کو اس موقع پر شرمناک حد تک ہیرا دن دیکھنا نصیب ہوا اس کی کوئی مثال نہیں، اس دن مسلمانوں نے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی، خود اچھوں نے اچھوں کو قتل کر دیا، فریقین میں سے جلیل القدر صحابہ، مسلمانوں کے بہترین فقہا اور علماء مارے گئے، حضرت علی کو اس کا انتہائی غم تھا، اپنے اور حریف کے مقتولوں کو پہچان پہچان کر دردمندی اور ترحم کا اظہار فرماتے اور خدا کی طرف متوجہ ہو کر کہتے

اپنے غم کے احساس اور کمزوریوں کی اے خدا تجھے فریاد

اشکو الیک عجری و بجرری

شفیت نفسی وقتلت معشری
میں نے اپنے دل کی پیاس بجھائی لیکن اپنی قوم
کو قتل کر دیا،

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس دن عربوں میں ان کی جاہلیت اور گمراہی کا دورہ واپس آ گیا تھا، اور وہ
اپنے روادار دین کو بالکل یا تقریباً فراموش کر چکے تھے یا پھر جنوں کا دورہ ان کے ہوش و حواس کا
خاتمہ کر چکا تھا اور وہ جانتے ہی نہ تھے کہ کیا کر رہے ہیں اور کیا نہیں کر رہے ہیں یا پھر یوں کہنے کفتنے
کی پٹی اتنی دبیر تھی کہ خود مسلمان اپنی بصارت کھو چکے تھے، گویا اللہ نے انہیں کے متعلق فرمایا ہے،

او کصیب من السماء فیہ لہلمات
ورعد و بوق یجھلون اصابہم
فما اذا انہم من الصواعق
آسمان کی بارش کی طرح جس میں اندھیری
گڑگڑ اور بجلی ہے اس میں چلنے والے اپنی
انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں

حذر الموت . موت اور گڑگڑ کے خطرے سے

لیکن یہ لوگ تو مسلمان تھے ان میں سے ہر ایک اس خیال کا تھا کہ اس کا غصہ اللہ کے لئے ہے
اس جنگ میں وہ لڑے گا تو خدا کے لئے لڑ کر مر جائے گا، تو اس کی موت خدا کی راہ میں ہوگی،
پس حضرت علیؓ نے اس محرکے سے پہلے اپنے ساتھیوں کے سوال کرنے پر کوئی دُور کی بات نہیں کہی تھی
کہ جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے حق بات پر لڑائی کی اور قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے،

حضرت علیؓ نے اپنے احکام جاری کر دیئے، اونٹ کے گرنے کے بعد آپؓ نے لوگوں کو امان دی
اپنے آدمیوں کو بڑی سختی کے ساتھ ہدایت کی کہ کسی زخمی پر حملہ آور نہ ہوں، کسی بھاگنے والے کا تعاقب
نہ کریں، کسی گھر میں گھس نہ پڑیں، کسی کی بے حرمتی نہ کریں، اس کے بعد آپؓ نے اپنے ساتھیوں میں
جو مال غنیمت تقسیم کیا وہ بیت المال کی کوئی ملکیت نہ تھی، بلکہ وہ بھرہ والوں کے گھوڑے اور ہتھیار
تھے، حضرت علیؓ نے اس سلسلہ میں احتیاط کی حد کر دی، آپؓ نے حکم دیا کہ میدانِ محرمہ میں بھرہ والوں
نے جو کچھ چھوڑ دیا ہے، وہ سب جمع کر کے مسجد میں لایا جائے، پھر آپؓ نے لوگوں میں منادی کر دی
کہ آئیں اور اپنی اپنی چیزیں پہچان کر لے جائیں،

رات نے آکر شائد قوم کو اس کی گئی ہوئی عقل واپس کر دی، چنانچہ فاتح اور مستوح
دونوں رنجیدہ اور مغوم ہوئے، دوسرے دن حضرت علیؓ نے تمام مقتولوں پر نماز پڑھی، جن

میں سمجھتی تھی اور حریف بھی اور لوگوں کو اپنے اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دی، کٹے ہوئے اعضا کے ٹکڑے جمع کر کے اور ایک بڑا گڑھا کھدوا کر اس میں دفن کر دیا، اور خود بصرہ کے باہر اپنے پڑاؤ میں قیام کیا، اور تین دن بعد بصرہ میں داخل ہوئے، ظاہر ہے کہ اس افسوسناک اور مذموم محرکے کا اثر مسلمانوں کے دلوں پر بہت گہرا اور بہت دیر پا ہوا، پھر اس نے شاعروں اور قصہ گوؤں کیلئے ایک بڑی زرخیز زمین پیش کر دی، چنانچہ انہوں نے فقہے کہانیاں تیار کیں اور ان میں بڑے مبالغے سے کام لیا، میدان جنگ میں مقابلہ کرنے والوں کی طرف ایسے اچھے اور موثر حربہ اور اشعار منسوب کئے جس میں اصلیت کا حصہ بہت کم ہے، پھر بھی اس ننگ و عار سے بھرے محرکے کا بیان نہ کر سکے اور ادب اپنی زرخیزی اپنے اثر اور اپنی قوت کے باوجود کب یہ کر سکا کہ دردناک واقعات کا ہوا ہوا نقشہ کھینچ دے اور اگر اسے یہ بتانا ہو کہ کس طرح بھائیوں نے بھائیوں کو قتل کر دیا، باپ کس طرح بیٹے پر اور بیٹے کس طرح باپ پر تھپٹ پڑے تو وہ ان کیفیتوں کی بعینہ تصویر پیش کر دے

نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی نے حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر سنا کر کہا تھا، اب تک تم اس اونٹنی سے دودھ دیتے رہے آج کے بعد سے دودھ کی جگہ خون نکلے گا، اندازہ کیجئے نبی کے اس صحابی نے کس قدر سچ کہا تھا،

طرفین کے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی اس کی گنتی میں رادیلوں کا اختلاف ہے، بعضوں نے بیس ہزار لکھا ہے بعض نے دس ہزار سے زیادہ نہیں بتایا، ان اعداد و شمار میں کافی مبالغے سے کام لیا گیا ہے، لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ بصرہ اور کوفہ کے بہت سے گھرماتم گدھے ہوئے تھے، یہ اس خلافت کی بد حال ابتدا تھی جس سے مسلمان سراسر خوش بختی اور برکت کے متوقع تھے حضرت علیؓ کی خلافت پر ابھی چند ماہ کی مدت بھی نہیں گزری تھی، کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں اور وہ ایک دوسرے کیلئے خوفناک اور خطرناک بن گئے،

حضرت علیؓ بصرہ میں

محرکہ کے تین دن بعد حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے، مسجد پہنچ کر نماز پڑھی اور لوگوں سے ملنے کے لئے دوپہر سے پہلے بیٹھ گئے، اور جب شام ہوئی تو اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت عائشہ سے ملاقات کے لئے سوار ہوئے، اور عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر آئے، جو بصرہ کا سب سے بڑا گھر تھا، گھر کی مالکہ صفیہ بنت عارس عبدریہ بری طرح پیش آئی، اس نے کہا دوستوں کے قاتل جماعت کو منتشر کرنے والے، خدا تیرے لڑکوں کو یتیم کر دے، جس طرح تو نے عبداللہ کے لڑکوں کو یتیم کر دیا اس کا شوہر عبداللہ بن خلف اور اس کا بھائی عثمانؓ دونوں معرکہ میں قتل کیے جا چکے تھے، حضرت علیؓ نے کوئی جواب نہیں دیا، اور سیدھے حضرت عائشہ کے پاس پہنچے اور بیٹھنے کے بعد کہا، صفیہ مجھ سے بری طرح پیش آئی، میں نے اسے اس وقت دیکھا تھا جب وہ بچی تھی، اس کے بعد سے آج دیکھا، پھر اپنے حضرت عائشہ سے کچھ باتیں کیں اور واپس ہوئے، واپسی پر صفیہ پھر سامنے آئی اور اپنی باتیں دہرانے لگی، حضرت علیؓ نے چاہا کہ اس کو خاموش کر دیں، چنانچہ بند کمروں کے دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے لگے، میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان دروازوں کو کھولوں اور جو لوگ کمروں میں ہیں انہیں قتل کر دوں یہ سن کر صفیہ چپ ہو گئی، اور سامنے سے ہٹ گئی، ان کمروں میں حضرت عائشہ کے بہت سے زخمی ساتھی تھے حضرت عائشہ نے ان کو ان کمروں میں جگہ دی تھی، اور اچھا ہو جانے تک ان کی تیمارداری کا انتظام کیا تھا، حضرت علیؓ کو یہ معلوم تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا ارادہ ان کو قتل کر دینے کا نہ تھا،

بلکہ اس طرح آپ نے اس قریشیہ کو ڈرایا اور اس سے پیچھا چھڑایا،

حضرت علیؓ کے بعض ساتھیوں نے صفیہ کو پکڑنا چاہا، لیکن آپ نے بڑی سختی کے ساتھ ان کو ڈانٹا، اور فرمایا ہمیں تو مشرک عورتوں تک سے روکا جانا تھا، اور جو شخص عورت کو مارنا اس کی اولاد تک کو طعنہ دیا جانا تھا، خبردار اگر مجھے پتہ چلا کہ تم میں سے کسی نے کسی عورت سے اس لئے تعرض کیا کہ اس نے تم کو اذیت دی ہے یا تمہارے حاکموں کو گالی دی ہے تو میں سخت سزا دوں گا،

ابھی آپ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ کونہ کے دو آدمی آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر حضرت عائشہؓ کو سنانے کیلئے اونچی آواز سے سخت الفاظ نہ بان سے لکائے، ایک نے کہا، "ہمارے ماں کو نامہربان ہونے کی سزا ملی، دوسرے نے کہا، "اماں تو یہ کہہ لیجئے آپ سے قصور ہوا ہے، حضرت علیؓ نے ان دونوں کو اور ان کے ساتھیوں کو بلوایا اور یہ ثابت ہونے کے بعد کہ ان دونوں نے یہ بات کہی ہے، سرسری طور پر ان کو قتل کر دینے کا حکم دیا، پھر سزایں تخفیف کر دی اور ہر ایک کو سو سو کورے مارنے کا حکم دیا،

بصرہ والوں کے ساتھ حضرت علیؓ کا برتاؤ ایک ایسے شریف آدمی کا سا تھا جو قدرت کے باوجود معاف کر دیتا ہے، مالک ہونے پر بھی نرمی کے ساتھ پیش آتا ہے، حضرت علیؓ کہا کرتے تھے کہ بصرہ والوں کے ساتھ میرا برتاؤ ایسا ہی ہے جیسا مکہ والوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا تھا، اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور ان کی بیعت لی، ان میں تندرست تھے اور زخمی بھی، پھر بیت المال میں آئے اور جو کچھ اس میں تھا لوگوں میں تقسیم کر دیا، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے بیت المال سے صرف اپنے ساتھیوں کو دیا، بصرہ والوں کو نہیں دیا، آپ نے وعدہ کیا کہ اگر خدائے شامیوں کے مقابلے میں کامیابی دی تو عطیات کے علاوہ اتنا ہی وہ ان کو دیں گے، حضرت علیؓ کی سیرت سے جو بات میل کھاتی ہے، وہ یہ کہ آپ نے فاتح اور مفتوح میں تقسیم کیا، یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کے باغی خفا تھے کہ حضرت علیؓ نے دوست دشمن میں تمیز نہیں کی اور اس کی اجازت نہیں دی کہ شکست کے بعد جو کچھ ملا ہے وہ لے لیا جائے، چنانچہ ایک نے کہا، "ان کانوں تو ہمارے لئے حلال کیا لیکن ان کا مال حرام کر دیا" بعض مورخوں نے کہا ہے کہ طبری اور اس کے راوی بن باغیوں کو سبائی کہنا پسند کرتے ہیں وہ بصرہ سے بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ چلے آئے، جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کو بصرہ چھوڑنے میں جلدی کرنا پڑی کہ کہیں کوفہ جا کر یہ کچھ گل نہ کھلائیں، لیکن غالباً ان کو اتنی اہمیت حاصل نہ تھی، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بطور اظہار ناراضگی ان لوگوں نے وہی زبان میں کچھ کہ دیا ہو، اور بس جس طرح اشتر کے متعلق روایتوں میں آیا ہے کہ جب بصرہ کا حاکم حضرت علیؓ نے عبد اللہ بن عباس کو بنایا تو انہوں نے کہا، یہی ہونا تھا تو پھر بڑھے کو نے کیوں قتل کیا، آج بصرہ کے حاکم عبد اللہ بن عباس کے قتل اور یہ سب کے سب بنی عباس میں سے ہیں، طبری کے راویوں کا خیال ہے کہ اشتر خفا ہو کر بڑی تیزی سے کوفہ چلا آیا تو حضرت علیؓ نے بھی

کو توح کا حکم دیا تاکہ کوفہ میں اشتر کے کچھ کرنے سے پہلے جا پہنچیں ،
میرا خیال ہے کہ یہ سب پھیلے راویوں کی کھینچ تان ہے لوگوں کو تو خلفا کی کتنی ہی باتوں پر اعتراض رہا
ہے لیکن یہ اعتراضات صرف زبان تک محدود ہیں ،

لوگوں نے حضرت صدیق اکبر پر اعتراض کیا ، حضرت فاروق اعظم پر نکتہ چینی کی ، ابتدائی دور خلافت
میں حضرت عثمان پر بھی لوگ معترض رہے لیکن اعتراض کی حد سے آگے نہیں بڑھے ،

اس بات میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ حضرت علی بصرہ میں کتنے دن رہے ، ایک جماعت کا خیال ہے
کہ ایک مہینہ بھر یا اس سے بھی کم ، ایک اور جماعت کہتی ہے کہ دو ماہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ ، ہمارا رجحان
ہے کہ بصرہ میں آپ کا قیام طویل نہ تھا ، آپ کے پیش نظر کچھ معاملات تھے جن کا نظم کر دینے کے بعد بحالت
وفد چلے گئے ، تاکہ شامیوں سے جنگ کی تیاری کی جاسکے ، سب سے اہم معاملہ بصرہ کے معرکے اور اس کے
نتیجے سے فرصت حاصل کرنا تھا اور یہ اطمینان کرنا کہ واپسی کے بعد وہاں کے عمالاً خاطر خواہ رہیں گے
لوگوں کو امن پسند اور صلح جو دیکھ کر آپ حشم پوشی کرتے اور اپنے نوش ہونے کا اعلان فرماتے
و فرزدہ لوگوں کو مطمئن کرتے ، دشمنوں کے ٹھکانوں سے تجاہل فرماتے ،

بنی امیہ کی جماعت سے آپ نے تجاہل کیا ، اس جماعت کے افراد معرکے میں زخمی ہو کر ڈرتے تھے
حضرت علی انہیں معاف نہیں کر سکتے ، چنانچہ وہ ادھر ادھر پھیل گئے ، انہوں نے ممتاز عرب گھرانوں
میں پناہ مانگی ، معزز عربوں نے انہیں پناہ دی ، تیمارداری کر کے انہیں محفوظ مقامات پر پہنچا دیا ، حضرت
علی یہ سب کچھ جانتے تھے ، لیکن محفی رکھتے تھے ، کیونکہ معرکے کے بعد آپ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں
پاٹتے تھے ، آپ جانتے تھے کہ حضرت عائشہ نے بہت سے زخمیوں کو اپنے پاس بلا لیا ہے ، لیکن آپ
نے کسی سے کوئی تعرض نہیں کیا ، البتہ یہ بتا دیا کہ آپ ان سے واقف ہیں ، اور جب صفیہ بن حارث
نے برا بھلا کہا اور بد وعائیں دیتے ہوئے سامنے آئی تو آپ نے اس کا اظہار کر دیا ، عبداللہ بن زبیر
بہت زیادہ زخمی ہو کر چھپے تھے ، ام المومنین کو تا حد کے ذریعہ اپنی جگہ کی خبر کی اور کہا کہ محمد بن ابوبکر
و پتہ نہ چلنے پائے ، ام المومنین نے اپنے بھائی محمد کو ہی حکم دیا کہ بھانجے کے پاس جاؤ اور مجھ تک پہنچا
و ، محمد گئے اور انہیں لے آئے راستے بھر ماموں بھانجے لڑتے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے رہے ، محمد
عثمان کو اور عبداللہ اپنے ماموں محمد کو گالیاں دیتے رہے ،

اس طرح امن و عافیت اور رواداری کی فضا زیادہ سے زیادہ پھیلتی گئی، اور رولوں کا بھارا سکون پذیر ہوتے ہوئے اس میں حسرتیں چھوڑنا گیا، قوت اور کمزوری کے اعتبار سے جیسا دل تھا ویسی ہی حسرت،

س محدثین اور مورخین کی روایتوں کے مطابق مفتوحین میں حضرت عائشہ کی حسرت اور ندامت بڑی شدید قسم کی تھی وہ "قرن فی بیوتکن" والی پوری آیت تلاوت فرماتیں اور روتیں، اتنا روتیں کہ دوپٹہ نہ ہو جاتا اور فرماتیں کاش مجھے آج سے بیس سال پیشتر موت آجاتی، حجاز واپس آجانے کے بعد کہا کرتیں، "بجز ایوم حمل سے اگر میں بیٹھ رہتی تو مجھے اس سے زیادہ خوشی ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے دس لڑکے پیدا ہوتے،

فاجین میں خود حضرت علیؑ سے زیادہ کوئی مغموم اور حسرت زدہ نہ تھا، آپؑ فرمایا کرتے تھے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی تو میں اس میں حصہ ہی نہیں لیتا اور یہ شعر پڑھا کرتے

اشکو الیک عجری و بجرى
اے خدا غم کے احساسات اور کمزوریوں کی

تجھ سے سزا زیادہ ہے،

شفیت نفسی وقتلت محشرى
اپنی قوم کو قتل کر کے میں نے اپنی پیاس

بجھائی ہے،

حضرت عائشہؓ کی طرح آپؑ بھی کہا کرتے تھے کہ "کاش آج سے بیس سال قبل مجھے موت آچکی ہوتی بصرہ چھوڑنے سے پہلے آپؑ اہم امور سے فراغت چاہتے تھے، ان میں حضرت عائشہؓ کو مدینہ منورہ بھجوانا بھی تھا، تاکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے گھر میں بیٹھیں، آپؑ نے جلدی کی لیکہ حضرت عائشہؓ نے مہلت طلب کی غالباً وہ اپنے زخمیوں کے سلسلے میں پوری طرح مطمئن ہونا چاہتی تھیں حضرت علیؑ نے مہلت دی اس کے بعد آپؑ نے مرتبہ کے مطابق سواری کا انتظام کر دیا اور عورتوں اور مردوں کی ایک جماعت ساتھ کر دی، اپنے سفر کے دن حضرت عائشہؓ نکلیں تو لوگوں نے ان کو سلام کیا اور انہیں رخصت کیا، حضرت عائشہؓ نے لوگوں کو بھلائی کا حکم دیا، اور ان کو بتایا کہ ان کے اور حضرت علیؑ کے درمیان اس سے زیادہ کچھ نہ تھا، جو ایک عورت اور اس کے شوہر کے بھائی کے درمیان ہوتا ہے، حضرت علیؑ نے حضرت عائشہؓ کی تصدیق کی اور ساتھ ساتھ چلتے رہے تاکہ

بہت دور ہو گئے، پھر آپ نے اپنے لڑکوں کو حکم دیا اور وہ دن بھر ساتھ چلتے رہے دوسرے دن واپس آ گئے،

حضرت علیؑ نے بصرہ پر عبداللہ بن عباسؓ کو اپنا حاکم مقرر کیا، اور ہمارا خیال ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور کو آپ مقرر نہیں کر سکتے تھے، بصرہ میں مضر لوگوں کی اکثریت تھی، اور مضر کا تھا کہ محرکے بعد بصرہ کا حاکم ایک ایسا مضر شخص ہوتا، جس کی حضرت علیؑ سے قریبی قرابت ہوتی، خراج پر حضرت علیؑ نے زیاد کو مقرر کیا اور کوفہ روانہ ہو گئے، کوفہ پہنچنے پر اپنے لوگوں کو خائف پایا، اور مغموم مغموم وہ لوگ تھے، جن کے بیٹے بھائی یا باپ محرکے میں مارے گئے تھے اور خائف وہ لوگ تھے جو گھروں میں بیٹھے رہے اور محرکے میں حصہ نہیں لیا، وہ ڈر رہے تھے کہ ان پر عتاب ہوگا، لیکن حضرت علیؑ نے دونوں سے ہمہ روی کی اور شامیوں سے جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے،

شام کی لڑائی

بصرہ کی لڑائی کا نام حضرت علیؑ نے غداروں کی لڑائی رکھا تھا، اور شام کی لڑائی کو وہ گمراہوں کی لڑائی کہا کرتے تھے، اس لئے کہ بصرہ والوں نے بیعت توڑ دی تھی، اور شام والے راہِ حق سے منحرف تھے، غداروں کی لڑائی سے فراغت پاتے ہی، حضرت علیؑ نے گمراہوں سے مقابلے کی تیاری شروع کر دی، نہ اپنے آرام کا کچھ خیال کیا اور نہ ساتھیوں کے ساتھ کچھ رعایت روا رکھی ماہِ ربیع کے اواخر میں آپ کو فتنہ پہنچے، اور چار ماہ تک قیام کر کے جنگ کی تیاری کر لی، آپ کے ساتھیوں نے بھی اپنے آرام کا کچھ خیال نہیں کیا، ان کو فتح کا بوش تھا اور چاہتے تھے، ایک فتح میں دوسری فتح کا اضافہ کر لیں، اور جو لڑائی میں شریک نہیں تھے وہ اپنی غیر حاضری کی تلافی کے لئے بیتاب تھے، اور چاہتے تھے کہ آیتوالی جنگ میں ہر فردوشی اور ثابت قدمی سے حضرت علیؑ کو راہنی کر لیں، آنے والی جنگ میں غیر معمولی قربانی، اور زبردست پامردی کی ضرورت تھی، شام کا حریف بہت بڑا تھا، اس کے پاس فوج کی خوفناک اور سخت قوت تھی، اور اس کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ابوسفیان کا لڑکا ہے، جس نے بدر کے بعد نبی کریم ﷺ سے جنگ کی اس جنگ میں وہ زبردست آزمائش کے دور سے گذرا اور چال بازی کا مظاہرہ بھی کیا آخر میں جب اسلام کے بغیر چارہ نہ تھا ایک طرف موت تھی اور دوسری طرف اسلام، تب مسلمان ہوا،

حضرت معاویہؓ کو وراثت میں باپ کی طرف سے توانائی ملی، ساتھ ہی سنگدلی چالاک، چال بازی اور لچک بھی ملی، پھر ان کی مال بھی اسلام اور مسلمانوں سے بغض اور عداوت رکھنے میں ان کے باپ سے کسی طرح کم نہ تھیں مسلمانوں نے معرکہ بدر میں ان کو ڈرایا دھمکایا تھا مشرکوں نے اُحد کے معرکے میں اس کا بدلہ لے لیا لیکن پھر بھی ان کے کینے اور دشمنی کی آگ فتنہ تک بھرتی رہی اس کے بعد شوہر کی طرح اسلام لانے پر مجبور ہوئیں

حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو شام کا والی بنایا اور بنا کے رکھا حالانکہ وہ ایوں کو بدلتے

رہنے کی ان کی بڑی خواہش تھی، حضرت معاویہؓ نے شام اور شامی فوجوں کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا اور رومیوں کے بالمقابل جو ثابت قدمی دکھائی، حضرت عمرؓ اس سے مطمئن تھے، حضرت معاویہؓ کو فتوحات کا غیر معمولی حوصلہ تھا وہ چاہتے تھے کہ بڑی لڑائیوں کی طرح بحری لڑائیاں بھی لڑیں، حضرت عثمانؓ کو اس سے روکتے تھے اس کے بعد حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو انھوں نے ٹھوڑے ہی دنوں بعد حضرت معاویہؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ کے تمام حاکموں کو بدل دیا حضرت معاویہؓ کو باقی رکھا اور ان سے حضرت عمرؓ کی طرح خوش رہے،

انھوں نے حضرت معاویہؓ پر اپنے تمام گورنروں سے زیادہ بھروسہ کیا، اس لئے کہ وہ رشتہ دار تھے، مصائب کی شدید تارکیوں میں بھی وہ ہمت نہیں ہارتے تھے حضرت عثمانؓ کے گورنر جب کبھی کوفہ اور بصرہ کے بعض مخالفوں سے تنگ ہوئے تو ان کو شام بھجوا دیا جہاں حضرت معاویہؓ نے ان کو ترمی یا سختی سے جسی ضرورت سمجھی ٹھیک کیا، اس کتاب کے پہلے حصے میں جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو حضرت معاویہؓ کو ایک حلیل الفذر صحابیؓ سے بڑی کوفت اٹھانی پڑی، یہ صحابی حضرت ابوذرؓ ہیں، ان کو حضرت معاویہؓ اپنی گرفت میں نہ لاسکے اور نہ مال و دولت کے جال میں پھنسا سکے اس لئے کہ یہ پہلے اسلام لانے والوں میں اور رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں میں ہیں، ان کو آپ کی خوشنودی کا ایک خاص مرتبہ حاصل ہے،

حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے ان کی شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے مدینہ بھجوا دینے کا حکم دیا پھر خود حضرت عثمانؓ بھی حضرت ابوذرؓ کی مخالفت کی تا اب نہ لاسکے اور انھیں مدینہ سے نکال کر مکہ میں قیام پر مجبور کیا، اور وہیں وہ اللہ کی رحمت کو پہنچے،

حضرت عثمانؓ کے آخری دنوں میں جب لوگوں کی مخالفت کا زور بہت زیادہ بڑھ گیا تو حضرت معاویہؓ ان کے پاس آئے اور جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ ان کے ہمراہ شام چلے جائیں، لیکن حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ ﷺ کا پڑوس چھوڑنا منظور نہیں کیا پھر یہ تجویز پیش کی کہ مدینہ میں وہ شامیوں کی ایک فوج بھیج دیں جو آپ کی محافظ رہے، حضرت عثمانؓ نے یہ بھی منظور نہیں کیا اور کہا کہ مدینہ والوں کو وہ فوج کے ہاتھوں تنگ کرنا نہیں چاہتے، تب حضرت معاویہؓ نے ہاجرین کو ہدایت کی کہ وہ بڑے حضرت کا خیال رکھیں اور کہا ان کے معاملہ میں اگر کوئی ناہی اور زیادتی ہوئی تو ٹھیک نہ ہوگا،

لیکن اس کے بعد جب وہ شام پہنچتے ہیں اور انھیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی مخالفت میں شدت پیدا ہوئی

پھر یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیا گیا تو نہ مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں اور نہ فوج کا کوئی دستہ بھیجتے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ جب ان کو اور گورنروں کی طرح حضرت عثمانؓ کا طلب امداد کا خط پہنچتا ہے، تو دوسرے گورنروں کی طرح یہ بھی دیر کرتے ہیں، اتنی دیر کہ باغی حضرت عثمانؓ کا کام تمام کر چکتے ہیں اور جب سب کچھ ہولناکیاں تو خون کے بدلے کا دعویٰ لے کر اٹھتے ہیں، اگر اس خون کی حفاظت مقصود ہوتی تو اس کے بہنے سے پہلے اقدام ضروری تھا، لیکن جب وقت تھا تو شام میں چپ چاپ بیٹھے رہے اور ایک نڈر کی طرح مناسب فرصت کا انتظار کرتے رہے اور جیسے ہی موقع ہانڈا آیا، پھر اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ہاں مگر دونوں آنکھیں بند کر کے نہیں وہ بڑے محتاط اور گہرے غور و فکر کے آدمی تھے، اسی کے ساتھ چست و سرگرم بھی ہمیشہ انھوں نے اپنے کاموں میں عقل اور بصیرت کو پیش نظر رکھا، ابتدا میں لوگوں کو اپنی امداد کی طرف ایک گونہ بے نیازی سے متوجہ کیا، زیادہ زور مظلوم خلیفہ کے قتل کی اہمیت پر صرف کیا اور اس کی ہولناکی اس طرح پیش کی کہ شامیوں کے دل و دماغ پر قابو پایا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے کہیں زیادہ خود شامی غیض و غضب میں بیتاب، حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ طلب کرنے لگے، اور چاہا کہ جلد سے جلد اٹھ کھڑے ہوں، لیکن حضرت معاویہؓ نے ان کو روکا، احتیاط کے پیش نظر دیر لگائی اور دلجوئی کی ہر تدبیر پر عمل کیا، کچھ لوگوں کو ڈرایا، دھمکایا، کچھ لوگوں کو امیدیں دلائیں، شوریٰ کے ممبروں کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی کہ کیا کرتے ہیں، اور کہا جاتے ہیں ان میں۔ بعضوں کو بنی امیہ کے آدمیوں کے ذریعے خفیہ طور پر سبز باغ دکھائے اور بعضوں کو دھمکیاں دیں اور جب دیکھا کہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے خون پر اس قدر برہم ہیں کہ نکلے چلے آتے ہیں، اور حضرت علیؓ سے مقابلے کے لئے مشورے کر رہے ہیں تو ان کو اپنے ہاں نہیں بلایا اور نہ ان کی امداد کے لئے کوئی قوت بھیجی، البتہ اپنے حامیوں کے ذریعے انکو اسکا یقین دلایا کہ شام بلکہ مصر کی طرف سے اطمینان رکھیں حضرت معاویہؓ اس کے لئے کافی ہیں اب ان کو چاہیے کہ عراق پر خود قابض ہو جائیں تاکہ حضرت علیؓ حجاز میں محصور ہو جائیں اور مغربی و مشرقی سمت سے جو حملہ بھی ہو اس سے بچ سکیں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ بنی امیہ کی طرف سے آنے والی اس آواز کے رنہ پر چل پڑیں اور بصرہ جانے کا ارادہ کیا کہ وہاں پہنچ کر بصرہ والوں کو اپنے ساتھ لیں گے اور کوفہ پر حملہ کر دیں گے اور جب عراق قبضہ میں آجائے گا تو ان کے اور حضرت معاویہؓ کے درمیان حضرت علیؓ

کے خلاف مشترک تعاون کی صورت پیدا ہو جائے گی اور پھر سہ طاقتی خلافت کی تنظیم عمل میں آسکے گی جس کے ارکان ثلاثہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ ہوں گے اور جس کا مطالبہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت کے بعد کیا تھا اور اسے آپ نے مسترد کر دیا تھا،

حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور شامیوں سے جنگ کی جو تیاری کر رہے تھے اس سے اپنی توجیہ پٹا کر حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں غور کرنے لگے آپ نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو اطاعت کے لئے آمادہ کریں گے اور اگر یہ اپنی بات پر اٹے رہے تو پھر ان سے جنگ کریں گے، حضرت معاویہؓ کو ان بزرگوں کی مشغولیت سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ مطمئن ہو کر اپنا معاملہ ٹھیک کرنے لگے غالباً وہ خیال کرتے تھے کہ ان بزرگوں کی یہ باہمی آویزش ایک کو دوسرے سے فالت بنا کر کمزور کر دے گی، پھر ان کی ہوا اکھڑ جائے گی اور وہ خود ان میں سب سے زیادہ طاقت اور شوکت کے مالک بن جائیں گے اور بقول ایک قدیم شاعر کے وہ ایسے بہادر ہوں گے جو اژدہ کی طرح زہر چھونکنا ہے لہ

چنانچہ ان مہاجرو اور انصار بزرگوں نے لڑائی کی، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مارے گئے حضرت عائشہؓ مدینے میں اپنے گھر واپس آئیں اور کوفہ اور بصرہ کے بہت سے لوگ مارے گئے، اور وہاں کے بہت سے گھر نام کدہ بن گئے، اب جو حضرت معاویہؓ نے آنکھ اٹھائی تو ان کو نظر آیا کہ حضرت علیؓ سے براہ راست مقابلہ ہے لیکن پھر بھی انھوں نے کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ لڑائی کا تذکرہ تک درمیان میں نہیں آنے دیا۔ قوت بڑی زبردست تیاری بھر پور سائنسی اور حامی سب کے سب خوشحال، اور فارغ البال، جان و مال کے خطرے سے محفوظ، پھر سب کے سب محبت کا دم بھرنے والے ہر طرح کی حمایت اور خدمت کے لئے تیار اور اس بات پر متفق کہ حضرت معاویہؓ اپنے چچا زاد بھائی منطوم خلیفہ کے خون کا بدلہ ضرور لیں،

اور حضرت علیؓ کا یہ حال کہ ایک بڑی ناگوار جنگ میں معرکہ آرا رہے، جس میں خود ان کی جماعت اور حریفوں کی بہت جانبیں گئیں، دشمن آپ سے ناراض و نالاں کہ ان کے آدمیوں کو قتل کر کے ان کو نقصان عظیم پہنچایا، دوست اور بھائی اس لئے ناراض کہ بصرہ میں ان کے بھائیوں کا خون بہایا، اب اگر یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ میرٹ اور سباست دونوں اعتبار سے حضرت علیؓ اور

حضرت معاویہؓ میں بڑا فرق تھا تو بات تمھاری سمجھ میں آجائے گی کہ حضرت معاویہؓ بڑے اطمینان، اعتماد اور قوت کے ساتھ حضرت علیؓ کے انتظار میں تھے دونوں کے درمیان فرق کا یہ عالم کہ حضرت علیؓ تو صدیقی فاروقی اور ابتدائی عثمانی دور کے مسلمانوں کی طرح خلافت کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ ہونے کے بعد ان کا یہ فرض ہو جائے کہ مسلمانوں میں وسیع ترین معنوں میں ایسا انصاف جاری کریں جس میں کسی کو کسی پر فوقیت نہ ہو، ان کا یہ بھی فرض ہے کہ مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کریں اور خرچ بھی صرف واجب ہو، بیت المال سے صلے اور انعامات گوارا نہ کریں اپنے اور گھردالوں کے لئے بھی ضرورت سے زیادہ نہ لیں، بلکہ کم میں کام چل سکتا ہو تو چلا لیں، حضرت علیؓ بیت المال میں عورت جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے جو کچھ جمع تھا وہ اس کو مسلمانوں کے مفاد عامہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے اور اگر کچھ بچ رہتا تو انصاف کے ساتھ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے، حضرت علیؓ کو یہ بات پسند تھی کہ بیت المال میں داخل ہوں، اور مفاد عامہ میں خرچ سے بچا ہوا کچھ بائیں تو انصاف سے اس کو تقسیم کر دیں اور پھر چھٹا رو دینے کا حکم دیں اس کے بعد بیت المال کو پانی سے دھو لیں، پھر اس میں دو رکعت نماز پڑھیں اور یہ فرمائیں کہ بیت المال کو ایسا ہونا چاہیے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ ہر وقت داد و پیش فرماتے رہتے، لیکن عدل و انصاف کی مقررہ بنیاد پر، اب یہی حضرت معاویہؓ کی سیرت تو اس کی ترجمانی میں کم سے کم جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ وہ ایسے سچے کار چالاک اور فیاض عرب کی سیرت ہے جو لوگوں کو اپنی گنجائش کے مطابق دیتا ہے امر اور افسروں میں سے جن کی دلجوئی چاہتا ہے کرتا ہے ایسا کرنا اس کے نزدیک نہ کوئی جرم ہے نہ کوئی گناہ، گویا حرص و طمع رکھنے والوں کے لئے حضرت معاویہؓ کے پاس وہ سب کچھ تھا جو وہ چاہتے تھے اور حضرت علیؓ کے پاس صرف وہ چیز تھی جو دنیا سے بے رغبت لوگوں کو پسند ہے حضرت علیؓ کی سیرت کا اندازہ لگائیے کہ ایک دن ان کے بھائی عقیل ابن ابی طالب ان کے پاس آئے اور کچھ امداد طلب کی تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے کہا — جب میرا وظیفہ ملے تو اپنے چچا کو ساتھ لیکر بازار جانا اور ان کے لئے نیا کپڑا اور نیا جوتا خرید کر دینا، اب در حضرت معاویہؓ کی سیرت پر نظر ڈالیے کہ یہی عقیل ابن ابی طالب بھائی کی امداد سے ناخوش ہو کر ان کے پاس آتے ہیں تو وہ بیت المال سے ایک لاکھ کی امداد پیش کرتے ہیں، یہ تھا حضرت معاویہؓ کا سیاسی مسلک جس پر وہ اعتماد کرتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ اس طرح وہ ہر اس شخص کو اپنے ساتھ کر لیں گے جو دنیا کی کوئی مغرض رکھتا ہو، پھر ان کی یہ نوازشیں صرف شاہیوں تک

محدود نہ تھیں بلکہ بنی اُمیہ کے آدمی صحرا تک حضرت علیؓ کی اطاعت کرنے والوں میں سے جن کو چاہتے ، عطیات اور مالی امداد پہنچاتے تھے ، عراق میں بھی حضرت معاویہؓ کے جاسوس موجود تھے جو مخفی طور پر تمہیں دبا کرتے تھے ، اور لوگوں کو ڈراتے اور امیدیں دلاتے تھے ، حضرت علیؓ میں ایسی کوئی بات نہ تھی ان کو حرص تھی تو یہ کہ مال کی امانت میں کہیں کوئی خیانت نہ ہو جائے ، عہد و پیمان میں کہیں کوئی فرق نہ آجائے دین کے معاملے میں کوئی کمزوری راہ نہ پا جائے ، ان کو بغض تھا تو اس بات سے کہ بیت المال کا ایک درہم بھی بے جایا ناحق خرچ ہو جائے ، ان کو دشمنی تھی تو مسکری سے ، چال بازی سے اور ہراس چیز سے جو پرانی جاہلیت سے وابستہ ہو ، آپ کے سامنے حق کی روشن راہ تھی ، اسی پر آپ سخت ارادے کے ساتھ چلے اور اسی کی اپنے ساتھیوں کو دعوت دی ، آپ کے سامنے باطل بھی بالکل واضح تھا ، جس سے وہ جان بوجھ کر دوڑ رہے اور ساتھیوں کو بھی ہدایت کی کہ وہ قصداً اس سے دور رہیں ان وجوہ اور اسباب کی بنا پر آپ کے ایسے ساتھی تھے جو آپ سے محبت اور خلوص رکھتے تھے آپ کے اقتدار کے لئے اپنی جان و مال پیش کرنے تھے ، یہی وجہ تھی کہ کوثر میں قیام کرتے ہی آپ کے ساتھیوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ شامی دشمنوں سے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ، لیکن آپ نے اس کے باوجود شام کی طرف کوچ کرنے سے انکار کر دیا ، الا یہ کہ پہلے حضرت معاویہؓ کے پاس سفیروں کو بھیج دیں اور انہیں دعوت دے دیں ، کہ لوگوں کی طرح وہ بھی اطاعت قبول کر لیں تاکہ آپ کی دلیل پر زور ہو جائے ، اور جو بھی ساتھ دینا چاہے وہ آپ کے معاملے میں روشنی میں ہو ، اور خدا کی ہدایت کے ماتحت ،

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

سفر اہل مکہ کے ذریعے گفت و شنید

ایک صحابی ہیں جریر بن عبداللہؓ، حضرت علیؓ نے انہیں کو حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ بیعت کا مطالبہ کریں اور مطالبے کے حق میں دلیل پیش کریں، جریرؓ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے گفتگو کی اور ساتھ ہی نصیحتیں بھی کیں، جریرؓ نے اپنی گفتگو اور نصیحت میں کافی زور صرف کیا، اور آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرت معاویہؓ خاموشی سے سنتے رہے، کسی بات کا جواب نہیں دیا، مال جریرؓ سے باتیں کہلواتے رہے، پھر شام کے معر زین اور مرکزی مقامات کے رتیبوں کو بلوایا اور حضرت علیؓ کے مطالبے کا تذکرہ کر کے ان سے مشورہ چاہا، ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کے خون کی اہمیت بتائی اور مظلوم خلیفہ کے ساتھ وفاداری اور ان کے قصاص کے مطالبہ پر ان کو ابھارا،

اب عمرو بن العاصؓ سامنے آئے ہیں جو چالاک، چال بازی اور داؤ پیچ میں حضرت معاویہؓ سے کسی طرح کم نہ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول کر دیا تھا اسی وقت سے یہ ان سے خفا تھے، جب فتنے کا زمانہ آیا تو حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرتے رہے ان کی خفیہ مخالفت ان کے ظاہری اختلاف سے زیادہ سخت تھی چنانچہ جہاں تک ان سے ہو سکتا وہ مخفی طور پر لوگوں کو جمع کرتے اور ان کی مخالفت پر آمادہ کرتے ایک مرتبہ تو انہوں نے مسجد میں علانیہ حضرت عثمانؓ کو مخاطب کر کے کہہ دیا، "آپ تو لوگوں کو ساتھ لئے مصیبت کے غار میں چلے آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ یہاں پہنچے اب آپ تو کیجئے تو ہم بھی توبہ کریں، حضرت عثمانؓ پر اس کا بہت برا اثر پڑا، پھر جب فتنے میں شدت پیدا ہو گئی اور عمرو بن العاصؓ نے سمجھ لیا کہ مصیبت بہر حال نازل ہو کر رہے گی تو اسی میں خیریت دیکھی کہ اس وقت میں کنارہ کشی اختیار کر لیں چنانچہ اپنی فلسطین والی زمین میں چلے گئے اور وہیں ٹھہر کر حالات و واقعات کا پتہ چلاتے فلسطین کے اس سفر میں ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور محمد بھی ساتھ تھے، عبداللہ ایک راسخ

مخلص دین دار اور دنیا سے بے تعلق بن کر کریم ﷺ کی صحبت میں رہ کر میرت نبوی سے بہت کچھ فیض یافتہ، فضولیات سے بالاتر، تقویٰ طہارت کی زندگی جیتے تھے، لیکن ان کے بھائی حویر اور وہ بھی قریشی نوجوان تھے، ان میں دنیا سے بے رخی نہ تھی بلکہ دوسرے نوجوانوں کی طرح ان کو بھی خوش حالی ترقی اور شہرت کی غیر معمولی خواہش تھی،

عمر بن عاصؓ اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ فلسطین ہی میں تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پہنچی، سن کر کہنے لگے، میں ابو عبد اللہ ہوں جس پھوڑے کو میری انگلیاں کھلا دیں کیا مجال کہ پھر وہ خون آلود نہ ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلافت بغاوت اور مٹنے کی راہ انھوں نے ہی ہموار کی تھی، اور تحریک کامیاب ہوئی اس کے بعد اطلاع آئی کہ لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی ہے اور یہ کہ حضرت معاویہؓ بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں، اور حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں شام کے لوگ حضرت معاویہؓ کے ہمنوا ہیں، اب عمرو بن عاصؓ نے اپنے دونوں لڑکوں سے تبادلہ خیال کیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو سامنے رکھ کر اپنی جگہ کہاں ہونی چاہیے؟ عبداللہ نے مشورہ دیا کہ جب تک یہ انتشار اور تعلقشمار ہے آپ الگ ہی رہیے پھر جب لوگوں میں یک جہتی اور اتفاق ہو جائے گا تو مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہو جانا، عبداللہ نے اپنے باپ پر زور ڈالا اور ان کو یاد دلایا کہ نبی ﷺ اور شیخینؓ آپ سے راضی رہ کر دنیا سے اٹھے اس قدر سہولت کو ضائع نہ کیجئے، محمد نے کہا آپ تو عرب کے سرداروں میں سے ایک سردار ہیں، ایسے وقت میں جبکہ معاملات کی توڑ چوڑی جاری ہے آپ کی غیر حاضری مناسب نہیں میرا تو یہ مشورہ ہے کہ آپ حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیجئے،

عمر بن عاصؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ کا مشورہ میرے دین اور میری آخرت کے لئے مفید ہے اور محمد کی بات میری دنیا کے لئے، رات بھر طرح طرح کے خیالات میں غلطیاں دیکھاں جا سکتے رہے حضرت علیؓ کی بیعت گوارا نہ تھی اس لئے کہ اس بیعت سے کسی نفع کی امید نہ تھی نہ گورتی مل سکتی تھی، نہ حکومت میں حصہ اس لئے بھی کہ حضرت علیؓ ان کو ایک معمولی مسلمان کی پوزیشن میں رکھیں گے جو سب کے لئے وہ اتنے کے لئے، حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے میں یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنی اہلیت سے بڑی چیز کا حوصلہ کریں گے پھر یہ کہ یہ دین کے معاملے میں غیر مناسب ڈھیل ہے، پھر عمرو بن عاصؓ نے غور کیا

اور تنوب غور کیا، بڑی دیر کے فکر و تامل کے بعد ارادہ کیا کہ نفس کو لوگوں سے علیحدگی پر رضامند کر لیں، لیکن گناہی اور انتظار کی زندگی برداشت نہ ہو سکی۔

عمروؓ کو مصر کی گورنری ابھی بھولی نہ تھی جس کا موقع شہد فاروقیؓ میں ملا تھا اور جس سے معزولی پر حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے، معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا شوق آپ کے دل کی آرزو بنا رہا، اور جب صبح ہوئی تو یہ طے کر چکے تھے کہ حضرت معاویہؓ سے جا ملیں گے چنانچہ فلسطین سے دمشق آئے رط کے بھی ساتھ تھے یہاں آ کر دیکھا کہ شامی حضرت معاویہؓ کو حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے اور حضرت علیؓ سے جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں، فوراً ہی ان کی صف میں کھڑے ہو گئے اور حضرت معاویہؓ سے ملنے گئے اور اپنی ملاقاتوں میں مظلوم خلیفہ کے معاملہ کی اہمیت جتاتے رہے، حضرت معاویہؓ ان کی سب باتیں سنتے مگر بے توجہی کے ساتھ، ان کے خیال میں ابھی اور بے رہنا مناسب تھا، اور شامی جنگ کے لئے بے تاب تھے اور خیال کرتے تھے کہ رط کو منظم خلیفہ کا حق ادا کریں گے ساتھ ہی دین کا ایک فرض بھی انجام دیں گے، عمروؓ رطالی کے لئے اس لئے جلدی کر رہے تھے کہ حضرت معاویہؓ کو ان کی ضرورت پڑے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت معاویہؓ کی پہلو تہی بڑھتی جا رہی ہے تو ایکن ملاقات کے دوران میں کھل کر گفتگو کی، جس کے بعد حضرت معاویہؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے، اور پھر توجہ کی، اور کوشش کرنے لگے کہ کچھ قول و قرار کر کے ان کو ساتھی بنا لیں، ہو ایہ کہ عمرو بن عاصؓ نے حضرت معاویہؓ سے اس بے رحمی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا یہ جانتے ہوئے بھی کہ حق پر تم نہیں ہو حق پر تمہارا حریف ہے اور تمہاری کامیابی اور تمہارا ساتھ دنیا کا راستہ ہے دین کا نہیں میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں، اپنے دماغ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں، یہ میری بڑی قربانی ہے۔

یہ سن کر حضرت معاویہؓ سمجھ گئے اور یقین کر لیا کہ اگر عمروؓ واپس چلے گئے تو وہ کوئی گہری چال چلیں گے خیریت اسی میں ہے کہ ان سے سمجھو نہ کر کے اپنا بتالیں اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں اور جس کے لئے بیتاب ہیں انہیں دے دیں، علاوہ ازیں وہ ایک رطا کا اور چالاک کھلاڑی ہیں، انہوں نے فلسطین فتح کیا مفرغ کیا، فاروقیؓ اعظمؓ ان سے زندگی بھر مطمئن رہے اور ان سب باتوں کے بعد وہ سب کے پختہ کار چالاکوں میں سے ایک ہیں، قریش کے شیوخ میں ان کی شخصیت ممتاز درجے کی مالک ہے، مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے عمروؓ سے پوچھا کہ اپنے اس ساتھ دینے کی کیا قیمت لو گے؟

عمرؓ نے کہا — زندگی بھر کے لئے مصر کی حکومت، حضرت معاویہؓ کی نگاہ میں یہ قیمت زیادہ تھی اس پر دونوں میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ عمرو عاصؓ میں اُلٹے پاؤں واپس ہو جاتے لیکن عقبہ ابن ابی سفیان نے درمیان میں مداخلت کی اور اپنے بھائی حضرت معاویہؓ کو عمرو بن عاصؓ کے مطالبے پر راضی کر لیا چنانچہ اس کے متعلق دونوں میں ایک تحریری معاہدہ ہو گیا،

اس کے بعد عمرو بن العاصؓ جب اپنے لڑکوں سے ملے تو وہ دونوں اس قیمت پر خوش نہیں ہوئے اور اسے بہت کم سمجھ کر اپنے باپ کا مذاق اڑایا، عبداللہ کے خیال میں باپ نے اپنا دین بہت کم دام پر فروخت کر دیا، محمد کی رائے میں باپ نے اپنے وراثت کی قیمت بہت کم لی، بہر حال حضرت امیرؓ کے گرد و پیش مشیروں کا اچھا خاصا مجمع ہو گیا جس میں قبائل کے شہوخ، شہروں کے رئیس، ابوسفیان اور بنی امیہ کے خاندان کے لوگ شامل تھے، انھیں میں عمرو بن العاصؓ کا بھی اصرار ہو گیا یہ سب کے سب حضرت معاویہؓ کو جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کرتے تھے، ان میں سے بعضوں نے ٹوہیر کرنے پر یہ الزام لگایا کہ حضرت معاویہؓ میں کچھ دم نہیں ہے،

جب سب کچھ ٹھیک ہو گیا تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے سفیر جریر بن عبداللہؓ کو عالی ماتہ کوفہ واپس کر دیا، جریر نے آکر حضرت علیؓ کو اطلاع دی کہ حضرت معاویہؓ بیعت کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ کہ شام کے حالات غیر معمولی طور پر اہم ہو گئے ہیں، حضرت علیؓ غالباً جریر کی سفارت سے مطمئن نہیں ہوئے اور آپ کے ساتھیوں نے جس میں اشتر پیش پیش تھے جریر کو بعض ناگوار باتیں سنائیں جس پر خفا ہو کر وہ اپنے بال بچوں سمیت کوفہ سے نکل کر مصافحات شام کے ایک مقام قرقیسیا چلے گئے اور غیر جانبدار رہے بعض مورخوں کا خیال ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ مل گئے،

اب حضرت معاویہؓ بھی جنگ کی تیاری کرنے لگے، لیکن انھوں نے بھی حضرت علیؓ کی طرح پہلے اپنا ایک سفیر بھیجا،

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

کی

خط و کتابت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو لڑائی پسند نہیں کرتے تھے اگرچہ وہ اس بات سے بھی خوش نہ تھے کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے جائیں اور قاتلوں سے درگزر کی جائے، کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ جب جنگ کا مشورہ کر رہے تھے تو ایک شخص جس کا نام ابو مسلم عبدالرحمن یا عبداللہ بن مسلم خولانی ہے درمیان میں کھڑا ہوا اور حضرت معاویہؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا آپ کس بنیاد پر حضرت علیؓ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں آپ ہیں نہ ان کے جیسی فضیلت ہے اور نہ ان کی طرح اسلام لانے میں آپ نے پہل کی ہے "حضرت معاویہؓ نے جواب میں کہا "ہیں اس دعوے پر لڑنا نہیں چاہتا کہ ان کی طرح فضیلت رکھتا ہوں یا اسلام لاتے ہیں میں نے پہل کی ہے، میرا تو مطالبہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دیں، تاکہ میں ان سے قصاص لوں " ابو مسلم نے کہا تو اس کے متعلق ان کو خط لکھئے اگر انھوں نے خاطر خواہ جواب دیا تو جنگ کی مصیبت ہم سے ٹل جائے گی، اگر انھوں نے اس سے انکار کیا تو ہم بصیرت کی روشنی میں ان سے مقابلہ کریں گے " حضرت معاویہؓ ابو مسلم اور اس قسم کے لوگوں کی بات پوری کر دینا چاہتے تھے اس لئے حضرت علیؓ کے نام ایک خط لکھا اور اسے ابو مسلم کے ہاتھ روانہ کیا، بلا ذری کی روایت کے مطابق خط کی عبارت یہ ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے علی بن ابی طالب کے نام، اما بعد اللہ نے اپنے علم سے محمد کو برگزیدہ کیا ان کو اپنی وحی کا امین اور اپنی مخلوق کا پیغمبر بنایا اس کے بعد مسلمانوں میں سے آپ کے حاشی پسند کئے، جنہوں نے آپ کی تائید کی ان حامیوں کے وجہات اسلام میں ان کی

تفضیلتوں کے مطابق ہیں، ان میں اللہ اور رسول کے سب سے زیادہ مخلص خلیفہ اول ہیں، پھر ان کے جانشین، پھر تیسرے مظلوم خلیفہ عثمانؓ، تم نے ان میں سے ہر ایک سے حسد کیا، اور ہر ایک کی بغاوت کی، ہم نے اس کا پتہ تمہاری غضبناک تیز نگاہوں سے، تمہاری سخت کلامی سے، تمہاری غم بھری لمبی سانسوں سے اور خلفاء کی بیعت میں تاخیر سے لگا یا ہے ہر موقع پر تم کو تکمیل پکڑ کر لاتے جانے والے اونٹ کی طرح لایا گیا تم کو سب سے زیادہ حسد اپنی پھوپھی ^{عثمان} کے لڑکے سے رہا، حالانکہ رشتہ اور فضیلت کے نقطہ نظر سے وہ سب سے زیادہ حق دار تھا کہ تم اس کے ساتھ ایسا نہ کرتے پس تم نے ان کو چھوڑ دیا، ان کی اچھائی کو برائی بتایا، ان کی دشمنی کا اظہار کیا، اور ان کے لئے دل میں کھوٹ چھپا رکھی ان کے خلاف لوگوں کو جمع کیا، ہر طرف سے اونٹوں اور گھوڑوں پر قافلے آئے، حرم پاک میں ان پر ہتھیار اٹھایا گیا پھر وہ اپنی جگہ پر تمہاری موجودگی میں قتل کر دیتے گئے تم دشمن کی آوازیں سنتے رہے اور مدافعت میں نہ زبان ہلائی نہ ہاتھ، قسم خدا کی اے ابن ابی طالب اگر تم ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کو منع کرتے، ان کے متعلق غلط بیانیوں کی مذمت کرتے تو ہماری نگاہوں میں تمہارا ہمر کوئی نہ ہوتا تمہاری جا تہداری اور بغاوت کی باتوں پر پانی پھر جانا، دوسری بات جس کا حضرت عثمانؓ کے وارث تم پر الزام رکھتے ہیں، قانون کو پناہ دینا ہے، یہی قاتل تمہارے دست بازو ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ تم اپنے کو حضرت عثمانؓ کے خون سے بری خیال کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو قانونوں کو ہمارے حوالے کر دو، ہم ان سے قصاص لیں گے پھر ہم تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اگر ایسا نہیں ہے تو ہمارے تمہارے درمیان تلوار ہے اور قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم ریگستانوں میں پہاڑوں میں، بحرِ ہر میں قانونوں کا پتہ چلائیں گے تا آنکہ ان کو قتل کر دیں یا پھر ہماری جانیں جان آخر میں تک پہنچ جائیں۔

ابو مسلم بن خط لیکر حضرت علیؓ کے پاس پہنچے، لوگ مسجد میں جمع ہو گئے حضرت علیؓ نے حکم دیا اور خط پڑھا گیا، مسجد کے گوشوں سے لوگ چلا چلا کر کہنے لگے ہم سب نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے اور ہم سب ان کے کام سے ناراض تھے، خود ابو مسلم نے محسوس کیا کہ حضرت علیؓ کے ساتھی حضرت عثمانؓ کے قتل کو اپنی دنیا اور دین کی بھلائی تصور کرتے ہیں، اور اس کے لئے تیار نہیں کہ قانونوں میں سے کسی ایک کو بھی حوالے کریں ابو مسلم

نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت علیؓ سب قانونوں کو یا بعضوں کو اگر حوالے کر دیتا بھی چاہیں تو اس کی کوئی صورت نہ تھی پس حضرت علیؓ نے ایک آدمی بھی حوالے کرنے سے انکار کر دیا، تو ابو مسلم نے کہا اب بات ٹھیک ہے، حضرت معاویہؓ کے خط سے ناظرین کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ نہ صلح چاہتے ہیں نہ امن ان کا مقصد تو یہ ہے کہ اپنے بعض شاہی دوستوں اور خصوصاً نزدیک رکھنے والوں اور گناہ سے بچنے والوں کے سامنے اپنی معذرت پیش کریں، امن اور صلح چاہنے والا اپنے کسی حریف کو ایسی باتیں نہیں لکھتا جن سے اذیت پہنچے اور خفقہ اور نفرت کے جذبات بھڑک اٹھیں،

حضرت علیؓ کے لئے برداشت کرنے جیسی بات نہ تھی کہ حضرت معاویہؓ کے خط میں یہ الزام پڑھتے کہ آپ کو خلفا سے حسد تھا، آپ نے ان کے خلاف بغاوت کی، ان کی بیعت کرنے میں تاخیر سے کام لیا پھر جبراً پکڑ کر لائے گئے،

اسی طرح یہ بھی حضرت علیؓ کے لئے برداشت کی بات نہ تھی کہ خط میں اپنے پھوپھی کے لڑکے پر حسد کا الزام پڑھیں، اور یہ کہ ان کے خلاف بغاوت کی، ان سے تزلزل تعلق کیا، لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا، اور جب باغیوں نے تنگ کیا تو ان کی امداد سے باز رہے اور آخر میں یہ بات بھی آپ کے لئے معمولی نہ تھی کہ وہ کھلا ہوا چیلنج پڑھیں جس میں دعوت دی گئی ہے کہ قانونوں کو حوالے کر کے اپنی بے گناہی ثابت کی جائے ورنہ ان کے اور معاویہؓ کے درمیان تلوار ہوگی

حضرت معاویہؓ اپنے چیلنج میں حد سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر علیؓ، عثمانؓ کے قانونوں کو پسرد کر دیں گے تو وہ اور اہل شام ان کی بیعت اور اطاعت کے لئے دوڑتے ہوئے آئیں گے حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؓ ان کا یہ چیلنج ہرگز منظور نہیں کریں گے اور حضرت عثمانؓ کے قانونوں کو بھی ان کے حوالے نہیں کریں گے یہ تو حکومت کو دھمکی کا ایک ڈھنگ حضرت معاویہؓ نے اختیار کیا تھا ورنہ ان کے لئے صحیح راہ تو یہ تھی اگر وہ امن پسند ہوتے کہ پہلے بیعت اور اطاعت کر لیتے، پھر خلیفہ کے سامنے آتے اور مطالبہ کرتے کہ میرا اور حضرت عثمانؓ کے لڑکوں کا انصاف کیجئے اور جن لوگوں نے میرے بھائی کو اور ان کے باپ کو قتل کیا ہے ان سے قصاص لیجئے،

پھر حضرت معاویہؓ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے قانونوں کو پالیتے تو یقیناً مدینے میں ان سے قصاص لے لیتے، جب بیعت کے موقع پر جہا جہا اور انصاف نے اس سلسلے میں آپ سے گفتگو

کی تھی، لیکن اب جبکہ آپ عراق میں ہیں اور انھیں لوگوں میں ہیں جن کی اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی، اور بالآخر ان کو قتل کر دیا پھر تو قصاص کی کوئی صورت ہی نہیں تھی، حضرت معاویہؓ یہ سب کچھ جانتے تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ شامیوں کو اور خصوصاً ان لوگوں کو جو لڑائی کے گناہ سے بچنا چاہتے تھے، یہ بتادیں کہ یہ لڑائی جس کا ہوتا یقینی ہے اس کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے ایسی حالت میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کا مطالبہ مسترد کر دیا اور اسی سفير کو خط کا جواب لکھ کر واپس کر دیا، جس کی عبارت بلا ذریعہ ہی کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے بندے امیر المؤمنین علیؓ کی طرف سے، معاویہؓ ابن ابی سفیان کے نام، اما بعد خولان کے بھائی میرے پاس تمہارا خط لے کر آئے، جس میں تم نے محمدؐ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اللہ نے ان کو ہدایت اور وحی کی عروت اور شرف سے تو ازا پس سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آنحضرتؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اپنا وعدہ سچا کیا، اور ہر جگہ آپ کو قوت بخشی اور آپ کے قدم بجائے اور سب دینوں پر آپ کو غالب کیا، اور آپ کے ذریعے قوم کے ان افراد کا خاتمہ کر دیا جن کے دل بغض و عداوت سے بھرے ہوئے تھے، جنہوں نے آپ کو جھوٹا بتایا اور آپ کی ذمت کی، آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو شہر بدر کرنے کی کوشش کی اور بہت کچھ الٹ پھیر کیا تا آنکہ اللہ کی بات ان کے خلاف غالب آئی، جو لوگ سب سے زیادہ آپ کے لئے سخت تھے وہ آپ کی ہی قوم کے تھے اور آپ سے قریب تو تھے، مگر چند افراد جن کو اللہ نے بچا لیا تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرتؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مسلمانوں میں سے ایسے حامی پسند کئے جن سے آپ کی تائید ہوئی اور یہ حامی آپ کی نظر میں وہ درجات رکھتے ہیں جو اسلام میں ان کی فضیلتوں کے حساب سے ہیں پس ان میں سب سے افضل آپ کے خلیفے ہیں اور ان کے بعد ان کے جانشین، بخدا اسلام میں ان دونوں کا بے شک بڑا مرتبہ ہے اور ان کی مصیبت بھی بہت بڑی ہے، جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

تم نے لکھا ہے، کہ حضرت عثمانؓ ذہیلت میں تیسرا درجہ رکھتے ہیں اگر حضرت عثمانؓ نے اچھا کیا

ہے تو وہ اپنے رب کو مشکور پائیں گے جو ان کی نیکیاں دو چند کر دے گا، اور اس کی جزا دے گا اور اگر ان سے کچھ لغزشیں ہوتی ہیں تو وہ اپنے رب کو غفور اور رحیم پائیں گے جس کی جناب میں گناہ بڑا نہیں ہے، مغفرت بڑی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ جب اللہ اعمال کے حساب سے نوازش کرے گا، تو مسلمانوں کے ہر گھر سے ہمارا حصہ زیادہ ہوگا، اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ نے ایمان اور توحید کی دعوت دی، اس وقت ہم اہل بیت نے سب سے پہلے دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لائے، ہمارے مواعرب کی ایک چوتھائی میں اس وقت اللہ کی عبادت کرنے والا ایک بھی نہ تھا پھر ہماری قوم نے ہم سے دشمنی کی ہمیں مصیبتوں میں مبتلا کرنا چاہا، ہمیں ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا ہمیں ایک تنگ گھاٹی میں چلے جانے پر مجبور کیا، جہاں ہم پر نگرانی رکھی جاتی تھی، ہم پر کھانا اور میٹھا پانی بند کر دیا گیا، اور آپس میں ہمارے بائیکاٹ کا تحریری عہد و پیمان کیا گیا کہ کوئی ہمارے ساتھ نہ کھائے نہ پیئے، نہ خرید و فروخت کرے نہ شادی بیاہ اور نہ ہم سے بات چیت کرے، تاہنگہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے یا ان کا ہاتھ پاؤں کاٹ لینے کے لئے ان کے حوالے نہ کر دیں، لیکن خدا نے ہمیں ان کو بچانے اور ان کی طرف سے مدافعت کی قوت بخشی، قریش کے دوسرے مسلمان ہم سے بالکل ناراض تھے، ان کو حامیوں اور رشتہ داروں کی حمایت حاصل تھی چنانچہ وہ عاقبت سے رہے اور ان کا کچھ نہ بگڑا، ہم اسی حالت میں رہے، جب تک اللہ نے رکھا، اس کے بعد خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی، اور مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا تو جب ضرورت پڑی اور مقابلے کا موقع آیا، آپ نے اہل بیت کو آگے کیا اور اپنے ساتھیوں کو پچا باچھا پچہ بدر کے معرکہ میں حضرت عبیدہؓ، احد کے معرکہ میں حضرت حمزہؓ اور موتہ کے معرکہ میں حضرت جعفرؓ نے اپنی اپنی جا میں پیش کیں اور تم چاہو تو میں نام لے لے کر بتادوں کہ اس قسم کے مواقع پر کس کس نے اپنے کو پیش کیا، لیکن بعضوں کا وقت پورا ہو چکا تھا اور بعضوں کی مدت باقی تھی تم نے خلفاء سے میرے رکے رہنے اور ان سے حسد کرنے کا بھی تذکرہ کیا ہے میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ خلفاء سے میں نے خفیہ یا علانیہ حسد کیا ہو، وہ گیا میرا دیر کرنا تو میں لوگوں سے اس کی کوئی معذرت نہیں کرتا اور میرے پاس تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر جب لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی، تمہارے باپ آئے اور کہا خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تم ہو،

ہاتھ بڑھاؤں میں تمھاری بیعت کروں گا، یہ بات تو تم کو اپنے باپ سے معلوم ہو چکی ہوگی، لیکن میں نے خود اس سے انکار کیا کہ مبادا لوگوں میں پھوٹ پڑ جائے ابھی جاہلیت اور کفر کا زمانہ ان سے قریب ہے اگر تم میرا حق اتنا ہی جانتے ہو جتنا تمھارے باپ جانتے تھے تو تم نے راہ حق پالی ہے اور اگر تم باز نہ آئے تو خدا مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا، تم نے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ میں نے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا اور جمع کیا حضرت عثمانؓ نے جو کیا وہ تم نے دیکھا ہے اور جس طرح لوگ ان سے علیحدہ ہوئے تم کو معلوم ہے، اور میں ان باتوں سے بالکل الگ رہا، پھر بھی ایک بری کو مجرم بتانے ہو تو بتاتے رہو، تم نے بزم خود حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا ذکر کر کے مطالبہ کیا ہے کہ میں ان کو تمھارے حوالے کر دوں میں تو ان کا کوئی مقرر قاتل نہیں جانتا باوجودیکہ میں نے بہت تلاش کیا پس یہ میرے بس کی بات نہیں کہ جن لوگوں پر تم قتل کی ہمت رکھتے ہو اور جن پر گمان کرتے ہو، ان کو بھیج دوں اور اگر تم اپنی گمراہی اور دشمنی سے باز نہ آئے تو ان کو خود پہچان لو گے، تم کو ان کی تلاش میں پہاڑوں اور جنگلوں میں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، والسلام“

حضرت معاویہؓ نے اپنے خط کی ابتدا جیسا کہ تم نے پڑھا بہت سخت لب و لہجہ میں کی ہے حضرت علیؓ نے جواب اس سے زیادہ سخت اور تلخ دیا ہے، نبیؐ پر وحی و ہدایت کے انعام خداوندی اور اہل بیت کی اطاعت کا ذکر کرنے کے بعد ہی آنحضرت ﷺ کے ساتھ قریش کی بغاوت اور مکاری کا اظہار کرتے ہیں پھر اہل بیت اور عبدالمطلب کی اولاد کے ساتھ مکہ کی تنگ گھاٹی میں آپ کے جبراً محصور کئے جانے کا تذکرہ کرتے اور صحیفہ کے نام سے جو واقعہ ہے اس کی انتہا تک پیش کرتے ہیں، حضرت علیؓ ان تمام حالات کے بیان میں تعریض کرتے ہیں کہ بنی امیہ اسلام لانے میں تاخیر کرتے رہے بنی اور اہل بیت میں سے جو آپ کے ساتھی تھے ان کے ستانے میں ستانے والوں کا ساتھ دیتے رہے، پھر حضرت علیؓ بتاتے ہیں، کہ اللہ نے اہل بیت کو یہ امتیاز بخشا کہ انھوں نے اسلام کی طرف سبقت کی اسی طرح ان کو گھاٹی میں محصور ہونے کی مصیبت پر صبر کرنے کی خصوصیت بھی عطا فرمائی، جب کہ دوسرے مسلمان مطمئن اور خوش حال تھے ان کے قبیلے کے لوگ ان کی حمایت کرتے تھے، تم نے حضرت ابو بکرؓ کی عدی نے حضرت عمرؓ کی اور امیہ نے حضرت عثمانؓ کی حمایت کی بغیر قریشی مسلمانوں کو ان کے حلیفوں نے بچایا،

اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی راہ میں اہل بیت نے جیسی مصیبتیں اٹھائیں کوئی نہیں اٹھایا خصوصاً حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے، چنانچہ ان لوگوں کا محاصرہ کیا گیا نہ مقاطعہ اور نہ ان پر رزق کی تنگی کی گئی، پس اہلبیت لوگوں میں سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کے مقرب اور ان کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، اس کے بعد حضرت علیؓ نے ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کا بیان کیا ہے اور بتایا کہ وقت پڑنے پر آنحضرت ﷺ اپنے ساتھیوں کی حفاظت کے لئے اہل بیت کو پیش کر دیا کرتے تھے، چنانچہ بدر کے معرکے میں عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب شہید ہوئے اور احد کے معرکے میں حمزہ بن عبدالمطلب اور موتہ کے معرکے میں جعفر ابن ابی طالب نے شہادت پائی، اور خود حضرت علیؓ نے شہادت کے لئے اپنی جان پیش کر دی تھی لیکن وہ دوسرے اہل بیت کے لئے مقدر تھی، پس اہل بیت نے ہجرت کے پہلے بھی اور بعد بھی جو مجاہد اور سرفروشی کی وہ کسی اور نے نہیں کی، پھر نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء کے قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کے ساتھ خفیہ یا علانیہ حسد رکھنے سے بری بتایا اور بیعت میں تاخیر کی لوگوں سے کوئی معذرت نہیں کی اس کے بعد معاویہؓ کو یاد دلایا کہ ان کے باپ بیعت کے لئے علیؓ کا حق تسلیم کرتے تھے اور خود ہی اس کی طلب کی تھی اور کہا اگر میرے حق کے بارے میں تمہاری بھی وہی رائے ہے جو تمہارے باپ کی تھی تو تم نے ہدایت کی راہ پالی ہے اگر ایسا نہیں ہے تو حد اتم سے مجھے بے نیاز کر دے گا، اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا، لوگوں سے ان کے اختلاف کا اور بغاوت سے اپنے علیحدہ رہنے کا بیان کیا، اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں اپنی رائے صاف صاف دے دی، کہ وہ کچھ نہیں کہتے ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اچھا کیا ہے تو اللہ ان کو دو گنا اجر دے گا، اور اگر برا کیا ہے تو وہ ان کے گناہ معاف کر دے گا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا ذکر کرتے ہوئے معاویہؓ کو مطلع کیا ہے کہ باوجود تحقیق و تلاش کے وہ کسی مقرر شخص کو حضرت عثمانؓ کا قاتل نہیں پاتے اور اس لئے وہ محض بدگمانی کی بنا پر کسی متہم کو سپرد نہیں کر سکتے، سزا کے معاملات میں قاضی کی حجت ثبوت اور شہادت کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ بات بیعت اور اطاعت کے بغیر ممکن نہیں، اس کے بعد آپ نے معاویہؓ کو دھکی دی کہ ان کو قتل کے بلزموں کی تلاش میں پہاڑوں میدانوں میں یا خشکی اور تری میں جانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ وہ بہت جلدان کو میدان جنگ میں معرکہ آرا دیکھ لیں گے،

اس طرح معاویہؓ کا سفیر بھی حضرت علیؓ کے سفیر کی طرح ناکام رہا، اور عراقیوں کی طرح شامیوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ لڑائی کے سوا چارہ نہیں، شامیوں کا نقطہ نظر مظلوم خلیفہ کا بدلہ لینا تھا عراقی چاہتے تھے کہ پہلے شامیوں کو بیعت اور اطاعت پر مجبور کیا جائے، شامیوں کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کی اطاعت ان کے لئے ضروری نہیں ہے کیونکہ لوگوں نے ان کی بیعت رضامندی سے نہیں کی ہے اور اس لئے کہ اللہ کے ایک حکم کو انھوں نے معطل کر رکھا ہے، یعنی مظلوم خلیفہ کے قاتلوں سے قصاص عراق کے لوگ اور ان کے ہاجر اور انصار ساتھی خیال کرتے تھے کہ مسلمانوں کی ایک زبردست اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیعت حرین میں، کوفہ اور بصرہ میں اور مصر میں کر لی ہے، اب ان کی اطاعت واجب ہے، اور اس نقطہ نظر سے شامیوں کا پوزیشن ایک باغی جماعت کا پوزیشن ہے جس کے متعلق اللہ کا حکم ہے کہ اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔

۳۳۶ کا وہی الحجہ کا ہیبتناک بھی شروع نہیں ہوا تھا کہ حضرت علیؓ مقدمۃ الجیش کو روانہ کر چکے تھے اور حکم دیا تھا کہ شامیوں سے مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں پہل نہ کرنا تاکہ میں پہنچوں اس کے بعد آپ ایک لشکر عظیم ساتھ کر نکل پڑے اور مقدمۃ الجیش کے ساتھ مقام صفین تک پہنچ گئے۔ راہ میں بہت کچھ شکاریاں پیش آئیں جن کا تذکرہ کر کے ہم بات کو بڑھانا نہیں چاہتے

فریقین کا مقابلہ

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ حضرت علیؑ لکھنے کیلئے تیار ہو چکے ہیں، امیر معاویہؓ شامیوں کی ایک بڑی فوج لیکر نکل پڑے مقدمۃ الجیش کو پہلے بھیج دیا اور حضرت علیؑ سے پہلے ہی صفین پہنچ گئے اور اپنے آدمیوں کو نہر فرات سے قریب تر ایک اچھے کشادہ مقام پر اتارا، حضرت علیؑ بھی اپنا بہت بڑا لشکر لے کر گئے، اور اپنے آدمیوں کو حریف کے بالمقابل اتارا، لیکن ان کو فرات کی کوئی نہر نہ مل سکی جہاں سے پانی کا انتظام ہوتا، حضرت علیؑ نے معاویہؓ کے پاس سفیر بھیجے اور مطالبہ کیا کہ پانی آزاد رکھا جاوے، تاکہ دونوں فوجیں پی سکیں، حضرت علیؑ کے سفیروں نے معاویہؓ سے گفتگو کی، لیکن انہیں کوئی جواب نہیں مل سکا اور وہ بلا جواب واپس ہو گئے، مقررہ دیر کے بعد حضرت علیؑ کے آدمیوں نے دیکھا کہ معاویہؓ نہر فرات پر پہرہ داروں کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں تاکہ حضرت علیؑ کے آدمیوں کو پیاسا رہنے پر مجبور کر دیں، وہ چاہتے تھے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ پر محاصرے کے وقت پانی حرام کر دیا گیا تھا اسی طرح ان پر بھی حرام کر دیا جائے، کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کا معاویہؓ سے اصرار تھا کہ پانی کی راہ میں مزاحمت نہ کی جائے ورنہ فوراً القادس شروع ہو جائے گا، اسلئے کہ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ حریف سیراب ہوتا رہے اور حضرت علیؑ کے آدمی پیاسے رہیں لیکن اموی عصیت عقلمندوں کے مشورے پر غالب آئی اور معاویہؓ کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑا، اب ضروری تھا کہ پانی کے لئے مقابلہ ہو، ہوا اور سخت ہوا قریب تھا کہ جنگ کی صورت اختیار کرے لیکن حضرت علیؑ کے آدمی غالب آئے، اور پانی پر قبضہ کر لیا، اور چاہا کہ اب حریف کو پیاسا پر مجبور کر دیں، جیسا کہ اس نے چاہا تھا، لیکن حضرت علیؑ نے ان کو روکا، آپ نے چاہا کہ امن و امان رہے اور بلا اتمام حجت جنگ نہ چھڑ جائے، پھر آپ کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ اللہ نے تو نہر اس لئے جاری کی ہے کہ تمام لوگ اس سے سیراب ہوں، اور ہم اپنے حریف کو پیاسا رکھیں،

اس طرح قوم کو موقع ملا کہ چند دن ایک دوسرے سے بے خوف ہو کر ملیں، پانی پر اکٹھا ہوں، ایک دوسرے کیلئے کوشش کریں، فریقین کے درمیان سخت اختلاف اور شدید دشمنی تھی، لیکن جنگ

نہ تھی اس کے بعد حضرت علیؓ نے چاہا کہ آخری بات کر لی جائے تاکہ کوئی عذر نہ رہ جائے چنانچہ سفیر آئے گئے لیکن نہ مفاہمت ہو سکی اور نہ مفاہمت جیسی کوئی بات بن سکی جب حضرت علیؓ مایوس ہو گئے تو اپنے آدمیوں کے ہاتھوں میں جھنڈے دے دیئے اور ایک ایک دستے نکلنے لگے حضرت علیؓ کی فوج کا ایک دستہ نکلتا اس کے مقابلے کے لئے معاویہؓ کی فوج کا ایک دستہ آنا اور دن بھر یا دوپہر تک معرکہ آرائی رہتی پھر دونوں رک جاتے، حضرت علیؓ ایک عام جنگ نہیں چاہتے تھے اس خیال سے کہ شاید حریص راہ پر آجائے خدا کے کلمہ کی طرف رخ کرے اور مسلمانوں کے امن و امان کا خواہاں بن جائے،

بات اسی طرح دس دن یا کم و بیش ذی الحجہ کے آخر تک چلتی رہی اس کے بعد محرم کا ہینہ آگیا جو حرمت کا ہینہ ہے تیس دن امن و امان سے گزرے لوگ ایک دوسرے سے مطمئن رہے اس اثنا میں سفیر مسلسل آئے گئے، لیکن پورا ہینہ گزار دینے کے بعد بھی صلح کی کوئی صورت نکل نہ سکی اب تو فریقین کو یقین ہو گیا کہ تضادم کے سوا چارہ نہیں،



جنگ

حرم گذر جانے کے بعد جنگ بدستور جاری رہی ایک ٹکڑی کے لئے دوسری ٹکڑی نکلتی، اور ایک قبیلہ کے لئے دوسرا قبیلہ اور بعض اوقات تو ایک آدمی کے مقابلہ میں دوسرا آدمی نکلتا، اور یہ لڑائی صرف تلوار کی لڑائی نہ تھی، بلکہ اس میں زبان بھی چلتی تھی اور افسروں میں تو خط و کتابت کی جنگ بھی جاری تھی، روایتوں میں ہے کہ عمر بن العاص نے معاویہ کے کہنے سے ابن عباس کو لکھا کہ وہ لوگوں کو جنگ سے روکنے میں ان کا ہاتھ بٹائیں، تاکہ عوام امن و عافیت سے رہیں اور لڑائی کی ہلاکتوں سے بچیں، ابن عباس نے اس کا ہنایت سخت اور مایوس کن جواب دیا،

شام کو جب لڑائی بند ہوتی تو عربوں کی عادت کے مطابق قصہ گوئی شروع ہوتی، اشعار پڑھے جاتے جدید اور قدیم عہد کے کارنامے دہرائے جاتے اپنی یا سریف کی سرفروشی اور ثابت قدمی کا تذکرہ کیا جاتا اسی طرح ماہ صفر کے ابتدائی دن گزر گئے اور فریقین میں سے کوئی بھی اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قوم اس تھوڑی تھوڑی اور رہ رہ کر شروع ہونے والی لڑائی سے اکتا گئی، اور حضرت علیؑ بھی اس طوالت سے اکتا گئے، جو کسی کے لئے مفید نہ تھی بلکہ اس سے فتنہ کی رسی دراز ہو رہی تھی اور برائی کی آگ پھیلتی جاتی تھی لوگوں کے دلوں میں دشمنی اور کینے کے جذبات بڑھتے جا رہے تھے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے دن ایک ایسی لڑائی میں فنا ہو رہے تھے جو نہ سمجھ سکتی ہے نہ لگ سکتی ہے اور اتحاد و اتفاق کی امیدیں غیر معلوم مدت کے لئے ٹلتی جا رہی ہیں، پس آپ نے ایک عام حملے کی تیاری کر دی، یہ دیکھ کر معاویہ نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ دونوں لشکر دن بھر لڑتے رہے، اور رات کا بھی ایک حصہ لڑائی میں گزارا، اور کسی کو کامیابی نہیں ہوئی، دوسرے دن دن بھر تہمت شدید متبادل رہا، اور فریقین بری طرح لڑتے رہے، جس میں حضرت علیؑ کے میمنہ میں ابتری اور تقریباً شکست کے آثار پیدا ہو گئے اور قلب سے متصل فوج کمزور ہو گئی، حضرت علیؑ میسرہ کی طرف متوجہ ہوئے، پورے پر مشتمل تھا، رجبہ کے لوگوں نے اپنے آپ کو جاں نثاری کے لئے پیش کر دیا، ان میں سے ایک نے کہا: رجبہ

کے لوگو! اگر ہماری موجودگی میں امیر المومنین پر کوئی مصیبت آئی تو اوج کے بعد سے عربوں میں تم اپنا کوئی عذر پیش نہیں کر سکو گے، چنانچہ یہ جس نے موت کا عہد و پیمان کیا، اس کے بعد اشرار اور اس کے ساتھیوں کی وجہ سے میمنہ مضبوط ہو گیا، اور حضرت علیؓ کا لشکر دو پہر سے پہلے کی طرح منظم ہو گیا، اب رات آگئی لیکن کچھ لوگ برابر لڑتے رہے اور باز نہیں آئے یہاں تک کہ تیسرے دن کی صبح نمودار ہوئی اور معاویہؓ کی فوج میں اتتری اور کمزوری پیدا ہو گئی اور ان کے آدمی فسطاط کے قریب پسپا ہو گئے، خود معاویہ بھاگنے کی فکر کرنے لگے تھے کہ ان کو ابن اظنابہ کے یہ اشعار یاد آگئے۔

داخذ الحمد بالثمن الربيع

گراں قدر معاوضہ، ناگوار یوں اور تینوں پر نفس کو آمادہ

دخرونی هامنة البطل المشيح

بھرا ہوا دیکھ کر میرا کہنا، فکر نہ کر تیرے لئے عزت

مکانك تحمدى اذ تستريح

روایات کی مدانت اور سچی عزت کی حمایت کروں

داحمى بعد عن عرض صحيح

ان اشعار نے ان میں صبر و استقلال کا حوصلہ پیدا کر دیا، امن کے دہوں میں معاویہؓ اس واقعہ

کا تذکرہ کیا کرتے تھے، دن پڑھ گیا اور قوم جنگ میں مصروف تھی، نہ آرام کرتی اور نہ آرام کرنے دیتی

حضرت علیؓ کے ساتھی اپنی فتح کا یقین کر چکے تھے، اتنے میں شامیوں کی طرف سے نیزوں پر قرآن مجید بھانپے

گئے، اور ان کے منادی نے آواز دی کہ خدا کی کتاب اول سے آخر تک ہمارے درمیان ہے، عرب، اسلام

اور سرحدیں، اہم مسائل ہیں، خدا کے لئے ان کو سامنے رکھو، اگر شامی ہلاک ہو گئے تو شام کی سرحدوں

کا کیا ہوگا، اور عراق کی سرحدوں کی نگرانی کون کرے گا اگر عراقی فنا ہو گئے،

حضرت علیؓ کے آدمیوں نے نیزوں پر بلند قرآن مجید دیکھے اللہ کے حکم کی طرف بلانے والی دعوت

اور امن و بقا کی پکار سنی سنتے ہی ان کی اکثریت نے اس کا خیر مقدم کیا، چنانچہ ہاتھ رک گئے دلوں میں

تردد پیدا ہوا، پھر امن و صلح کا تصور آیا، پھر اس کی طرف رغبت ہوئی اور غیر معمولی خواہش حرکت کرنے لگی

فوجی افسروں نے تیزی کے ساتھ حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ قوم جو کچھ پیش کر رہی ہے اسے مان لیں

حضرت علیؓ اٹکار کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ یہ قوم قرآن والی نہیں ہے، اس نے قرآن اس لئے نہیں اٹھایا کہ جو کچھ اس میں ہے اس کی طرف رجوع کرتی ہے، یہ تو ایک پھال ہے جس میں ہم کو پھنسانا چاہتے ہیں، اور پھر قرآن مجید اٹھانا ان کی کوئی جدت نہیں ہے، ان کو معلوم ہے کہ بصرہ میں جنگ سے پہلے قرآن مجید اٹھایا گیا تھا، تو یہ اسکی تقلید میں لڑائی ہو جانے کے بعد مقابلے سے گھرا کر اپنی شکست کا یقین کر لینے پر کرتے ہیں، حضرت علیؓ کی ان فہمائشوں کے بعد بھی آپ کے ساتھی اصرار کرتے رہے کہ درخواست منظور کرنی جائے، پھر اصرار میں اتنی شدت کہ اگر ان کی بات نہ مانی گئی، تو ساتھ چھوڑ دینے کی دھمکی بھی دیدی اور بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ آپ کو معاویہ کے حوالے کر دیں گے،

ایک جماعت حضرت علیؓ کی ہم خیال تھی، اور شامیوں کی چال میں نہیں آئی، اس نے کہا ہم نے تو کتاب اللہ کے مطابق ہی جنگ کی ہے اور ہمکو ذرا بھی شک نہیں کہ ہم حق پر نہیں، اور یہ کہ ہمارے ساتھی امیر المؤمنین ہیں، اور مقابلہ کرنے والے باغی ہیں، اگر تم کو اس میں ذرا بھی شک ہو تا تو ہم لڑائی نہ کرتے اور اپنا اور دشمنوں کا خون نہ بہاتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے آدمیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، ایک جماعت لڑائی سے رک جانا چاہتی تھی، اور دوسری چاہتی تھی کہ لڑائی جاری رہے پھر جب فوج کے افسروں میں اس قسم کا اختلاف پیدا ہو جائے، تو خود فوج سے کامیابی کی توقع نہیں کی جاسکتی، اس وجہ سے حضرت علیؓ لڑائی روکنے پر مجبور ہو گئے، اکثر کو بڑی بڑی کوششوں سے روکا گیا، اس کے بعد حضرت علیؓ قریب ہوئے اور قاصدوں کے ذریعے پوچھا کہ قرآن مجید اٹھانے کی غرض کیا ہے، معاویہ نے جواب دیا کہ میری خواہش ہے کہ ہم دونوں اپنی طرف سے ایک ایک آدمی منتخب کریں اور ان کو حکم دیں کہ ہمارے اختلافات کا کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کریں، قاصد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور معاویہ کے جواب سے مطلع کیا، اکثریت تو اس سے خوش ہوئی، لیکن اقلیت ناراض، حضرت علیؓ نے مجبوراً اکثریت کا ساتھ دیا،

فریقین کی حالت

صفین کے معرکے میں فریقین میں بری طرح لڑے، مسلمانوں کی باہمی لڑائی میں اس کی کوئی مثال نہیں، اس جنگ میں فریقین کی فوجوں کی تعداد کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کرنا بہت دشوار ہے، ایک جماعت حضرت علی کی فوج ایک لاکھ اور معاویہ کی ستر ہزار بتاتی ہے، دوسری جماعت اس سے کم اندازہ کرتی ہے اسی طرح دونوں طرف کے مقتولوں کا شمار بھی مشکل ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ شامی مقتولوں کی تعداد ۵۰ ہزار تک جا پہنچی تھی اور عراقی ۲۵ ہزار کام آئے،

اس وقت یہ بات اہم نہیں ہے کہ ہم دونوں فوجوں کا بڑی باریکی سے حساب کریں، اہم بات یہ ہے کہ فریقین کی تیاری ہر پہلو سے بھرپور تھی، اور اس تیاری نے دونوں کو مجبور کر دیا کہ اپنی اپنی سرحدوں کو چودشمنوں کے بالمقابل نکلیں کھلی چھوڑ دیں اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ رومیوں کو شام پر حملہ کرنے کا تو صلہ ہو گیا تھا، لیکن معاویہ نے انہیں کچھ دے دلا کر مصالحت کر لی اور ان کو روک دیا مشرق میں عراقی سرحدوں کے مقابلے میں رومی سلطنت کی طرح کوئی طاقتور اور منظم حکومت تو نہ تھی لیکن پھر بھی فارس کے بہت سے شہر مسلمانوں سے کھینچ گئے تھے اور بغاوت کا ارادہ کرنے لگے تھے، اگر حضرت علی کوفہ کی طرف نہ لوٹتے اور ان سرحدوں کا انتظام نہ کر لیتے، بہر حال دو بڑی فوجوں میں طویل اور شدید جنگ ہوتی، جس کی خرابیوں اور ذلت آفرینیوں کو مورخوں اور سوانح نگاروں نے لکھا ہے لازمی طور پر فریقین کے بہت سے لوگ زخمی ہوئے بہت سے قتل کئے گئے، ناں یہ ضرور ہے کہ داستان سرحدوں نے مقتولوں اور زخمیوں کی تعداد بتانے میں مبالغے سے کام لیا ہے،

لیکن اتنی بات قطعی ہے کہ اس لڑائی میں شام اور عراق کے بزرگوں اور بڑوں کی ایک جماعت قتل ہو گئی، ان بزرگوں کا مارا جانا دیکھنے والوں کے لئے دردناک تھا اور سننے والوں کے لئے بھی اور آج بھی تو لوگ تاریخ اور سوانح کی کتابوں میں ان کے واقعات پڑھتے ہیں، ان کے دل درد سے بھر جاتے ہیں، معاویہ کے ساتھیوں میں سے فاروق اعظم کے لڑکے عبید اللہ ابن عمر جو ہرمزان کے قاتل تھے اسی لڑائی میں مارے

گئے اسی طرح معاویہؓ کے اور بہت سے ساتھی مارے گئے جو بڑی شان و شوکت اور غیر معمولی شجاعت اور بہادری کے مالک تھے، حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں عمار بن یاسر جن کا قتل مسلمانوں میں ایک تاریخی روایت بن گیا ہے، اسی لڑائی میں مارے گئے، اسلام میں وہ سب سے پہلے شہید ہونے والے ماں باپ کے بیٹے تھے سب جانتے ہیں کہ ابو جہل نے ان کے ماں باپ کو مصیبتوں میں مبتلا کیا، یہاں تک کہ مار ڈالا رسول اللہ ﷺ نے عمار بن یاسر کو خطاب کر کے فرمایا تھا۔ افسوس ابن سمیہ تجھے باغی جماعت قتل کر دے گی، اور ابھی تم نے پڑھا ہے کہ زبیر کو جب معلوم ہوا کہ عمار حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو وہ ڈر گئے، خنزیرہ بن ثابت انصاری صفین کے محر کے میں حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ تھے، لیکن لڑتے نہ تھے، وہ عمار کی جستجو میں تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ مارے گئے تو انہوں نے کہا کہ اب گمراہی کھل گئی، چنانچہ لڑائی میں شرکت کی اور مارے گئے، خنزیرہ نے دیکھا کہ شامیوں نے عمار کو قتل کیا ہے تو ان کو یقین ہو گیا کہ شامیوں کی جماعت ہی وہ باغی جماعت ہے جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث میں کہا ہے، معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر بھی عمار کے قتل کا بڑا دردناک اور گہرا اثر ہوا، وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے خود عمار سے کہا تھا کہ تجھے باغی جماعت قتل کر دے گی، لیکن وہ چاہتے تھے کہ اس حدیث سے اپنی بے خبری کا اظہار کریں، لیکن جب اسکی کوئی صورت بن نہ پڑی تو تاویل کرنے لگے، چنانچہ معاویہ نے کہا، ان کو ہم نے قتل نہیں کیا، ان کے قاتل تو وہ ہیں جو ان کو یہاں لائے، حالانکہ عمار کو صفین میں لائے وہ کوئی نہیں، حضرت علیؓ نے ان کو جنگ کیلئے یا لڑائی پر نکلنے کے لئے مجبور نہیں کیا، عمار تو بوڑھے تھے۔ نوے سال سے زیادہ ان کی عمر تھی، ان کا جسم ضرور بوڑھا ہو چکا تھا، لیکن ان کا دل، ان کی عقل، اور ان کی بصیرت بڑھاپے کی زد سے محفوظ تھی، چنانچہ وہ بولنے چلنے میں، بحث و مباحثے میں اور چہ و کرنے میں جوان تھے، انہوں نے محرکہ جمل کے بعد حضرت عائشہؓ کو سلام کیا اور کہا۔

کیف را بیت ضربنا یا اعی
ای جان! ہمارا معرکہ کیسا رہا،

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ ”نہ میں تمہاری ماں ہوں نہ تم میرے بیٹے،“ عمار نے ہنس مکھ بن کر کہا، چاہے تبتا تمہارا جی نہ چلے، لیکن مجھے بیٹا اور تمہیں ماں تو رہنا ہے، عمار کا مطلب یہ تھا کہ قرآن نے نبی کریم ﷺ کی ازواج کو امہات المؤمنین کہا ہے، اب عائشہ قرآن کو تو نہیں بدل سکتی تھیں، عمار نے حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں لڑائی پر ابھارنے میں سب سے زیادہ سخت تھے، ایک دن لڑائی میں عمرو بن العاص

کے مقابلے میں تھے اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا،

نحن ضربناکم علی تنزیلہ
والیوم نضربکم علی تادیلہ
ضربا یزیل الہام عن مقیلہ
ویذہل الخلیل عن خلیلہ
ادیرجع الحق الی سبیلہ

ہم نے تم کو اس کے نزول کے موقع پر مارا تھا
اب اس کے مقاصد کے تحت تم کو ماریں گے۔
ایسی مار جو سر کو جدا کر دے گی،
اور دوست کی یاد دوست سے بھلا دے گی
تا آنکہ حق کے لئے راستہ صاف ہو جائے

عمار اس دن عمرو بن لعاص کے جھنڈے کی طرف اشارہ کر کے اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے، خدا کی قسم اس جھنڈے والے سے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تین مرتبہ لڑ چکا ہوں، اور یہ چوتھی بار ہے، اور یہ موقع بھی پہلے سے کچھ اچھا نہیں ہے، عمار ساتھیوں میں جب بھی کچھ اتبری اور انتشار محسوس کرتے تو کہتے، اگر حریف ہم کو مار مار کر ہجر کے نخلستان تک بھی بھگا دے گا، تب بھی ہمکو یہ یقین رہے گا، کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر،

کہا جاتا ہے کہ عمار نے اپنے آخری محرکہ میں جانے سے پہلے پانی مانگا تو ان کے سامنے دودھ پیش کیا گیا، جب آپ نے دیکھا تو تکبیر کہی اور کہا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی ہے کہ دنیا میں تیرا آخری توشہ دودھ کے چند گھونٹ ہوں گے، اس کے بعد پی کر محرکہ میں ٹوٹ پڑے اور ساتھیوں کو آواز دی، کون بنت پھلتا ہے، بنت تلواروں کے نیچے ہے، آج گھاٹ کا دن ہے، کل دوستوں سے ملاقات ہوگی، یعنی محمد اور ان کی جماعت سے، ﷺ

جس دستے کی کمان عمار ابن یاسر کر رہے تھے، اس کا جھنڈا ناشم ابن عتبہ ابن ابی وقاص کے ہاتھ میں تھا، یہ قریش کے بڑے شہسواروں اور بزرگوں میں تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو غیر معمولی اخلاص اور محبت تھی، وہ ایک چشم تھے، عمار کبھی ان کو ایک چشم کہہ کر سمجھتی کے ساتھ لگے بڑھنے کا حکم دیتے اور کسی نرمی سے کہتے، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، میاں آگے بڑھو، ناشم ابن عتبہ عمار کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہتے ابو الیقظان ذرا ٹھہرو تم تو پھوکتے ہو اور میں رنگتا ہوں شاید میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں اس حالت میں بھی ابن عتبہ لڑتے تھے اور رجز پڑھتے تھے،

سہ کونہ اور بصرہ کے درمیان کا علاقہ

اعور یعنی نفسہ مہلا
قد اکثر القول وما اقل
وعالج الحیاة حتی ملا
لامدان یغل او یغلا
اشلم مہذی الکعب مشلا
بیک چشم اپنی جگہ چاہتا ہے
اس نے کمی نہیں کی بہت کچھ کہا
زندگی سمجھاتے سلجھاتے وہ ٹھک چکا
اب اس کا گونا یا گویا جانا ضروری ہے
میں ان کو گروہ دار نیزوں سے بھگاتا ہوں

اسی طرح حضرت عمارؓ ان کو آگے بڑھاتے رہے اور وہ بڑھتے رہے، یہاں تک کہ دونوں نے جان
وے دی، حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے علما اور صالحین کی ایک بڑی جماعت قتل کر دی گئی، یہ لوگ
بصیرت کی روشنی میں لڑ رہے تھے لوگ ان کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے،
امیر معاویہ کے ساتھیوں میں سے بھی جو لوگ لڑائی میں کام آئے وہ بڑے درجے اور رتبے
کے تھے، شامیوں کی نگاہ میں ان کی اہمیت اور وقعت اتنی ہی تھی جتنی عراقیوں کے دلوں میں حضرت
علیؓ کے کام آنے والے فداکاروں کی دونوں طرف کے لوگوں میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جنہوں نے اس
لڑائی کو دین سمجھا۔ اس کو اللہ کی قربت کا ذریعہ جانا، عراقی خیال کرتے تھے کہ حضرت علیؓ کی کیا بات ہے
نبیؐ کی نگاہ میں ان کا درجہ، اللہ اللہ! جب حضور ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا، کیا میں
ایمان والوں میں سب سے زیادہ بہتر نہیں ہوں اور ان لوگوں نے جواب دیا یقیناً آپ سب سے بہتر ہیں تو اپنے
حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میں جس کا آنا ہوں علیؓ بھی اس کے آنا ہیں اے خدا علیؓ کے دوست کا دوست رہ اور اس کے
دشمن کا دشمن رہ اسی طرح عراقیوں کی نگاہ قرآن کریم کی اس آیت پر تھی البتہ ادلی بالمومنین من انفسہم
اور اس آیت پر بھی اقلات کانت اباکم و ابناکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم
و اموالکم اقتزتموها و تجارتکم تخشون کسادھا و مساکنکم تروصونھا۔ احب الیکم
من اللہ و رسولہ و جہاد فی سبیلہ
فتر بصواحتی یاخی اللہ بلمرہ

واللہ لا یصدی القوم المناسفین نہ

لہ ایمان والوں کو اپنی جان سے زیادہ لگاؤ نبیؐ سے ہے

لہ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا گنہ اور وہ مال جو تم نے کیا ہے

اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو اگر اللہ سے دقیقہ حاشیہ صفحہ ۶۹ پر

پس حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر حیب وہ دشمن کا مقابلہ کرتے تھے تو ایسا محسوس کرتے تھے کہ اس لڑائی میں گویا خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں ایسی حالت میں ان کا شوق شہادت تھا، ان کا لڑائی کے لئے ٹوٹ پڑنا کوئی حیرت کی بات نہیں حیرت تو اس پر ہوتی کہ وہ رکے رہتے یا پیچھا دکھاتے یا بچکچاتے ،

امیر معاویہ کے ساتھی خیال کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وہ پابند ہیں، جن لوگوں نے ان کو قتل کیا ہے اسلام میں انہوں نے بڑا خطرناک رخنہ پیدا کر دیا، انہوں نے اللہ کے حرام کئے ہوئے خون کو حلال کیا اور خلافت پر دست درازی کی جس کے وہ مجاز نہ تھے ، اور پھر انہوں نے خلیفہ کی بے حرمتی کی ،

امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے عام شامیوں کے دل و دماغ میں یہ بات اتار دی تھی کہ حضرت علیؓ دراصل اللہ کے ایک زبردست قانون قفاس کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اپنا بچہ بہت سے شامی معاویہ کے لئے نہیں بلکہ دین کی حرمت کے لئے لڑے ، ان کو غصہ تھا کہ دین کی حدیں جاری نہیں کی جا رہی ہیں ، دین سے متعلق جو الجھاؤ ہو گیا ہے اور لوگوں کی روش میں دینی حیثیت سے جو خرابی پیدا ہو گئی ہے حضرت علیؓ اس کو سیدھا اور درست نہیں کرتے ، پھر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر دوسرے معاملات بھی پیش نظر رکھے جائیں جو دین سے وابستہ نہیں ، بلکہ ان کا تعلق اس عربی عصبیت سے ہے جس کی آگ حضرت عمرؓ نے کچھ دن کے لئے بجھا دی تھی ، اور جو روم اور فارس کے دشمنوں سے مقابلے کے دوران میں دبی رہی ، لیکن فتنے کی ہوا چلتے ہی بھڑک اٹھی اور اپنی پہلی حالت پر آگئی ، اس نے بہت سے عربوں کو ان کے پرانے دنوں کی یاد دلا دی انہوں نے چاہا کہ ان کا قدیم ان کے جدید جیسا ہو جائے ، چنانچہ فخر عزور اور خود بینی کی تین باتوں سے روکا گیا تھا ان کی طرف پل پڑے ، اسی طرح وہ معاملات جن کا تعلق دنیا کی طلب اور دنیاوی جاہ و جلال کی حرص سے ہے ، اب اس بات کو اگر ان دینی جذبات سے جوڑ دیا جائے جو قوم کو سخت جنگ کی طرف ڈھکیل رہے تھے تو اس تو فٹاک اور رسوا کن جنگ کی کوئی بات تم کو بری معلوم نہ ہو گی ،

ایک جماعت پر دین غالب آیا ، اس نے دین کی حمایت میں سپے ایمان والوں کی طرح جنگ کی روٹی

اور اس کے سوا ات اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

جماعت پران کی دنیا غالب آئی اور اس نے دنیا جمع کرنے کے لئے سرلیفیوں اور پردہ لگاموں کی طرح مقابلہ کیا، اس مقابلے کے دوران میں سرحد بالکل یا تقریباً خالی ہو گئی اور مسلمانوں کے دشمنوں نے، وہ حوصلہ کیا جو وہ نہیں کر سکتے تھے،

حضرت علیؓ کے سانحہ

میرا خیال ہے کہ قرآن مجید نیزوں پر اٹھانے کی چال تنہا عمر بن العاص کی ساختہ پر داغ نہ تھی، اس لئے نہیں کہ وہ حضرت علیؓ کے ایک عمل کی نقل تھی، بلکہ اس کا ایک اور سبب ہے، جو آگے چل کر آپ کو معلوم ہو گا، یہ بات پیش نظر ہے کہ بصرہ کی جنگ کے موقع پر قرآن مجید بلند کرنے کی کارروائی حضرت علیؓ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے کی تھی، مطلب یہ تھا کہ مقابل کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور یہ بھی پیش نظر ہے کہ طلحہ زبیرؓ، اور عائشہؓ کا نبی کریم ﷺ کے نزدیک جو درجہ ہے اس کا تقاضا تھا کہ حضرت علیؓ احتیاط اور تدبیر سے کام لیتے، ان کو قرآن مجید اور اس کے احکام کی یاد دلاتے، اور اپنی دعوت کے جواب سے جب تک مایوس نہ ہو جاتے لڑائی کا آغاز نہ کرتے، چنانچہ جب بصرہ والوں نے اس قرآن اٹھانے والے نوجوان کو تیروں کا نشانہ بنا لیا تب حضرت علیؓ نے کہا اب کوئی چارہ کار نہیں،

پس شام کے لوگ اگر واقعی فتنہ اور لڑائی سے بچنا چاہتے تھے تو یہ کام ان کو لڑائی شروع کرنے سے پہلے کرنا چاہئے تھا، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، حالانکہ بار بار ان کو قرآن اور احکام قرآن کی یاد دلائی گئی، اور انہوں نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا، کتنے مرتبہ انہوں نے حضرت علیؓ کے سفیروں کو خالی ہاتھ واپس کر دیا، نہ صلح کی نہ صلح جیسی کوئی بات پیش کی، پھر لڑائی پر ہفتوں گزر جانے کے بعد بلکہ محرم کا ایک پورا مہینہ امن سے گزار لینے کے بعد اب قرآن مجید نیزوں پر بلند کرنا مکاری کے سوا کیا معنی رکھتا ہے، یہ تو فتنے سے بچنا نہیں شکست سے گریز کرنا ہے،

اندازہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں بھی بعض افسر مخلص اور آپ کے سچے خیر خواہ نہ تھے، اس لئے کہ وہ دیندار نہیں دیندار تھے، وہ دل ہی دل میں ان عیش بھرے دنوں کی حسرت رکھتے تھے، جو حضرت عثمان کی خلافت کے دور میں انعام و عطیات پاتے رہنے کی فضا میں گزارے تھے، اس قسم کے افسروں

میں سے میں صرف اشعث بن قیس کندی کا تذکرہ کروں گا جو عہد نبوت میں مسلمان ہوا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا، اور اپنے قبیلے کو ابھار کر جنگ کی معیت میں مبتلا کر دیا، پھر قبیلے کے لوگوں کو حوالے کر کے خود توبہ کر لی، اور بڑی عجلت کے ساتھ مدینہ آیا، اور حضرت ابو بکرؓ سے نہ صرف اپنا خون بچانے میں کامیاب ہو گیا، بلکہ آپ کی بہن ام فروہ سے شادی بھی کر لی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے دور میں گنہگار کے گوشے میں رہا، اور عہد عثمانی میں باہر آیا، حضرت عثمان نے اس کو فارس کے بعض مقامات کا والی بنا دیا، پھر جب حضرت علیؓ نے شام پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو اس کو اس کے منصب سے معزول کر دیا، کہا جاتا ہے کہ آپ نے اس سے مسلمانوں کے کچھ مال کا مطالبہ کیا بعد میں اپنے ساتھ رکھا اور اس کے اصلاح کی کوشش کی، پھر جب قرآن اٹھائے گئے اور تالش کی تجویز پیش ہوئی تو یہی اشعث بن قیس تھا جس نے حضرت علیؓ کو بڑی شدت کیساتھ مجبور کیا کہ تجویز منظور کر لیں ہمیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ شام پر اس حملے میں حضرت علیؓ کے ساتھ صرف کوفہ اور حجاز کے لوگ نہ تھے، بلکہ بصرہ کے بھی ہزاروں آدمی تھے، کچھ تو معرکہ حمل کے وفادار تھے، کچھ وہ لوگ تھے، جنہوں نے اس کا کنارہ کشی اختیار کی تھی، اور بہت سے وہ لوگ تھے جو طلحہ اور زبیر کے قتل کے بعد شکست کھا گئے تھے، اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ سب عثمانی تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ سچائی اور رضامندی سے نہیں، بادل ناخواستہ تھے، ان کے دلوں میں حضرت علیؓ کی طرف سے کدورت تھی، اس لئے کہ آپ نے ان کے لوگوں کو قتل کیا تھا، اور ان کو شکست کھانے پر مجبور کیا تھا،

پس حضرت علیؓ کے سب آدمی مخلص نہ تھے، کچھ مخلص تھے کچھ مطلقاً، ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ طرفین کے آدمی محرم کے دنوں میں پوری آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے تھے، اب ہم مزید کہتے ہیں کہ ایک دن جب مقتولوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تو حضرت علیؓ نے ان کی تجہیز و تکفین کے لئے دینی مصالحت کا مطالبہ کیا جو منظور کر لیا گیا،

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شامی اور عراقی مختلف مواقع پر ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے، اور ان کے لئے اس میں کوئی دشواری نہ تھی کہ باہم سرگوشیاں اور آزادانہ تبادلہ خیالات کریں، ایسی حالت میں یہ میں بعد نہیں سمجھتا کہ عراق کے چالاک سردار اشعث بن قیس کی ملاقات شام کے کھلاڑی عمرو بن العاصؓ سے ہوئی ہو اور دونوں نے مل جل کر یہ تدبیر نکالی ہو کہ لڑائی جاری رکھیں، اگر شامی غالب آجائیں تو ٹھیک

ہم سچے اور اگر خطرہ ہو اور اپنی شکست دیکھ رہے ہوں تو قرآن مجید بلند کریں اور حضرت علیؑ کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا کر کے آپس میں ایک دوسرے کو خالصت کر دیں، اگر ایسا ہوا ہو تو کہنا چاہئے کہ ان کی تدبیر کارگر ہوئی اور اشعث اور اس کے ماتحتوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کا کہا یا نہیں اور بڑائی روکیں میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ سازش یہیں آکر نہیں ارکی بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک میدان میں اس نے قدم بڑھائے یہ خطرناک میدان دو ثالثوں کا انتخاب تھا، اس لئے کہ اشعث اور اس کے ہمینی آدمیوں کا کسی وجہ سے سخت اصرار تھا کہ ابو موسیٰ اشعریٰ کو حکم چنا جائے، حضرت علیؑ کو اس بات کی آزادی نہیں دی گئی، کہ اپنے بھروسے کا آدمی ثالث بنا سکیں، حالانکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ ابو موسیٰ نے لوگوں کو کوفہ میں حضرت علیؑ کی امداد سے باز رکھا تھا، اور اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے ان کو معزول کر دیا تھا، حضرت علیؑ کو ثالثی کے فیصلے پر مجبور کیا گیا، پھر ایک ثالث کے انتخاب پر مجبور کیا گیا یہ تمام باتیں اتفاقیہ ظہور پذیر نہیں ہوئیں بلکہ مکرو چال سے ہوئیں اور اس کے اندر حضرت علیؑ اور امیر معاویہ دونوں کے دنیا دار ساتھیوں کا ہاتھ تھا،



ایسا کہ بہر حق مخالفانہ : ابونکیر و عمر کا علیؑ

فریقین کے حکم

بہر حال فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ دو حکم مقرر کئے جائیں، امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن
 اور حضرت علی کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری، حضرت علی کے ساتھیوں نے یہ بات نہیں مانی کہا بن عباس کو
 حضرت علی اپنی طرف سے حکم بنائیں اسلئے کہ وہ آپ کے بہت قریبی رشتہ دار ہیں، اور یہ بھی نہیں مانا کہ شتر
 حکم ہوں، اسلئے کہ ان میں جنگ اور جنگ میں فتح حاصل کرنے کی اسپرٹ بہت زیادہ تھی، اسنف ابن قیس
 چلتے تھے کہ وہ اس معاملے میں حضرت علی کی نمائندگی کریں یا کم از کم ابو موسیٰ کے ساتھی رہیں، لیکن حضرت علی
 کی مجبوری کا یہ عالم تھا کہ ان کے ساتھیوں نے اس کی بھی اجازت نہیں دی اور اصرار کیا کہ نمائندگی تو صرف
 ان کے پرانے حاکم ابو موسیٰ اشعری ہی کریں گے، جنہوں نے ان کے لئے فتنہ پستہ نہیں کیا نہ لڑائی میں کسی کی
 طرف سے حصہ لیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آیا کہ عمرو بن العاص نے تو جنگ میں حصہ لیا ہے اور اپنی زبان
 سے تلوار سے اور دماغ سے جنگی خدمت انجام دی ہے، خیال تو ان کو ضرور آیا ہو گا، لیکن ان لوگوں نے
 اس بات کی طرف توجہ نہیں کی

فریقین کی جانب سے گفت و شنید کرنے والے اکٹھا ہوئے اور ایک تحریر میں اس بات پر اتفاق
 کیا کہ طرفین لڑائی بند اور ثالثی منظور کرتے ہیں، دو حکم فیصلے کی جگہ اور وقت مقرر کرتے ہیں اور یہ کہ دونوں
 حکم جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے ان کی جان و مال بہر حال محفوظ رہے گی نیز معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والوں
 کے خلاف پوری قوم متحد ہوگی،

ان نکات کی بڑی باریک بینی کے ساتھ مد بندی کی گئی، لیکن ایک بات بالکل چھوڑ دی گئی، اور
 نزدیک و دور کہیں سے اس کو بحث میں نہیں لایا گیا، یعنی جھگڑے کا موضوع جس کا فیصلہ دونوں حکم کو
 کرنا ہے، پہلے اس تحریر کو پڑھئے جو بلاذری کی روایت کے مطابق یہ ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ وہ قرارداد ہے جس پر حضرت علی اور معاویہ نے اپنے عراقی اور شامی حامیوں کے ساتھ اتفاق

کیا ہمیں اللہ کا حکم تسلیم ہے، ہمارے اختلافات کے لئے اللہ کی کتاب از اول تا آخر ہمارے درمیان ہے، اللہ کی کتاب نے جس کو زندگی بخشی ہم اس زندہ رکھیں گے جس کو اس نے مردہ کیا ہم بھی اسکو فناہ کے گھاٹ اتار دیں گے، دونوں حکم اللہ کی کتاب میں جو کچھ پائیں گے اس کی اتباع کریں گے، اور اگر اپنے اختلاف کے بارے میں کتاب اللہ میں کوئی راستہ نہ پاسکیں گے تو پھوٹ سے بچنے والا اوصاف کا راستہ اختیار کریں گے، عبد اللہ بن قیس اور عمرو بن العاص حکم ہوں گے، ہم نے ان دونوں سے عہد و پیمان لیا ہے کہ اللہ کی کتاب کے صاف اور صریح حکم کے مطابق فیصلہ کریں گے اگر کوئی مقررہ حکم نہیں ملا تو پھوٹ نہ ڈالنے والی متفقہ راہ اختیار کریں گے، دونوں حکم حضرت علیؓ اور معاویہؓ سے دونوں کی فوجوں اور افسروں سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ جو کچھ بھی وہ فیصلہ کریں اسے قبول کرنا ہوگا، یہ حکم بھی لوگوں سے اپنی جان و مال اور اپنے اہل و عیال کی امان کا قول و قرار کرتے ہیں اور اس کا عہد کہ پوری قوم ان کے فیصلے کی حمایت کرے گی دونوں حکموں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امت میں صلح اور اتفاق کرائیں گے، پھوٹ اور لڑائی نہ ہونے دیں گے فیصلے کی مدت رمضان تک مقرر کی جاتی ہے اگر اس سے پہلے کرنا چاہیں تو انکو اختیار ہے، طرفین کی مرضی کے بغیر اگر حکم فیصلے میں تاخیر کرنا چاہیں تو ان کو اجازت ہے، فیصلے سے قبل اگر کسی حکم کا امتثال ہو جائے تو اس کے امیر اور اس کی جماعت کو حق ہے کہ وہ کوئی دوسرا آدمی اس جگہ مقرر کیے جو عادل اور مخلص ہو، فیصلے کی جگہ کو ذرا، شام اور حجاز کے درمیان کا کوئی مقام ہو، جہاں ثالثوں کی اجازت کے بغیر کوئی نہ جاسکتا ہو، اگر دونوں حکم فیصلے کیلئے کوئی دوسری جگہ چاہیں تو پسند کر سکتے ہیں اور طرفین میں سے جس کو چاہیں گواہی کے لئے جاسکتے ہیں، پھر ان گواہوں کی اس معاہدہ میں یہ گواہی لکھی جائے کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف دوسرے کی مدد کریں گے، اور کہیں گے اسے اللہ ہم اس شخص کے خلاف تیری مدد دیتے ہیں، جو اس معاہدہ کے خلاف زیادتی سے کام لینا چاہے گا،

عراق اور شام کی طرف سے دس دس آدمیوں نے یہ شہادت دی، عراق کی طرف سے

عبداللہ ابن عباسؓ، اشعث ابن قیس اسعد ابن قیس ہمدانی اور قادم ابن سمی، عبداللہ بن طفیل
حجر ابن عدی کنزی، عبداللہ ابن سحج احبہ بکری عقبہ بن زیاد، یزید بن حنیئہ تمیمی، مالک ابن احبہ
نے اور شام کی طرف سے۔ ابوالاعور عمرو بن سقیان سلمی، حبیب بن مسلمہ فہری، مخارق بن
حارث زبیدی، نزل بن عمر وعذری، حمزہ بن مالک ہمدانی، عبدالرحمن بن خالد بن ولید مخزومی
سبیح بن یزید حضرمی، علقمہ بن یزید الحضرمی، عتبہ بن ابی سفیان یزید ابن حرا العبسی
بلاذری کے علاوہ دوسروں نے بھی اس معاہدہ کی روایت کی ہے جس میں لفظوں کا معمولی مہیر
پھیرے اور کچھ جملوں کی تقدیم و تاخیر ہے، لیکن اس میں کوئی اہمیت نہیں، البتہ اہمیت کے قابل جیسا
کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں یہ ہے کہ فریقین نے اختلاف کے اصل موضوع کو جس کا فیصلہ ثالثوں کو کرنا ہے چھوڑ
کر باقی تمام باتوں کی اچھی طرح جد بندی کر دی تھی،

(اترا اختلاف کس بات پر تھا، امیر معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ چاہتے تھے، اور چلتے
تھے کہ حضرت علیؓ خلیفہ کے قاتلوں کو ان کے حوالے کر دیں، حضرت علیؓ عثمانؓ کا کوئی مقرر قاتل نہیں جانتے
تھے، اور تمام باغیوں کو حوالے کر دینا ان کے بس کی بات نہ تھی، پس فریقین ثالثوں کے ذریعے اس مسئلہ
کا فیصلہ چاہتے تھے، پھر یہ کیا بات تھی کہ معاہدے میں انہوں نے اس کی صراحت نہیں کی بلکہ عثمانؓ اور قاتلین
عثمانؓ کا تذکرہ تک نہیں کیا،)

طلحہؓ اور زبیر کے قتل ہو جانے پر اپنی توت مضبوط اور معاملات منظم کرنے کے بعد امیر معاویہؓ اس
خیال کے ہو گئے تھے کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے مشورے سے طے ہونا چاہئے، حضرت علیؓ کا نقطہ نظر
یہ تھا، کہ ان کی بیعت سابق خلفا کی طرح ہو چکی ہے، حریم کے لوگوں نے بیعت کر لی ہے جو ارباب تلح
عقد ہیں، اور بجز شام کے تمام شہروں میں بھی ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بالعموم ما
مسلمانوں کی زبردست اکثریت کا اور تصفیہ صاف الفار و مہاجر کا آپ پر اتفاق ہو چکا تھا، اب امیر
معاویہؓ کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ وہ عام مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہو جائے اور ان
کے شامی ساتھی بھی یہی کہتے، اور اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، تو ان کی حیثیت یک: بی جماعتی ہے،
جس سے مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ جب تک یہ جماعت راہ راست پر نہ آجائے
اور صلح سے انکار کرتی رہے، اس سے جنگ جاری رکھو، پس فریقین کو کیا ہو گیا تھا کہ اپنے معاہدے میں اس کا اظہار

تک نہیں کیا اور خلافت اور شوریٰ کا تو نام بھی نہیں لیا، پھر حیرت تو یہ ہے کہ مورخین کا روایت کردہ یہ معاہدہ فریقین کے لئے اطمینان بخش تھا، کسی نے اس کے مبہم، عام اور غیر واضح ہونے پر اعتراض نہیں کیا حالانکہ وہ مسلمانوں کی اس قضیہ سے متعلق تحریروں میں سب سے زیادہ پیچیدہ، مبہم اور عام ہے اور ضرورت تھی کہ اسکو ہر پہلو سے اسطرح واضح کر دیا جاتا کہ کسی اشتباہ کی گنجائش نہ رہ جاتی،

غالب گمان یہ ہے کہ فریقین میں سے جن لوگوں نے یہ معاہدہ لکھا انہوں نے باریک بینی اور ضبط نکات کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی وہ جنگ سے اکتا چکے تھے اور جلد سے جلد صلح کر لینا چاہتے تھے، امیر معاویہ کے حامیوں کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ جنگ کے باطل پھٹ جائیں اور عراقیوں میں پھوٹ پڑ جائے، اور عام عراقی صرف اس کے خواہاں تھے کہ کسی طرح امن و صلح کا دور آئے اور جس بات کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے اگر وہ بر محل ہے تو چالاکوں اور کھلاڑیوں کی کوشش یہ تھی کہ بات مبہم اور گول رہے ان کے خیال میں یہ بات امیر معاویہ کے حق میں مفید تھی اور حضرت علیؓ کے حق میں مضر اور اسی کے ذریعے وہ دنیا اور دنیا کا اقتدار حاصل کر سکتے تھے،

معاہدے کی تحریر کے بعد جو کچھ ہوا شامیوں میں ہوا اتحاد اور عراقیوں میں جس طرح پھوٹ پڑی وہ سب ہمارے اجمال کی تفصیل ہے، غالباً حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ ان کے ساتھی ان کی کوئی بات نہیں مانے اور ان کا کوئی مشورہ قبول نہیں کرتے تو تنگ آکر ان کیلئے راستہ صاف کر دیا کہ جو چاہیں کریں، گویا زبانِ حال سے آپؓ نے فرمایا کہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے،

امر تھم امری بمنعرج اللوی

میں نے منعرج اللوی میں اپنی بات بنا دی تھی

فلما عصونی کنت منہم دقلاری

جب انھوں نے میری نافرمانی کی تو میں بھی انھیں کی

وہل انا الامن غذیتہ ان عوت

راہ پر تھا اور میں تو غریب میں سے ہوں وہ گمراہ تو ہیں

ہم دیکھتے ہیں کہ اشعث ابن قیس جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو خوشی میں پھولا نہیں سماتا

فلم یستینوا الوشد الاضنی العد

لیکن یا عدل کو ہوش دن چڑھے آیا،

عوایتہم وانہی غیر ہستدی

راے کا ہو گیا میں ان کی گمراہی دیکھ رہا تھا لیکن غلام

عنوت وان ترشد عزیتہ ارشد

بھی گمراہ اگر وہ راہ پر میں بھی راہ پر رہا

سے ولید بن صخرہ عہد جاہلیت کا مشہور شاعر ہے بڑا جبری اور بہادر اسکی شاعری اور شجاعت دونوں کا ہر جلد میں غام چرچا تھا، بقیہ

اتنے پر اکتفا نہیں کرتا کہ نوش ہوئے، بلکہ وہ تحریر لے کر فوج میں جاتا ہے اور فوجیوں کو سنا ہے، سنا تے سنا تے جب نور نھک جاتا ہے، تو دوسروں کو حکم دیتا ہے کہ اس کو پڑھ کر سناؤ، فوجی اس تحریر کو سنتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ لڑائی سے نجات ملی ایک بڑی جماعت اس سے ناراض بھی ہوتی ہے اس لئے کہ اس کی نظر میں یہ ثالثی اور تحریر دین کے خلاف اور قرآنی احکام کے مخالف تھی، اس جماعت کے بعض لوگ کہتے تھے کہ کیا تم اللہ کے دین میں اشخاص کو حکم بناتے ہو، اور بعضوں نے صرف ایک جملہ کہا لا حکم الا للہ اور یہی جملہ آگے چل کر خارجیوں کا نعرہ بنا، اور بعض تو غصے میں آپے سے باہر ہو گئے اور زبان کی جگہ تلوار سے کام لینے لگے، کہا جاتا ہے کہ ثالثی کے ایک مخالف نے اپنی جماعت کا ساتھ چھوڑ کر تلوار سرج لی اور لا حکم الا للہ کا نعرہ لگاتے ہوئے شامیوں میں گھس پڑا اور لڑنے لگا بالآخر مارا گیا۔

اور یہ تو واقعہ ہے کہ تاریخی خارجی مرد اس ابولبال کے بھائی عروہ بن ادیہ نے جب اسکو تحریر پڑھ کر سنا لی، تو وہ اشعث کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، اور چاہتا تھا کہ اس کو قتل کر دے لیکن اشعث کی سواری بھڑک اٹھی اور عروہ کی تلوار کا دار سواری کے پچھلے حصہ پر پڑا اور قریب تھا کہ اشعث کے ہم قبیلہ منسیوں میں اور عروہ کی قوم نمیبیوں میں بات بڑھ جاتی لیکن تمیم کے بڑے بڑے لوگ دوڑ پڑے اور معذرت چاہی، جس پر اشعث راضی ہو گیا،

مناسب نہ ہوگا کہ ہم صفین سے حضرت علیؓ کی فوج واپس ہونے دیں اور ان لوگوں کا نقطہ نظر پیش نہ کریں جنہوں نے ثالثی کو اور اس تحریر کو برا سمجھا اور جو بعد میں اسلامی تاریخ میں بڑی شان کے رفیقہ (ص ۳۸۷) اس نے اسلام کا زمانہ پایا، لیکن وہ مسلمان نہ ہو سکا مغزوہ جین کے موقع پر اس کو تبرک کے طور پر شریکین اپنے ساتھ لے گئے تھے اور یہی دن اس کی زندگی کا آخری دن ثابت ہوا،

ایک دن درید قبیلہ بنی عطفان پر حملہ آور ہوا اور اونٹوں سمیت مال غنیمت لے کر روانہ ہوا راستہ میں اس کے بھائی نے مقام مندرجہ مللوی میں بیٹھ کر ان کا تقسیم شروع کر دی درید نے اس کو روکا کہ یہاں بیٹھنا مناسب نہیں بنی عطفان تاک میں ہیں ان سے خطرہ ہے لیکن بھائی نے اس کی بات نہیں مانی، نتیجہ یہ ہوا، کہ بنی عس کے لوگ موقع پر آگئے اور اس کے بھائی کو قتل کر دیا، درید نے بھائی کو بچانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا بلکہ زخمی ہو کر زمین پر اس طرح گرا کہ بولین نے عروہ سمجھ کر چوڑیا درید اس حادثہ پر بہت رنجیدہ ہوا اور جب اس کی بیوی ام عبد نے اس کو طعنہ دیا اور اس کے بھائی کے حق میں بڑے بڑے الفاظ منہ سے نکلے تو اس نے اس کو طلاق دیدی درید نے اپنے بھائی کے غم میں جو مرثیہ کہا، اسی میں کچھ یہ چند اشعار ہیں،

مالک بنے

ان کا نقطہ نظر بالکل صاف اور ان کی دلیل بڑی زور دار ہے جسے خود قرآن مجید نے اس وقت سے پیش کیا ہے کہ کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا،

وان طائفتان من المؤمنین
اقتتلوا فاصحوا بينهما فان بخت
احداهما على الاخرى فقاتلوا
التي تبغى حتى تنفي الی امر الله فان
فلوت فاصحوا بينهما بالعدل
واقسطوا ان الله يحب المتقسطین
انما المؤمنون اخوة فاصحوا
بين اخویکم والتقوا الله لعلکم
ترحمون۔

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس
میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح
کر دو، پھر اگر ان میں کا ایک
گروہ دوسرے پر زیادتی کرنے تو
اس گروہ سے لڑو چیز زیادتی کرتا ہو یہاں
تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو
جائے تو ان دونوں میں عدل کے ساتھ اعلیح
کر دو، اور انصاف کا خیال رکھو بلاشبہ
اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے

مسلمان نوسب بھائی ہیں اور اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دو تاکہ تم پر رحمت
کی جائے

حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی اور یہی مسلمانوں کی اکثریت تھی خیال کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ اور
ان کے ساتھیوں نے بغاوت کی، حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ اور ان کے حامی شاہیوں کے پاس اپنے سفیر
بھیجے انھوں نے سفیروں کو واپس کر دیا اور کہہ دیا کہ ہمارے ان کے درمیان تلوار ہے اور صرف تلوار اس
کے بعد امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھی پانی پر تھپے پہنچے اور چاہا کہ خود ہی سیراب ہوں اور ان کے ساتھیوں
کو پیاسا رکھیں اس پر دونوں میں لڑائی ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کا پانی پر قبضہ ہو گیا، لیکن حضرت
علیؑ نے امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو اجازت دی کہ سیراب ہوں یہ ہیں مسلمانوں کی دو جماعتیں
جو آپس میں لڑیں،

اس کے بعد حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ کے پاس اپنے سفیر بھیجے جنہوں نے اطاعت کی دعوت پیش
کی اور مسلمانوں میں نفاق و شقاق کا باعث بننے سے ان کو روکنا چاہا لیکن سفر کامیاب نہ ہو سکے چنانچہ

کچھ دنوں تک لڑتے رہے اس کے بعد محرم کا مہینہ خیریت سے گزرا پھر حضرت علیؑ اور ان کے ساتھیوں نے صلح کی کوشش کی لیکن شامیوں نے اسے منظور نہیں کیا اس کے بعد صفر کے مہینے میں جنگ شروع ہوئی، مذکورہ بالا آیت کے مطابق ضروری تھا کہ جنگ جاری رکھی جائے تا آنکہ امیر معاویہؓ اور شامی اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں اور اس کے بعد ان سے جنگ روک دی جاتے، پھر حریف بھائی بھائی بن جائیں اور دو بھائیوں میں صلح و صفائی ہو جائے،

حضرت علیؑ کی فوج باغی جماعت پر غالب آ رہی تھی اور اس کو اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کرنے میں کامیابی ہو رہی تھی، کہ اتنے میں قرآن مجید بلند کئے گئے، اور جنگ روک دی گئی اور قوم ایک ایسے فیصلے میں الجھ گئی جو بالکل مبہم اور غیر واضح تھا، پس جن لوگوں نے لاحکمہ الاہل اللہ کہا ان کا کوئی تصور نہیں اللہ کا حکم یہ ہے کہ لڑائی امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ ٹیک دینے تک جاری رہتی، اور اس سے بڑھ کر دین اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت علیؑ خود امام نے قرآن مجید اٹھانے کے فریب میں آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ معاویہؓ اور ان کے درباری قرآن اور دین کے آدمی نہیں ہیں یہ تو تلواریں سے بچنے کی ایک چال ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خود خلیفہ کی بھی یہی رائے تھی کہ حکم اللہ کے لئے ہے، اور اللہ کے حکم کا راستہ لڑائی جاری رکھنا تھا تا آنکہ شامی تسلیم نہ کر لیں، لیکن اکثریت نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور حضرت علیؑ کو ان کی طبیعت کے حالات مجبور کیا، اس کے نتیجے میں یہ ثالثی کا فیصلہ سامنے آیا،

بلاشبہ اب تک ثالثی تسلیم نہ کرنے والوں نے کوئی غلطی نہیں کی انہوں نے قرآن مجید کا حکم مانا اور امام کی رائے کی بھی پابندی کی، کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا امام سے سخت اصرار تھا کہ جنگ ہر طور جاری رکھی جائے تاکہ اللہ کا حکم نافذ ہو لیکن حضرت علیؑ نے دیکھا کہ یہ لوگ بہت تھوڑے ہیں اور یہ کہ ان کا مشورہ قبول کرنے کی صورت میں وہ ان کو ایک طرف شامی دشمنوں اور دوسری طرف عراقی ساتھیوں کے درمیان محصور کر دیتے ہیں اور اس طرح ان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈال دیں گے اس لئے ان کا مشورہ قبول نہیں کیا اور ان کو ٹھنڈا کیا پھر تسلی دی اور مشورہ دیا کہ وہ راستہ اختیار کریں جس میں ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لئے امن و عافیت ہو،

یہاں پہنچ کر ثالثی کے مخالفین قلعی کرتے ہیں، امام سے مشورہ کرنے تک صحیح راہ پر تھے امام نے ان کی خیر خواہی کرتے ہوئے ان کو جلد بازی سے روکا اور اعتدال پسندی کا حکم دیا، پھر وہ حضرت علیؑ سے زیادہ

قرآن سمجھنے والے نہ تھے اور نہ سنت اور مصلحت کے ان سے زیادہ محافظ اور عالم تھے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ امام کو اتنی آزادی دیتے کہ وہ رعایا کے لئے احکام جاری کرے، ایک طرف ساتھیوں کی بہت بڑی اکثریت صلح اور ثالثی کا مطالبہ کر رہی ہے، دوسری طرف ساتھ کے تھوڑے سے لوگ جنگ چاہتے ہیں، اور ثالثی کی تجویز کو مسترد کر دینے پر مصر ہیں، دونوں کے دونوں اپنے سرآمدوں کے سر ہوجاتے ہیں اور اپنی بات کی پیروی کرتے ہیں، ایسی حالت میں امام کے لئے اس کے سوا کیا چارہ کار کہ یا تو وہ اکثریت کا ساتھ دے، صلح اور ثالثی منظور کر کے ایک ایسی مصالحت کی امید کرے جس سے پراگندگی کا خاتمہ ہوگا، خونریزی بند ہوگی یا پھر اقلیت کا ساتھ دے اور جنگ کر کے ہلاکت آفریں یا اس سے ہم آغوش ہو جائے، حضرت علیؓ نے اکثریت کا ساتھ دینا پسند کیا، اب اقلیت کا فرض تھا کہ وہ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے امام کا انتظار کرتی، اگر اطمینان بخش صلح ہو جاتی تو ٹھیک تھا اور اگر ایسی صورت نہ نکلتی تو سب کے سب جنگ میں شریک ہو جاتے،

لیکن اقلیت اور اکثریت دونوں اپنی ضد پراڑی رہی حضرت علیؓ نے بادلِ نخواستہ اکثریت کا ساتھ دیا، ثالثی کی قرارداد بکھنے پر دو دن کی مدت گزری تھی جس میں قوم نے اپنے مقتولوں کو سپردِ خاک کیا اس کے بعد حضرت علیؓ کے منہا ہی نے اپنی جماعت کو صفین سے کوچ کرنے کا اعلان کیا اور لوگ بری طرح کو فہرہ واپس ہوئے، نکلے تھے تو باہم کتنی محبت تھی کیسا اتحاد اور کیسی یکجا نگیں تھی اور لوٹے ہیں تو کتنی گہری دشمنی، کیسی نفرت اور کتنا بڑا اختلاف لے کر ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں، کوڑوں سے مارتے ہیں، اقلیت، اکثریت سے کہتی ہے کہ تم نے دین کی مخالفت کی، قرآن کے حکم سے منہ موڑ لیا، اللہ کی جگہ اشخاص کو اس معاملہ میں حکم بنایا جس میں خدا کے سوا کوئی حق نہیں رکھتا، اکثریت جواب میں کہتی تم نے امام کی مخالفت کی، جماعت میں نفاق اور انتشار پیدا کیا، جماعت کو طبعی راہ چلانا چاہا، پھر جس طرح کونے سے نکلے تھے، سب کے سب واپس نہیں آتے بلکہ کچھ لوگ حرورہ جا کر منہم ہو گئے جو فیصلے کا مقام تھا ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ بتانے والے اندازے میں ۱۲۰۰ ہزار تھی اور کم سے کم کا اندازہ کرنے والے چھ ہزار بتاتے ہیں، حرورہ میں قیام کرنے کی وجہ سے وہ اسی طرف منسوب ہو گئے، پھر ان کے منادی نے اعلان کیا کہ لوگو! جنگ کے افسر شیبث بن ربیعؓ ہیں، ناز کے امام عبداللہ بن کواہلشکری اور اللہ عزوجل کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بیعت ہے

اس دن سے اسلام میں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جس کا اسلام کی تاریخ پر بہت گہرا اثر پڑا، حضرت علیؓ کو قبیلہ و اہل ہونے تو اس کا نقشہ اسی طرح بدلا ہوا پایا جس طرح بصرہ سے واپسی پر پایا تھا اپنے آنے اور بلنے پر پہلے لوگوں کو خوش دیکھا تھا، اور نہ اب ان کو شادیاں پایا، بصرہ سے جب آئے تھے تو لوگوں کو خستہ احسرت زدہ اور رونا ہوا دیکھا تھا، صحیفین سے واپسی پر بھی وہی عالم پایا، بلکہ پہلے سے بھی زیادہ خراب حالت نظر آئی اس لئے کہ بصرہ میں قتل ہونے والوں کی تعداد سے صحیفین میں قتل ہونے والوں کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی،



صفین کے سبائی

حیرت کی بات ہے کہ مورخین نے عہد عثمانی کے فتنوں کے بیان میں ابن سوداء عبداللہ ابن سبا کا احساس کے ساتھ تصبیوں کا بہت کچھ تذکرہ کیا ہے اسی طرح حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد مدینے سے حضرت علیؓ کے نکلنے کے موقع پر، پھر اس وقت جب حضرت علیؓ نے طلحہ زبیر رضی اللہ عنہما اور ام المومنین کے پاس مصالحت کے لئے اپنے سفیر بھیجے مورخوں نے بار بار ابن سبا کا اور اس کے ساتھیوں کا تذکرہ کیا ہے، ان مورخوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کی جماعت کے خلاف یکایک جنگ چھیڑ دینے کی سازش ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے کی، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ انھیں سبائیوں نے بصرہ کے نزدیک جب فریقین اکٹھا ہوئے تھے، دفعۃً جنگ کا آغاز کر کے مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا لیکن تعجب ہے کہ صفین کے معرکے کی روایت میں مورخین سبائیوں کو بالکل بھول جاتے ہیں اور ان کا کوئی ذکر نہیں کرتے چنانچہ حضرت علیؓ کے ساتھ شام کے لئے ابن سوداء انہیں نکلتا، حالانکہ اس کے ساتھی حضرت علیؓ کے ساتھ نکلے ہیں، لیکن یہ سبائی حضرت علیؓ کے بڑے خواہ تھے اور بڑے وفادار اور فرماں بردار بھی، انھوں نے نہ کوئی سازش کی اور نہ فریقین میں لڑانے کی کوشش بلکہ پوری طرح مطیع اور مخلص بنے رہے، پھر جب قرآن مجید اٹھائے گئے تو ان میں سے بعض ان لوگوں کے ساتھ جن کو ثالثی کی قرارداد سے اختلاف تھا، نکل گئے جیسے فرقوں ابن زبیر، اور بعض حضرت علیؓ کی اطاعت پر قائم رہے اگرچہ ان کو قرارداد سے اختلاف تھا اور وہ ثالثی کو برا سمجھتے تھے جیسے اشتر،

صفین کے معرکے میں سبائیوں کے تذکرے سے مورخین کی پہلو تھی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سبائیوں اور ان کے سردار ابن سوداء کا افسانہ تصنیع اور من گھڑت ہے اور یہ آخری دنوں میں جب شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقوں میں معرکہ آرائی ہوئی تراشا گیا ہے، مخالفین شیعہ کا مقصد تھا کہ اس مذہب کے اصول میں یہودی عنصر داخل کر دیں تاکہ چال گہری ہو جائے اور اپنی غرض میں کامیاب ہوں، اگر ابن سوداء کی بات کسی صحیح تاریخ یا حقیقت کی بنیاد پر ہوتی تو طبعی طور پر

اس کی چال بازی کے کچھ نشانات صفین کی اس چھپی ہوئی جنگ میں نظر آنے خصوصاً اس وقت جب ثالثی کے مسئلہ پر حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں اختلاف ہو رہا تھا اور اس نئے فرقے کی پیدائش کے موقع پر تو اس کے اثرات لازمی طور پر ظاہر ہونے جو مصالحت سے متنفر تھا اور جو صلح کی رغبت یا شرکت کرنے والوں کو کافر کہتا تھا

لیکن ہم خارجیوں سے متعلق ابن سبا کا کوئی ذکر تاریخ میں نہیں پڑھتے، پس مورخین کی اس خاموشی کی کیا وجہ بیان کی جاسکتی ہے، اور کیا تو جیہہ کی جاسکتی ہے کہ ابن سبا حرکت صفین سے کس طرح غائب رہا اور لاکھم اللہ کا تکرار لگانے والی پارٹی کی تشکیلات میں حاضر نہ ہو سکا،

میرے نزدیک تو دونوں کا سبب ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ ابن سودا ایک وہی یہود سے اور اگر وہ کوئی تھا تو بالکل معمولی اور ناقابل ذکر، نہ ایسی شخصیت جس کی تصویر مورخین نے عہد عثمانی میں کھینچی ہے اور جس کی سرگرمیوں کا نقشہ حضرت علیؓ کے ابتدائی دور خلافت میں پیش کیا ہے ابن سبا کو تو مخالفین شیعہ نے صرف شیعوں کے لئے تراشا ہے، خارجیوں کے لئے نہیں، اس لئے کہ خارجی جماعت میں سے نہ تھے، اور نہ ان کو خلافت اور حکمرانی کی خواہش تھی، وہ تو ایک ایسا گروہ تھا جو ہر خلافت کی بغاوت اور ہر بادشاہ کی مخالفت میں ٹوٹ پڑتا تھا، اور جہاں تک ہو سکتا خلفاء اور بادشاہوں سے برسر پیکار رہتا،

پھر یہ کہ بنی امیہ کے خاتمے تک خارجیوں کی کوئی مستقل اور مسلسل خطرناک تنظیم باقی نہ تھی، بلکہ بنی عباس کا زمانہ تک ان کی قوت کمزور اور ان کی تیزی ختم ہو چکی اور ان کا مذہب صرف منکملین کے مباحث میں باقی رہ گیا، پھر بھی اس کے اثرات نے عملی زندگی میں اپنی خاص جگہ بنالی تھی جس کا تذکرہ ہم اس کتاب کے تیسرے حصے میں کریں گے،

پس خوارج کی جماعت نہ تھی، جس کے مقابلے کے لئے کسی سخت جنگ اور جدوجہد کی ضرورت پڑتی جس کی وجہ سے لوگ اس سے ناراض ہو جاتے یا جس کی بدولت اس میں متغی اور پرہیزگاروں کی کمی ہو جاتی جیسا کہ شیعہ جماعت کا معاملہ ہے وہ اب تک بادشاہوں اور خلفاء سے مسلمانوں کی سیاست سے متعلق برسر پیکار ہیں،

بلاذری جیسا کہ ہم کتاب کے پہلے حصے میں بتا چکے ہیں حضرت عثمانؓ کے بارے میں ابن سبا کا

کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس طرح وہ حضرت علیؑ کے سلسلے میں خاموش ہے بجز ایک مرتبہ کے جب ابن سبہ
 ایک معمولی بات کے لئے حضرت علیؑ کے پاس دوسروں کے ساتھ آیا اور حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں سوال
 کیا، حضرت علیؑ نے بڑی سختی سے سرزنش کرتے ہوئے اس کو جواب دیا کہ تم لوگوں کو اس کے سوا کوئی
 کام نہیں؟ اور یہاں حالت یہ ہے کہ مصر اٹھوں سے نکل چکا اور وہاں کے حامی قتل کئے گئے،
 حضرت علیؑ نے ایک یادداشت لکھی جس میں بتایا کہ عراقیوں کی بے وفائی کے بعد حالات کا
 انجام کیا ہوا؟ اور حکم دیا کہ یہ تحریر عوام کو پڑھ کر سنائی جائے کہ اس سے مستفید ہوں،

بلاذری لکھتا ہے کہ اس یادداشت کا ایک نسخہ ابن سبہ کے پاس تھا جس نے اس پر ذیروزیر لگایا
 تھا، لیکن یہ ابن سبہ ابن سودا نہیں ہے بلکہ وہ عبداللہ بن وہب ہمدانی ہے،
 بلاذری ان سارے واقعات کی روایت میں امکانی احتیاط اور صداقت پیش نظر رکھتا ہے وہ
 بسا اوقات لکھتا ہے اور آخر میں اپنے شک کا اظہار کرتا ہے کہ شاید وہ عراقیوں کی اختراع ہو،
 واقعہ یہ ہے کہ عباسیوں کی حکومت کے مضبوط ہو جانے کے بعد اہل جماعت اور شیعوں کی باہمی
 خصومت میں مقابلہ پروپیگنڈہ اور تحریک چلانے کا رنگ پیدا ہو گیا، جس میں بڑی عیاری اور
 اختراع سے کام لیا گیا ہے پس منصف مورخ کا فرض ہے کہ وہ ابتدائی عہد کے ان فتوں کا بیان کرتے
 وقت انتہائی احتیاط پیش نظر رکھے ظاہر ہے کہ شامیوں کے لئے عراقیوں کے حق میں دروغ بیانی
 بالکل آسان ہے، اسی طرح عراقیوں کے لئے شامیوں کے حق میں غلط بیانی کوئی مشکل بات نہیں،
 اور پھر ایسی حالت میں جب کہ واقعات پر ایک سرسبز دراز گذر چکا ہو اور حالات کی تحقیق و شواہد
 ہو چکی ہوں

اور جن لوگوں نے اپنے لئے نبیؐ اور صحابہؓ کے متعلق حدیثیں وضع کرنا مباح کر لیا ہے ان
 کو اس میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ عراقیوں اور شامیوں کے بارے میں اپنی طرف سے اصناف کریں؟ جس
 زمانہ کے حالات کا نقشہ ہم پیش کرنا چاہتے ہیں اس کا مورخ و دو باتوں کی وجہ سے بڑے سخت امتحان
 میں ہے،

پہلی بات ان قصہ گو یوں کا ادب ہے جو بصرہ اور کوفہ میں اس نکتے کے دام میں کہا کرتے تھے،
 یہ لوگ اپنی طبیعت کے مطابق خیال آرائی کرتے، اور عرب کے مختلف قبائل سے تعصب برتتے تھے اور

غالباً وہ ان سے کچھ وصول بھی کیا کرتے تھے، کہ ان کا ذکر اہمیت کے ساتھ کریں اور ان سے ایسے ایسے کارنامے وابستہ کر دیں جو ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں پھر ان کارناموں کے ساتھ اشعار کی بھی روایت کرتے جائیں چاہے وہ اشعار صحیح ہوں یا غلط طور پر منسوب کر دیئے گئے ہوں یہی وجہ تھی کہ صحیفین اور جبل کے میدان میں سمی شاعر بن گئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ایسے واقعات بیان کئے گئے جن کو عقل تسلیم نہیں کرتی، چنانچہ اس نوجوان کا واقعہ جس کو حضرت علیؓ نے یوم جمل میں بصرہ والوں کے لئے قرآن اٹھانے کا حکم دیا تھا جو اپنے وابستے ہاتھ میں قرآن لیتا ہے اور جب وہ کٹ جاتا ہے تو بائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر جب وہ بھی کٹ جاتا ہے تو دائیں ہاتھ سے یا موٹڑھوں سے قرآن اٹھا لیتا ہے حتیٰ کہ قتل کر دیا جاتا ہے، ایک دوسرے آدمی کا واقعہ جو پچھاڑ کھا کر گرنا ہے اور اسے ہلک زخم آنا ہے وہ نزع کی حالت میں ہے اور شعر پڑھتا ہے جس میں کسی کی تعریف اور کسی کی مذمت ہوتی ہے یہ اور اسی قسم کے اور بہت سے واقعات اور اشعار جن میں تصنع بالکل نمایاں ہے،

دوسری بات متکلمین اور اہل جمل کے مباحث ہیں اور وہ ذخیرہ جس میں احادیث اور روایات پیش کر کے ان کے مسلک اور خیال کی تائید کی گئی ہے یہ بات اس لئے اور بھی مشکل اور پیچیدہ ہے کہ اس کا تعلق دین سے ہے فرقوں کے باہمی جدال اور اختلاف کو قدمانے کبھی دنیوی حیثیت نہیں دی بلکہ انہوں نے اس کو دین کا اصولی مسئلہ تصور کیا یا اصول سے متفرع ہونے والی کوئی بات، ایسی حالت میں مناظرہ کرنے والوں کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنے حریف کو کافر، فاسق، زندق اور ملحد کہہ دیں اور احادیث و سیر میں سے جو کچھ خود صحیح خیال کرتے ہوں اس کے پیش نظر، نیز ایجاد تہرہ کے طور پر جیسا چاہیں خطاب دے دیں،

بہر حال بلاذری عثمانی اور علوی دور میں ابن سبائے متعلق کوئی فتنے کی بات نہیں لکھتا طبری اپنے راویوں سے لیکر اور بعد کے مورخین خود طبری سے لیکر ابن سبائے کا اور اس کے ساتھیوں کا تذکرہ ہمد عثمانی میں اور حضرت علیؓ کی خلافت کے پہلے سال میں فتنے کے سلسلے میں کرتے ہیں، اس کے بعد وہ اس کو بھول جاتے ہیں، محدثین و متکلمین طبری اور اس کے راویوں کے ہم خیال ہیں لیکن طبری اور اس کے راویوں سے محدثین اور متکلمین کو جو بات الگ کر دیتی ہے وہ ان کا یہ خیال ہے کہ ابن سودا اور اس کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ میں الوہیت تسلیم کر لی تھی اور یہ کہ حضرت علیؓ نے ان کو آگ سے

جلادیا، یہ بات اگر آپ کسی تاریخی کتاب میں تلاش کریں گے تو نہ پاسکیں گے، ہم نہیں جانتے کہ حضرت علیؓ کی مختصر مدت خلافت کے کس سال میں ان غلو کرنے والوں کا فتنہ ہوا، اسلام کے ابتدائی عہد میں تو کسی جماعت کو آگ سے جلا دینے کا واقعہ اور وہ بھی صحابہؓ اور متقی مسلمانوں کی موجودگی میں کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس کا مورخین کوئی تذکرہ نہ کریں نہ اس کا وقت بتائیں اور نہ اس پر توجہ دیں، مورخوں نے جو لکھا ہے وہ وہی ہے جو بلا ذری نے مختصراً بتایا ہے کہ کوفہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے، حضرت علیؓ نے ان کو قتل کر دیا، مرتد ہو جانے والوں کے لئے اسلام کا کھلا ہوا حکم ہے کہ ان سے توبہ کرائی جائے اگر کر لیں تو ان کا خون محفوظ ہے، اور اگر نہ کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے پس اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس میں تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علیؓ نے کچھ لوگوں کو ان کے مرتد ہونے پر اور توبہ نہ کرنے پر قتل کر دیا ہوا

بہرچند کہ بلا ذری نے ان میں سے کسی کا نام نہیں لکھا اور نہ اس حادثے کا کوئی وقت معین بلکہ بلا و منت اور نام کے واقعہ لکھ دیا ہے جس پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا، اب ہمیں ابن سودا اور سبائیوں کو جن کا وجود صرف وہی رہا ہو خواہ معمولی چھوڑ کر حضرت علیؓ کے پاس آنا چاہیے جو کوفہ میں مقیم ہیں، اور حزر اور چلنا چاہیے، یہاں تالوش کا فیصلہ ہونے والا ہے،



کسر خاری

حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھی اس ٹولی سے مطمئن نہ تھے جو جماعت کا ساتھ چھوڑ کر حورار چلی گئی اور یہ ٹولی بھی بجائے خود اپنے مستقبل سے مطمئن نہ تھی اور اس کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ اس نے جنگ کا افسر شہنشاہ بن ربیعہ تمیمی کو بنایا تھا، جو چند روزوں کے بعد کوفہ واپس چلا آیا، اور جماعت کا ساتھ ہو گیا حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ یہ لوگ راہ پر آجائیں اور خود یہ لوگ بھی پُر امید تھے کہ ان کے اور قوم کے درمیان جو ایک مشکل حائل ہو گئی ہے اس کا کوئی نہ کوئی حل نکلے گا،

چنانچہ وہ حضرت علیؓ کے پاس وفد بنا کر اپنے آدمی بھیجتے تھے جو آپ سے گفت و شنید کرتے بحث و مناظرہ کرتے اور دعوت دیتے کہ شامی دشمنوں کے ساتھ از سر نو جنگ جاری کر دیں حضرت علیؓ جواب میں فرماتے ہیں نے لڑائی سے گریز نہیں کیا بلکہ تمہیں لوگ اس سے بیزار ہو گئے اور گھبرائے اور یہ کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس سلسلہ میں ایک معاہدہ طے پا چکا ہے ایسی حالت میں ہمیں عہد کا پاس رکھنا ضروری ہے، وفد کے لوگ حضرت علیؓ کی باتیں سن کر اپنی جماعتوں میں جاتے اور ان کو سناتے لیکن اس کے بعد قوم اور زیادہ اصرار کے ساتھ قطع تعلق اور دشمنی پر زور دیتی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان کے پاس عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا جن سے ان لوگوں کا وہ مناظرہ ہوا جو مشکلمین میں زیادہ مشہور ہے، عبداللہ بن عباسؓ نے دریافت کیا، امیر المؤمنین کی کیا بات آپ لوگوں کو ناگوار ہے انہوں نے جواب دیا — دو آدمیوں کا حکم تسلیم کر لینا، ابن عباسؓ نے جواب میں کہا اللہ نے خود شکار کرنے والوں کے سلسلے میں حالت احرام میں حکم بنانے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

یا ایہا الذین آمنوا لا

تقتلوا الصيد وانتم

حرم من قتلہ منکم

یا ایہا الذین آمنوا لا

تقتلوا الصيد وانتم

حرم من قتلہ منکم

اس جانور کے مساوی پاداش دینی ہوگی، اور اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں، اب یہ پاداش خواہ چوپالیوں میں سے ہو، بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ مساکین کو کفارہ دیا جائے اور خواہ روزہ رکھ لیا جائے تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکے اللہ تعالیٰ

متعمداً فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ہدیاً بالغ الکعبۃ او کفارة طعام مساکین او عدل ذلک صیاماً لیزوق وبال امرہ عما للہ عما سلف ومن عاد فیتقم اللہ منہ واللہ عزیز ذو انتقام

نے گذشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں،

اسی طرح زوجین میں جدائی کے خطرے پر دو حکم بنانے کی ہدایت کی ہے اور فرمایا ہے۔

وان خفتم شقاق بینہما فالجثا حکما من اہلہ وحکما من اہلہا ان یریدا اصلاحاً یوثق اللہ بینہما ان اللہ کان علیما خبیرا

اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق کروا دیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے

پس اللہ تعالیٰ نے خود چھوٹے چھوٹے معاملات میں لوگوں کو حکم بنایا ہے تو پھر بڑے معاملات کی کیا بات ہے جن کا تعلق خون کی حفاظت یا قوم کے اجتماعی مسائل سے ہے،

خارجیوں کی طرف سے اس کا جواب بالکل مسکت تھا، انھوں نے کہا اللہ نے جن

احکام میں فیصلہ کروا ہے اس میں تو مخالفت کی گنجائش نہیں البتہ جس معاملہ میں اللہ نے غور و فکر کی

اجازت دی ہے اس میں لوگوں کے لئے جائز ہے کہ سوچیں اور اجتہاد کریں، مثلاً زانی سارق اور خون

کرنے والے کے متعلق اللہ کا حکم مقرر ہے اب خلیفہ کو کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ کے اس فیصلے کی

مخالفت کرے یا اس میں کوئی تبدیلی کر دے، امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اللہ کا

حکم باغی جماعت والی آیت میں صاف ہے پس حضرت علیؓ کو کوئی حق نہ تھا کہ اس میں کوئی تبدیلی کرتے ان کا فرعون ہی تھا کہ وہ باغیوں سے بدستور جنگ جاری رکھتے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے اپنا سر جھکا دیتے ابن عباسؓ کے ایک ساتھی صعصعہ ابن صوحان آگے بڑھے ان کو وعظ و نصیحت کی اور فتنے سے ڈرایا، تو کہا جاتا ہے کہ ان میں تقریباً دو ہزار آدمی ابن عباسؓ کے ساتھ کو فہ چلے آئے اکتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو روانہ کرنے وقت کہا تھا کہ جب تک میں نہ آ جاؤں قوم سے بحث و مباحثہ نہ کرنا لیکن ابن عباسؓ نے جلد بازی سے کام لیا، اور مناظرہ شروع کر دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ پہنچے دیکھا کہ ابن عباسؓ مغلوب ہو رہے ہیں چنانچہ آپ آگے بڑھے اور بحث کر کے قوم کی صحیح رہنمائی کی، میں بھی یہی ٹھیک سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے ابتداء میں ابن عباسؓ کو ایک جماعت کے ساتھ بھیجنا کافی خیال کیا لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ان سے مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے تو آپ نے خارجیوں کو مطلع کیا کہ وہ اپنے بارہ آدمیوں کو مناظرے کے لئے تماندرے مقرر کریں میں بھی اتنے ہی آدمی لیکر آتا ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ نکلے اور یزید ابن مالک ارجبی کی کٹیا تک پہنچے جن کی خارجی بہت عزت کرتے تھے اور وہاں کا چکر لگایا کرتے تھے، حضرت علیؓ نے کٹیا میں دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد آگے بڑھے اور بحث میں حصہ لیا، لوگوں سے ان کی دلیل سنی جو بالکل واضح تھی جیسا کہ ہم بار بار پیش کر چکے ہیں، حضرت علیؓ نے جواب میں وہی کہا جو اکثر کہا کرتے تھے کہ انھوں نے خود جنگ سے گریز نہیں کیا اور نہ جنگ بند کرنے کی تحریک کی بلکہ آپ کے ساتھی جنگ سے بیزار ہوئے اور انھوں نے لڑائی بند کرنے پر مجبور کیا، اسی طرح حکم قبول کرنے پر بھی انھوں نے ہی مجبور کیا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں نے حضرت علیؓ کی بات مان لی کہ ساتھیوں کے مجبور کرنے سے آپ نے لڑائی ترک کر دی لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ حکم قبول کرنے پر کس طرح ساتھیوں نے مجبور کیا، وہ اکیلے تو لڑ نہیں سکتے تھے، اور اپنے ساتھیوں کی اقلیت کو ساتھ لیکر بھی جنگ نہیں کر سکتے تھے جبکہ اکثریت نے ساتھ چھوڑ دیا ہو، لیکن حضرت علیؓ ایسا تو کر سکتے تھے، معلوم نہیں کس طرح، کہ حکم والی تجویز سے انکار کر دیتے اس پر ان کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا، اس بات کا جواب دیتے ہوئے حضرت علیؓ نے کہا— میں نے یہ مناسب خیال نہیں کیا کہ میرا اس طرز عمل کیوجہ لوگ اللہ کے اس قول میں تامل کریں

اے محمد! کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں

الفر توالی للذین ادنوا نصیباً من

دیکھے جن کو کتاب و تورات،

الکتاب بیدعون الی کتاب اللہ

لیس حکم بینہم شریعتی
 کا ایک کالی حصہ دیا گیا، اور اسی کتاب کی
 فریق منہم و ہر محرمون
 طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ
 وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے پھر بھی ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہیں،
 اسی طرح شکار والی آیت میں اور زوجین میں جدائی والی آیت میں لوگوں کو تادیل کی ضرورت
 پڑے، تب خارجیوں نے کہا کہ قرار داد میں آپ کو امیر المؤمنین کیوں نہیں لکھا گیا کیا آپ کو اپنی خلافت
 میں کچھ شک ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے صحیفے سے
 لفظ رسول اللہ ﷺ دیا تھا، حالانکہ آپ کو نہ اپنی رسالت میں شک تھا نہ نبوت میں
 پھر حضرت علیؓ نے خلیفین کی طرف توجہ کی اور کہا دونوں سے اس بات کا عہد لیا گیا ہے کہ
 اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں گے اب انہوں نے اپنے عہد کی پابندی کی تو بلا شک وہ فیصلہ
 ہے، لیکن اگر انہوں نے کتاب اللہ کے خلاف کیا تو ان کا فیصلہ فیصلہ نہیں ہے، اس وقت شامیوں
 سے جنگ کے سوا چارہ کار نہیں، حضرت علیؓ کے ان دلائل سے قوم بہت زیادہ متاثر ہوئی اور اس
 نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ان سے بہت قریب آگئے ہیں حضرت علیؓ نے بھی محسوس کیا کہ بات بڑی حد تک
 نزدیک ہو چکی ہے اور زیادہ نزدیکی کے خیال سے آپ نے فرمایا، اپنے شہر چلے چلو، اللہ تم پر رحم کرے
 اس کے بعد سب کے سب آپ کے ساتھ کوفہ چلے آئے، واپس تو چلے آئے لیکن ان کے اور حضرت علیؓ
 کے درمیان کہنا چاہئے کہ کچھ غلط فہمی باقی رہ گئی، حضرت علیؓ نے سمجھا کہ میں نے ان کو حکم قبول
 کرنے اور حکم کے فیصلے کا انتظار کرنے کے بارے میں مطمئن کر دیا ہے، ان لوگوں نے سمجھا کہ اب
 حضرت علیؓ ان سے بہت قریب آگئے ہیں اور یہ وقفہ فوج کے لئے استراحت کا وقفہ ہے جس میں
 سواریوں کو تازہ دم اور ہتھیار ٹھیک کر لینا ہے اور اس کے بعد دشمن پر ٹوٹ پڑنا،
 کوفہ میں وہ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے، اور لوگوں میں اس کا عام چرچا ہوا، اور غالباً کوفہ
 میں مقیم شامی جاسوسوں کے ذریعے یہ باتیں شام تک پہنچ گئیں اس لئے کہ امیر معاویہؓ کا قاصد حضرت علیؓ
 کے پاس آیا کہ عہد و پیمانہ پر وفاداری کے ساتھ قائم رہیں، ایسا نہ ہو کہ بکر اور تمیم کے دیہاتی آپ کا رخ
 پھیر دیں، حضرت علیؓ نے غلط بیان خارجیوں کی تردید کی اور بتایا کہ وہ شامی کی تجویز پر قلم نہیں،
 اس کے بعد ابو موسیٰؓ کو فیصلے کے مقام پر اپنے چار سوسا فیسوں کے ساتھ بھیجا شرح ابن ابی

کو ان کا امیر بتایا، ابن عباسؓ کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کیا، اس کے بعد خارجیوں سے آپ کے تعذبات میں خرابی پیدا ہو گئی یہاں تک کہ وہ خطبے کے دوران میں ہر طرف سے لاجحکم الا ینلہ کہہ کر ٹوکتے تھے، حضرت یمنؓ فرماتے

كلمة حق اريد بها

الباطل - یعنی حق بات باطل مقصد کے لئے استعمال کی جا رہی ہے،

بعض خارجیوں نے خطبے کے دوران میں یہ آیت پڑھ کر ٹوکا،

لئن اشركت ليعطين عملك ولتكونن من الخاسرين ، لہ

حضرت علیؓ نے جواب میں دوسری آیت پڑھی

فا صبرنا وعد الله حق ولا يستخفناك الذين لا يوقنون لہ

اس کے بعد بات بگڑتی ہی گئی یہاں تک کہ وہ بالکل الگ ہو گئے، اور غیظ و غضب میں بند کر آپ کو اور معاویہؓ کو بھی کافر کہہ دیا اور آپ کے پاس سے نکل کر رٹنے والے حریف بن گئے، حضرت علیؓ نے فرمایا اگر وہ خاموش رہیں گے تو ہم ان سے درگزر کریں گے، اگر گفتگو کریں گے تو ان سے بحث کریں گے اور اگر فساد کریں گے تو ان سے مقابلہ کریں گے تھوڑے ہی دنوں بعد انہوں نے فساد کیا اور پھر جنگ ہوئی،

۱۰ اگر تو شکر کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب حصارہ میں پڑے گا،

۱۱ پس آپ مہر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے برداشت

نہ کرنے پائیں،

مثالثوں کا اجتماع

دونوں حکم دو مہینے الجندل یا اذرح میں یا پہلے دو مہینے الجندل میں پھر اذرح میں جمع ہوئے
مقام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے پھر حال اکٹھا ہوئے، جہاں حضرت علیؑ کے چار بیٹے ساتھ تھے جن میں عبد اللہ
ابن عباس بھی تھے حاضر ہوئے، امیر معاویہ کے ساتھیوں میں سے بھی چار سو آئے بعض مورخوں کا خیال
ہے کہ امیر معاویہ اپنے ساتھیوں میں موجود تھے یا ان سے بہت قریب تھے،

فیصلہ کرنے والے مثالثوں نے ان حضرات کی ایک جماعت کو مدعو کیا تھا، جو شروع سے فتنے کی باتوں
سے کنارہ کش تھے، جس میں عبداللہ بن عمر تھے، اور ان لوگوں کی ایک جماعت کو بھی مدعو کیا تھا، جو
آخری دنوں میں فتنے سے دور رہے اور صفین کے معرکہ میں حاضر نہیں ہوئے، جیسے عبداللہ بن زبیر انہوں
نے سعد بن ابی وقاصؓ کو بھی دعوت دی تھی، لیکن انہوں نے اپنے ایک بیٹے کے بجد اصرار کے باوجود
منظور نہیں کی اسی طرح سعید بن عمروؓ بن فیصل کو مدعو کیا گیا تھا، لیکن وہ بھی شرکت پر راضی نہیں

ابن مثالثوں نے اپنا کام شروع کیا، ان دونوں کی باہمی گفتگو لوگوں کے روبرو نہیں ہوتی تھی،
بلکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو خلوت میں لیجاتا اور بات چیت کرتا، حیرت ہے کہ مثالث کافی قیام
پذیر رہے، اور ان کی باہمی گفت و شنید کا سلسلہ بھی غیر معمولی بڑھا، لیکن مورخین اپنی روایتوں میں
بہت مختصر کئی کئی باتیں کہتے ہیں، اور وہ بھی بڑے اختلاف کے ساتھ جس میں جگہ جگہ تضاد ہے،

اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قرار داد جو مثالثوں کو فیصلے کا مجاز بناتی ہے بالکل ظہم
اور پیچیدہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مثالث یہ احساس رکھتے تھے کہ انہیں لوگوں کے نقطہ ہائے نظر پر
بحث کرنی ہے، اور اس کے بعد ایک ایسا عادلانہ فیصلہ کرنا ہے، جو کتاب اللہ کے احکام کے مناسب اور
سنتِ جامعہ سے میل کھاتا ہو، چنانچہ دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ عثمانؓ ظلماً قتل کئے گئے اور یہ کہ معاویہ
ان کے خون کے ولی ہیں اور اس کا حق رکھتے ہیں کہ قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کریں، لیکن معاویہ کو یہ
مطالبہ کس سے کرنا چاہیے؟ کیا حضرت علیؑ سے، حالانکہ معاویہ کا حضرت علیؑ پر یہ الزام ہے کہ وہ عثمانؓ

کے خلاف لوگوں کو جمع کرتے تھے اور بھڑکاتے تھے تو کیا معاویہ خود ہی قصاص لے لیں پھر تو جنگ ہوگی، اور آپ کو روکنے کیلئے مسلمانوں نے تخکیم یعنی ثالثی کی صورت نکالی ہے، اسلئے یہ ضروری ہے کہ ایک امام چنا جائے جسکو عام لوگوں کی رضامندی حاصل ہو اور معاویہ اس سے مطالبہ کر سکیں کہ اللہ کا یہ حکم جاری کرے

دَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّتِهِ

سُلْطَانًا فَلَا يُسْرَفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ

جو شخص مظلوم قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو

امتیاز دیا ہے پس اس کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرے

منصوباً۔

مورخین کہتے ہیں کہ عمرو بن عاص کی تجویز تھی کہ یہ امام خود معاویہ ہو، لیکن میں نے بائیں ہاتھ سے مان سکتا عمرو بن عاص یہ تجویز کس طرح پیش کر سکتے تھے جب کہ خود انہیں کا کہنا ہے کہ معاویہ عثمان کے ولی ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ معاویہ خلیفہ ہو کر اللہ کے حکم کے اجر کا مطالبہ خود اپنی ذات سے کریں اور پھر عثمان کے قاتلوں سے قصاص لیکر خود ہی منصف اور خود ہی مدعی بنیں،

کہا جاسکتا ہے کہ اگر عمرو بن عاص کی یہ تجویز منظور ہو جاتی اور معاویہ امام ہو جاتے تو مظلوم خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ حضرت عثمان کے لڑکوں کے حوالے کر دیتے، اور خود ہٹ جاتے، لیکن معاویہ کی طاقت کا سرچشمہ تو یہی مظلوم خلیفہ کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہونا تھا، اگر وہ اس سے الگ ہو جائیں تو پھر لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ وہ امام کیوں بنیں اس وقت نبی کے صحابہ میں جو لوگ زندہ تھے ان میں محلو سب سے برتر نہ تھے، متعدد صحابی تھے، جو فضیلت میں اسلام کی طرف پہل کرنے میں اسلام کے لئے مصیبتیں برداشت کرنے میں اور نبیؐ سے قریب ہونے میں معاویہ سے بہت آگے تھے،

سعد ابن ابی وقاص تھے جو مجلس شوریٰ کے رکن ہونے کے علاوہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، انہیں دس آدمیوں میں سے ایک سعید ابن زید ابن عمرو ابن نفیل بھی تھے، پھر عبد اللہ ابن عمر بھی تھے، بقول ابو موسیٰ کے اچھے باپ کے اچھے بیٹے،

ان وجوہ کی بنا پر میں اسے بہت دور کی بات خیال کرتا ہوں کہ عمرو بن العاص نے معاویہ کو خلافت کے لئے پیش کیا ہو، واقعہ جو کچھ بھی رہا ہو، جن راویوں نے یہ تجویز بیان کی ہے انہیں کی روایت یہ بھی ہے کہ ابو موسیٰ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا، اور حضرت علیؓ کو معاویہ پر فضیلت دی کہ وہ سابق الاسلام ہیں، اسلام کیلئے قربانیاں دی ہیں، پھر نبیؐ کی نگاہ میں ان کا ایک درجہ ہے،

کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی طرح ابو موسیٰ نے بھی ان کے خلاف ایک تجویز پیش کی اور اچھے بپا کے اچھے میٹے، عبداللہ بن عمرؓ کا تذکرہ کیا اور اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ ان کا خلیفہ بنانا عمرؓ کے ذکر کو زندہ کرنا ہے، لیکن عمرو بن العاصؓ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا، اس لئے کہ عبداللہ اس بو جھکے سببھانے کے اہل نہ تھے، نہ شاندار تھے نہ سخت گیر اور نہ طاقتور، غالباً عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰؓ کو اس کی یاد دہانی ہوگی، مگر خود حضرت عمرؓ نے اپنے لڑکے کو مجلس شوریٰ میں حاضر کیا، مگر وہاں کسی اور بات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی اور یہ کہ ان کے بارے میں، حضرت عمرؓ کی رائے سب جانتے تھے، مشہور تھا کہ ان میں طلاق دیتے رہنے کی علت تھی،

عراقی راویوں نے بڑے غلو سے کام لیا، ان کا خیال ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات کی اور تخلصیہ میں ان سے کہا کہ اگر آپ مصر میرے حوالے کریں تو میں آپ کے لئے خلافت پیش کرتا ہوں تو عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے دین میں یہ پستی گوارا نہ کی، اور رشوت دیکر خلافت لینے سے انکار کر دیا، میرے خیال میں یہ ان عراقیوں کا غلو ہے، جن کو عمرو بن العاصؓ سے دشمنی تھی، اور حقیقت حال یہ ہے کہ دونوں ثالث خلافت کے لئے کسی امیدوار پر متفق نہیں ہو سکے اور اسی لئے ابو موسیٰؓ کی کہنے یا عمرو بن العاصؓ کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ خلافت سے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو محزول کر دیں اور امت کو پوری آزادی دیدیں کہ باہمی مشورے سے وہ جسکو چاہے خلیفہ بن لے، لیکن اس مشورے کا اپنوں نے کوئی دستور العمل یا دستور العمل سے مشابہ کوئی نظام مرتب نہیں کیا اور اس بات کا اندازہ نہیں لگایا کہ بات جب سامنے آئے گی تو امت میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، عراق کے لوگ حضرت علیؓ کی طرف جھکیں گے اور شام کے لوگ معاویہ کی طرف داری کریں گے، اور باقی مسلمان جس کو چاہیں گے اس کی اتباع کریں گے اور ہو سکتا ہے کہ حجاز والے کھڑے ہو جائیں، اور سعد بن ابی وقاصؓ کو یا سعید بن زیدؓ کو یا عبداللہ بن عمرؓ کو یا ان کے علاوہ مہاجر صحابہ میں سے کسی کو پسند کریں، ان باتوں کی طرف دونوں ثالثوں نے کچھ غور نہیں کیا، اور نہ احتیاط برتی بس اس نتیجے پر پہنچے کہ دونوں کو محزول کر دیں اور امت کا اقتدار امت کو واپس کر دیں،

ابوہ خطرناک مشکل درپیش آتی ہے، جس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے، کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا، دونوں ثالث لوگوں کے سامنے آتے ہیں، اور اعلان کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر متفق ہو چکے ہیں

جس میں مسلمانوں کے لئے امن اور چین ہے، اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰ کو آگے کر دیا کہ متفقہ بات کا اعلان کر دیں، کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ ابو موسیٰ کو ان کی عمر اور نبی کی صحبت میں ان کی سبقت کے پیش نظر ہر بات میں مقدم رکھتے تھے، اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن عباسؓ عمرو بن العاصؓ کی چالاکی سے ڈرے اور ابو موسیٰؓ کو اشارہ کیا کہ تم بعد میں کھڑے ہونا تاکہ عمرو بن العاصؓ کے بعد تم کہہ سکو، لیکن ابو موسیٰؓ نے ابن عباسؓ کی بات نہیں سنی، بلکہ کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد اعلان کیا، کہ ہم دونوں حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کو معزول کر دینے پر متفق ہیں، اور خلافت مسلمانوں کے مشورے کے حوالے کرتے ہیں، اس کے بعد لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ معاملہ ہاتھ میں لیں اور خلافت کیلئے جسکو چاہیں اتنی باتیں اس کے بعد عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد کہا، انہوں نے اپنے ساتھی حضرت علیؓ کو معزول کیا اور میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں، اور اپنے ساتھی معاویہ کو بدمذہب قرار رکھتا ہوں، تب ابو موسیٰؓ نے کہا یہ کیا، خدا تیرا بھلا نہ کرے، تو نے بد بھدی کی اور جھوٹ کہا، تیری مثال کتے کی ہے کہ اگر اس پر حملہ کرو تب بھی بھونکتا ہے، اور درگندہ کرو تب بھی، عمرو بن العاصؓ نے اس کے جواب میں کہا آپ کی مثال گندھے کی سی ہے، جس پر کتابیں لا دی ہیں،

اب قوم میں بڑا بھجان پیدا ہوا، حضرت علیؓ کے حامیوں کے رئیس الوند شریح بن مانی نے عمرو بن العاصؓ پر اور عمرو بن العاصؓ کے لڑکے محمد نے شریح پر کورے برسائے، پھر لوگ دونوں کے درمیان حائل ہو گئے، ابو موسیٰؓ نکلے اور سواری پر چڑھ کر نیک کی طرف چل پڑے، اور شامی معاویہ کے پاس خلافت کی مبارکباد دینے آئے اگر مورخین کا یہ متفقہ بیان ٹھیک ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ عمرو بن العاصؓ نے کھلا ہوا مزید کیا، ابو موسیٰؓ کے ساتھ دونوں کو معزول کرنے پر اتفاق کیا اور اس کے بعد ایک ہی کو معزول کیا اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انہوں نے قرارداد میں جو عہد و پیمان کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی، بس ان کا اور ان کے ساتھی کا فیصلہ ساقط ہو گیا،

قوم بلا کسی نتیجے پر پہنچے منتشر ہو گئی گو یادہ جمع ہی نہیں ہوئی تھی اور معاویہؓ اس میں ہر طرح کامیاب رہے، ان کے ساتھیوں کے سر سے لڑائی کی معیبت ملی، خود ان کو یہ موقع ملا کہ اپنے آدمیوں کو دم لینے دیں اور اپنے معاملے کیلئے بڑی شان و شوکت اور بڑی قوت کے ساتھ تیاری کریں، پھر یہ کہ حضرت علیؓ کے حامیوں کو پھوٹا اور باہمی اختلاف کا شکار بنا دیا، اور مجبور کر دیا کہ آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کیلئے خطرہ بن جائیں

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کی پالبازی غداری کی اس حد تک نہیں پہنچی تھی، انہوں نے ابو موسیٰ کی طرح دونوں کو معزول کرنے پر اکتفا کیا اور دونوں کو مساوی درجہ دیا اور یہ بھی بڑی کامیابی تھی،

لیکن یہ شاذ روایت صحیح نہیں اگر عمرو بن العاصؓ وہی کہتے ہوں ابو موسیٰ نے کہا کہ دونوں کو معزول کرتے ہیں تو شامی امیر معاویہؓ کو مبارکباد کیوں دیتے، اور عمرو بن العاصؓ خود مبارکباد دینے والوں میں سے تھے، نیز بہت سے عراقی معزول کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت منظور نہیں کرتے جنہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ تالیفوں کی بات تسلیم کریں گے، پھر مکہ اور مدینہ میں طبعی طور پر سخت اضطراب و انتشار پیدا ہوتا یہاں کے لوگوں نے عہد کیا تھا کہ حکم اگر انصاف سے کام لیں گے، تو وہ ان کے حکم پر عمل کریں گے اور جب بے انصافی نہیں ہوئی تو کیوں انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور جاہلیت کی چال چلنے لگے پھر وہ ممتاز صحابہؓ جو کنارہ کش تھے اور جنہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی، کس طرح اس بد عہدی پر راضی ہو گئے، اس روایت کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا کہ پوری امت خود عرض تھی، نفس پرورد تھی اور حکام خوارندی کی مخالف، اللہ کا حکم ہے،

اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اس کو اپنے ذمے کہو اور قسموں کو ان کے مضبوط کر لینے کے بعد مت توڑو اور، تم اللہ کو گواہ بھی بنا چکے ہو بے شک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہو، اور تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاٹا، پھر نوحؑ ڈالا کہ اس طرح تم بھی اپنی قسموں کو آپس میں فاسد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے	و! فوجہد اللہ اذا اھا دتم ولا تنقضوا الیمان بعد تو کیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلًا ان اللہ یعلم ما تفعلون ولا تکتونوا کالتی نقضت عز لھا من بعد قوتہ انکا تا تخذون ایما نکم دخلاینکم ان تکون امۃ ہی اربی من امۃ انما یلوکم اللہ بہ ولیبین حکم یوم القیامۃ ما عنتم فیہ تختلفون
---	--

پس اس سے اللہ تعالیٰ ہماری آزمائش کرتا ہے، اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن اس کو واضح کر دے گا،

یہ تو کوئی مسخول بات نہیں کہ پوری قوم بد عہدی پر متحد تھی، ہدایت کی جگہ گمراہی اور ناداری کی جگہ غدارگی کو پسند کرتی تھی، البتہ ہوا یہ کہ دونوں میں سے ایک ثالث یعنی عمرو بن العاصؓ نے اپنے ساتھ ابو موسیٰ کو دھوکا دیا، ابو موسیٰ کچھ سادہ لوح نہ تھے جیسا کہ مورخوں نے لکھا ہے اگر وہ ایسے ہوتے تو حضرت عمرؓ ان کو صوبوں کی گورنری کیلئے پسند نہ فرماتے، اور نہ کونے والے عہد عثمانی میں فتنے کی شدت کے دوران میں اپنے شہر کیلئے ان کا دالی ہونا پسند کرتے، البتہ وہ متقی پرہیزگار نرم دل اور خلیق تھے، اور خیال کرتے تھے کہ مسلمان اور خصوصاً مسلمان جو بنی اکرم ﷺ کی صحبت کا اثر رکھتے ہیں اپنے نفس اور اپنے دین کے معاملے میں اس سے بلند و بالا ہیں کہ بد عہدی کی پستی تک اتر آئیں، عمرو بن العاصؓ نے ان کے خیال کو غلط ثابت کر دیا اس سے زیادہ کوئی اور بات نہیں یہ دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اپنا دین لئے مکہ چلے گئے اور وہیں گوشہ نشین ہو گئے اور اس کا ہمیشہ اسنوس کرتے رہے کہ انہوں نے ابن عباس کی بات نہیں مانی، اس کے بعد عراقیوں کا وفد حضرت علیؑ کے پاس آیا اور جو کچھ ہوا تھا اس کی رپورٹ دی پھر تو شاید پہلے ہی پہنچ چکی تھی، اس لئے حضرت علیؑ کو کچھ حیرت نہیں ہوئی، گویا جو کچھ ہوا ان کی توقع کے مطابق تھا، البتہ ان کو یاد آگئی کہ میں نے، صغیر میں جب قرآن اٹھایا جا رہا تھا تو قوم کو روکا تھا، اور کہا تھا کہ یہ لوگ قرآن اور دین کے آدمی نہیں ہیں،

کوڑے اچھے آدمیوں کو اور حضرت علیؑ کے حامیوں کو اس بد عہدی پر بہت غصہ آیا اور وہ پھر جنگ کی تیاری کرنے لگے، اور مکاروں نے جو دنیا کے طالب تھے، مکرو فریب کی بات دل میں رکھی اور ظاہر ایسا کیا کہ وہ بھی اوروں کی طرح لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں، لیکن خارجی درمیان میں حائل ہو گئے اور حضرت علیؑ نے اپنے حامیوں کے ساتھ شام پر حملہ نہ کر سکے،

سلسلہ علی اور خواج

بلاذری کی روایت کے مطابق ثالثوں کا فیصلہ آجانبہ کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں کو معنی طلب کر کے کہا: تم چند کہ زمانہ ایک بڑی مصیبت اور بڑا حادثہ لے کر آیا ہے، لیکن میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ﷺ۔ ابا بعد ایک مخلص خیر خواہ کی نافرمانی نصرت اور ندامت کا باعث بنتی ہے، میں نے تم کو ان قبولوں آدمیوں کے متعلق اور ثالثی کے متعلق اپنی رائے بڑی باریک بینی سے بتا دی تھی کاش قصیر کی رائے مان لی جاتی اور اس پر عمل کیا جاتا، لیکن تم کو تو اپنے ارادے پر اصرار تھا، اب تمہاری میری حالت ہوا زن کے بھائی درید بن صمہ کے شعر جیسی ہے،

امر تصد امری بمن حرج اللوی میں نے منصرف اللوی کے مقام پر تہنہ کر دیا

فلم یستنبینوا الرشدا لضحی لخصد تھا، لیکن یاروں کو ہوش دل پڑھے آیا،

سن لو جن ثالثوں کو تم نے پسند کیا، انہوں نے اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی طرف سے باتیں بنائیں اور اس طرح قرآن نے جس کو زندگی دی تھی اس کو مار ڈالا، اور جس کو قرآن نے مار ڈالا تھا اس کو زندہ کیا، دونوں نے اپنے فیصلے میں خیانت سے کام لیا، اس سے نہ ضرورت پوری ہوتی ہے اور نہ کوئی رہنمائی ملتی ہے پس اس فیصلے سے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا صالح طبقہ بری ہے، اسلئے تم جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ اور چلنے کیلئے اٹھ کھڑے ہو، اور دوشنبہ کے دن لشکر میں پہنچ جاؤ چنانچہ امام کے مقررہ وقت پر لوگ اپنے پڑاؤ پر پہنچ گئے، حضرت علیؑ نے بصرہ والوں کو لکھا تھا وہاں سے بھی ایک مستعد فوج آگئی، اس مرتبہ ابن عباس نہیں آئے اور حضرت علیؑ کے پاس صرف فوج بیہوش دینے پر اکتفا کیا، اور حضرت علیؑ اپنے ساتھیوں کو لیکر شام کے ارادے سے نکل پڑے، لیکن ابھی وہاں ہی دور گئے تھے کہ ان کو ایسی خبریں ملیں جن سے ان کا سارا منصوبہ درہم برہم ہو گیا، ان خبروں کا تعلق سہ قصیر نامی شخص نے جذبہ ابرص کو مشورہ دیا جس نے اس کے مشورہ کا کچھ خیال نہیں کیا یا تاخیر مارا گیا

خارجیوں سے تھا، خارجی جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو حضرت علیؓ کے ساتھ واپس چلے آئے تھے، انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حضرت علیؓ میدان سے ہٹ گئے، پھر انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنی ہی راہ چل رہے ہیں، تو لا حکم الا للہ کا نعرہ بنا کیا اور چھوٹی چھوٹی جماعت بنا کر کوفہ سے باہر نکلنے لگے کچھ تو چھپ چھپا کر اور کچھ کھلے بندوں بلا کسی جھجک کے، انہوں نے بصرہ کے اپنے بھائیوں کو بھی لکھا، اور وہاں سے کچھ راستے میں ان سے مل گئے، اور سب کے سب نے ہروان کا رخ کیا،

حضرت علیؓ یہ سب کچھ جانتے تھے، اور جب لا حکم الا للہ کا نعرہ سنتے یا اس کے متعلق کوئی گفتگو کرتا تو فرمایا کرتے کہ یہ ایک کلمہ حق ہے جس کا رخ باطل کی طرف کرو یا گیا ہے، اسی طرح خارجیوں کے بارے میں کہا کرتے تھے، کہ ہم ان کو غنیمت سے نہیں روکیں گے، نہ ان کو پریشان کریں گے، نہ ان کے لئے برائی چاہیں گے، جب تک وہ کوئی اقدام نہ کریں، یا زمین پر فساد نہ پھیلائیں، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر وہ چھپ چھپ کر تو ہم ان سے چشم پوشی کریں گے، اور اگر وہ گفتگو کریں گے تو ہم ان سے بحث کریں گے، اور اگر وہ فساد پھیلائیں گے تو ہم ان سے مقابلہ کریں گے،

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو خط لکھا کہ دونوں ثالث کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اب وہ شام کی جنگ کے لئے علیؓ کا میوں کے ساتھ آئیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اور کہا ہم نے ققیہ سے پہلے آپؓ کو اس کی دعوت دی تھی، اس وقت آپ نے انکار کر دیا، اور اب تو ہم آپؓ کا ساتھ نہ دیں گے آپؓ اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لئے لڑ رہے ہیں، آپؓ کا خیال تھا کہ رسول اللہؐ سے آپؓ کی رشتہ داری لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر دے گی کہ وہ آپؓ کو سب سے زیادہ ممتاز سمجھیں، لیکن جب آپؓ نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے رخ پھیر لیا تو اب دنیا حاصل کرنے کے لئے ان سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، پس ہمارا آپؓ سے اور اس دنیا سے جو آپؓ کو مطلوب ہے کوئی تعلق نہیں، الا یہ کہ آپؓ پہلے اپنے کو کا فر کیٹے پھر تو بہ کیٹے جس طرح کہ ہم نے تو بہ کی، اگر یہ آپؓ کو منظور ہے تو ہم دشمنوں کا مقابلہ کرنے کیٹے آپؓ کے ساتھ ہیں، پورے ہمارے آپؓ کے درمیان تلوار ہے،

مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ نے ان کو پریشان کرنے کا ارادہ نہیں کیا، بلکہ شام پہنچنے کی دھن میں لگے رہے اور ان کے متعلق فرمایا کہ شاید وہ اپنے معاملات پر غور کریں اور سیدھی راہ پر آجائیں، لیکن حضرت علیؓ تک یہ اطلاعات پہنچیں کہ ان لوگوں نے فساد مچا رکھا ہے، انہوں نے عبداللہ بن خطابؓ کو قتل کر دیا ہے

خیاب کا شمار ممتاز صحابہ میں ہے، اور چند عورتوں کو بھی قتل کر دیا ہے جو عبد اللہ کے ساتھ تھیں اور یہ کہ وہ لوگوں کو پھرتے ہیں، اور ان میں دہشت پھیلاتے ہیں، تب حضرت علیؓ نے اپنا ایک آدمی بھیجا کہ ان سے اس فساد کی باز پرس کرے، اور مطالبہ کرے کہ جن لوگوں نے ناحق خون کیا ہے ان کو اس کے حوالے کریں، لیکن قاصد کے پہنچتے ہی اس کو بھی قتل کر دیا، جب اسکی اطلاع آپؐ کو ہوئی تو آپؐ کے ساتھیوں نے یہ بات پسند نہیں کی، کہ خود شام کی طرف روانہ ہوں اور اپنے پیچھے خوارج کو آنا دیکھوڑ جائیں کہ وہ فساد پھیلاتے رہیں اور ان کے اہل و عیال اور مال و متاع کو مباح بنا لیں، پس انہوں نے حضرت علیؓ پر زور ڈالا کہ وہ خوارج پر حملہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور جب ان سے فراغت پائیں تو شامی دشمنوں کی طرف توجہ کریں، اور اس طرح لڑیں کہ ان کو اپنے گھر بار کی طرف سے اطمینان رہے،

حضرت علیؓ نے ان کی یہ بات مان لی، اور ان کے ساتھ ہنروان کی طرف روانہ ہوئے اور جب ان کے مقابلہ ہوا تو مطالبہ کیا کہ وہ عبد اللہ بن خیاب اور ان کے ساتھیوں کو اپنے قاصد کے قاتلوں کو حوالے کر دیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم سب کے سب قاتل ہیں، حضرت علیؓ نے خط و کتابت کر کے اور کبھی ان پر پہنچ کر دغظ و نفیحت کی جس کا اثر اچھا ہوا اور بہت سے خارجی پوری تھپے کو نہ واپس آگئے اور ان کی بہت سی جماعتیں فوج سے کنارہ کش ہو گئیں، اور کسی جماعت سے وابستہ نہیں رہیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ رئیس الخوارج عبد اللہ بن وہب راسی کے گرد پیش صرف تین ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی آگئے، حضرت علیؓ جب ان سے باپوس ہو گئے، تو فوج کو حکم دیدیا، لیکن پھر بھی ہدایت کر دی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پہل نہ کریں، خارجیوں نے یہ دیکھ کر اپنی بھی تیار کی اور ایک دن دوپہر کے وقت جنگ کے میدان میں اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے کوئی پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے، ان کے منادی نے بلند آواز سے کہا، ہے کوئی بخت میں جانے والا جس کا جواب سب کے سبے چلا کر دیا، ہم سب جنت کے جانوے ہیں، اس کے بعد حضرت علیؓ کی فوج پر ایسی شدت کا حملہ کیا کہ اس کے سوار دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے ایک جماعت میمنہ کی طرف چلی گئی اور دوسری میسرہ کی طرف اور خارجی دونوں جماعتوں کے پیچھے میں پڑ گئے حضرت علیؓ کے تیر اندازوں نے تیروں سے ان کا ڈھیر کر دیا، اور تھوڑی دیر بعد میدان صاف ہو گیا اور میسرہ کے سوار پھر ایک ہو گئے ایک خارجی بھی بچ نہ سکا انہیں مقتولوں میں ان کا سردار عبد اللہ بن وہب راسی بھی تھا، اور وہ جماعت بھی جو ثالثی سے پہلے حضرت علیؓ کی سب سے زیادہ محض تھی اور ان کی

میں بہاؤ کرتی تھی اس لئے کہ وہ آپؐ کی راہ کو اللہ کی راہ خیال کرتی تھی ،
حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ آپؐ کچھ پریشان سے ہیں ، اور اپنے قریب کے لوگوں کو کہہ رہے ہیں کہ
ذالشدیۃ (چھاتی والے) کو تلاش کرو ایک پیدائشی طور پر ناقص ہاتھ والا آدمی جس کے بازو پھوٹا
کے سینے کی طرح ابھار تھا اور اس ابھار پر تپن سیاہ بال تھے ، لوگ مقتولوں میں کچھارٹھا کر گرنے والوں
میں تلاش کرتے ہیں ، اور واپس آکر کہتے ہیں کہ تلاش کی گئی ، لیکن کامیابی نہیں ہوئی ، حضرت علیؓ کا اضطراب
اور بڑھ جاتا ہے اور فرماتے ہیں بخدا میں نے تھوٹ کہا ، اور نہ مجھ سے تھوٹ کہا گیا ، دیکھو تلاش کرو وہ
آدمی مقتولوں میں ہے اتنے میں ایک آنے والا آتا ہے ، اور اطلاع دیتا ہے کہ وہ مل گیا ، بسنتے ہی حضرت
علیؓ اور ان کے ساتھی سجدے میں گر جاتے ہیں ، اس کے بعد آپؐ سر اٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں واللہ میں
تھوٹا ہوں اور نہ مجھ سے تھوٹ کہا گیا ہے ، تم نے بدترین انسان کو قتل کیا ہے ،

مورخین ، محدثین اور ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ ناقص ہاتھوں اور چھاتی والا آدمی وہی ہے ، جس نے
نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ ، اے محمد الصاف کرو تم نے الصاف نہیں کیا ، جب جنین کے
موقع پر آپؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے اور جس میں بعض عربوں کی دلجوئی کی تھی ، اس کے کہنے پر آپؐ نے
ایک مرتبہ دو مرتبہ کچھ خیال نہیں کیا ، لیکن جب اس نے تیسری بار کہا تو آپؐ کے چہرہ الوزیر غصے کے آثار نمودار
ہو گئے ، اور فرمایا ، میں الصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا ،

اس وقت بعض مسلمانوں نے چاہا کہ اس کا کام تمام کر دیں ، لیکن آپؐ نے ان کو روکا ، محدثین اور
مورخین راویت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ، اس شخص کی اصل سے ایک قوم نکلے گی جس سے دین اس طرح دور
ہو جائے گا جیسے گمان سے تیر دور ہو جاتا ہے وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ،
اب حضرت علیؓ خوارزم کی لڑائی سے فرحت پا گئے اور سبھوں کو قتل کر دیا بجز ان کے جو چھپ چھپا کر کو ذبحلے آئے تھے یا جو
جنگ سے کنا رکش ہو گئے تھے ، حضرت علیؓ کو اس کامیابی کی بڑی خوشی تھی اور نصد صاڈ شدیۃ کے اس حشر پر آپؐ کا بڑا اظہار
تھا اور آپؐ کی مجلس میں بیٹھنے کا سب سے زیادہ ترہیں ، حضرت علیؓ کو جس بات کی بڑی خوشی تھی وہ یہ کہ اب ان کے خیال کے
مطابق ان کو اس ملے ہوئے دشمن سے فرصت ملی جو ان کی فوج کے لئے خطرہ تھا اور عراق میں رہ جانیوالے مال و
عیال کے لئے پریشانی اور پراگندگی کا باعث ، جو پچھپے سے حملہ آور ہو سکتا تھا ، اور واپسی میں عراق کا
راستہ بھی روک سکتا تھا ،

حضرت علیؓ نے خیال کیا کہ تمام معاملات ٹھیک ہو گئے ، اب ان کو اپنی اس فاتح فوج کو شامی دشمنوں پر حملہ آور کر دینا ہے ، لیکن ایک بات جس کی طرف حضرت علیؓ نے توجہ نہیں کی اور کسی کو ان دنوں اس کا خیال نہ آیا کہ یہ تین ہزار آدمی جن کا صفایا ہو گیا یہ زیادہ تر عراق ہی کے تھے اور کچھ مقدونہ سے لبرہ کے اور ان میں ہر ایک کا تعلق انہیں دونوں شہروں کے کسی خاندان سے تھا ،

حضرت علیؓ کی جس فوج نے ان کو قتل کیا تھا ان میں انہیں کے قیدی کے لوگ تھے چنانچہ عدی بن عامر مثلاً حضرت علیؓ کے ساتھ نہروان میں تھے اور ان کا لوط کا زید ان خارجیوں کے ساتھ تھا جو قتل کر دیا گیا ، اسی طرح کنتے ہی چچا زاد بھائی تھے جو اس دن باہم ایک دوسرے کے قاتل بنے اس قتل و خونریزی کے ان اسباب کے متعلق آپ کا جو جی چاہے کہہ لیجئے جو طرفین کو ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ کر دینے کے باعث بنے ، لیکن یہ سب کے سب مخلص تھے جس بات کو حق جانتے تھے اس کی ممانعت اخلاص کے ساتھ کرتے تھے ، اور بلاشبہ یہ سب کچھ ان سے ایک سچے دینی شعور کے ماتحت صادر ہو رہا تھا ، پھر بھی وہ سب کے سب بہر حال انسان تھے ان کے دلوں میں رنج و قلق کی وہ سب کیفیتیں تھیں جو ایک انسان کے دل میں بیٹھے بھائی یا دوست کے قتل ہو جانے سے پیدا ہو جاتی ہیں ، وہ اپنے دلوں میں غم اور کینے کے سارے جذبات پاتے تھے جو کسی عرب کے دل میں بیٹھے بھائی یا دوست کے قتل کئے جانے پر موجزن ہو جاتے ہیں ، پس وہ عہد جاہلیت کے ایک بہادر شاعر کی طرح محسوس کرتے ہیں جو کہتا ہے ،

فانك قد بردت بهم غليلي ان کو مار کر میں اپنی پیاس تو بجھا سکا لیکن

فلما قطع بهم الا بناخى یہ تو میں نے اپنی ہی انگلیاں کاٹ لیں ،

اور جیسا کہ ایک دوسرے جاہلی شاعر نے محسوس کیا

قوى هم اقلوا امهيم احنى میرے بھائی کو تو میری ہی قوم نے مارا ہے اے

فاذا رميت اسابني سهي ام اب اگر میں ان پر تیر چلاؤں تو تجھ کو ہی

فلئن عفوت لاعفون جلا نشاندہ بناؤں گا ، معاف کر دوں تو بڑی بات ہوگی

ولئن سطوت لا وهن عظمى اور اگر حملہ کروں تو اپنی ہڈی توڑوں گا

اور جس طرح خود حضرت علیؓ ظرفین کے مقتولوں کو معرکہ جمل کے موقع پر دیکھ کر احساس فرماتے تھے اور کہتے تھے،

اشکو الیک عجری و بیجوری شفیت نفسی وقتلت معشری

بصرہ والوں پر فتح پا کر کوفہ ولے، اپنے غم میں بھی خوش تھے، اور اس فتح نے ان کو صفین تک پہنچنے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا لیکن آج نہروان کے محرکے میں تو کوفہ والوں نے خود کوفہ والوں کو قتل کیا ہے، بصرہ والوں نے خود بصرہ والوں کی جان لی ہے ایسی حالت میں حیرت نہ ہونی چاہیے، اگر دلوں پر رنج و ملال چھا جائے اور غم و الم اس طرح گھیر لے کہ حیرت نظر نہ آئے اور حیرت نہ ہونی چاہیے کہ اگر علیؓ اس حالت میں شام پر چڑھائی کا حکم دیں تو سرداران قوم جس میں مخلص بھی تھے اور مکار بھی یہ جواب دیں کہ اب تو ترکش کے سارے تیر ختم ہو چکے تلواریں ٹوٹ چکیں، نیزے نکلے ہو چکے اب ہم کو اپنے شہر جانے دے دیجئے تاکہ کچھ آرام کر لیں اور اپنے ہتھیار درست کر لیں اس کے بعد آپ کے ساتھ ہم دشمنوں پر حملہ آور ہوں گے

پھر جیسے ہی حضرت علیؓ ان کو کوفہ کے باہر فوجیہ کے پڑاؤ پر لے کر آئے اور حکم دیا کہ پڑاؤ نہ چھوڑیں اور شہر میں داخل نہ ہوں تاکہ وہ حالات پر غور کریں، لیکن وہ چھپ چھپا کر اکیلے اکیلے اور دو دو چار چار ایک ساتھ نکل بھاگے، یہاں تک کہ پڑاؤ میں بہت تھوڑے رہ گئے جن سے کوئی بات بن نہیں سکتی تھی، پھر تو حضرت علیؓ خود کو قہ قہ آنے پر مجبور ہوئے تاکہ جنگ کی تیاری پر از سر نو غور کریں،

امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع مل چکی تھی کہ حضرت علیؓ شام پر حملہ آور ہوں گے، چنانچہ وہ اپنے آدمی لے کر صفین تک آچکے تھے، لیکن حضرت علیؓ نہیں آئے اس کے بعد جب ان کو معلوم ہوا کہ خوارج کا معاملہ ہے اور حضرت علیؓ کوفہ چلے گئے ہیں اور ان کے ساتھ ابھی رطالی میں تعاون کے لئے تیار نہیں ہیں تو وہ خوش خوش بلا زحمت اٹھائے دمشق واپس آ گئے،

علی اور عامریان علی رضی

حضرت علی نے اپنے ساتھیوں کو جیسا کہ سرداروں نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا، یہ موقع دیا کہ کچھ دنوں آرام کر لیں اور پھر تنگ کیلئے تیار ہو جائیں، پھر جب آپ نے اندازہ کر لیا کہ آرام کا وقفہ پورا ہو گیا، تو ان کو جنگ کے لئے نکلنے کی دعوت دی، ابھارا اور جہاد پر آمادہ کیا، لیکن ساتھیوں نے سنا اور کچھ نہیں کیا، آپ نے مزید مہلت دی، اس کے بعد اپنے ساتھیوں کی نصرت سے باہوس ہو کر خطبہ دیا اور کہا۔ اللہ کے بند تمہیں کیا ہو گیا ہے، جب تم کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو گراں بار ہو جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پس مندا مند ہو چکے ہو کیا تم عزت اور شرافت کے بدلے ذلت اور خواری اپنا اخلاق بنا چکے ہو، جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں تمہاری آنکھیں سروں میں چکر کھانے لگتی ہیں، گویا تم موت کی طرف سے مد ہوشی میں ہو اور تمہارے دل سخت ہو چکے ہیں، پس تم امر کے زمانے میں جنگل کے شیر ہو، لیکن جب بہادری کے لئے پکارے جاتے ہو تو مکار لوٹریاں بن جاتے ہو تمہاری سرحدیں کم کی جا رہی ہیں، لیکن تم ذرا پھینکتے نہیں، تمہاری وجہ سے دشمنوں کی نیند بھرا ہے اور خود تم خواب غفلت میں ہو، مجھ پر تمہارے کچھ حقوق ہیں، جب تک تم مخلص ہو، میری دعائیں نیک خواہشیں اور غنیمت کا اعنانه تمہارے لئے ہے، اور یہ کہ میں تمہیں تعلیم دوں اور ادب سکھاؤ تاکہ نادانی نہ کرو اور سکھائے نہ جاؤ، اب رہا میرا حق تم پر تو وہ یہ کہ بیعت پر وفاداری کے ساتھ قائم رہو، حاضر اور غیر حاضر میں میرے مخلص اور مجدد رہو، جب میں آواز دوں جو اب دو تب حکم کرو، تمہیں کرو،

لیکن یہ تقریر صرف وہ لوگوں کے کانوں تک پہنچی دلوں میں نہ اتر سکی، چنانچہ وہ سن کر چلے آئے اور کچھ نہیں کیا، نہ لڑائی کی تیاری کی نہ لڑائی کے کیلئے نکلنے، نکلنے کی بات تو الگ رہی، لڑائی کی خواہش کا بھی ادب نہیں کیا، اپنے شہر میں مقیم رہے اور اطمینان و فراغت کے ساتھ زندگی کے کاموں میں لگے رہے، گویا انہوں نے شام پر چلے گا کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا، اور نہ حضرت علی سے لڑائی کی مکمل اور مضبوطی

کے لئے شہر میں آنے کی اجازت چاہی تھی ، واقعہ یہ ہے کہ اس بدلی ہوئی کیفیت کے مختلف اسباب تھے ، ہنروان کے معرکے میں فاتحین کے قلق اور کبیدگی کا ذکر کر کے ادراہ بتا کر کہ فتح پانچواںوں کے دلوں میں نذخ و غم کے گہرے جلد بات اس لئے تھے کہ اس دن دوست اور دشمن سبھی قتل ہوئے ، اور یہ دوست ، دشمن باہم ایک دوسرے کے عزیز اور شہنشاہ تھے ، ہم نے اس حالت کے باعث اسباب کی طرف اشارہ کر دیا ہے اب اگر ہم اس سلسلے میں اس حقیقت کا اعتراف کریں کہ حضرت علیؓ سے خلیفہ ہونے اپنے ساتھی مسلمانوں کو اسی قسم کی شدید ہولناکیوں پر بھیجتے رہے ، ماہن سے قرابت کے رشتے ٹوٹے رہے ، باہمی تحقیقات میں کمزوری اور میل جول میں خرابی پیدا ہوتی رہی ، باپ بیٹے سے ، بھائی بھائی سے ، دوست دوست سے ، اور سرپرست سرپرست سے لڑتارہا ، تو معلوم ہو گا کہ عراق کے لوگ معذرت تھے ، اگر وہ اکتا چکے تھے ، اور ان میں ایسے معرکوں سے بیزاری پیدا ہو گئی تھی ، جن کا انجام حسرت و غم کے سوا کچھ نہ ہو ، امام پر بھی اس سلسلے میں کوئی الزام نہیں ، اور نہ کسی کو معترض ہونا چاہئے ، وہ اس بات کا لپکا اور سچا ایمان رکھتے تھے کہ مسلمانوں پر خواہ کیسی ہی مصیبت آوے اور کیسی ہی کوشش کرنی پڑے ، لیکن ان کا فرض ہے کہ حق بات کے لئے خلیفہ کی مدد کریں ، آپ کے ساتھیوں کا بھی یہی نقطہ نظر تھا ، وہ اس کو دین و ایمان سمجھتے تھے اور یہ وہ ہے کہ اپنی نے جمل کے معرکے میں اپنی جانیں پیش کر دیں ، اور صفین میں بھی یہی کیا ، اور ایک بار پھر پیش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ، اور اس کے لئے تیار ہو کر گئے تھے ،

لیکن مجبوراً ہنروان جانا پڑا ، کہ پہلے پیچھے سے ہونے والے حملے کا انتظام اور اپنے بال بچوں اور مال و متاع کی حفاظت کا سامان کر لیں ، لیکن ہنروان پہنچ کر صرف بربادی کا ٹھکانا آئی ، بڑی خونریزی ہوئی ، غم پر غموں کا اور حسرت پر حسرتوں کا اعتراف ہو گیا وہ تو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانے سے ، یہ جانتے تھے کہ ، فوجیں ، فتوحات کی غرض ، اور اسلام کا اقتدار بڑھانے کے لئے ہیں ، اور غیر مسلم دشمنوں سے مقابلے کے لئے تیار کی جاتی ہیں ، لیکن وہ ہیں کہ بار بار خود مسلمانوں سے جنگ میں مبتلا کئے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ سوائے حسرتی اور تباہی کے کچھ نہیں ، وہ دیکھ رہے ہیں کہ فتوحات کا سلسلہ منقطع ہو چکا ، حکومت کا اقتدار سرحدوں پر اضطراب کی حالت میں ہے ،

رومیوں کا یہ حوصلہ کہ وہ شام پر حملے کا ارادہ کر رہے ہیں، مشرقی سرحدوں کی یہ کیفیت کہ حضرت علیؑ کے گورنر پریشان ہیں، اور انتہائی کاوش کے بعد حالات قابو میں آتے ہیں، پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ نبیؐ کے ممتاز صحابہؓ کی ایک جماعت فتنہ اور لڑائی سے الگ ہے اور اہل قبلہ سے مقابلہ ناپسند کرتی ہے اور نہیں چاہتی کہ اس قوم سے برسوں کا رعبہ جو اللہ والا اللہ کہتی ہے اور محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں، جنہوں نے اپنی تلوار توڑ دی اس لئے کہ مسلمانوں کی تلوار دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہے نہ کہ دوستوں سے جنگ کے لئے،

پھر ہر شخص اپنے یقین اور ایمان میں حضرت علیؑ کی سی قوت ارادے میں ان کی سی سختی رائے میں ان کے جیسا خلوص نہیں رکھتا تھا اس لئے حیرت نہ ہونی چاہیے اگر یہ تمام باتیں لوگوں کے دلوں میں کچھ اس طرح بیٹھ گئی ہوں کہ وہ پوری طرح معنوم اور مشکوک ہو گئے ہوں ان کے دلوں میں ایک گہری مبہم ندامت نے گھر کر لیا ہو جس نے آپ کے ساتھیوں کو حیرت زدہ بنا دیا ہو اور جس سے ان کی تیزی ختم اور ان کی ہمتیں پست ہو گئی ہوں

مزید برآں حضرت علیؑ کے ساتھی عراق میں امن و صلح کی حالت میں پر امید راحت اور پر سکون محسوس کرتے تھے، چنانچہ وہ اپنے شہروں میں مقیم لڑائی سے دور گھر بیٹھے مال غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ پاتے تھے، پھر حضرت علیؑ نے اس سلسلے میں ان میں ایک اور طریقہ جاری کر دیا تھا جس سے وہ پہلے سے آشنا نہ تھے، عہد فاروقی میں حضرت علیؑ نے چاہا تھا کہ حضرت عمرؓ یہ طریقہ جاری کریں لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا، اب جب کہ اقتدار اپنے ہاتھ میں آیا تو طبعی بات تھی کہ حضرت علیؑ اس کو جاری کرتے، جب سرحدوں سے بڑی مقدار میں مال آنے لگا تو حضرت عمرؓ نے مشورہ چاہا تھا، حضرت علیؑ نے اس وقت یہ رائے دی تھی کہ بیت المال میں جو کچھ جمع ہو سب کا سب لوگوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ کچھ باقی نہ رہ جائے، حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور ان لوگوں کی بات مانی جنہوں نے مشورہ دیا تھا کہ ایک رجسٹر تیار کیا جائے اور لوگوں کے لئے وظیفے مقرر کئے جائیں،

پھر جب معاملہ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں آیا تو مال کے آتے ہی لوگوں میں اس کی تقسیم کرنے لگے

البتہ مصالح عامہ کے لئے خرچ سچا لیتے، حضرت علیؓ کو بیت المال میں کچھ رقم رکھنے سے زیادہ کوئی بات ناپسند نہ تھی وہ بیڑے حرج کی بات تصور کرتے تھے یہاں تک روایت کی جاتی کہ آپ کو یہ بہت پسند تھا کہ بار بار حکم دیں کہ بیت المال کو جھاڑ دو دی جائے، پھر پانی بہا کر اس کو دھو دیا جائے، اس کے بعد آپ اس میں داخل ہوں اور دو رکعت نماز پڑھیں، آپ کو یہ منظور نہ تھا کہ بیکار موت آجائے، اور بیت المال میں کچھ بچا رہ جائے جو حقداروں تک نہ پہنچ سکے، چنانچہ بیت المال میں جب کچھ از قسم میوہ جات آجاتا تو چاہے تھوڑا ہو چاہے بہت، آپ اس کو تقسیم فرمادیتے، اسی طرح شہداء اور تیل اور اس قسم کی چیزیں بھی تقسیم کرتے ایک مرتبہ تو سوئی اور دھاگہ بھی آپ نے لوگوں میں تقسیم کیا، پس ظاہر ہے کہ یہ لوگ امن و صلح کو پسند کرتے تھے، جن کو مشرقی فتوحات کا خراج اور سرحدوں سے آیا ہوا مالِ غنیمت شہر میں پہنچتے ہی تھوڑا یا زیادہ مل جایا کرتا تھا،

یہ امن کی زندگی ان کو بڑی محبوب تھی، بہر حال اس بے نتیجہ لڑائی سے تو بہت اچھی تھی جس میں مالِ غنیمت تو کچھ نہیں ملتا تھا اٹے، آوان، پرتاوان ادا کرنا پڑتا تھا، اور دوستوں اور سرپرستوں کا قتل مزید براں، اس طرح حضرت علیؓ کے ساتھی آرام و راحت کی زندگی گزارتے رہے اور جنگ و مقابلے کی ہر دعوت اور تحریک کو ٹالتے رہے،

پھر امیر معاویہؓ کی چال نے ان کی دولت اور فرائع الہالی میں اور اضافہ کر دیا اور ان کے افسروں اور سرداروں کو امن و سلامتی کا گرویدہ بنا دیا ان کے افسروں اور سرداروں کو امیر معاویہؓ مسلسل خطوط میں سبز باغ دکھاتے رہے، ساتھ ہی عطیات اور انعامات کی پیشکش بھی کرتے رہے جو ان کو آئندہ کی توقعات پر آمادہ کرتی رہی اور چھوٹی سی نقد رقم وعدے کی بڑی رقموں کا فریب دیتی رہی تاکہ ان افسروں اور سرداروں کو خرید لیا، اور ان کے دل خلیفہ کی طرف سے خراب کر کے ان کو منافق بنا ڈالا جو زبان سے خلیفہ کی اطاعت کا اعلان کرتے تھے اور دلوں میں اس کے عداوت اور نافرمانی تھی، اور یہی کیفیت یہ سردار اپنے ماتحتوں میں بھی پیدا کرنا چاہتے تھے،

حضرت علیؓ کو چال بازی، مکاری اور جلد بازی پسند نہ تھی، ان بانوں کی جگہ وہ راستی اور استقامت پسند کرتے تھے وہ حق کے حامل تھے خواہ اس میں کتنی ہی گرانباری ہو، بلے محل وہ ہرگز عطیہ نہیں کونے تھے کسی کو کچھ دے دلا کر اپاتے تھے، اور نہ وہ چاہتے کہ مسلمانوں کا معاملہ رشوت پر ٹھیک کریں اگر حضرت علیؓ

چاہتے تو مکر اور چال سے کام لے سکتے تھے، لیکن انھوں نے دین کو مقدم رکھا اور اس کے سوا کسی بات پر راضی نہیں ہوئے کہ اپنے اونچے اخلاق کی سطح پر کھڑے رہیں، کھلی اور صاف بات کہیں، سچائی اور خلوص رکھیں، اللہ کے مخلص اور بندوں کے خیر خواہ بنیں، اور یہ سب کچھ مکاری اور فریب کے پردے میں نہیں بلکہ دلی رضامندی اور استقلال کے ساتھ،

وقتاً فوقتاً حضرت علیؑ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیا کرتے زیادہ تر تو نرمی سے پیش آتے لیکن کبھی سختی بھی فرماتے ایک دن آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اور کہا، — اے وہ لوگو! جن کے جسم متحد لیکن دل کی خواہشیں جدا جدا ہیں تمہارے رہنما کی تحریک کمزور اور تمہارے غمخوار کا دل بے چین ہے، تمہاری باتیں سخت چٹانوں کو شق کر دیتی ہیں، لیکن تمہارے کام دشمنوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں جب میں تم کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں تو تم کہتے ہو بات یہ ہے بات وہ ہے، بہانے کی سب جھوٹی باتیں، تمہارا مجھ سے ہلکتا ہوا رہنا، مال مٹول کرنے والے مقروضوں، اور میدان سے بھاگنے والوں کی سی حرکتیں ہیں ذلیل آدمی ظلم و زیادتی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، حق تک پہنچنے کے لئے ضرورت ہے کوشش کی پختہ ارادے کی، اور صبر کو اپنا شعار بنالینے کی تم اپنے گھر کے بعد کس گھر کی حفاظت کرو گے؟ میرے بعد کس امام کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے؟ بخدا معزور وہ ہے جس کو تم نے فریب میں رکھا جس کے حصے میں تم آئے بخدا اس کا حصہ تا مراد ہی کا ہے، اب تو میں تمہاری مدد کا خواہاں نہیں اور نہ تم کو سچا جانتا ہوں خدا تم کو مجھ سے جدا کر دے، مجھے تم سے بہتر بدل عطا کرے بہت جلد تم ذلت کے گڑھے میں گر دو گے تمہارے سروں پر تلوار ہوگی، ظالم تم میں خود غرضی رائج کرے گا، تمہاری جماعتوں کو منتشر کرے گا، اور تم کو لائے گا، تمہارے گھروں میں فقر و قاتح ہوگا، تھوٹے دنوں بعد تم تمنا کرو گے کہ مجھے پاتے اور میرا ساتھ دیتے اس وقت میری بات کی صداقت تم کو معلوم ہوگی اور اللہ ظالموں کو ہی دور رکھتا ہے،

لیکن یہ سن کر سب ادھر ادھر ہو گئے، اپنی بے عملی سے حضرت علیؑ کو مایوس کر دیا، بعض روایوں نے ان روایت کرنے والوں کا بیان لکھا ہے، جنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ حضرت علیؑ سر پر قرآن اٹھا گئے فرما رہے ہیں اے میرے خدا میں نے قرآن میں جو کچھ ہے اس کی طلب کی تھی، ان لوگوں نے مجھ سے بھی روکا اے خدا میں ان سے اکتا چکا ہوں اور یہ بھی مجھ سے برداشتہ خاطر ہو چکے ہیں، مجھے ان سے نفرت ہے اور ان کو بھی مجھ سے نفرت ہے، مجھے ان لوگوں نے ایسے طور طریقوں پر مجبور کیا جن سے میری

عادت و اخلاق کا کوئی تعلق نہیں، پس ان کے عوض مجھے ان سے بہتر آدمی دے اور میرے عوض ان کو مجھ سے کوئی برابر دیدے اور ان کے دلوں کو اس طرح گھول دے جس طرح پانی میں نمک۔

نہروان کے معرکے کے بعد حضرت علیؑ کی زندگی ایک مسلسل ابتلا اور انتہائی کوفت کی زندگی تھی وہ دیکھتے تھے کہ حق آفتاب کی طرح روشن ہے اور یہ کہ ان کے سانھی قوت اور بہادری، تعداد اور تیاری میں ایسی حیثیت رکھتے ہیں کہ حق تک پہنچ جائیں، اور حق کا بول بالا کر دیں لیکن انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اپنے فرض سے غافل ہو گئے، بلائے جلتے ہیں تو جواب نہیں دیتے حکم پاتے ہیں تو اس کی تعمیل نہیں کرتے، فہمائش کی جاتی ہے تو نصیحت گیر نہیں ہوتے، انہیں زندگی سے محبت اور موت سے نفرت ہو گئی، وہ جنگ سے تنگ اور امن و عافیت کے خوگر ہو گئے، وہ راحت سے لذت گیر اور مشقت سے اکتا گئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ معاویہؓ عراق میں ان کی سرحدیں مضم کر رہے ہیں، عراق سے باہر کے علاقوں پر دھاوا کرتے ہیں، اور وہاں کے لوگوں کو لوٹتے ہیں اور جب حضرت علیؑ ان کو بلا تے ہیں تو جواب نہیں دیتے ہیں، حکم دیتے ہیں تو نافرمانی کرتے ہیں، ہاں کچھ تھوڑے سے آدمی آپ کی باتیں سنتے تھے، لیکن ان سے کام نہیں چل سکتا تھا،

حضرت علیؑ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کا سب سے زیادہ حقدار اپنے آپ کو خیال کرتے تھے لیکن جب اس کا رخ دوسرے خلفاء کی طرف کر دیا گیا تو آپ صبر سے کام لیتے رہے، پھر جب خلافت آپ کے پاس آئی تو آسانی اور اطمینان کی فضا میں نہیں بلکہ پریشانی کی حالت میں اور بعد از خرابی بسیار، آپ کو آپ کے ساتھیوں کو خلافت نے بڑی بڑی مصیبتوں اور مشکلات میں مبتلا کیا اور آخر میں آپ کو اس مقام پر لاکھڑا کیا جو کسی خود دار اور سچے ایماندار کے لئے قابل برداشت نہیں تھا، خلیفہ جس کی بات مانی نہیں جاتی، جو حق تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن پہنچ نہیں سکتا، اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی کمزوری ہے، یا اس کے حامیوں کی تعداد کم ہے یا اس کے ساز و سامان میں کوئی عافی ہے بلکہ اس لئے کہ ساتھی اس کا ساتھ دینا نہیں چاہتے، ساتھیوں کو ساتھ دینے اور جنگ کرنے کا پھل اس کے سوا کچھ نہ ملا کہ رشتہ داروں اور تعلقات ٹوٹ گئے، دوست اور آشنا قتل ہوئے، مصائب برداشت کرنے پڑے اور بلا مال غنیمت جان ہلاکت کے خطرے میں ڈالنی پڑی، پس انہوں نے امن و سکون کو اچھا سمجھا اور اسی طرف جھک پڑے، پھر اس طرح جھکے کہ صرف

امن و سکون پر قناعت نہیں کی، بلکہ بے نتیجہ بحث و مباحثے کے لئے فرصت نکالی اور اسی میں اپنا سارا وقت اور کوششیں صرف کرنے لگے، اپنی دنوں میں ان کے چند آدمی حضرت علیؑ کے پاس آتے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ کے متعلق آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں، اسی اثنا میں کسی سرحد سے رنج وہ خبریں آتی ہیں جن سے آپ کا دل غم سے بھر جاتا ہے اسی غم انگیز حالت میں آپ ان کو جواب دیتے ہیں

کیا تم کو یہی کام رہ گیا ہے ادھر شامیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے حاکم محمد بن ابوبکرؓ کو قتل کر دیا ہے



کلمہ

عزلی اور خواج

حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں اور حامیوں کے ہاتھوں جس کوفت اور مصیبت میں مبتلا تھے وہ یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ شدت اور خرابی کے ساتھ آگے بڑھتی ہے چنانچہ بہت جلد آپ کو معلوم ہو گیا کہ نہروان میں آپ کی کامیابی بے فیض رہی جس کے لئے آپ نے بڑی مشقت اٹھائی تھی اور جس کے بعد آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا دل بڑا مغموم اور حسرت زدہ بنا رہا، اس لئے کہ نہروان میں تمام خوارج کا حاتمہ نہیں ہو گیا، البتہ ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی، لیکن ابھی وہ کوفہ میں تھے اور آپ کے ساتھ تھے بھرہ میں آپ کے گورنر کے ساتھ تھے علاوہ ازیں کوفہ اور بھرہ کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تھے،

یہ خارجی نہروان کے معرکے میں کام آنے والے اپنے بھائیوں کا قصاص اپنے دلوں سے بھلا نہ سکے، اور یہ شکست ان کے فکر و نظر کے کسی گوشے میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکی بلکہ اس سے ان کی قوتوں میں اور اضافہ ہوا اور ان کو وہ مذموم اور ہولناک طاقت بھی ملی جس کا سرچشمہ بعض کینہ اور انتقام کے جذبات ہیں،

حالات اور واقعات نے ان خارجیوں کے لئے ایک محاذ اور ایک پالیسی بنا دی جس سے وہ اپنی طویل تاریخ میں کبھی منحرف نہیں ہوئے، وہ محافرو اور پالیسی یہ ہے کہ خلفاء کے ساتھ مکاری اور فریب کیا جائے، لوگوں کو ان کے خلاف ابھارا جائے کسی بات میں ان کا ساتھ نہ دیا جائے، اگر اقتدار اور قوت نہ ہو تو اپنے مسلک کی دعوت دی جائے، پھر جب اکثریت حاصل ہو جائے اور حکومت سے ٹکری لینے کی طاقت پیدا ہو جائے تو چھپ چھپا کر یا کھلے بندوں شہر سے دور باہر نکل کر ایک جگہ جمع ہو جائیں، اور مقابلے کی صورت میں اپنی نافرمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تلواریں بے نیام کر لیں، چنانچہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے گرد و پیش یہ لوگ مکر و فریب کی کارروائیاں کرتے رہے اور گھات میں لگے لوگوں کے خیالات اور دلوں کو پھراتے رہے آپ کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے آپ کے خطبات اور آپ کی باتیں سنتے بعض اوقات خطبے اور گفتگو میں قطع کلام بھی کرتے لیکن اس کے باوجود

آپ کے انصاف سے مطمئن اور آپ کی گرفت سے بے خوف تھے خوب جانتے تھے کہ جب تک پہل خود ان کی طرف سے نہ ہوگی آپ نہ ان پر ہاتھ اٹھائیں گے نہ ان کی پر وہ دری کریں گے اور یہ مال غنیمت میں حصہ پاتے رہیں گے، اور وقتاً فوقتاً جو کچھ ملتا رہے گا اس سے مقابلے کی تیاری کریں گے،

حضرت علیؓ نے طے کر لیا تھا اور لوگوں کو اور خود خارجیوں کو مطلع بھی کر دیا تھا کہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کریں گے آپ کی طرف سے کوئی مخالفت نہ کارروائی عمل میں نہیں آئے گی آپ کے اس عدل اور درگزر نے اس نرمی اور احسان فرمائی نے خارجیوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے اور آپ ان کے ارادوں سے پوری طرح واقف بھی ہو چکے تھے آپ کے دل میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ یہی خارجی آپ کے قاتل ہیں چنانچہ اکثر اپنی وارطھی اور پیشانی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ ان سے رنگین ہو کر رہے گی،

معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ باخبر کئے گئے تھے کہ آپ مقتول کریں گے، اور یہ کہ آپ کا قاتل اس اُمت کا بدبخت ترین شخص ہوگا، چنانچہ ساتھیوں کی نافرمانی سے جب تنگ آجاتے اور اکتا جاتے تو خطبوں میں اکثر فرمایا کرتے ————— "بدبخت نے کیوں دیر لگا رکھی ہے"

خوارزم کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی کبھی آپ کے سامنے آجاتے اور علانیہ بلا کسی تردد کے اپنے خیالات کا اظہار کرتے، چنانچہ ایک دن خریث بن راشد سلمیٰ جو سامہ بن موسیٰ کی اولاد میں ہے آیا اور کہنے لگا،

خدا گواہ کہ میں نے نہ آپ کی اطاعت کی اور نہ آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے کہا خدا تیرا پیڑا غرق کرے تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اپنا عہد توڑا اور اپنے آپ کو دھوکا دیتا رہا اور ایسا تو کیوں کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ آپ نے قرآن میں ثالثی منظور کی اور جب سرگرمی کا وقت آیا تو کمزوری دکھائی اور ان لوگوں پر اعتماد کیا جنہوں نے آپ پر ظلم کیا، پس میں آپ کو اور ان کو ملزم سمجھتا ہوں اور قابل نفرت،

اس پر بھی حضرت علیؓ نے اس پر خفا ہوتے نہ اس کی گرفتاری کی بلکہ اس کو مناظرے کی دعوت دی کہ بات کا صحیح رُخ اس کے سامنے پیش کر دیں شاید وہ حق کی طرف لوٹ سکے، خریث نے کہا میں کل

آؤں گا، حضرت علیؓ نے یہ منظور کر لیا اور آزادی کے ساتھ اس کو جانے دیا، ایسا نہیں کیا کہ اس کو جیل میں رکھ کر سوال و جواب کرتے، پھر وہ اپنی قوم بنی ناجیک کے لوگوں کے پاس آیا، جہاں اس کا بڑا اثر تھا اور جن کو نے کرجمل اور صفین کے معرکوں میں شریک ہوا تھا ان کو حضرت علیؓ سے اپنے سوال و جواب کی کیفیت بتائی اس کے بعد وہ رات کی تاریکی میں کوڈ سے لڑائی کے ارادے سے نکل گیا راستے میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو وادی میں لے جئے ان کا مذہب پوچھا ان میں سے ایک یہودی تھا، اس نے اپنا مذہب بتا دیا، اس کو ذمی خیال کر کے چھوڑ دیا، دوسرا عجمی مسلمان تھا، جب اس نے اپنا مذہب بتایا تو اس سے حضرت علیؓ کے بارے میں سوال کیا جب اس نے تعریف کی تو اس کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو قتل کر دیا، یہودی نے مصافحات کے ایک حاکم کو وقتاً کی اطلاع کی جس نے حضرت علیؓ کو لکھا پھر حضرت علیؓ نے ایک فوج بھیجی کہ ان کو تلاش کرے اور اطاعت کا حکم دے اگر انکار کریں تو مقابلہ کرے، چنانچہ فوج پہنچ گئی، فوج کے افسر اور خریٹ میں بحث و مباحثہ ہوا لیکن بے نتیجہ تب افسر نے مقتول مسلمان کے قاتلوں کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا خریٹ نے انکار کیا اس پر دونوں میں سخت مقابلہ ہوا جس میں کوئی بھی غالب نہ آسکا شام ہونے پر فریقین لڑائی سے رک گئے اور خریٹ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ کی طرف بھاگ نکلا، حضرت علیؓ نے ایک دوسری فوج بھیجی جو بڑی تھی اور زیادہ طاقتور، اور ان کے تعاقب کا حکم دیا اور اپنے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عباسؓ کو لکھا کہ اس فوج کی امداد کریں، چنانچہ انھوں نے مدد کی اور فریقین میں مقابلہ ہوا اور سخت جنگ ہوئی۔ خریٹ کے ساتھیوں میں اہتری پیدا ہوئی لیکن وہ اس مرتبہ بھی رات کی تاریکی میں اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا، تھوڑے ہی دنوں بعد اس شخص کی حقیقت کھلی کہ اس نے حکومت یا حق کی مخالفت میں خروج نہیں کیا، وہ ایک جانباز ولیر تھا، خارجیوں پر ایسا ظاہر کرتا تھا کہ ان کا ساتھی ہے، اور عثمانیوں میں اپنے کو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا طالب بتاتا، بہت سے مخلوط نسل کے لوگوں کی ٹولیاں اس کے ساتھ ہو گئیں اور وہ دریا کے ساحل پر بڑھتا گیا جتنا بھی وہ آگے بڑھا موٹے مسندے غریب عجمی مسلمان اور مخلوط لوگوں کی جماعتیں اس سے ملتی گئیں تا آنکہ اس کی فوج بہت بڑھ گئی اور وہ بڑی اہمیت کا مالک ہو گیا عیسائیوں کی ایک جماعت بھی اس کے ساتھ ہو گئی جس میں کچھ ایسے تھے

کہ مسلمان ہونے کے بعد پھر عیسائی ہو گئے اور یعنی اپنے دین پر قائم رہ گئے لیکن جزیرے سے چھٹکارا پانے کی یہ صورت نکالی، حضرت علیؓ کی فوج خریث اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں تھی چنانچہ ایک دن ان کو گھیرے میں لے لیا اور معرکہ آرائی ہوئی جس میں خریث مارا گیا اور اس کے ساتھیوں کو حضرت علیؓ کے افسر نے قید کر لیا ان میں سے جو مسلمان تھے ان کو چھوڑ دیا اور جو مرتد ہو گئے تھے ان سے توبہ کرنے کے لئے کہا جو مسلمان ہو گیا اس کو چھوڑ دیا اور جو مسلمان نہیں ہوا اس کو قیدی بنایا،

افسر نے اس واقعے کی اطلاع حضرت علیؓ کو دی اور قیدیوں اور ساتھیوں کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا، یہ قیدی پانچ سو کی تعداد میں تھے، یہ لوگ راہ میں فارس کے ایک علاقے سے گذرے جس کا حکم حضرت علیؓ کا مقرر کردہ مصقلہ ابن ہبیرہ شیبانی تھا، قیدی چلا چلا کر اس سے فریاد کرنے لگے کہ ان کو اس قید سے نجات دلائے اور یہ زیادہ تر اسی کی قوم بکر ابن وائل ہیں سے تھے، مصقلہ نے ان کو حضرت علیؓ کے افسر سے خرید لیا اور آزاد کر دیا لیکن جو قیمت دینی منظور کیا تھا اس کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا،

یہ لوگ کوفہ پہنچے اور حضرت علیؓ کو قیدیوں کے ساتھ مصقلہ کا واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے افسر کی تعریف کی اور اس کی رائے کی تائید اور انتظار کرتے رہے کہ مصقلہ اپنے ذمہ کی واجب الادا رقم بھیجے گا لیکن جب اس نے دیر کی تو آپ نے مطالبہ کیا اور اصرار اور پھر دھمکی دی، اس کے بعد ایک تقاضہ کرنے والے کو بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر ٹال مٹول کرنا چاہے تو بصرہ کے حکم عبداللہ بن عباس کے پاس اس کو پہنچا دینا،

مصقلہ کا یہ واقعہ پوری فوت اور وضاحت کے ساتھ اس ذہنیت کا پتہ دیتا ہے جو حضرت علیؓ کی اطاعت کے بارے میں اس زمانے کے اکثر عراقی سردار رکھتے تھے، مصقلہ نے قرض ادا کرنے سے پہلو تہی کی اور ابن عباس کے پاس لایا گیا، جب ابن عباس نے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو کہنے لگا — اگر ابن عباس کے لئے اس سے بھی زیادہ رقم کا آپ مطالبہ کرتے تو مجھے کچھ عذر نہ ہوتا، اس کے بعد فریب سے کر بصرہ سے بھاگ نکلا اور امیر معاویہ سے جا ملا، انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ملاقات کی کھلایا پلایا اور خوش کیا، یہ دیکھ کر مصقلہ نے چاہا کہ اپنے بھائی نعیم بن ہبیرہ کو بھی اپنے پاس بلا لے، چنانچہ

بنی تغلب کے ایک عیسائی جلاوان نامی کے ہاتھ اس مقصد کے لئے ایک خط بھیجا لیکن جیسے ہی یہ نصرانی کو فہ کو فہ پہنچا حضرت علیؓ کو حالات کا پتہ چل گیا اور معلوم ہوا کہ وہ صرف خط پہنچانے نہیں آیا ہے بلکہ جاہل کی اور مخبری بھی اس کا کام ہے اچھا نچہ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اس کے بعد وہ مر گیا، تعمیر اپنے بھائی کو مخاطب کر کے کہتا ہے

لا تاملن ہدایت اللہ عن ثقہ ریب الزمان ولا تبعتھم جلاوانا

خدا تم کو ہدایت سے زمانے کے فریب سے بخوف ہو کر جلاوان سے جیسے آدمی کو نہ بھیجا کرو

ما ذارت الی ارسالہ سفہا ترجو سقاط امراماعان حوانا

اس کے بھیجنے کی بے وقوفی سے تمہارا کیا مقصد تھا تم کو ایک شخص سے گراوٹ کی امید تھی جو خائن نہیں

عرضتہ لعلی انہ اسد یمشی العرضنۃ من آسا وحقانا

تم نے اس کو علیؓ کے بالمقابل بھیجا وہ تو نرم پتھروں کے شیروں میں سے ایک شیر ہیں میدان میں چلتے ہیں

قد کنت فی منظر عن ذ او مستمع تاوی الصراف و تدعی خیر شیبانا

عراق آتے اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے اور شیبان کے بہترین بزرگ کہے جاتے

لو کنت ادیت مال القوم و مصطبرا للحق احییت بالافصال موتانا

حق پیش نظر رکھ کر اگر قوم کا مال پیش کر دیتے تو ہمارے مرحوم بزرگوں کو زندگی بخشتے

لکن لحقت باهل الشام ملتصا فضل ابن ہند و ذاک الری اشجانا

لیکن تم ابن ہند (معاویہؓ) کی مہربانیوں کے جو بانے جو شام چلے گئے اور یہ بات ہم کو رنجیدہ بناتی ہے

قالات تکثر قرع السن من ندم وما نقول و قد کات الذی کانا

اب تم ندامت میں رات پیتے ہو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا،

وظلت تبخض الاحیاء قاطبۃ لم یرفع اللہ بالبعضاء انسانا

تمام قبائل تم سے نفرت کریں گے، اللہ نے نفرت اور بغض سے کسی قوم کو سر بلند نہیں کیا

پس حضرت علیؓ کے لئے معتقد کی اطاعت ایک ایسے آدمی کی اطاعت نہ تھی جو اپنے سب کاموں

میں حق اور ایمان داری کو پیش نظر رکھتا ہو اور نتائج سے بے پروا ہو کر صبر اور ثابت قدمی سے اپنے

فرائض انجام دیتا ہو بلکہ اس کی اطاعت ایک خلیفہ کے لئے ایک معمولی آدمی کی اطاعت تھی ایسا آدمی

جو تین پرست، موفح پرست اور مطلبی ہے جو اپنی بھلائی چاہتا ہے جس طرح بھی بن آئے اور یہ مصقلہ اس معاملہ میں تنہا نہیں تھا بلکہ بصرہ اور کوفہ کے بڑے لوگوں میں اس کے جیسے بہت سے افراد تھے، خواص کا یہ حال تھا، پھر عامی آدمی کس قطار اور شمار میں ہوں گے،

مصقلہ قیدیوں کو خریدتا ہے اور ان کو آزاد کر دیتا ہے اس لئے نہیں کہ اللہ سے ثواب کا متمنی ہے یا کسی اچھے کام کا بڑا شائق ہے بلکہ قبیلے کی طرفداری کے جذبے سے اور خلیفہ کے ساتھ چال بازی کر کے اپنے جذبے کی تکمیل کرتا ہے جب حاکم کو اس کی مکاری کا پتہ چلتا ہے اور وہ رقم کا مطالبہ کرتا ہے تو تعجب نہیں کرتا بلکہ فرار ہو کر ان لوگوں سے جاملتا ہے جو خلیفہ سے برسر پیکار ہیں، اور اس کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوامیاں کرتے ہیں، اس طرح مصقلہ دوستی کی حد سے نکل کر دشمنی کی صفت میں گھرا ہو جاتا ہے اور یہ امیر معاویہؓ کا اس سے ملاقات کرنا، اس کو خوش آمدید کہنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک اسی طرح برافعل ہے جس طرح اس کا قرض کی ادائیگی سے ٹال مٹول کرنا، اور شام بھاگ جانا، امیر معاویہؓ نے جو کچھ کیا اس کو چال اور ہکر کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا ایک سچا مسلمان ہرگز وہ بدلا نہیں دے سکتا جو انھوں نے مصقلہ کو دیا، یہ تو اس وقت موزوں ہوتا کہ کوئی ان کے پاس بھاگ کر ہوتا کہ قیصر کے خلاف کوئی ریشہ دوانی کرنی ہے جس سے دشمن کے سگے بلے میں ان کو مدد ملتی ہے لیکن اپنے خلیفہ کے ساتھ مکاری کرنے والے کو پناہ دیتا اور وہ محض اس لئے کہ شاید اس سے عراق میں خرابیاں پیدا کرنے کا کام لیا جاسکے معاملہ کا یہ وہ پہلو ہے جو امیر معاویہؓ کی اس سیاست کے اہم رخ کو بے نقاب کر دیتا ہے جس پر وہ اپنے جدید اقتدار کی بنیاد رکھتا چاہتے تھے یہ دنیاوی سیاست تھی جس کا دامن دنیاوی ساز و سامان، دیوبی ضرورتوں، منافعتوں، خواہشوں اور ہوسناکیوں سے بھرا ہوا ہے، یہاں پہنچ کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے سیاسی مسلک کا فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے حضرت علیؓ کے مسلک کی بنیاد خالص دین پرستی اور امیر معاویہؓ کے مسلک کی بنیاد خالص دنیا پرستی، حضرت علیؓ کو جب مصقلہ کے فرار ہونے کی خبر ملی تو آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا، کام تو اس نے سرداروں جیسا کیا اور بھاگا غلاموں کی طرح اس کو کیا ہو گیا تھا، خدا اس کو ہلاک کرے، بعد میں اس کا گھر آپ کے حکم سے گرا دیا گیا

حضرت علیؓ کی حکومت

حضرت علیؓ آزمائش کے اسی تلخ دور سے گزرتے رہے، دوست غداری اور دشمن مکاری سے پیش آتے رہے، لیکن آپ اس پورے دور میں اپنے روشن مسلک پر ارادے کے پکے رہے، نہ معاملات میں کوئی لپستی گوارا کی، نہ دین میں کوئی کمزوری دکھائی، نہ اپنی کھلی ہوئی سیاست سے ذرا بھی انحراف کیا، مصیبتیں مسلسل آتی رہیں اور سدا رہتی رہیں، مگر آپ اپنی راہ چلتے رہے، واپس بائیں کسی طرف جھکے نہیں، شدید غصے کا عالم ہوتا زندگی کی انتہائی تلخیاں ہوتیں، لیکن کوئی بات آپ کے ارادے کی راہ میں حائل نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ آپ نے زیر لب کچھ فدا کر غصے کا اظہار کر دیا،

تہران کی جہم سے فرصت پاتے ہی خود آپ کی حکومت میں آپ کی آزمائش کا دور شروع ہو گیا، امیر معاویہؓ نے آپ کی حکومت کی حدود کو کاٹنا اور اطراف و جوانب کی آبادیوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا، شام کے لوگ دل سے ان کے فرمانبردار تھے، ان کے حکم پر چوں و چرا نہیں کرتے، بلانے پر دوڑ پڑتے، حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے ہی امیر معاویہ کے دل میں مصر کا خیال پیدا ہوا تھا اس لئے کہ وہ ان سے نزدیک اور حضرت علیؓ سے بہت دور پڑتا تھا، اور اس لئے بھی کہ مصر والے تمام صوبوں سے زیادہ حضرت عثمانؓ کے مخالفت اور ان پر حملہ کرنے میں پیش پیش اور سب سے زیادہ تیز تھے، امیر معاویہؓ نے مکر و فریب سے مصر پر قبضہ کرنا چاہا اور کہنا چاہتے کہ بڑی مشکلوں سے وہ اپنے ارادے میں پرفریب طریقے پر کامیاب ہو گئے، حضرت علیؓ نے قیس بن سعد ابن عبادہ انصاری کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا وہ اپنے اندر اس منصب کی اہلیت اور اس کی ذمہ داری سنبھالنے کی طاقت رکھتے تھے چنانچہ وہ مصر آئے اور مصریوں کو حضرت علیؓ کا فرمان پڑھ کر سنایا، لوگ ان کے پاس آئے اور حضرت علیؓ کے لئے بیعت کی اور تمام معاملات ٹھیک ہو گئے، البتہ ایک جماعت کنارہ کش رہی اس نے قیس کو لکھا کہ اس کے لوگ جنگ کرنا نہیں چاہتے، اور نہ خراج روکیں گے البتہ ابھی وہ حالات کے انجام کا انتظار کریں گے قیس نے ان سے مصالحت کر لی اور ان کے خلاف اقدام نہیں کیا اس کے بعد عمرو بن غاصؓ اور معاویہؓ نے قیس کو خط لکھا اور اپنی

طرف مائل کرنے کی کوشش کی، قیس نے خط کا ایک نرم جواب دے دیا جس میں ان کو اپنی طرف سے نہ مایوس کیا اور نہ متوقع رکھا البتہ ان دونوں کے شر سے اپنے صوبے میں بچنے کی کوشش کی جو مرکز سے بہت دور واقع تھا، امیر معاویہؓ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور پھر لکھا اور صاف صاف معلوم کرنا چاہا کہ ان کی رائے کیا ہے اور وہ دوست ہیں کہ دشمن، پھر جب امیر معاویہؓ مایوس ہو گئے تو خط میں گالیاں دیں اور قیس کو یہودی ابن یہودی لکھا، قیس نے بھی گالی کا جواب گالی سے دیا اور امیر معاویہؓ کو بت پرست ابن بت پرست لکھا اور ان کے باپ کے متعلق لکھا کہ دونوں نے مجبوراً اسلام قبول کیا پھر دونوں بلا جبر اسلام سے خارج ہو گئے،

تب امیر معاویہؓ نے سمجھ لیا کہ قیس کا معاملہ نہ نرم چال بازی سے ٹھیک ہوگا اور نہ سخت دھمکی سے، چنانچہ انھوں نے مصر کو چھوڑ کر عراق میں قیس کے لئے دایم فریب بچھایا ایک جعلی خط قیس کی طرف سے عراقیوں کے نام بھجوا یا کہ میں علیؓ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا ہوں اور حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتا ہوں، حضرت علیؓ نے اس خط کے مذکور کی تصدیق نہیں کی اور اپنے دوستوں سے کہا کہ میں قیس کو تم سے زیادہ جانتا ہوں یہ ان کی حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے لیکن آپ کے ساتھیوں نے خط کا قیس کو پایا اور پراگنہ بن گئے ہو کر قیس کو معزول کر دیتے پڑا صرار کیا، حضرت علیؓ نے قیس کی طرف سے اطمینان کے باوجود توجہ کی اور قیس کو لکھ بھیجا کہ کنارہ کشی اختیار کرنے والوں سے مقابلہ کرو اور بیعت کے سوا ان کی کوئی بات نہ مانو، قیس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا اس خاموش جماعت سے لڑنے میں جلدی کیوں کی جا رہی ہے اور درخواست کی کہ صوبے کے معاملات میری صواب دید پر چھوڑ دیئے جائیں اس لئے کہ میں قریب ہوں اور آپ دور، اور پھر مجھے خطرہ ہے کہ اس جماعت کا اضطراب میرے انتظام میں خرابی کا باعث ہوگا، علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ اس جماعت کے کچھ لوگ اس کی امداد کے لئے کھڑے ہو جائیں یا پھر معاویہؓ سے امداد کے طالب ہوں جو اس کے لئے تیار ہوں گے، قیس کا یہ جواب معلوم کر کے کوفہ والوں کو یقین ہو گیا کہ اس کے دل میں برائی ہے اور اس نے خلیفہ کا حکم نہیں مانا، پس انھوں نے اس کی معزولی پر اصرار کیا اور کرتے ہی رہے تا آنکہ حضرت علیؓ نے ان کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابوبکرؓ کو مصر کا گورنر مقرر کیا،

محمد بن ابوبکرؓ اور قیس بن سعد میں بڑا فرق تھا۔ محمد ابھی نوخیز جوان تھے قیس ایک تخریب کار

زمانے کا نشیب و فراز دیکھے ہوئے، محمدؐ، حضرت عثمانؓ کے قبضے میں شریک رہ چکے تھے، قیس ابن سعد کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا، محمدؐ جنگ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، اپنے جذبات اور جوانی کے تقاضوں کے سوا کچھ نہ سنتے تھے، قیس غور و فکر کے آدمی تھے، معاملات کو تولتے تھے اور لڑائی اسی وقت منظور کرتے جب اس کے سوا چارہ کار نہ ہوتا،

محمدؐ ابن ابوبکرؓ کے مصر پہنچنے پر قیس ابن سعد مدینہ چلے آئے جہاں سے کچھ دنوں کے بعد وہ حضرت علیؓ کے پاس کوفہ واپس آگئے اور صفین کے معرکے میں آپ کے ساتھ رہے، حاضری اور غیر حاضری میں آپ کی خیر خواہی کرتے رہے، محمدؐ ابن ابوبکرؓ نے مصر پہنچ کر اس کنارہ کش جماعت کو اطاعت کی دعوت دی اور انکار کرنے پر ان سے جنگ شروع کر دی اور ان کے خلاف ایک فوج بھیج دی جس کو جاتے ہی شکست ہو گئی، اس کے بعد دوسری فوج بھیجی اور وہ بھی اسی وقت مغلوب ہو گئی، مزید برآں اس جماعت کی امداد پر ایک قوم آمادہ ہو گئی، اور مصر میں حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کی تحریک پیدا ہو گئی اور صوبے کا معاملہ گڑبڑ میں پڑ گیا، حضرت علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اشتر نخعی کو مصر کا حاکم مقرر کیا، اور محمدؐ ابن ابوبکرؓ کو معزول کر دیا لیکن اشترؓ ابھی قلمم تک پہنچے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ قلمم کے افسر خراج کو امیر معاویہؓ نے بہکایا اور کہا اگر تم اشترؓ کی موت کی کوئی تدبیر کر دو تو زندگی بھر تم سے خراج معاف، چنانچہ اس شخص نے شہد کے شربت میں زہر ملا کر اشترؓ کو دیا جس سے وہ اسی دن یا دوسرے دن انتقال کر گئے، عمر و بن العاص اور امیر معاویہؓ دونوں بیٹھے بائیں کر رہے تھے اور کہتے تھے شہد بھی اللہ کی ایک فوج ہے،

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے مصر پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کیا جس کا امیر عمر و بن العاصؓ کو بنایا، ادھر حضرت علیؓ مجبور ہوئے کہ محمدؐ ابن ابوبکرؓ کو ہی گورنری پر باقی رکھیں آپ نے ان کو چونکا رہنے کی تاکید کی۔ اور وعدہ کیا کہ فوج اور مال بھیجتے ہیں آپ نے کوفہ والوں کو اپنے مصری بھائیوں کی امداد کے لئے متوجہ کیا لیکن کسی نے توجہ نہیں کی جب آپ نے بہت زور ڈالا تو ایک مختصر سی فوج پیش کی گئی جس کو آپ نے مصر بھیج دیا لیکن بہت جلد آپ کو معلوم ہوا کہ عمر و بن عاصؓ مصر میں داخل ہو چکے ہیں اور محمدؐ ابن ابوبکرؓ قتل کر دیئے گئے اور ان کی لاش آگ میں جلا دی گئی آپ نے اس چھوٹی سی فوج کو واپس بلا لیا اور کوفہ والوں کو عادت کے مطابق خطبے میں

سخت و سست کہا لیکن وہ شکر منتشر ہو گئے،

اس دن سے اسلامی حکومت و حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک مغربی حصہ جس کے حکمران امیر معاویہ تھے جس میں شام مصر اور افریقیا کے علاقے شامل ہیں جن میں سے کچھ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور کچھ کے نفع ہو جانے کی توقع تھی دوسرا مشرقی حصہ جس پر حضرت علیؑ کا قبضہ تھا اور جس میں عراق اور فارس کے مفتوحہ علاقے اور جزیرہ العرب کا حصہ شامل تھا، لیکن امیر معاویہؓ مغرب کے مقبوضات پر قناعت نہ کر سکے، ساتھ ہی و فاداری اور فتوحات دیکھ کر نیز عراق میں حضرت علیؑ کے خلاف کامیاب چالوں سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا پھر حضرت علیؑ کے آدمیوں کو اپنا آلہ کار بنا لینے کی کامیابی نے ان کو آگے قدم بڑھانے پر آمادہ کر دیا، چنانچہ انھوں نے عراقیوں سے ان کے شہروں میں گھس کر جنگ کرنے کی ہمت کی اور حضرت علیؑ کے بقیہ مقبوضات میں دہشت اور اضطراب پھیلا دیا،

علیؑ اور ابن عباسؓ

انہیں دونوں حضرت علیؑ کے مصائب میں ایک اور مصیبت کا اضافہ اس شخص کے ہاتھوں ہوا جو آپ کے سب سے زیادہ قریبی اور آپ کی نگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا یعنی آپ کے طرفدار آپ کے چچا زاد بھائی آپ کی طرف کبیرہ کے حاکم عبداللہ بن عباسؓ یہ آپ کے حالات اور معاملات کے سب سے زیادہ واقف اور آپ کی مدد اور مشورے پر سب سے زیادہ قادر تھے اور اس کے اہل تھے کہ جب ساری دنیا حضرت علیؑ سے انکھیں پھیرے دشمن ان کے ساتھ مکر و فریب کرے دوست دشواریوں کا باعث بن جائے تو یہ ان کے ساتھ اخلاص برتیں اور ان کے کام آئیں،

حضرت علیؑ نے اپنے بھائی کے لئے کوئی کمی نہیں کی، اس سے کوئی بات چھپائی نہیں، کوئی راز اس سے مخفی نہیں رکھا اس کو اپنا تصور کیا تو وہ کوئی نہیں رہے اور اپنے وزیر کو کبیرہ کا حاکم بنایا جو آپ کی حکومت کا سب سے بڑا اور اہم شہر تھا حضرت علیؑ کو سب لوگوں سے اپنے لئے مصیبت کا اندیشہ تھا اگر نہیں تھا تو اسی بھائی اور دونوں لڑکوں سے،

ابن عباسؓ دینی اور دنیاوی معاملات پر جو عبور رکھتے تھے، بنی ہاشم میں خصوصیت کے ساتھ اور قریش اور تمام مسلمانوں میں عموماً ان کو جو امتیازی شان حاصل تھی اس کا تقاضا تھا کہ وہ بڑی سے بڑی اور کٹھن سے کٹھن مصیبت ٹوٹ پڑنے پر بھی بھائی سے انحراف نہ کرتے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفین کے معرکہ سے بہت شکستہ خاطر ہو کر آئے انھوں نے دیکھا کہ امیر معاویہؓ مکر کی چالوں اور اہل شام کی وفا شعار یوں سے

اجھرتے اور غالب ہوتے جا رہے ہیں اور حضرت علیؓ کے ساتھی خود اپنے امام سے الگ ہو کر بہت سے تو خفیہ جنگ کی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئے ہیں، اور بہت سے کھلم کھلا مقابلے میں شریک ہیں پھر وہ ٹالٹوں کی مجلس میں پہنچے وہاں بھی عراقیوں کی پھوٹ اور شامیوں کے اتحاد کا نقشہ دیکھا واپس آئے تو اس یقین کے ساتھ کہ دنیا بھائی سے منہ پھیر چکی ہے زمانہ ان کے خلاف ہو گیا ہے اور معاملات امیر معاویہؓ کے حق میں ٹھیک ہونا چاہتے ہیں، پھر بھائی کو دیکھا کہ ان حالات کے باوجود اپنی اسی سیدھی راہ پر چلے جا رہے ہیں نہ خود کج رو ہیں نہ کسی کی کج روی گوارا کرتے ہیں، نرمی اور چشم پوشی کی سیاست چلا رہے ہیں، اور مسلمانوں کے ساتھ رحم و ہمدردی والی حضرت عمرؓ کی پالیسی پر عامل ہیں لیکن وہ فاروق اعظمؓ کی طرح لوگوں کے ساتھ شدت اور سختی کا بڑا ڈھنسی کرتے بلکہ اپنا مقابلہ کرنے والوں سے شدت کے ساتھ لڑتے ہیں اور صلح کرنے والے سے بے احتیاطی کے ساتھ صلح کر لیتے ہیں مگر فریب پر گرفت اور بدگمانی پر مواخذہ نہیں کرتے جب تک لوگ شرارت کی ابتداء نہ کرے اور اقدام نہیں کرتے پھر ہم نے دیکھا کہ شام جانے کے لئے ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے پاس نہیں آئے اور نہ نہروان میں ان کے ساتھ رہے بلکہ خود بصرہ ہی میں ٹھہرے رہے اور حضرت علیؓ کے پاس فوج روانہ کر دی گویا وہ اس بے سود جنگ سے اکتا گئے تھے اس لئے بیٹھ رہے اور انجام کا انتظار کرتے رہے، چنانچہ بہت جلد انھوں نے دیکھ لیا کہ اس لڑائی کا انجام حیرانی پھوٹ اور بیزاری کی صورت میں نکلا، حضرت علیؓ نے خوارج کا مقابلہ کیا لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ ہو سکا کہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کا خاتمہ کر دیا اور شام پھر بھی نہ جا کے بلکہ کو قہ واپس آنا پڑا اور پھر نکلنے کی نوبت ہی نہیں آئی، ابن عباسؓ نے دیکھا کہ بھائی کا ستارہ گردش میں ہے اور امیر معاویہؓ کی قسمت جاگ رہی ہے تو بصرہ میں ٹھہر کر بھائی اور بھائی پر انبیوالی مصیبتوں سے زیادہ خود اپنے معاملے پر غور کرنے لگے اسی موقع پر شاید بیت المال سے اپنی ذات کے لئے انھوں نے کچھ رقم لے لی، ابن عباسؓ کا یہ عمل ان کی اور حضرت علیؓ کی اس روش سے کسی طرح میل نہیں کھاتا جس کے اپنے اقبال کے دنوں میں دونوں پابند تھے اس کے بعد یہ دیکھ کر کہ بیت المال کے افسر ابوالاسود دؤلی اس پر معترض ہیں، ابن عباسؓ نے ان کو ایک دن نہایت سختی کا جواب دیا، جس سے ابوالاسود کو بڑی کوفت ہوئی اور انھوں نے حضرت علیؓ کو لکھا:۔

امابعد — اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذمہ دار نگران اور امانت دار والی بنایا ہے، ہم نے آپ کی آنائیش کی اور آپ کو زبردست مددین اور رعایا کا خیر خواہ پایا رعایا کو آپ بہت کچھ دیتے ہیں اور خود ان کی دنیا سے اپنا ہاتھ روکتے ہیں چنانچہ آپ نمان کا مال کھاتے ہیں اور نہ ان کے معاملات میں شہوت سے آپ کوئی تعلق، آپ کے بھائی اور آپ کے گورنر آپ کے علم و اطلاع

کے بغیر وہ رقم کھا گئے جو ان کے ہاتھ میں تھی اور میں یہ بات آپ سے مخفی نہیں رکھ سکتا، خدا کا فضل آپ کے شامل حال ہے، ادھر توجہ فرمائیے اور مجھے اپنی رائے لکھئے۔ وَالسَّلَامُ

بلاشبہ اس خط نے حضرت علیؓ کو سخت متوحش کر دیا اور ان کی غیر معمولی مصیبتوں میں ایک بڑی مصیبت، ایک تیز چھینے والی خلیش کا اضافہ کر دیا لیکن عادت کے مطابق آپ نے اس مصیبت پر صبر کیا اور ابوالاسود کو لکھا اہا بعد — میں نے تمہارے خط کا مطلب سمجھا تم جیسا آدمی اُمت اور امام دونوں کے لئے مجسم خیر خواہی، تم نے حق کی حمایت اور ناحق سے روگردانی کی ہے میں نے تمہارے صاحب کو اس بارے میں لکھا ہے اور تمہارے خط کا تذکرہ نہیں کیا، تمہاری موجودگی میں ایسی باتیں ہوں جن پر غور کرنے میں اُمت کا نفع ہو تو مجھے ضرور مطلع کرنا تمہیں یہی کرنا چاہئے اور یہی تمہارا فرض ہے، وَالسَّلَامُ

اور اسی وقت ابن عباسؓ کو لکھا،

اہا بعد — مجھے تمہارے بارے میں ایک بات کا پتہ چلا ہے اگر وہ سچ ہے تو تم نے اپنے رب کو خفا کیا، اپنی امانت برباد کی اور اپنے امام کی نافرمانی کی، اور مسلمانوں کے خائن بنے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے زمین کو بخر کر دیا اور جو رقم تمہارے قبضے میں تھی وہ کھا گئے پس میرے سامنے حساب پیش کرو اور جان لو کہ اللہ کا حساب لوگوں کے حساب سے زیادہ سخت ہے،

اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت علیؓ ابوالاسود کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اس کی حاضری میں ہونے والے معاملات کی اطلاع چاہتے ہیں اور ابن عباسؓ کے بارے میں جو کچھ لکھا اسکو منظور کرتے ہیں اس لئے کہ حضرت علیؓ مال اور عمال کے بارے میں بڑے محتاط اور بڑے سمجھتے ہیں معاملے میں ان کی شان حضرت عمرؓ کی سی تھی وہ حد درجہ اس کے خواہاں رہا کرتے کہ گوزنوں کے بارے میں کوئی بات ان سے پوشیدہ نہ رہے، جیسا کہ تم آئندہ صفحات میں پڑھو گے اور اس پر بھی تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ ابن عباسؓ کو اس طرح کیسے لکھ دیا اس لئے کہ مالیات کے بارے میں نرمی اور مسلمانوں کے کسی معاملے میں بد اصحت آپ کی عادت نہ تھی، تعجب تو اس پر ہے کہ حضرت علیؓ کا خط ملنے پر ابن عباسؓ نے صرف اتنا لکھا

اہا بعد — آپ کو جو اطلاع ملی وہ غلط ہے اور میں

اپنے زیر تصرف رقم کا ادروں سے زیادہ منتظم اور محافظ ہوں

خدا آپ پر مہربان ہو، آپ بدگمانوں کی باتوں میں نہ

آئیں۔ وَالسَّلَامُ

ایسا جواب جو نہ پڑھنے والے کو مطمئن بنا سکے، نہ لکھنے والے کو الزام سے بچا سکے، البتہ اس سے اپنا پتہ چلتا ہے کہ کاتب اپنے آپ پر غیر معمولی اعتماد رکھتا ہے، اور دوسروں کو کوئی وقت نہیں دیتا، حالانکہ ابن عباس حضرت عمرؓ کی صحبت میں رہ چکے ہیں اور ان کی سیرت سے واقف ہیں، اور جانتے ہیں کہ گورنروں سے حساب لینے میں وہ کس قدر سخت تھے، ابن عباس اپنے بھائی حضرت علیؓ کی صحبت میں بھی رہ چکے ہیں، اور جانتے ہیں کہ مالیات کے بارے میں وہ نرم نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے، جس سے کاتب اور مکتوب الیہ دونوں تشنہ رہتے ہیں، پس آپ نے سختی کیساتھ تفصیلی جواب پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے ابن عباس کو لکھا،

اما بعد - میں تم سے اس وقت تک درگزر نہیں کر سکتا جب تک تم مجھ کو یہ نہ بتاؤ کہ تم نے جزیہ کی کتنی رقم لی؟ کہاں سے لی؟ اور کس مد میں اس کو خرچ کیا؟ اگر تم کو امانت سونپی گئی ہے تو اللہ سے ڈرو، میں نے تم سے اس کی حفاظت چاہی تھی، یہ دولت جس کا بڑا حصہ تم نے سمیٹ لیا ہے حقیر ہے، لیکن اسکی ذمہ داری بڑی سخت ہے والسلام

حیرت ہے کہ ابن عباس یہ خط لیتے ہیں اور پڑھتے ہی آپ سے باہر ہو جاتے ہیں، وہ مسلمانوں کے مال کی حفاظت و انتظام کے ایک ذمہ دار گورنر کی طرح حساب و کتاب لیکر امیر المومنین کی خدمت میں حاضری نہیں دیتے، نہ ایک چچا زاد بھائی کی طرح قرابت و اخوت کی رعایت کا حق ادا کرتے ہیں، جو امام کو اس کا حقدار خیال کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال اور مفاد کی سپرد کردہ امانت کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کیے اور اس سلسلے میں والی کو اگر امداد کی ضرورت ہے تو پیش کرے، اگر کچھ بھول گیا ہے تو یاد دلائے اگر کچھ کوتاہی ہو گئی ہے تو نصیحت کرے،

ابن عباس نے ایسی کوئی بات تو نہیں کی البتہ اپنے آپ کو امام کا مد مقابل اور خلیفہ کا ہمسر بنا لیا اور خیال کرنے لگے کہ وہ خلیفہ کی باز پرس اور اس کے احتساب سے بلند و بالا ہیں، الزام لگانے یا بدگمانی کی بات تو الگ رہی، حالانکہ ابن عباس اور لوگوں سے زیادہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ شیخین پر مسلمان کو اس کا حقدار جانتے تھے کہ وہ خلیفہ سے باز پرس کرے اور سوال کرے کہ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا، اسی طرح امام بھی حقدار ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ والیوں اور حاکموں سے ان کے کاموں کا حساب

لیتا رہے اور اس سلسلے میں شدت سے کام لے تاکہ وہ کوتاہی اور غفلت نہ کریں اور رعایا کی بدگمانیوں سے محفوظ بھی رہیں، پھر وہ بے بس اور کمزور لوگ جو حاکموں کے ظلم و زیادتی سے بچے رہنے کی طاقت نہیں رکھتے خلیفہ کی سخت نگرانی نہ رہنے کی حالت میں اپنے حاکموں کے بارے میں بہت غلط خیال قائم کریں گے۔

ابن عباسؓ حضرت عمرؓ کا معمول اچھی طرح جانتے تھے، کہ وہ رعایا سے ان کے حاکموں کے بارے میں الزامات اور شکایات خود حاکموں کی موجودگی یا غیر حاضری میں سنتے تھے، پھر جو کچھ بھی پیش کیا جاتا اس کی تحقیق کرتے تھے تاکہ عدل و انصاف کیا جاسکے، اور جو ذمہ داری اپنے سر لی ہے اللہ کے سامنے اور لوگوں کے سامنے اس سے عہدہ برائے ہوں، ابن عباسؓ یہ بھی جانتے تھے کہ بارہا حضرت عمرؓ نے گورنروں کو معزول کرنے کے بعد ان کی دولت تقسیم کی ہے اور یہ کہ حاکموں کے تقرر سے پہلے وہ ان کی دولت کا جائزہ لیتے تھے، اور معزول کرنے کے بعد جانچتے تھے اور ان کی یہ بات گورنر منظور کرتے تھے، نہ انکار کرتے تھے نہ ناگواری محسوس کرتے اور نہ اپنے کو اس سے اونچا خیال کرتے تھے، اور یہ حاکم کون لوگ تھے نبیؐ کے پسندیدہ متعدد صحابہؓ، ابن عباسؓ کو اس کا بھی علم تھا کہ بہت سے مسلمان اور غالباً وہ خود بھی حضرت عثمانؓ سے ناراض ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے مالی حدود سے کچھ تجاوز کرتے تھے، ان کے حاکموں سے لوگ ناراض ہوئے کہ انہوں نے خود غرضی سے کام لیا اور مسلمانوں کے مال کے بارے میں غیر معقول رویہ اختیار کیا۔

کیے معاملات کو پیچیدہ کیا، خود حضرت عثمانؓ کا قتل اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور ان کے چچا زاد بھائی اسی سٹے میدان میں آئے کہ نبیؐ اور صحابہؓ کی سنت زندہ کریں گے، بس حضرت علیؓ نے اپنے ایک ایک گورنر سے چاہے وہ ابن عباسؓ ہی کیوں نہ ہوں اگر یہ مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے اس مال کا حساب پیش کریں جو ان کے پاس ہے تو یہ کوئی حد سے بڑھی ہوئی بات نہ تھی، اور ان تمام باتوں کے بعد ابن عباسؓ اپنے بھائی کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور ایک ایسا جواب لکھ سکتے تھے جس سے وہ رضامند ہو سکتے جس سے ان کو تکلیف ہوتی نہ خلش، نہ گرتاری، وہ نرم لب و لہجہ میں یہ لکھ سکتے تھے، کہ جزیہ میں انہوں نے کوئی رقم اپنی ذات کے لئے نہیں لی اور یہ کہ کوئی رقم کسی غلطی میں صرف نہیں ہوئی، اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کونے میں جا کر ان سے مل لیتے، اور صاف صاف اپنی باتیں ان کو بتا دیتے، لیکن انہوں نے ان سب باتوں سے گریز کیا اور نہیں چاہا کہ حضرت علیؓ اپنے دوسرے گورنروں کی طرح ان سے بھی برتاؤ کریں پس اپنا کام چھوڑ دیا، نہ امام کو استعفیٰ دیا اور نہ منظوری کا انتظار کیا خود ہی کام چھوڑ کر ترک مستقر کر دیے۔

اور وہ بھی اس طرح کہ پھر کو ذمہ نہیں آئے ، نہ عراق میں قیام کیا اور نہ کسی ایسی جگہ ٹھہرے کہ امام حسابات کی پیشگی کا مواخذہ یا معزولی سے پہلے کچھ باز پرس کر سکے ، بلکہ مستقر پھوڑ کر سیدھے مکہ چلے گئے جہاں امام کا اقتدار اپنا کام نہیں کر سکتا ، جہاں امام ان کو گروہ سزاکے مستحق ہیں سزا نہیں دے سکتا ، اعدا حرم میں جا کر مقیم ہو گئے اپنے امام کی گرفت سے بھی آزاد اور اپنے حریف امیر معاویہ کے نظر سے بھی بچوٹ ، ابن عباسؓ نے اسی غلطی پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ اپنے بھائی کے حق میں ایسے الفاظ کہے ، جن سے انکو حدود تکلیف پہنچی ، جو ان کے دل میں چھنے والا نعم اور بے چین رکھنے والا درد بن کر رہ گیا ، ابن عباسؓ لکھتے ہیں اللہ سے ایسی حالت میں ملنا کہ مسلمانوں کے کچھ مال کی ذمہ داری میرے سر پر ہو ، مجھے زیادہ پسند ہے ، اس بات سے کہ جملہ صحیفین اور ہنروان کے سر کے میں رہے ہوئے تو لوں کی ذمہ داری مجھ پر ہو ، گویا ابن عباسؓ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جو جنگ کی وہ اللہ کی راہ میں نہ تھی ، اور اس سلسلے میں انہوں نے مسلمانوں کا جتنا خون بہایا وہ سب کا سب ملک گیری کیلئے تھا ، حضرت علیؓ کیلئے یہ بات کس قدر چکر خراش اور دل دوزخ بھائی کیلئے یہ سب پائین تو لکھیں ، لیکن ایک بہت چھوٹی مگر بہت اہم بات لکھنا بھول گئے اور وہ یہ کہ ان خونریزیوں میں وہ خود بھی بھائی کے شریک رہے ، پچنانچہ جمل میں صحیفین ، میں موجود تھے ، اور ان دونوں معرکوں میں بھائی کی فوجوں کے سپہ سالار تھے ، پس وہ اللہ سے ایسی حالت میں نہیں ملیں گے کہ ان کے ذمے صرف مسلمانوں کا کچھ مال ہے بلکہ اس ملاقات میں ان کے دامن پر اس خون کے داغ بھی ہوں گے جو اپنے بھائی علیؓ کی جماعت میں شریک ہو کر بہائے ہیں ، اور علیؓ میں اور ان میں ایک فرق بھی ہو گا ، علیؓ نے تو اس ایمان اور عقیدے کیساتھ یہ خونریزی کی ہے کہ وہ حق کی راہ میں لڑ رہے ہیں اور ان کی یہ ساری خونریزیوں کی ذمہ داری اور اقتدار کی ہوس میں ہوئی ہے ، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے اپنے بھائی کا یہ خط پڑھا تو ایک جملے سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے جو دوست دشمن سبھی سے نہایت تلخ مابوہی کی ایک تصویر ہے ، فرمایا گویا ابن عباسؓ ان خونریزیوں میں ہمارے شریک نہ تھے ،

ابن عباسؓ کا خط پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ اس میں کتنی سمجھتی اور کیسی سنگدلی ہے ، خلافت سے قبل ابن عباسؓ کو حضرت علیؓ سے جو اخوت تھا اور خلافت کے بعد جو خلوص اور نیر خواہی تھی خط پڑھ کر دیکھئے کہ اب اس سے کس درجہ انکار ہے ، لکھتے ہیں ،

اس بعد مال میں سے کچھ لینے کی اطلاع آپ تک پہنچائی گئی ہے، میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ اس کو بہت بڑھا چڑھا رہے ہیں، بڑی اہمیت دے رہے ہیں خدا کی قسم زمین کے اندر جو کچھ چاندی سونا ہے اور اس کے اوپر جس قدر مال و دولت ہے، سب کی ذمہ داری لیکر خدا کے پاس جانا مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں امارت اور اقتدار کے لئے امت کا خون بہانے کی ذمہ داری لے کر جاؤں، جس کو آپ چاہیں اپنا حاکم بنا کر بھیج دیجئے ،

ایک خلیفہ اور اس کے گورنر کے درمیان اس قسم کی غیظ و غضب کی بات پھر ایک شخص کے چچازاد بھائی کے درمیان ایسی سخت کلامی نہ ہوتی، اگر ابن عباسؓ شیعین کی اور حضرت علیؑ کی سیرت پیش نظر رکھتے، اور اپنے آپ کو نظر انداز کر دیتے، لیکن انہوں نے اپنی ذات کو ذرا بھی نظر نہیں کیا، اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ مسلمانوں کے ایک شہر پر حضرت علیؑ کی طرف سے والی ہیں اور یہ کہ انہوں نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی ہے کہ کتاب و سنت پر عمل کریں گے اور رعایا میں انصاف کریں گے،

ابو الاسود رعایا کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اس کا حق رکھتے ہیں کہ وہ امام کے سامنے اپنے حاکم سے جھگڑا کریں، پھر یہ کہ وہ بصرہ کے بیت المال پر امام کی طرف سے امین ہیں، ان کے فرائض میں سے ہے کہ حکمران کے تصرفات میں تو بات ان کی نگاہ میں مشکوک ہو اس کی اطلاع امام کو دیں، لیکن ابن عباس نے نہ صرف غصے میں طیش کی باتیں کیں اور ہجرت انگیزے جال صرف کیا بلکہ اس سے بھی بڑی ایک حرکت کی جس نے نہ صرف امام کو خفا کیا، بلکہ اس سے تمام رعایا اور خصوصاً بصرہ کے لوگ سخت ناراض ہوئے، واقعہ یہ ہوا کہ ابن عباسؓ، مکہ روانہ ہو گئے، لیکن اس طرح خالی ہاتھ نہیں جیسا تقرر کے وقت بصرہ آئے تھے، بلکہ بیت المال سے جتنا مال منتقل کیا جاسکتا تھا وہ سب ساتھ لیکر، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس مال میں ان کا جتنا حق ہے، اتنا ہی تمام بصرہ والوں کا بھی ہے ابن عباس کا اندازہ تھا کہ بصرہ کے لوگ اس مال کے لیجانے میں کسی طرح حارج نہیں ہونگے جس کا اندازہ مورخوں نے (۶۰) ہزار درہم لگایا ہے، اس لئے انہوں نے اپنے ماموؤں میں سے بنی ہلال کو بلوایا، اور کہا کہ ہجرت لیکر اس کو محفوظ جگہ پر پہنچادیں، چنانچہ انہوں نے ایسا کر دیا

اب وہ بصرہ سے نکلے ان کے پاس مسلمانوں کا مال تھا، جس کی حفاظت ان کے ماموں کر رہے تھے یہ دیکھ کر بصرہ کے لوگوں میں یہی فانی کیفیت پیدا ہوئی اور انہوں نے چاہا کہ جو کچھ وہ لے جا رہے ہیں ان سے واپس لے لیں، اور قریب تھا کہ بنی ہلال کے آدمیوں میں اور بصرہ کے دوسرے عربوں میں آویزش ہو جائے بنی ہلال اپنے بھانجے کی حمایت میں غصے سے بھرے ہوئے تھے اور قدیم عرب عصیت تازہ کر کے، پوری قوت سے آمادہ ہو گئے تھے، کہ اپنے عزیز کی مدد ضرور کریں گے، چاہے وہ ظالم ہو چاہے مظلوم، بصرہ کے باقی عرب طیش میں تھے، کہ ان کا مال ان کی موجودگی میں غصب کیا جا رہا ہے، لیکن بنو ازد کے کچھ سنجیدہ لوگوں نے موقع کی نزاکت کا احساس کیا، اور اپنے پڑوسی بنی ہلال کو گھروں میں کر دیا، اسی طرح بنی ربیعہ کے کچھ تسلیم الطبع افراد اور حنف بن قیس اور اس کے ساتھی تیمیوں نے بھی ازدیوں کا ساتھ دیا، لیکن بنی تیمم کے باقی آدمیوں نے طے کر لیا کہ لڑیں گے اور یہ مال واپس لے کر رہیں گے، چنانچہ ان کے اور بنی ہلال کے درمیان جھڑپ شروع ہو گئی اور فریقین میں خون ریزی ہونے لگی والی تھی کہ بصرہ کے کچھ عقلمند بنی تیمم کے پاس پہنچ گئے، اور ان کو جھگڑے کی جگہ سے ہی واپس لاکر ہی ان سے علیحدہ ہوئے اس کے بعد ابن عباس اطمینان کے ساتھ ماموں کی حفاظت میں سارا مال لیکر بیت الحرام کے سایہ امن میں پہنچ گئے اور پہنچتے ہی خوشحالی اور عیش کی زندگی جینے لگے، مورخوں نے لکھا ہے کہ تین ہزار دینار میں تین سو روپے لوندیاں خریدیں حضرت علی کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے لکھا،

اما بعد ، میں نے تم کو اپنی امانت میں شریک بنایا تھا، میرے گھروالوں میں تم سے زیادہ بھروسے کے لائق کوئی آدمی نہ تھا، جو میری ہمدردی کرتا میری تائید کرتا اور امانت مجھے واپس کرتا، لیکن تم نے دیکھا کہ اب بھائی کے وہ دن نہیں رہے، دشمن حملہ آور ہے، لوگوں کی دیانت خراب اور امت فتوں سے دوچار ہو چکی ہے، تو تم نے بھی آنکھیں پھیر لیں، پھوٹنے والوں کے ساتھ تم نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور یہی طرح اس کو بے یار و مددگار کر دیا، خداؤں کے ساتھ تم نے بھی اس سے بے وفائی کی، نہ ہمدردی کی نہ امانت واپس کی، گویا جہاد میں تمہارے پیش نظر اللہ نہ تھا، تم کو اپنے خدا کی طرف سے کوئی رنجناہ

تھی، یا پھر تم محمدؐ کی امت کے ساتھ ان کی دنیا حاصل کرنے کیلئے چال چل رہے تھے، گویا تم جزیہ کے مال سے لوگوں کی غفلت کے منظر تھے، اور جیسے ہی موقع ملا دوڑ پڑے جست لگائی اور جس قدر دولت لوٹ سکے ایک لاغر بکری کو نون خون کر دینے والے تیز بھڑیے کی طرح بھپٹ لیا، سبحان اللہ! کیا قیامت پر تمہارا ایمان نہیں ہے، اور کیا بعد میں بڑی طرح حساب نہیں ہو گا! اور کیا تم جانتے نہیں کہ حرام کھاتے ہو اور حرام پیتے ہو؟ کیا تم پر گراں نہیں کہ تم لونڈیوں کی قیمت لگانے پر اور عورتوں سے نکاح پر، یتیموں، یتیم خانوں، اور ان مجاہدوں کا مال خرچ کرتے ہو جن پر اللہ نے شہروں سے غنیمت بھیجا ہے، اللہ سے ڈرو، قوم کا مال واپس کر دو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو بخدا اگر مجھے موقع ملا تو میں تمہارا انصاف کروں گا، اور حق حقدار تک پہنچاؤں گا، ظالم کو ماروں گا اور مظلوم کا انصاف کروں گا والسلام

مذکورہ بالا الفاظ میں حضرت علیؓ نے، چبھنے اور چٹکیاں لینے والے علم و الم کا جس طرح بیان کیا ہے، لوگوں سے انتہائی مایوسی، ان کی وفاداری، ان کے پاس عہد اور ادائے امانت میں شک کی جو تصویر کھینچی ہے، حرص و ہوس کی اتباع اور صحیح مسلک پر باقی نہ رہنے کا جو نقشہ پیش کیا اور ان حالات میں بھی اللہ کے حق اور مسلمانوں کے مال کیلئے جس طرح غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر بلیغ اور موثر تعبیر کسی اور نے کی ہے،

لیکن اس مبالغہ مکتوب کا جواب ابن عباسؓ بن الفاظ میں دیتے ہیں، ان سے ان سے اس کے سوا کچھ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا، کہ ان کو صرف اپنی ذات پر اعتماد ہے، دوسروں کی رائے ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی، پنا نچہ لکھتے ہیں،

اصابعہ، مجھے آپ کا خط ملا، میں نے بصرہ کے مال سے جو کچھ لیا ہے، آپ اس کو میرے لئے بڑی اہمیت کی بات بتا رہے ہیں، بخدا میں نے جو کچھ لیا ہے بیت المال میں میرا حق اس سے کہیں زیادہ ہے، والسلام

اس حیرت انگیز جواب پر مجھے زیادہ وقت دینے کی ضرورت نہیں جس سے نہ کوئی حق منہابت

ہوتا ہے نہ ذمہ داری ساقط ہوتی ہے اور اس درد انگیز خط و کتابت کو حضرت علیؓ کے جواب پر ختم کرتا ہوں
 اما بعد ، آپؐ کی یہ خوش فہمی ہجرت انگریز ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال
 میں سے آپ کو ایک عام مسلمان سے زیادہ کا حق ہے، آپ کامیاب تھے اگر یہ
 باطل تمنا اور بے جا دعویٰ آپ کو گناہ سے بچا سکتا، خدا آپ کو سلامت رکھے اس
 حیثیت سے آپ کی منزل کو سوں دور ہے ، مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے مکہ کو
 اپنا وطن بنا لیا ہے ، اور وہیں ڈیرا ڈنڈا ڈال دیا ہے اور مدینہ اور طائف
 کی جوان لونڈیاں اپنی لنگاہوں سے پسند کر کے خریدیں ہیں ، اور دوسروں کا مال
 دیکر ان کی قیمت ادا کی ہے ، بخدا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ جو کچھ آپ نے مسلمانوں
 کے مال سے لیا ہے وہ میرے لئے حلال ہو اور اسے ترکے میں چھوڑوں پس
 مجھے کیوں ہجرت نہ ہو کہ آپ اس حرام کو خوشی خوشی کھا رہے ہیں ، تھوڑے
 دن لطف اٹھا لیجئے اور اپنی جگہ رکے رہئے آپ کے لئے وہ منزل آگئی جہاں
 سے فریب خوردہ حسرت کو پکارتا ہے اپنی حد سے بڑھا ہوا توبہ کی تمنا کرتا ہے
 اور ظالم کے دل میں بانہ آجلنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے لیکن وہ وقت پکارنے
 اور تمنا کرنے کا نہ ہوگا ، والسلام

بعض راویوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ کو بعض مقامات کی حکومت سپرد
 کرنے کا ارادہ کیا، پھر اپنے لئے اور ابن عباسؓ کے لئے خطرہ سمجھ کر باز آگئے ، اپنے لئے یہ خطرہ کہ غنیمت
 میں سے کچھ کھا لینے کی تاویل کریں گے ، ان کے لئے یہ خطرہ کہ یہ حکمرانی ان کو گناہ سے آلودہ کر دے گی
 انہی راویوں کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے جب ابن عباسؓ کو بصرہ کا حاکم بنایا تو جو کچھ انہوں
 نے اپنی ذات کے لئے مباح کر لیا تھا، اس کے لئے ذیل کی آیت کی تاویل کی ،

واعلموا ان ما غنمتم من شئ	اور جان لو کہ جو کچھ تم کو بطور مل غنیمت
فان الله خمسہ وللسول	ہے اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ
ولذی القربى والیتاھی و	اللہ کا اور اس کے رسول کا اور ایک حصہ
المساکین وابن السبیل	آپ کے قرابت داروں کا اور ایک حصہ مسکینوں کا ہے

ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں اسلئے ان کو خمس میں کچھ حصے کا حق ہے جو اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے قرابت داروں، یتیموں، مساکین اور ابن السبیل کیلئے مقرر کیا ہے، لیکن ابن عباسؓ میری نظر میں اپنے دین اپنے علم و عقل اور اپنی رائے کی صحت کے پیش نظر اس تاویل سے بلندو بالا ہیں، بلاشبہ وہ جانتے تھے کہ ان کا حق اس خمس میں دوسرے قرابت داروں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے بڑھ کر نہیں، ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے لئے یہ مناسب نہیں، بلکہ حلال نہیں کہ اس خمس میں سے خود ہی اپنا حق لے لیں، انہیں اپنا یہ حق بھی اسی امام سے لینا چاہئے جو اسلئے مقرر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ان کا مال تقسیم کیے اور ان کے مصالح عامہ میں خرچ کرے اور اسی کو اس خمس میں سے رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں میں تقسیم کرنا ابن عباسؓ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا مسلمان یہ جانتا کہ بیت المال میں اس کا حق ہے اور وہ خود ہی لے لیتا تو چاہے وہ اپنے حصے میں کچھ بھی کمی بیشی نہ کرتا، لیکن حدود سے تجاوز کرنے والا ہوتا اور امام کا حق ہوتا، کہ اسے واجب سزا دے،

علاوہ ازیں ابن عباسؓ جانتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت اور رشتہ داری کی بنا پر خمس کی حقوق میں تقسیم کے معاملے میں رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنے کے سب سے زیادہ اہل ہیں ﷺ کے تعجب ہے کہ بہت سے محدثین نے احتیاط کے پیش نظر اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا ان کی نگاہ میں ابن عباسؓ کا نبی سے جو تعلق ہے اور دین میں تعلقہ کا جو درجہ ان کو حاصل ہے اس میں اس قسم کی زیادتی اور خلیفہ کی مخالفت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں،

لیکن دوسرے راویوں نے اس واقعہ کے بیان میں غلو سے کام لیا ہے ان کا خیال ہے، کہ ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کے آخری خط کے جواب میں لکھا تھا کہ اگر آپؐ اپنی تحریروں سے مجھے معاف نہیں رکھیں تو یہ مال میں امیر معاویہؓ تک پہنچا دوں گا، جسے وہ آپ کے مقابلے پر خرچ کریں گے، میں خیال کرتا ہوں کہ ابن عباسؓ اس حد تک نہیں پہنچے تھے، اور اپنے بھائی کے خلاف انہوں نے ایسی کھلی مخالفت نہیں کی، لیکن اس واقعہ کے نتائج حضرت علیؓ کے اقتدار اور آپ کے ساتھیوں کے حق میں براہ راست بڑی مصیبت ثابت ہوئے

بجز ان کے

بصرہ پر معاویہ کی نگاہیں

انتہائی مذموم قابل نفرت اور رسوا کن صورت میں یہ نتائج ظہور پذیر ہوئے جن سے نہ صرف حضرت علیؓ، اپنے رشتہ داروں، ساتھیوں اور اپنے اقتدار کے بارے میں بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے بلکہ اس سیاسی نظام کو بھی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کی حفاظت اور نگرانی کیلئے حضرت علیؓ اٹھ کھڑے ہوئے تھے، یہ نظام خلافت کا نظام تھا، خود اسلام کا ایک پہلو بھی ان نتائج کی زد میں آ گیا جس پر بنی اور خلفاء کی توجہ حرم کے درجے میں تھی، یہ پہلو خاندانی عصیت کے خاتمے کا پہلو ہے جس کے عرب، عہد جاہلیت میں بڑے شوگر تھے، امیر معاویہ نے دیکھا کہ عراق میں حضرت علیؓ کمزور ہو رہے ہیں، ان کے ساتھی جو بجائے خود کمزور بے بس اور نازمان ہیں ان سے الگ ہو رہے ہیں تو مصر سے فراغت پاتے ہی بصرہ کی طرف توجہ کی، جس کی اہمیت مصر سے کسی صورت کم نہ تھی، اور جس کے مصافحات میں فارس کے علاقے آجاتے ہیں، امیر معاویہ نے سوچا کہ بصرہ میں عثمانیت کا کمانی زور ہے، بصرہ والوں نے حضرت عائشہؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے شورش بپا کی تھی، حمل کے معرکے کی یاد ابھی، ان کے دلوں سے فراموش نہیں ہوئی، ان کے انتقام کے زخم ابھی بھرے نہیں، پھر ابن عباس بھائی سے ناراض ہو کر بصرہ چھوڑ چکے ہیں، پس انہوں نے چاہا کہ بصرہ والوں کو ابھاریں، اور انتقام کی یاد دلا کر قصاص کیلئے پھر سے آمادہ کریں، چنانچہ عمرو بن عاصؓ نے اس خیال کی تائید کی، بلکہ عملی اقدام کے لئے زور بھی دیا، تب امیر معاویہ نے ایک سخت آدمی کو جس کا حضرت عثمانؓ سے رشتہ بھی تھا منتخب کیا، اس کا نام عبداللہ بن عامر تھری ہے، یہ مقتول خلیفہ کا خالہ زاد بھائی ہے، اسکو بصرہ بھیجا اور ہدایت کر دی کہ بنی تیمم کے ہاں جانا اور بنی ازد سے دوستی اور تعلقات کا اظہار کرتے رہنا، البتہ بنی ربیعہ سے بچے رہنا اسلئے کہ وہ، حضرت علیؓ کے طرفدار ہیں، عبداللہ بن عامر بصرہ پہنچ کر بنی تیمم کو اپنانے میں تو کامیاب ہو گیا، لیکن ہنف بن قیس کو وہ اپنے ساتھ نہ ملا سکا اسلئے کہ وہ، حرکتِ حمل کے بعد سے اپنے ہند ساتھیوں سمیت کنارہ کشی

اختیار کر چکے تھے ،

ابن عباس بصرہ زیاد کے ہوالے کر کے وہاں سے نکل چکے تھے ، زیاد نے چاہا کہ ربیعہ کی پناہ میں چلا جائے ، لیکن اس کے بعض سرداروں کا تذبذب اور تردد دیکھ کر بنی ازد سے درخواست کی ، ازدیوں نے اس شرط پر پناہ دی کہ قصر امارت چھوڑ کر ان کے قبیلے میں قیام کرے اور اپنے ساتھ بیت المال اور منبر بھی لائے ، چنانچہ زیاد نے یہ منظور کر لیا ، اور شرط پوری کر دی ، اب بصرہ متعدد ٹولیوں میں بٹ گیا ایک ٹولی امیر معاویہ کے ہوا خواہوں کی بنی اور ان کے قائد عبد اللہ بن عامر کے ساتھ ہو گئی ، دوسری حنف ابن قیس کے ساتھ خانہ نشین ہو گئی ، تیسری ٹولی جس کی صفوں میں کچھ انتشاری کیفیت تھی واقعات کے انتظار میں تھی ، یہ بنی ربیعہ کے لوگ تھے ، چوتھی ٹولی ان لوگوں کی تھی ، جس کے پیش نظر نہ علی تھے ، نہ عثمان نہ معاویہ وہ معاملات کو صرف خاندانی حسب نسب کی عینک سے دیکھتی تھی ، چنانچہ وہ اپنی پناہ میں آنے والے کی حامی بن گئی ، جو اب ان کے قبیلے میں قیام پذیر ہو چکا تھا ، یہ بنی ازد کی ٹولی تھی اس کا دل غالباً عبد اللہ بن عامر کی طرف سے کچھ میلا ہو چکا تھا ، اسلئے کہ اس نے تیمم پر بھروسہ کیا اور اپنی میں مقیم ہوا ، ان کے پاس نہیں آیا ،

اس طرح خاندانی عصبیت بہت بڑی صورت میں سامنے آئی ، جسکی وجہ سے بصرہ کے فوجی حکومت سے زیادہ اپنے اپنے قبیلے کی رعایت کرنے لگے ، امام سے زیادہ اہمیت ان کی نگاہ میں خاندانی حسب و نسب کی ہو گئی ، اب وہ دین سے زیادہ خاندان کی بنیاد پر غصہ اور اشتعال قبول کرنے لگے ، اور آپس میں مقابلہ کرنے لگے ، کہ کون اپنے پناہ گیر کی حمایت میں ، اپنے حریف سے زیادہ مصائب برداشت کرتا ہے ، اور ثابت قدمی بتاتا ہے ،

زیاد نے حضرت علیؑ کو واقعات کی اطلاع دی ، لیکن وہ جنگ کی طرف مائل نہیں ہوئے ، انہوں نے بنی تیمم کے پاس ایک تیمی اعین بن ضبیعہ کو بھیجا تاکہ ان کو ہوش کی باتیں بتائے ، لیکن جیسے ہی ، اعین نے گفتگو کا ارادہ کیا ، تیممیوں نے اختلاف کیا اور اس سے علیحدہ ہو گئے ، پھر ایک رات اس پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ ہی کر دیا ، زیاد نے اس کا قصاص لینا چاہا کہ بنی تیمم پر حملہ آور ہو لیکن بنی ازد نے مزاحمت کی اور کہا عہد و پیمان میں یہ نہیں ہے کہ جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کریں ہم تو صرف اس کے پابند ہیں کہ تمہاری اور بیت المال کی حفاظت کریں ،

زیاد نے حضرت علیؓ کو عین ابن ضبیعہ کے انجام کی خبر دی تو آپ نے ایک دوسرے تمہی جاریہ ابن قدامہ کو بلایا اور اس کو اس قوم کی طرف بھیجا لیکن اب کے آپ نے اس کو تنہا نہیں بھیجا بلکہ اس کے ساتھ چھوٹی سی فوج بھی کر دی بصرہ پہنچتے ہی جاریہ نے زیاد سے تبادلہ خیالات کیا پھر تمیمیوں سے ملا ان سے بھی باتیں کیں کچھ لوگ تو مطمئن ہو گئے اور مان لیا اور کچھ مخالف ہی رہے اس کے بعد جاریہ کو فتنے سے ساتھ آنے والوں اور بصرہ کے حابیوں کو لیکر عبداللہ بن عامر سے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور بالآخر اس کو اور اس کے ساتھیوں کو شکست دیدی۔ عبداللہ بن عامر اور اس کے ساتھ اس کے شتر آدمیوں نے بصرہ کے ایک گھر میں اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ بصرہ کے ایک پرانے قلعہ میں پناہ لی جاریہ نے انکو دھکی دی اور اپنی مجبوری بتائی لیکن انھوں نے محصور ہونا گوارا کر لیا اور کوئی بات منظور نہیں کی تب جاریہ نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا اور گھر کے کٹے کٹے رکھ کر اس میں آگ لگا دی جس سے پورا گھر گھر والوں سمیت جل گیا، ایک بھی نہ بچ سکا، اس کامیابی پر ازوی نصیبت خوشی کے ترانے گانے لگی اور جب زیاد اور بیت المال حکومت کی کوٹھی میں واپس آ گیا اور منبر بھی جامع مسجد میں اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا تو ازوی شاعر عمرو بن اردس غودی نے اپنی قوم کے حسب پر فخر یہ شعر کہا۔

دنا زیا دا الی دارک وچار تمیم حمانا ذهب

ہم نے زیاد کو اس کے گھر تک پہنچا دیا اور تمیم کا پڑوسی دھواں بن کر اڑ گیا

لحی اللہ قومہ اشودا حارہم وللشعب بالدرہمین الشعب

اللہ اس قوم کو غارت کرے جو اپنے پڑوسی کو سمجھتی ہے

ینادی الخناق و خمانہا وقد سمطوا را سہ باللہب

گلا گھونٹنے کیلئے رسمی اور خادم بلائے جارہے ہیں

ونحن اناس لنا عادات و نحن اناس لنا عادات

اور ہم وہ لوگ ہیں جن کی عادت ہی یہ ہے

حمینا اذ حل ابیا تننا ولا یمنع الجار الا للحسب

زیاد جب ہمارے گھروں میں آیا تو ہم نے اسکی حفاظت کی

ولم یجر فوا حرمہ للجبوا انہوں نے پڑوسی کی حرمت نہیں پہنچائی

کحلہم قبلنا بالزبیر ذبیر کے ساتھ جب شام کے وقت ان کا اسباب لوٹا جارہا تھا انہوں نے جو کچھ کہا وہی اب کر رہے ہیں

اور خاندانی حسب ہی پڑوسی کی حمایت کر سکتا ہے

راۃ عظم الجار قومہ نجیب نجیب قوم کی نگاہ میں پڑوسی کی بڑی اہمیت ہے

عشبة اذ یبذہ یستلب عشبہ اذ یبذہ یستلب

اس شاعر کو دیکھئے نہ وہ علیؓ کا ذکر کرتا ہے نہ عثمانؓ کا نہ کسی دین اور راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے نہ اس کے نزدیک امام کی اطاعت اور اقتدار کی وفاداری کوئی اہمیت رکھتی ہے وہ تو صرف زیاد کا تذکرہ کرتا ہے جس نے اس کی قوم سے پناہ طلب کی اور قوم نے حفاظت کا حق ادا کر دیا، اور بنی تمیم کو ملامت کرتا ہے اور شرم دلاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پناہ گیروں کی کچھ خبر گیری نہیں کی ان کے ساتھ غداری کی اور آگ میں جھونک دیا حالانکہ پناہ دی تھی اور اس کا ذمہ لیا تھا، جس طرح اس کے پہلے زبیر کے ساتھ کہ ان کو قتل بھی کیا اور جو کچھ انکے پاس تھا چھین بھی لیا اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد چیرنے اڑو کی مدح میں اور فرزوق کے ساتھی مجاشع کی ہجو میں کہا:۔

غدرتم بالزبیر فما و فبقا وفاء الا اذا ذمنا ذی ادا

تم نے زبیر کے ساتھ غداری کی تم نے اُد جیسی وفاداری نہیں کی

فاصبح جارہم بنجاء عیز وجار مجاشع امسی لہ ما دا

اُذ کا پڑوسی مسز ز اور مجاشع کا پڑوسی راکھ کا ڈھیر ہو گیا

فلوھا قادت حبل الہی سعید لذا دا القوم ما حمل النجا دا

اگر ابو سعید کی رسی پکڑتے تو قوم تلوار اٹھانے تک حمایت کرتی

وادنی الخیل من رجم المتایا داغشاھا الا سنۃ والصحا دا

اور گھوڑوں کو موت کے شور سے قریب کر دیتی اور نیزوں سے اس کو ڈھانپ لیتی ہے

اگر ابن عباسؓ اپنے بھائی علیؓ کے وفادار رہتے تو امیر معاویہؓ کو بہت نہ ہوتی اور ہرگز وہ اس علاقے کا حوصلہ نہ کرتے جس کو علاقہ والوں نے ضائع کر دیا اور لوٹنے والوں کے لئے چھوڑ دیا۔ علاوہ ازیں

اس خاندانی عصبیت اور اس مذہم اور یکایک پیش آجانیوالے مظاہرے کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے اور اپنے امام کو اس سخت مصیبت سے بچا لیتے جو ان کی دوسری شدید مصیبتوں میں ایک اضافہ ہوتی اور مزید تیراہیوں کا باعث، بعض موزوں کا خیال ہے کہ یہ واقعات کو نہیں ابن عباسؓ کی موجودگی میں ہو جب وہ حضرت علیؓ کو محمد ابن ابوبکرؓ کے قتل پر تسلی دینے آئے تھے اور مصر پر عمرو بن العاصؓ کا قبضہ ہو چکا تھا لیکن یہ خیال درست نہیں اگر ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے پاس ہوتے تو ان خبروں کے ملتے ہی فوراً بصرہ واپس

ہو جاتے اور ہرگز اس کا انتظام نہ کرتے کہ تباہ اعلین اور جاریہ ان کے فرائض انجام دیں گے واقعہ یہ ہے کہ ثمالی کے فیصلے کے بعد ابن عباسؓ حضرت علیؓ کی طرف سے ڈھیلے پڑ گئے چنانچہ شام پر حملے کا جب حضرت علیؓ نے ارادہ کیا تو وہ ساتھ نہیں گئے اور نہروان کے معرکے میں بھی شرکت نہیں کی صرف بصرہ کے لوگوں کی ایک فوج بھیج دی اور بیٹھ رہے پھر جو کچھ ہونا تھا ہوا،

حضرت علیؑ کے ساتھ امیر معاویہؓ کی مخالفت

امیر معاویہؓ نے مصر کی طرح بصرہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب تو نہیں ہو سکے اور نہ حضرت علیؑ کے خلاف کوئی پھال کر سکے نہ مصر کی طرح یہاں فتنہ و فساد کر سکے، البتہ عبداللہ بن عامر حضرت علیؑ کو بری طرح موت کا شکار بنا دیا، لیکن پھر بھی بصرہ کی فضا بڑی حد تک خراب کر دی یہ بات ناقابل ذکر نہیں، کہ انہوں نے بصرہ میں ایک کشیدگی پیدا کر دی جو خواہ مہنگائی رہی ہو، یا عرصہ تک اس کے اثرات باقی رہے ہوں، اور یہ کہ زیادہ کو مجبور کر دیا کہ اپنے آپ کو اور بیت المال کو جاہلیت کی رسم کے مطابق کسی عربی قبیلے کی پناہ میں دیدے، مزید برآں پوری آبادی میں اضطراب اور مہجانی پیدا کر دیا جس سے کینے اور دشمنی کے جذبات پھیلے، اور لوگ باہم فساد پر آمادہ ہو گئے، پھر امیر معاویہؓ نے ان باتوں سے اندازہ لگایا کہ عراق میں حضرت علیؑ سے کھلی جنگ کا ابھی وقت نہیں آیا، پس انہوں نے ایک دوسری راہ اختیار کی جو کھلی لڑائی سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ جس نے لڑائی سے زیادہ لوگوں کو خائف اور دہشت زدہ بنا دیا، جس نے عراق والوں کو پوری شدت کے ساتھ باور کرایا کہ وہ مسلسل خطرات اور مستقل مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، اور جس نے ان کو محسوس کرایا کہ حضرت علیؑ کا اقتدار کمزوری اور برتری کی اس حد میں داخل ہو چکا ہے، کہ اب اس سے کچھ بن بگڑ نہیں سکتا، اور وہ لوگ ہر وقت امیر معاویہؓ کی زد میں ہیں، وہ جب چاہیں جس طرح چاہیں، ان کو لوٹ سکتے ہیں یا مار سکتے ہیں، چنانچہ امیر معاویہؓ نے فوج میں سے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر میدان جنگ کے کسی آزمودہ کار افسر کے ماتحت عراق کے حدود میں کچھ یہاں کچھ دناں بھیج دیئے، اور ان کو لوٹ و غارت کا حکم دیدیا، بعض اوقات ان دستوں کو حدود میں کافی دور تک گھس جانے کا اور ممکنہ حد تک لوٹ مار کرنے کا حکم دیا جاتا، اس کے بعد یہ فوجی دستے اٹھے پاؤں غنیمت کا مال ساتھ لیکر واپس آجاتے اور اپنے پیچھے پر اگندگی اور دہشت کے اثرات چھوڑ آتے یہ اقدام تو ایک زبردستی سوئی کا ساتھ تھا جو عراق میں مقیم جسموں میں تیزی کے ساتھ بار بار چھانی جا رہی تھی جس سے خون کے ساتھ رگوں

میں زہر سرایت کرتا تھا بالآخر ناتوانی اور یاس کی منزل آجاتی جہاں پہنچ کر یہ جسم ذلت اور پستی کی نیند سو جاتے

صفاک ابن قیس کو معاویہ ایک فوجی دستہ ساتھ کر کے شام سے متصل صحرائے عراق میں بھیجتے ہیں، اسی طرح سفیان ابن عوف کو ایک دوسری طرف روانہ کرتے ہیں، اور اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حدود میں گھستے گھستے مقام انبار تک چلا جائے اور وہاں کے باشندوں کو تاراج کر کے کافی مال غنیمت ساتھ لائے، پھر نعمان بن بشر کو تیسری سمت اور مسعد فزاری کو چوتھی سمت روانہ کرتے ہیں، حضرت علیؓ لوٹ مار کی یہ خبریں سن کر بہت پیچ و تاب کھاتے ہیں لوگوں کو بلاتے ہیں لیکن کوئی سنتا نہیں حکم دیتے ہیں کوئی مانتا نہیں،

کو فہ والوں کے دل خوف اور ذلت سے بھر چکے تھے، وہ ایک دوسرے سے بے نیاز اور اسی پر قانع تھے کہ شہر اور شہر سے تھوڑی دور تک میں امن و چین کی زندگی جیتتے رہیں ان کے پیش نظر اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ وہ کسی طرح زندگی کے دن کاٹیں، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کو انتہائی عصبہ آیا اور ایک دن وہ دل ہلادینے والا خطبہ دیا جو سنا سنیوں سے آپؓ کی انتہائی مایوسی کی، آپؓ کے گہرے غیظ و غضب کی اور کسی وقت بھی جدا نہ ہونے والے آپؓ کے رنج و غم کی ایک سراپا تصویر ہے، آپؓ فرماتے ہیں،

اما بعد ، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جس نے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ دیا، اللہ اس کو حقیروں کے ہاتھ ذلت اور خواری کے عذاب میں مبتلا کرے گا، میں نے تم کو ان لوگوں سے لڑنے کی رات دن دعوت دی مخفی طور پر کہا اور علانیہ کہا کہ ان کے حملہ کرنے سے پہلے تم مقابلے میں آ جاؤ خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جاں ہے، جس قوم کے گھر پر صرف چڑھ کر لڑنے آئے، وہ ذلیل ہوگی، تم سب نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیا ہر آدمی دوسرے پر ٹھیلتا رہا، میری بات تم پر گراں گزری، تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا، اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ تم لوٹے جا رہے ہو، انجو غامد اور اس کے

یعنی سفیان ابن عوف جو عین کے قبیلہ غامد میں سے ہے،

سوارانہ تازنگ گھس آئے اور حسان بن حسان اور بہت سی عورتوں اور مردوں کو قتل کر دیا خدا گواہ مجھے بتایا گیا کہ مسلم اور ذمی عورتوں تک یہ غارت گہ پہنچتے ہیں، اور ان کے پانزیب آدینے تک اتار لیتے ہیں، اور کافی مال و متاع لیکر واپس چلے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی کو معمولی زخم نہیں آتا، اگر ان کے پیچھے کسی مسلمان کی جان چلی جائے تو میرے نزدیک ملامت کی بات نہیں بلکہ ایسا ہی ہونا چاہیے، ہجرت اور سخت ہجرت کی اردو لوں کو مردہ، دماغوں کو ہیران اور غموں کو بڑھادینے والی بات ہے کہ وہ اپنے باطل پر اس طرح متحد اور جھے ہوئے ہیں، اور تم حق پر ہو کہ بھی اس طرح ناکام و نامراد ہو، حالت یہ ہے کہ تم تیر نہیں چلاتے، بلکہ دوسروں کے تیروں کے نشانہ ہو، تم حملہ آور نہیں دوسرے تم پر حملہ کرتے ہیں، تم پر دست درازی کیے اللہ کی معصیت کی جاتی ہے اور تم گوارا کرتے ہو، جب میں نے تم سے موسم سرما میں کہا کہ ان پر حملہ کر دو تو تم نے کہا کہ یہ تو سردیوں کے دن ہیں اور جب میں نے گرمیوں میں کہا کہ ان سے لڑو تو تم نے جواب دیا ابھی شدت کی گرمی ہے، گرمیوں کے دن جانے دیکھئے تو جب تم سردی اور گرمی سے بھاگتے ہو تو نجد تلواروں کے سلسلے نہاری گرو بھی نہ ہوگی، اے مرد نما لوگو! اے خواب کے بندو! اے پردہ نشینوں کی عقلو! خدا کی قسم تم نے اپنی نافرمانی سے میری تدبیریں غلط کر دیں اور مجھے غصے سے بھر دیا اتنا کہ قریش نے میرے متعلق کہا، ابو طالب کا لڑکا بہادر ضرور ہے لیکن لڑائی میں صاحب تدبیر نہیں، ان نکتہ چینیوں کے کیا کہنے مجھ سے زیادہ لڑائی کا ماہر اور مرد میدان کون ہوگا، نجد امیری عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ میدان جنگ میں کود پڑے اور آج ساٹھ سے آگے ہوں لیکن جس کا حکم نہیں چلتا اس کی رہنمائی کیا؟

یہ اور اس قسم کی تقریریں بعض ان لوگوں کے دلوں میں جذبات پیدا کرتی تھیں جو اب تک خاندانی حسب کی قدروں کا احساس رکھنے تھے انھیں میں سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں ترتیب دی جاتیں پھر حضرت علیؓ ان کے لئے امیر مقرر فرماتے اور ان غارت گروں کے تعاقب میں بھیجتے کبھی کبھی ان کو پالبتیں اور کبھی پیچھے رہ جاتیں، بہر حال یہ واقعہ ہے کہ امیر معاویہ نے عراق اور حضرت علیؓ پر حرص کی نگاہ ڈالی اور مسلسل حملے کرتے رہتا اپنی پالیسی رکھی اور حریت کو مجبور کر دیا کہ وہ کمزوری مدافعت کرنا ہے جس سے نہ کوئی خرابی دور ہو سکتی تھی اور نہ کسی شر کو روکا جاسکتا تھا

۱۷ یعنی حسان بن حسان بکری جو انبار میں حضرت علیؓ کے عامل تھے،

صلح معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگاہیں عربی شہروں پر

سرحد پر حملوں کے یہ تجربات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے اطمینان بخش ثابت ہوتے اس لئے انہوں نے ارادہ کیا کہ اب قدم آگے بڑھائیں اور لوٹ و غارت کا سلسلہ عربی شہروں تک پہنچادیں، عربی شہر معاویہ کی زد میں تھے، مگر بلد الحرام تھا جہاں خونریزی نہیں ہو سکتی تھی، اور جہاں طرفین سے کوئی بھی اس کے قرب و جوار میں لڑائی نہیں کر سکتا تھا، مدینہ کے لوگ الگ تھلک عافیت میں تھے ان کا خیال تھا کہ دارالہجرہ میں ہونے کی وجہ سے وہ محفوظ ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ مسجد نبوی کے سائے میں ہیں، اور دارالحکومت کوفہ میں منتقل ہو چکا ہے ان پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا اور وہیں کے نبرد آزما بڑی تعداد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور کچھ تھوڑے سے امیر معاویہ کے ساتھ،

یمن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرفدار ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حاکم عبید اللہ بن عباس کی مخالفت اور مقابلہ کرتے رہتے ہیں مگر اس مقابلہ کی حد رطائی نہ تھی بلکہ یہ لوگ ایسی حرکتیں کرتے جس سے عبید اللہ بن عباس سختی کرنے پر مجبور ہو جاتے پھر یہ لوگ اس سختی کی مذمت کرتے،

یمن کے ان عثمانیوں کی بات آگے چل کر اتنی بڑھی کہ حاکم کو حضرت کے پاس لکھنا پڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درستی اور اصلاح کیلئے آدمی بھیجا اور ان کو فوج طلب کر لینے کی دھمکی دی، تب لوگوں نے امیر معاویہ سے امداد کی درخواست کی اور ان کو آماؤ، کیا، امیر معاویہ نے ایک سخت گیر، سنگدل اور اکھر قسم کے قریشی بکسر ابن اوطاہ کو منتخب کیا اور حکم دیا، کہ اپنی فوج کے لئے افراد کا انتخاب خود کرے چنانچہ اس نے کیا اس کے بعد اس کو روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ دیہاتوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو عامی ملیں ان پر اتنی سختی کرنا کہ ان کے دل خون و دہشت سے بھر جائیں اور مدینہ پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو اس طرح لوزہ برانداز کر دینا کہ ان کو موت نظر آنے لگے اس کے بعد کہ آنا اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی کا بڑا ڈکڑا کرنا ان کو ڈرانا دھمکانا نہیں پھر یمن جانا اور علی رضی اللہ عنہ کے حاکم کو وہاں سے نکال کر عثمانیوں کی امداد کرنا،

بسر ابن ارطاة گیا اور امیر معاویہ کی ہدایتوں پر عمل کیا، بلکہ سختی، سنگدلی لوٹ مار اور بے سرحمی میں اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کیا چنانچہ دیہاتوں پر بری طرح چھپٹ پڑا اور زیادتیاں کیں، مدینہ آیا تو لوگوں کو اس طرح مرعوب اور خوفزدہ کیا کہ مصائب کی تصویریں ان کی آنکھوں میں پھر گئیں اس کے بعد امیر معاویہ کی بیعت ان کے سامنے پیش کی جس کو انہوں نے منظور کیا اس کے بعد مکہ آیا اور وہاں کسی کو ڈرایا دھمکایا نہیں، البتہ ظالمانہ طریقوں کو ڈرانے اور ان سے لڑنے کا ارادہ کیا، لیکن مغیرہ بن شعبہ نے اس کو سمجھایا بھجایا، جس سے وہ باز آ گیا، اور یمن کی طرف روانہ ہو گیا، یمن سے حضرت علیؑ کا حاکم اور اس کے ساتھی نکل بھاگے، یہاں آکر بری طرح خوں ریزی کر کے لوگوں کو خائف بنا دیا، اور بعد میں امیر معاویہ کے لئے بیعت لیا، حضرت علیؑ کو جب اسکی خبر ملی تو انہوں نے جاریہ ابن قدامہ کو دو ہزار اومیوں کی جمعیت کے ساتھ بھیجا کہ بسروہ میں سے نکال دے، جاریہ کے یمن پہنچتے ہی بسروہاں سے بھاگا اور شام واپس آیا، راستے میں بہت لوٹ مار کی، لوگوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا، حدیہ کردی کہ عبداللہ بن عباس کے دونوں لڑکوں کو بھی ذبح کر دیا، حالانکہ وہ ابھی چھوٹے بچے تھے، جاریہ بن قدامہ یمن پہنچا تو عثمانیوں کو قتل کر کے خوں ریزی میں اور اضافہ کر دیا، اور یمن کو پھر حضرت علیؑ کے زیر حکومت کر دیا، اس کے بعد وہ مکہ پہنچا، جہاں اس کو خبر ملی کہ حضرت علیؑ قتل کر دیئے گئے، پھر وہ مکہ اور مدینہ والوں سے عراق کے جدید خلیفہ کے لئے بیعت لیکر کوثر واپس چلا آیا،

بسر ابن ارطاة امیر معاویہ کے پاس بہت زیادہ مال غنیمت لیکر واپس آیا، لیکن اس نے حد سے زیادہ خون ریزی کر کے لوگوں پر اور اپنی جان پر بڑا ظلم کیا، میرا تو خیال ہے کہ اس کی طبیعت لوگوں کو بہت زیادہ قتل کر دینے کی وجہ سے متاثر ہوئی اس کے دل کی گہرائیوں میں اس کے گناہوں اور برائیوں کے تاثرات اثر کر گئے، اور شاید کہ نیند میں قتل و غارت کی سفاکیوں کے یہی منظر ڈراؤنی اور خوفناک شکلوں میں اس کے سامنے ظاہر ہوتے تھے، پھر بوڑھے ہونے پر اس کو جنون ہو گیا چنانچہ مورخین کے بیان کے مطابق وہ تلوار تلوار کی رٹ لگاتا تھا اور اسی وقت خاموش ہوتا جب تلوار پا کر اس کو خوب پھر لیتا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ گھر کے لوگ اس کو لکڑی کی ایک تلوار اور پختہ دیکھتے اور وہ تلوار چلنے لگتا، جب چلتے چلتے ٹھک جاتا تو اس پر غشی کی کیفیت طاری

ہو جاتی اور جب ہوش آتا پھر وہی تلوار اور تکیہ اسی حال میں اس کو موت آتی،

لوٹ اور مار کے جن حملوں کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، امیر معاویہؓ نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ بدستور ان حملوں کا سلسلہ جاری رکھا، اور حضرت علیؓ کے سرحدی حاکم ان حملوں کا مقابلہ کرتے، کبھی مدافعت میں کامیاب ہو جاتے اور کبھی ناکام، لیکن عراقیوں کو چین نہ مل سکا، راتیں بیداری میں اور دن پریشانی میں گزارتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس ماحول نے ان کو پہلے سے زیادہ، امن و عافیت کا خواہاں اور موت سے گریزاں بنا دیا،

حضرت علیؓ اور خارجی

حضرت علیؓ کی کوفت اور تعلق کا باعث اور عراق والوں کی نیند حرام ہونے کا سبب، صرف لوٹ و غارت کے یہ خارجی حملے نہ تھے، بلکہ اس میں بڑی حد تک عراق کی اندرونی معرکہ آرائیوں کا بھی دخل تھا، جو اگرچہ معمولی اور مختصر تھیں لیکن بڑی پریشانی کا باعث تھیں، طبعی طور پر اس قسم کی بڑی بڑی خارجی لڑاکہ تھے، حضرت علیؓ نے نہروان کے معرکہ میں ان کو قتل کر دیا تھا، لیکن اس قتل سے ان کے کایا ان کے مذہب کا باطل خاتمہ ہی نہیں ہو گیا، اور بڑے سے بڑے اقتدار یا خوف و ہراس پھیلانے والی بڑی سے بڑی قوت کے لئے کب یہ ممکن ہو سکا کہ وہ کسی مذہب یا خیال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے قوت اور اقتدار کی کاروائیاں تو شاید الٹی تقویت حمایت اور اشاعت کا سامان پیدا کرتی ہیں، معرکہ میں بچے ہوئے خارجیوں کے دلوں میں حضرت علیؓ نے انتقام کی ایک آگ جلا دی تھی، اسی طرح ان کے رشتہ داروں اور دوسرے بہت سے خارجیوں کو قصاص کیلئے بیتاب کر دیا تھا، چنانچہ وہ بلا کسی کوتاہی کے اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ٹولی ٹولی بن کر نکلنے لگے، ایک شخص نکلتا اس کے ساتھ سو دو سو آدمی ہوتے اور چل پڑتے پھر کسی مناسب مقام پر جا کر ٹھوڑے دن یا زیادہ عرصہ تک قیام کرتے اور اس دوران میں اپنے آپ کو لڑنے کیلئے تیار کرتے اور جب پوری تیاری ہو جاتی تو اعلان کر دیتے، اگر دو پیش کے لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے اور امن عامہ کیلئے سخت خطرات پیدا کر دیتے، حضرت علیؓ مجبور ہوتے، اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کچھ فوجیوں کے ہمراہ بھیجتے جو ان سے جا کر

مقابلہ کرتا اور ان کو ختم کیے یا ان کی جماعت کو منتشر کر کے، واپس آجاتا، اور جیسے ہی واپس ہوتا ایک دوسرا خارجی اپنے ساتھیوں کو لیکر نکلتا اور پھر وہی قصہ ہوتا، آٹھس ابن عوف شیبانی نکلتا ہے اور جب وہ اور اس کے ساتھی قتل ہو جاتے ہیں، تو ہلالِ علمتہ تہی نکلتا ہے، اور جیسے ہی حضرت علیؓ اس سے فراغت پاتے ہیں، اشہب ابن بشر بجلی نکلتا ہے، جب اس کا کام بھی تمام ہو جاتا ہے تو سعید ابن قفل تہی نکلتا ہے، اس کو ختم کیے حضرت علیؓ کے ساتھی واپس آتے ہیں کہ ابو مریم سعدی میدان میں آتا ہے، اس کے ساتھ صرف عرب نہ تھے، بلکہ بہت سے غیر عرب غلام بھی تھے،

اس کے یہ معنی ہیں کہ خوارح کا مذہب اب عربوں کے سوا مقتوحین میں بھی پھیل چکا تھا، جو فاتحین کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے تھے ان میں سے جو مسلمان ہو جاتا، وہ نیا مسلمان بن کر اپنے حقوق ادا کرتا، لیکن عربوں کے باہمی اختلاف میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے نو مسلم اب ثالثی کو برا سمجھتے ہیں، اور امام کے خلاف میدان میں آ رہے ہیں اور عرب خارجی اپنے حربوں سے جنگ میں ان کی امداد لینے میں، کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک عربی عصبیت، مذہب اور رائے کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے مقابلے میں بہت سے غیر عرب غلاموں کو دیکھ کر ابو مریم کو یہ طعنہ دیا ایسے لوگوں کو ساتھ لیکر عربوں سے لڑنے آیا ہے؟ ابو مریم نے اس طعن کی طرف کچھ توجہ نہیں کی، لیکن پوری قوت کے ساتھ انہیں معمولی آدمیوں کو لیکر حملہ کیا ایسا سخت حملہ کہ حرف کو اپنی جگہ چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور لپا کرتے کرتے ان کو کوئی تک پہنچا دیا، صرف ان کا افسر اور ان کے چند ساتھی، امداد کے انتظار میں باقی رہ گئے حضرت علیؓ خود ابی مریم سے مقابلے کے لئے نکلے جو کوئی سے قریب ہو چکا تھا اور جب اس کا اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر کے واپس لوٹے تو آپ سخت مغموم تھے، آپ کا دل زخمی تھا اور کیوں نہ ہو زندگی دو مشکلوں کے درمیان تھی، اور دونوں کی خرابی ایک دوسرے سے کم نہ تھی اندرون ملک معرکہ آرائیاں جو ایک مستقل نظام کی طرح برقرار تھیں ایک سے فرصت ملی کہ دوسری سامنے آئی اور محدودوں پر شامیوں کی طرف سے غارت اور لوٹ مار بھی ایک دوسرے مستقل نظام کی طرح جاری تھی، ایک سو رخنہ بند کرتے ہیں تو دوسرا ہو جاتا ہے، ان حالات کے باوجود ساتھیوں کا یہ حال کہ

لے قبیلہ تیم الریاب سے تیم التہ ابن ثعلبہ ابن عکابہ کے قبیلے کا ہے سعد مناة ابن تیم کے خاندان سے

عافیت طلبی میں ڈوبے جا رہے ہیں، ان کی بے بسی بڑھتی جا رہی ہے، ان کی دھار مڑ چکی ہے، ان کی شان و شوکت خاک میں ملی جا رہی ہے، کوسوں دور کا دشمن اگر سرس کی نگاہیں ڈالتا ہے تو سامنے کا موجود مخالف، عداوت اور نفرت کے جذبات بھڑکاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوارزم اور شامیوں کے درمیان ایک دوسرے کے بلا علم و اطلاع ایک خفیہ معاہدہ ہو گیا ہے، اور اس معاہدے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حضرت علیؓ کی راہ میں مشکلات پیدا کی جائیں اور ان کو مجبور کر دیا جائے، اور امیر معاویہ شام میں بیٹھے اپنے حریف کے وہ حالات اور واقعات سنتے ہیں، جن سے ان کا حوصلہ بڑھتا جا رہا ہے، لو دیکھو انہوں نے اپنے حوصلے کا ایک قدم اور بڑھایا اور حج کے موقع پر اپنی طرف سے ایک امیر الحج بھیجے کی ہمت کی اور کیوں نہ کرتے جبکہ شامیوں نے ان کی خلافت کی بیعت کر لی ہے، مہران کا ہوجکا ہے، مصر کے علاوہ بہت سے دیہات ان کے زیر فرمان آچکے ہیں، پھر دشمن معاہدے سے مجبور ہو رہا ہے، بلکہ خود اپنے حدود ملک میں اپنا اقتدار بچانا بھی اس کے لئے مشکل ہو گیا ہے امیر معاویہ نے زید بن شجرہ رما دی کو امیر الحج بنا کر بھیجا کہ لوگوں کا حج کر لے، یہ زید عثمانی تھا، اور امیر معاویہ کا مخلص، لیکن وہ حرمت کے مقام اور مہینے میں نو زید کی کسی طرح سے ادا نہ تھا، جب اسکو یقین ہو گیا کہ امیر معاویہ جنگ کے لئے نہیں بلکہ ایسے کام کے لئے اس کو بھیج رہے ہیں جس کا ظاہر دین ہے، اور باطن سیاست تو اس نے منظور کر لیا اور روانہ ہو گیا، جب وہ مکہ کے قریب پہنچا حضرت علیؓ کے گورنر قثم بن عباس اس سے ڈر گئے زید نے پہلو تہی کی اور مکے میں داخل ہو گیا اور لوگوں کو امن و امان دی، اس کے بعد ابو سعید خدریؓ کو درمیان میں رکھا کہ وہ لوگوں کی مرضی سے حضرت علیؓ کے گورنر کے علاوہ کسی کو نماز پڑھانے کیلئے مقرر کریں، تاکہ تمام مسلمان ایک ساتھ نماز ادا کریں تو لوگوں نے عثمان بن ابی طلحہؓ کو پسند کیا، چنانچہ انہوں نے نماز پڑھائی اور حج کا موسم بخیر و خوبی گزر گیا، حضرت علیؓ کو جب زید بن شجرہ کے مکہ آنے کی اطلاع ملی تو لوگوں کو متوجہ کیا کہ اس کو مکہ سے نکال دو مگر کسی نے توجہ نہیں کی، آخر میں حضرت علیؓ نے معقل بن قیس کو اپنے ساتھیوں کی چھوٹی مٹی جماعت کیساتھ بھیجا، لیکن یہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے اسلئے کہ زید حج کر کے شام واپس جا چکا تھا، البتہ زید کے کچھ ساتھی، پیچھے رہ گئے تھے، انہیں میں سے بعض آدمیوں کو قید کر کے کوفہ لائے،

حضرت علیؓ کی شام پر چڑھائی کی تیاری

ان حالات اور حوادث میں مشیت ایزدی نے حضرت علیؓ کے لئے ایک سختہ ارادے کا موقع پیدا کر دیا، جس میں بڑی مایوسی اور زبردست سرفروشی کا جذبہ کار فرما تھا، یہ ارادہ شاید مقصد کو پالیتا، لیکن انسان تدبیریں کرتا ہے، مولیٰ کی مرضی کچھ اور ہوتی ہے، قطعی فیصلہ تقدیر کے ہاتھ میں ہے تدبیر کے بس میں نہیں، حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں کو دعوت دیتے ہیں اور خطبے میں فرماتے ہیں کہ شامیوں سے مقابلہ کی تیاری کریں، عادت کے مطابق بڑی شہرت اور سمٹی سے ابھارتے ہیں اور آمادہ کرتے ہیں لیکن حاضرین نے بھی عادت کے مطابق سنا اور چلتے بنے اور کچھ نہیں کیا،

جب مایوس ہو گئے تو سرداروں، افسروں اور ان لوگوں کو مدعو کیا جو فکر و نظر رکھتے تھے ان کے سامنے صاف صاف باتیں کہیں اور فرائض اور ذمہ داریوں کی تصویر اس طرح پیش کی کہ اگر ممکن ہوتا تو وہ اس کو آنکھوں سے دیکھ سکتے اور ہاتھوں سے چھو سکتے، آپ نے بتایا کہ لوگوں نے بغیر میری طلب کے مجھے خلافت دی، خود سے میری بیعت کی اور آج وہی لوگ میری اطاعت کا زبان سے تو اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں بد عہدی اور بے وفائی ہے میں نے جہلت دی اور ٹالنا مارا، لیکن اب اس سے بھی اکتا گیا، سرگرمی اور توجہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا، وعظ و نصیحت کی ساری باتیں بے نتیجہ رہیں، ابھارتے اور آمادہ کرنے کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں، اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ قوم اور قرابت داروں میں سے جتنے بھی ساتھ دے سکیں ان کو لے کر شام کے دشمن سے جنگ کے لئے نکل پڑوں اور اگر کوئی ساتھ نہ آیا تو اکیلے نکلوں اور اللہ کی راہ میں اکیلے لڑتے ہوئے جان دیدوں

میں مزدری خیال کرتا ہوں کہ اس موقع پر اس خطبے کے الفاظ پیش کر دوں جو بلاذری کی روایت کے مطابق ہیں، اس میں ان لوگوں کا دندان شکن جواب ہے جنہوں نے اپنی نافرمانی سے آپ کی تدبیریں برباد کر دیں جس سے قریشیوں کو طرح طرح کی باتیں کرنے کا موقع ملا اور جس کی وجہ سے ایسا منظر سامنے آیا کہ اللہ کی نافرمانی ہو اور لوگ دیکھا کریں نہ غصہ ہوں نہ طیش میں آئیں

حضرت علیؓ خطبے میں فرماتے ہیں،

اصابحد لوگو! اس بیعت کی دعوت تم نے مجھ کو دی اور میں نے تمہاری بات مانی نہیں، پھر تم نے خلافت کے لئے میری بیعت کی، حالانکہ میں نے خلافت طلب نہیں کی تھی، اس کے بعد حملہ کرنے والے مجھ پر ٹوٹ پڑے، اللہ ان کی زیادتی کے لئے کافی ہوا، وہ منہ کے بل گرے خدا نے ان کو ہلاک کیا، اور انہیں پر بڑی گردش آئی اب ایک جہمت باقی رہ گئی ہے جو اسلام میں نئے نئے شاخسانے پیدا کرتی ہے، حق کو چھوڑ کر من مانے کام کرتی ہے جس کا دعویٰ کرتی ہے اس کی ہاں نہیں، جب اس کے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ پند قدم آگے بڑھو، تو وہ بڑھتے ہیں جب آگے آتے ہیں تو حق اتنا نہیں پہچانتے جتنا باطل، جس طرح حق کی تردید کرتے ہیں، باطل کی نہیں کرتے بہر حال اب میں تمہاری باتوں اور تنقیدوں سے اکتا چکا ہوں، اب مجھے بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو، اگر تم کو میرے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لئے چلنا ہے تو میں یہی چاہتا ہوں اور یہی میری مرضی ہے، اور اگر ایسا کرنا نہیں چاہتے تو مجھے اپنا ارادہ بتا دو تاکہ میں فیصلہ کر دوں بخدا اگر تم سب کے سب میرے ساتھ اپنے دشمن سے جنگ کے لئے اس وقت تک نہ نکلے کہ خدا فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے، تو میں تمہارے لئے بد دعا کروں گا اور پھر دشمن کی طرف چل پڑوں گا چاہے میرے ساتھ دشمن ہی آدمی ہوں، کیا شام کے ادارہ اور نا بھجھ گراہی کی امداد کرنے اور باطل کے لئے متحد ہونے میں تم سے زیادہ برواشت اور قوت کے مالک ہیں، حالانکہ حق اور صداقت تمہارے ساتھ ہے، تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تمہارا علاج کیا ہے؟

اگر تم مارے گئے تو قیامت تک تم جیسی قوم اٹھائی نہیں جاسکتی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں اور افسروں کو حضرت علیؓ سے بڑی شرم اور رسوائی محسوس ہوئی اور ڈرے کہ کہیں وہ اپنے ارادے پر عمل نہ کر بیٹھیں، اور اکیلے یا تھوڑے سے لوگوں کے ساتھ شامیوں سے جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ان کے دامن پر بے غیرتی اور بے غمگی کے داغ لگ جائیں اور کیسے داغ؟ اور پھر اپنے دین، اپنی جان اور اپنے تمام معاملات کے لئے مصائب میں مبتلا ہو جائیں چنانچہ ان میں سے جو بولنا جاتے تھے حضرت علیؓ کے پاس آئے آپ کی خیر خواہی کے لئے اپنا خلوص پیش کیا، اور

اچھی باتیں کہیں، ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے اٹھ کر چلے آئے اور اس کی کوشش میں لگ گئے کہ حضرت علیؑ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر دیں،

ہر سردار نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو نصیحتیں کر کے آمانہ کیا، اس طرح حضرت علیؑ کے لئے ایک معقول فوج تیار ہو گئی جس نے مرثیہ کا عہد کیا، اس کے بعد حضرت علیؑ نے معقل بن قیس کو مصافحہ میں بھرتی کے لئے بھیجا تاکہ کوفہ کی تیار فوج کے ساتھ اس کا اضافہ کر دیا جائے اسی طرح آپ نے عراق سے آگے مشرقی علاقے کے گورنروں کو لکھا کہ وہ اس لڑائی میں آپ کے ساتھ ہوں، زیاد بن خصیفہ کو اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ مقدمۃ الجہت بنا کر اپنے سامنے روانہ کیا اور حکم دیا کہ شام کے قریب دجوار پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں میں خوف و ہراس پیدا کرے، حضرت علیؑ اپنی اس تیاری میں مصروف تھے، ان کی منزل ان کے سامنے تھی اتنے میں تقدیر کی ایک جنبش لب نے آپ کی اور اہل عراق کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا،



حضرت علیؓ کی سیرت

جنگ اور جنگ سے متعلق کام بہت زیادہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملے جلتے رہتے ہیں، لیکن پھر بھی کوفہ کے دوران قیام میں حضرت علیؓ کا پورا وقت اور ساری کوششیں صرف جنگی کاموں کے لئے وقف نہ تھیں بلکہ آپ نے اپنے اوقات میں شعبوں میں تقسیم کر دیئے تھے، جنگی، سیاسی اور مذہبی ان معاملات میں کوئی بات خواہ وہ کیسی ہی ہو اور کوئی رکاوٹ خواہ وہ کتنی ہی وزنی ہو آپ کو اپنے فرض سے باز نہیں رکھ سکتی تھی جنگی کارروائیوں میں آپ کا اہم کام اور سرگرمیاں تم دیکھ چکے ہو، دینی امور میں بھی آپ کی سرگرمیاں کم یا گاہ بگاہ کی بات نہ تھی بلکہ سابق خلفاء کی طرح آپ نے اپنا فرض سمجھا کہ نماز میں لوگوں کی امامت کریں، لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں، دین کی باتیں سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ اللہ کو مسلمانوں کی کوئی بات پسند ہے اور وہ خود ان سے کیا چاہتا ہے اور ان کی کون سی بات اللہ کو پسند ہے اور خلیفہ مسلمانوں کیلئے کس بات کو ناپسند کرتے ہیں یا کبھی منبر پر بیٹھ کر اور کبھی کھڑے ہو کر وعظ کہتے لوگوں کیلئے مسجد میں بیٹھ جاتے ان کی خیریت اور ان کا کاروبار پوچھتے اور جو آدمی اپنے دین یا دنیا سے متعلق کوئی ضروری بات پوچھتا اس کو بتاتے پھر گھٹگو اور وعظ ہی کے ذریعے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے بلکہ ان میں اپنی سیرت اپنا کردار پیش کر کے انہیں تعلیم دیتے آپ ان کے امام تھے ان کے معلم تھے اور ان کے لئے نمونہ اور رہنما بھی، کوفہ والوں کے لئے آپ کی روش وہی تھی جو مدینہ میں حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکھتے تھے، جس سے ملتے اپنے خونناک دڑے کے ساتھ ملتے جس طرح حضرت عمرؓ کا ڈرہ چھوٹے بڑوں سب کو مرعوب رکھتا تھا آپ لوگوں تک اس وقت بھی پہنچتے، جب وہ زندگی کی دوڑ دھوپ میں ہوتے چنانچہ بازاروں کا گشت لگاتے لوگوں کو اللہ سے ڈراتے ان کو حساب اور قیامت کے دن کی یاد دلاتے، خرمد و فروخت کے مواقع پر ان کی نگرانی کرتے بازاروں میں چلتے ہوئے بلند آواز سے کہتے، خدا سے ڈرو، ناپ اور تول پورا کرو، گوشت پھلا کر نہ رکھو، اگر لین دین میں یا گفتگو میں کسی کو بیہودہ یا بیڑھا پانے تو ڈانٹ ڈپٹ کر اور دڑے سے ٹھیک کرتے آپ نے خیال کیا کہ آجکل کے لوگوں کو مرعوب رکھنے کے لئے عمرؓ کا دتہ کافی نہیں، حالات کے انقلاب

ان کے اخلاق میں سختی پیدا کر دی ہے، ان کی طبیعتیں بدل گئیں ہیں، ان میں فاروقی عہد کے مسلمانوں جیسی بات نہیں اس لئے دُورہ چھوڑ کر خیر زمانہ ہاتھ میں لیا اس کو دُورے سے زیادہ موثر تصور کیا لیکن بعد میں ان کو پتہ چلا کہ لوگ خیر زمانہ سے بھی نہیں ڈرتے پس آپ کو فہ کے عوام اور خواص سے کہا کرتے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ تم کس طرح درست ہو سکتے ہو لیکن خود بگڑا کر میں تم کو بنانا نہیں چاہتا، آپ نے دیکھا کہ ڈانٹ ڈپٹ خیر زمانہ اور دُورے سے بھی بڑی کسی سزا کی ضرورت ہے اور یہ آپکو ناگوار تھا کہ کورے زید کریں، ڈرتے تھے کہ یہ سختی اور تشدد کہیں آپ کو دین اور اخلاق کی نامناسب حد میں نہ پہنچا دے، ایک خلیفہ راشد میں جو زمی سنجیدگی، بردباری اور چشم پوشی ہونی چاہئے، کہیں آپ اس سے دور نہ ہو جائیں، ایک دن آپ اپنے گھر سے نکلے اور دیکھا کہ دروازے پر عوام کی ایک بھڑ لگی ہوئی ہے دُورے سے چیرتے پھاڑتے کسی طرح نکلے اور اپنے بعض دوستوں سے ملے اور سلام کے بعد کہا یہ لوگ بڑے فضول ہیں میں سمجھتا تھا کہ امیر، لوگوں پر زیادتی کرتے ہیں لیکن اب ایسا معلوم ہوا کہ لوگ امیر پر زیادتی کرتے ہیں،

علاوہ ازیں حضرت علیؓ خلافت کے رعب و داب سے بھی بڑی احتیاط کرتے تھے اور جب کوئی چیز خود خریدنا ہوتا تو بازار میں ایسے شخص کو تلاش کرتے جو آپ کو پہچانتا نہ ہو اور اس سے سودا لیتے یہ آپ کو پسند نہ تھا، کہ کوئی دوکاندار امیر المومنین جان کر سودے میں رعایت کرے، کلا لوگوں کی وہی خدمت کا فرض جب تک ادا نہ کر لیتے حضرت علیؓ مطمئن نہ ہوتے، چنانچہ لوگوں کو نماز پڑھاتے، اپنے قول و عمل سے ان کو تعلیم دیتے، فقرار اور مساکین کو رات کا کھانا کھلاتے ضرورت مندوں اور مستحقوں کو تلاش کر کے ان کو سوال سے بے نیاز کر دیتے، پھر جب رات ہوتی تو لوگوں سے الگ ہو جاتے اور تنہائی میں اپنے معمولات عبادت میں مشغول ہو جاتے، تہجد کی نماز ادا کرتے اور رات زیادہ ہو جاتے پر آرام فرماتے پھر صبح اندھیرے ہی مسجد میں چلے آتے اور فرمانے رہتے، نماز، نماز اللہ کے بندو نماز، گویا مسجد کے سونے والوں کو بیدار کرنے،

اس طرح دن رات میں کسی بھی وقت آپ اللہ کی یاد سے غافل نہ رہتے، خلوت میں بھی یاد کرتے اور اس وقت بھی جب لوگوں کے مختلف معاملات کے لئے تدبیریں کرتے رہتے اور اس بات کی طرف لوگوں کو زیادہ متوجہ کرتے کہ آپ سے دینی مسائل دریافت کریں،

مسلمانوں کے مال کے بارے میں آپ کی سیرت کا حال تم نے کچھ پڑھ لیا ہے اور جان چکے ہو کہ صوبوں سے یا مضافات سے جو کچھ بھی پہنچتا آپ اس کو تقسیم کرتے رہتے چاہے تھوڑا ہو چاہے زیادہ بڑی رقم ہو یا حقیر، اور اگر کوئی چیز بہت کم مقدار میں تقسیم ہوتی تو آپ لوگوں سے معذرت کرتے اور کہتے کہ چیز آتی ہی تو بہت معلوم ہوتی ہے لیکن تقسیم ہونے پر تھوڑی نظر آتی ہے

آپ کو اس کا بے حد خیال تھا کہ مال تقسیم کرتے وقت آپ اپنے قول و فعل میں اپنے ارادے اور تقسیم میں مساوات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں بلکہ سوال کرنے پر جو کچھ آپ دیتے تھے اس میں بھی مساوات کا سخت لحاظ رکھتے، ایک دن آپ کے پاس دو عورتیں آئیں اور اپنی محتاجی کا اظہار کر کے سوال کیا، اپنے مستحق جان کر حکم دیا کہ ان کو کپڑا اور کھانا خرید کر دیا جائے، مزید برآں کچھ مال بھی دے دیا لیکن ان میں سے ایک نے کہا اس کو کچھ زیادہ دیجئے کہ وہ عرب ہے اور اس کی ساتھی غیر عرب، آپ نے تھوڑی سی مٹی ہاتھ میں لی اور اسے دیکھ کر کہا مجھے معلوم نہیں کہ اطاعت اور تقویٰ کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی اللہ نے کسی کو کسی پر فوقیت دی ہے،

یہی سیرت حضرت علیؓ کی تھی اور یہی شیخینؓ اور بنی ہاشمی، لیکن حضرت علیؓ نے جیسا کہ تم نے دیکھا ایک بات میں حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا اور وصیات مال سے متعلق ہے اور وفاداری کے ساتھ اس رائے پر قائم رہے، جس کا مشورہ آپ نے حضرت عمرؓ کو دیا تھا، کہ جو کچھ بھی آئے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے بیت المال میں باقی نہ رکھا جائے،

حضرت علیؓ یہ رائے اس لئے پسند کرتے تھے کہ اس صورت میں خلیفہ ہر اس مال سے بری الزمہ ہو جاتا ہے جس کے باقی رکھنے یا جمع ہونے میں شاید کسی کا حق رہ گیا ہو، لیکن مصیبتیں آتی رہتی تھیں حادثات ہوتے رہتے تھے اور بیت المال کا کسی ناگہانی مصیبت سے دوچار ہونا محفول بات نہیں، اس لئے حضرت عمرؓ اپنے مسلک میں زیادہ دور اندیش اور مصلحت میں تھے اور حضرت علیؓ اپنی ذات کے لئے انتہائی احتیاط کے خوراں تھے اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی خلیفہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ احتیاط برت سکتا ہے،



۴۳

حضرت علیؓ کا طرز عمل گورنروں کے ساتھ

اب رہا صوبے کے حاکموں کے ساتھ حضرت علیؓ کا طرز عمل تو وہ بالکل حضرت عمرؓ کا سا تھا یعنی وہ طریقہ جو نبیؐ اور صحابہؓ نے جاری کیا تھا، عہد عثمانی کے آخری برسوں میں اس سے کچھ بے توجہی اور اس میں کچھ کمزوری دیکھ کر حضرت علیؓ نے اس کو باقی رکھنے کی کوشش کی،

حضرت علیؓ اپنے حاکموں پر کڑی نظر رکھتے تھے حساب کتاب میں ان سے بڑی سختی کا معاملہ فرماتے لوگوں کے حقوق کی جو ذمہ داری ان پر تھی اس کو پوری کرانے میں نہایت شدت سے پیش آتے، ان کی عام اور خاص زندگی پر آپ کی توجہ غیر معمولی تھی، چنانچہ گورنر مقرر کرنے کے موقع پر ہر گورنر کو ایک تحریری اقرار نامہ دیتے جو وہ لوگوں کو پڑھ کر سناتا، سننے کے بعد جب لوگ اس کو برقرار رکھتے تو وہ طریقہ کے لئے ایک عہد و پیمانہ کی حیثیت اختیار کر لیتا، جس کی تاویل یا خلاف ورزی نہ رعایا کے لئے جائز ہوتی اور نہ حاکم کے لئے، اگر رعایا خلاف ورزی کرتی تو حاکم اس کو سزا دیتا اور اگر حاکم خلاف ورزی کرتا تو خلیفہ کی طرف سے سزا یا ب ہوتا، علاوہ ازیں حاکموں کی روش کا پتہ چلانے کے لئے حضرت علیؓ کچھ سپرد انسر اور انسپکٹر بھی روانہ کرتے رہتے جن سے آپ کو معاملات کی رپورٹ مل جاتی، ان میں سے بعض انسپکٹر تو لوگوں کو اپنی غرض بتا دیتے لیکن بعض اپنی ہم خفیہ رکھتے تھے یوں تو صوبہ کا ہر آدمی سپرد انسر اور انسپکٹر تھا جو امام سے حاکم کی ہر خلاف معاہدہ بات کی شکایت کر سکتا تھا،

بعض اوقات حضرت علیؓ لوگوں کی کسی مصلحت کے پیش نظر حاکم اور رعایا کے درمیان واسطہ بن جاتے ایک مرتبہ کسی صوبہ کے لوگ آپ کے پاس آئے اور بتایا کہ ان کے شہر میں ایک نہر تھی جو اب شکستہ اور خراب ہو چکی ہے، اگر وہ پھر سے کھود کر جاری کر دی جائے تو ان کو اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوگا، اور درخواست کی کہ اپنے حاکم کو کچھ بھیجیں کہ اس نہر کے کھودنے میں ان سے بیگاری جانی جائے آپ نے یہ تو منظور کر لیا، کہ نہر کھودی جائے لیکن ان سے بیگاری لینے کی بات پسند نہیں کی اور اپنے حاکم قرقظہ بن کعب کو لکھا :-

امابعد — تمھارے صوبے کے کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے، انھوں نے بتایا کہ ان کی کوئی نہر تھی جو اب خراب اور شکستہ حالت میں ہے اور اگر وہ اس کو کھودیں اور جاری کریں تو ان کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہو جائیں گی اور ان میں پوری لگان ادا کرنے کی قوت پیدا ہو جائے گی اور اس سے مسلمانوں کو بھی فائدہ ہوگا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں تمہیں لکھوں کہ اس کام میں ان سے بیگار کی جائے اور ان کو جمع کیا جائے میں تو کسی کو مجبور کرنا پسند نہیں کرتا، پس تم ان کو بلا کر اگر نہر کی بات امر واقعہ ہے تو جو اپنی مرضی سے کام کرنا چاہے اس سے کام لو، نہران کی ہے جنھوں نے اس کی مرمت کی ان لوگوں کا آباد ہونا اور طاقت ور ہونا مجھے کمزور ہونے سے زیادہ پسند ہے، وَالسَّلَامُ

ایک دوسرے صوبے کے لوگوں نے شکایت کی کہ ان کا حاکم ان کے ساتھ سنگدلی سے پیش آیا ہے اور حقارت آمیز سلوک کرتا ہے، آپ نے ان کی شکایت پر غور کیا اور پتہ چلا کہ یہ لوگ ہتک اور تحقیر کے مستحق نہیں ہیں پس آپ نے ان کے متعلق اپنے عامل عمرو بن سلمہ ارضی کو لکھا:۔

امابعد — تمھارے ٹہر کے سرداروں اور تاجروں نے شکایت کی ہے کہ تم ان کے

ساتھ سختی اور حقارت کا سلوک کرتے ہو یہی نے ان کی شکایت پر غور کیا، میں ان کے شرک

ہونے کی وجہ سے ان کو تحقیر کا مستحق خیال نہیں کرتا اور عہد و پیمان کی رو سے ان کو نہ نکالا جا

سکتا ہے اور نہ ستایا جا سکتا ہے پس ان کے ساتھ ایسی نرمی کے ساتھ پیش آؤ جس میں سختی کی بھی

آمیزش ہو مگر اس طرح کہ بات ظلم کی حد میں نہ پہنچ جائے، ان سے جو بات طے ہوئی ہے

اس کی غلاف ورزی نہ کرو، البتہ ان سے خرچ لہ اور ان کی مدافعت میں جنگ کرو ان سے اتنا

نہ لوجوان کی طاقت کے باہر ہو، یہ میری تم کو ہدایت ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے وَالسَّلَامُ

حضرت علیؓ کے حاکم آپ سے ڈرتے تھے اور بسا اوقات سرزنش سے بچنے کے لئے بعض معمولی باتوں

کو آپ سے چھپانے کی کوشش کرتے تھے، لیکن جب آپ کو اس کا پتہ چل جاتا تو یہ سرزنش اراہم اوانٹ

اور دھمکی کا رنگ اختیار کر لیتی،

روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے زیاد کے پاس جب وہ یفرہ میں حضرت ابن عباسؓ کا نائب تھا،

ابن عباسؓ کے کام چھوڑ دینے سے پہلے یابعد میں اپنا آدمی بھیجا کہ اس کے پاس بیت المال میں جو کچھ ہے اٹھا

لائے، تو زیاد نے قاصد سے باتوں باتوں میں یہ بھی کہہ دیا کہ گرو دیوں نے خرانج میں کچھ کاٹ کسر کر دی ہے میں ان کے ساتھ نرمی کے ساتھ کام رہا ہوں، اور درخواست کی کہ یہ بات امیر المؤمنین سے نہ کہنا، مبادا خیال کریں کہ ان کے حق میں تصرف کیا جا رہا ہے، قاصد اپنے آقا کا وقار تھا، زیاد نے جو کچھ کہا تھا سب کہہ دیا، حضرت علیؑ نے زیاد کو لکھا،

میرے قاصد نے مجھ سے وہ سب کچھ کہہ دیا، جو تم نے گرو دیوں کے بارے میں اس سے کہا تھا اور مجھ سے مخفی رکھنا چاہتے تھے میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ اسی لئے کہا تھا کہ قاصد مجھے باخبر کرے میں خدائے عزوجل کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مال میں سے تم نے ذرا بھی خیانت کی ہے تو میں تم پر وہ سختی کروں گا کہ زمین پر تمہارا چلنا دشوار ہوگا، اس خط سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اتنے بھولے نہیں تھے جتنا ان کے بعض مخالفین بتاتے ہیں اور نہ ایسے غافل جیسا کہ آپ پر بعض زیادتی کرنے والوں کا خیال ہے بلکہ عرب کے دوسرے پختہ کاروں اور مدبروں کی طرح آپ بھی گہرے غور و فکر کے مالک تھے، دلوں کی تہوں تک پہنچ جانے والی بصیرت رکھتے تھے، لیکن آپ بے لاگ اور سچ کہنا پسند کرتے تھے، حقائق کا مقابلہ صحیح اور سچی راہ سے کرتے تھے اور اپنے آپ کو مکر و چال کی لپستی سے بلند و بالا رکھتے تھے کہ دین کے خلوص اور اخلاق کی شرافت کا یہی تقاضہ ہے،

چنانچہ آپ نے سچ لیا کہ زیاد کم مال سمجھنے کی معذرت کرنا چاہتا ہے اور قاصد سے بیٹھی بیٹھی باتیں کر کے اس کو گرو دیوں کا واقعہ بتاتا ہے اور خلیفہ کی طرف سے الزام کے خوف سے مخفی رکھنے کی تاکید کرتا ہے زیاد کو یقین تھا کہ قاصد اس کی توجیہ کا تذکرہ امیر المؤمنین سے کر دے گا، تم نے دیکھا کہ حضرت علیؑ نے زیاد کو دھکی دینے اور ڈرانے میں کیسی شرت برتی، غالب گمان تو یہ ہے کہ آپ نے صرف ڈرانے دھمکانے پر اکتفا نہیں کیا ہوگا بلکہ کسی کو اس کے لئے مقرر کیا ہوگا کہ وہ مخفی طور پر گرو دیوں میں جا کر زیاد کے بیان کی تحقیقات کرے،

منذر ابن جبار و دیگر طرف سے کچھ تھوڑے سال آیا جو اصطر پر آپ کا حاکم تھا آپ نے اس کو معزول کرنے اور کوفہ آنے کے لئے خط لکھا،

تمہارے باپ کے نفوزی طہارت سے مجھے تمہارے متعلق دھوکہ ہوا اور میں نے خیال کیا

کہ تم بھی انہیں کے اخلاق اور اعمال کے پابند ہو گے، لیکن مجھے خبر ملی ہے کہ تم اسیر کمند ہوئے ہو اور کسی طرح اپنی خواہشوں کی بندگی سے باز نہیں آتے خواہ اس میں تمہارے دین کا دامن داغ دار ہو جائے اور کوئی کہتے ہی اخلاق سے تم کو نصیحت کرے تم نہیں سنتے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر زیادہ تیرے سیر و تسکار کے لئے نکل جاتے ہو اور تم نے اپنی قوم کے دیہاتیوں کے لئے اللہ کے مال میں اپنا اتھا آزاد کر دیا ہے، جیسے وہ تمہارے مال باپ کی کوئی وراثت ہے، بخدا اگر یہ سچ ہے تو تم سے تمہارے گھر گھر کی رسی اور تمہاری جوتی کا تسنہ اچھا ہے، اہود و لعب سے اللہ خوش نہیں، مسلمانوں کے مال میں خیانت اور اس کی بربادی اللہ کے غیظ و غضب کا باعث ہے ایسا شخص سرحد کی حفاظت کا اہل نہیں ہو سکتا، اور نہ وہ اس قابل ہے کہ اس کے ذریعے خراج کی رقم جمع کی جائے اور مسلمانوں کے لئے اس پر اعتماد کیا جائے تم میرا یہ خط پاتے ہی میرے پاس چلے آؤ،

جب منذر آیا تو حضرت علیؓ نے اتہام لگانے والوں کی موجودگی میں حالات کی تحقیق کی اور ظاہر ہوا کہ مسلمانوں کے مال میں سے منذر کی طرف تین ہزار باقی ہے پس آپ نے اس سے طلب کیا، منذر نے انکار کیا حضرت علیؓ نے اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کیا، منذر یہ بہادری بھی نہ دکھا سکا تب حضرت علیؓ نے اس کو جیل بھجوا دیا، لوگوں نے سفارشیں کیں جن میں صعصعہ بن صوحاں بھی تھے، جو حضرت علیؓ کے بڑے دوست اور کوفہ کے ممتاز متقی بزرگ ہیں چنانچہ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اس کو چھوڑ دیا،

حضرت علیؓ نے ایک غلام کو زیادہ کے پاس بھیجا کہ اس کے پاس جو کچھ مال ہے بھیدے غالباً اس غلام نے زیادہ بہت زیادہ اصرار کیا جو زیادہ پر گراں گذرا اور اس کو چھڑک دیا غلام، زیادہ کے اس سلوک سے برداشتہ خاطر ہو کر واپس چلا آیا اور حضرت علیؓ سے بہت کچھ کہا آپ نے زیادہ کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا سعد نے مجھے بتایا کہ تم نے زیادہ کی طرف سے اس کو گالیاں دی ہیں، اور مغرورانہ انداز میں اس کی پیشانی پر مارا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے عظمت اور بڑائی صرف خدا کے لئے ہے جس نے تکبر کیا اس نے اللہ کو غصہ دلایا، اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تمہارے کھانے پر قسم کی چیزیں ہوتی ہیں اور تم روزانہ تمہارے لگاتے ہو، تمہارا کیا بگڑتا اگر اللہ کے لئے چند دن روزے رکھتے اور اپنی بعض چیزیں صدقہ کر دیتے، ایک مرتبہ کھانا بار بار کھاتے یا کسی فقیر کو بھی کھلاتے کیا تم چاہتے ہو کہ خود تو عیش و عشرت کے فرش پر لوٹو، اور مسکین پڑوسیوں، کمزور فقیروں، یتیموں اور میواؤں سے بے نیازی برتو، اور پھر تراب

تم کو صالحین کا ملتا رہے، مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ باتیں تو تم نیکوں کی سی کرتے ہو لیکن کام گنہگاروں کا کرتے ہو اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اپنا عمل برباد، خدا سے توبہ کرو اپنے عمل کی اصلاح کرو اور اپنے معاملات میں اعتدال پر رہو اور اگر ایماندار ہو تو اپنی ضرورت کے لئے بچا رکھو، ایک دن تاغہ دیکر نیل لگاؤ اور محض زریب وزینت کے لئے نہ لگاؤ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن بدتیل لگاؤ اور بناؤ سنگار کی خاطر نہ لگاؤ۔ وَالسَّلَامُ

زیادہ کو خلیفہ سے یہ جعلی بہت بری معلوم ہوئی اور چاہا کہ اپنے کو الزامات سے بری کر لے چنانچہ جواب میں لکھا:-

سعد میرے پاس آیا اور بڑی عجلت کرنے لگا تو میں نے اس کو ڈانٹا ڈپٹا اور وہ اس سے بھی زیادہ مستحسن تھا، مال کے بارے میں یا میرے تعیش اور رکھالوں کے متعلق اگر اس کا بیان سچا ہے تو خدا اس کو سچوں کا ثواب دے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کو جھوٹوں کے عذاب سے محفوظ نہ رکھے، اب رہی اس کی یہ بات کہ میں نیکوں کی طرح باتیں کرتا ہوں اور عمل اس کے خلاف کرتا ہوں تب تو میں ان لوگوں میں ہوں جن کے عمل میں ٹوٹا ہی ٹوٹا ہے آپ اس سے مواخذہ کیجئے کہ میری ایک بات بھی ایسی بتائے کہ میں نے کہا تو ٹھیک لیکن عمل اس کے خلاف کیا شہادت لینے پر اس کا سچ جھوٹ آپ پر ظاہر ہو جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ دیکھتا ہے کہ غلط الزامات لگا کر اس پر زیادتی کی گئی ہے پس حضرت علیؑ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اہتمام لگانے والے کو ماخوذ کیا جائے اس سے ثبوت مانگا جائے اور اس کا انصاف کیا جائے، حضرت علیؑ نے اشعث بن قیس کو آذربائی جان سے معزول کر دیا جو حضرت عثمانؓ کے زمانے سے وہاں کے حاکم تھے بعض راویوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان سے خراج معاف کر دیا تھا معزول کرنے کے بعد حضرت علیؑ نے ان کو لکھا اللہ کی نوازشوں نے تم کو معزور کر دیا تم اس کا رزق کھاتے رہے اور اس کی نعمتوں سے مستفید ہوتے رہے اور اپنی خوبیاں لطفِ زندگی میں کھوتے رہے پس خراج کی جو رقم تمہارے پاس ہے لیکر میرے پاس آ جاؤ اور کوئی دوسری بات نہ کرو، ظاہر ہے کہ اس خط کا اثر اشعث پر اچھا نہیں ہوا ہوگا اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے بعد اشعث کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا حضرت علیؑ ہر وقت اپنے حاکموں کو سخت دست نہیں کہتے تھے اور نہ بدگمان رہتے بلکہ ان میں سے جو اچھے تھے ان کی تعریفیں بھی کرتے اور خوب کرتے ان کا حق پہنچانے امام کے ساتھ اخلاص پر اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں مصیبتیں اٹھانے پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے

ذرا وہ تخریر پڑھے جو آپ نے عمر و سلمہ کو لکھا تھا جو بحرین میں آپ کے حاکم تھے اور جن کو معزول کر کے اپنے ساتھ شام لے جانا چاہتے تھے، فرماتے ہیں،

میں نے بحرین پر نعمان بن حجلان کو حاکم مقرر کیا ہے اس میں تم پر نہ تصرف کا کوئی الزام ہے اور نہ تمہاری کوئی مذمت، بخدا تم نے بہترین حکومت کی اور امانت کا حق ادا کر دیا، پس تم میرے پاس بلا کچھ خیال دل میں لائے چلے آؤ، میں شام کے ظالموں کا رخ کر رہا ہوں، چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو، تم ان لوگوں میں ہو جن سے مجھے دین کے قیام اور دشمن کے مقابلے میں مدد ملیگی، خدا تم کو اور تم کو حق کی راہ چلنے والا اور حق فیصلہ کرنے والا بنائے،

اپنے حاکموں کے ساتھ حضرت علیؑ کا یہی مدبرانہ طرز عمل رہا، اچھوں کی حوصلہ افزائی کی اور بروں پر تشدد نہ کسی کے ساتھ بے جا امتیاز برتا اور نہ کسی سے دشمنی چھپائی نہ کسی سے بازی لگائی نہ کسی کے ساتھ مکاری کی آپ نے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کی سزا پانچ خواہی تھی وہ رعایا کا انصاف تھا، اور دونوں میں حق کا باقی رکھنا تھا ناظرین نے دیکھا کہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی عبید بن عباس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا، زیاد کے ساتھ کیسی سختی کی، ٹھیک سے کام نہ کرنے والوں کو کیسی سزا دی جس کسی نے کسی کا حق دیا یا اس کو کس طرح جیل بھیجا ان حالات میں ذرا بھی حیرت نہ ہونی چاہیے، اگر گورنر آپ کے کاموں سے بہت چوکنے لگتے ہوں، احتیاط اور دوری میں خیریت سمجھتے ہوں اور ذرا بھی تعجب کی بات نہیں کہ آپ کا ایک گورنر مصقلہ بن سبیرہ بدعنوانی کرنے کے بعد ڈر کر امیر کو پیشہ کے پاس چلا جائے جہاں اس کی آؤ سبھگت کا حال ابھی تم نے سنا، گورنروں کے ساتھ آپ کی جو روش تھی عوام کے ساتھ بھی بعینہ وہی تھی، چنانچہ نہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے تھے اور نہ اپنی طرف سے مایوس بلکہ اگر کوئی حق پر ثابت قدم ہے اور اپنا فرض ادا کر رہا ہے تو اس سے قریب ہو جاتے بالکل قریب، اور اگر راہ حق سے ہٹ گیا اور اپنے فرض کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کیا تو اس سے دُور ہو جاتے بہت دور، پھر اس کے لئے خدا کی مقرر کردہ سزائیں کسی ترمی اور کمی کے روادار نہیں ہوتے، مورخوں نے لکھا ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علیؑ نے ان کو قتل کر دیا اس کے بعد آگ میں جلا دیا، ابن عباس نے اس پر آپ کو بلا مت کیا، امیر خیال ہے کہ یہی وہ قصہ ہے جس میں مخالفین شیعہ نے غلو سے کام لیا ہے اور خیال کیا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علیؑ میں الوہیت تسلیم کر لی تھی، لیکن مورخین اور خاص طور پر مستند حضرات اس سلسلے میں دو گروہوں میں تقسیم ہیں ایک تو وہ

جو اس واقعہ کو بلا کسی تفصیل کے بیان کرتے ہیں جیسا کہ میں پیش کر چکا ہوں بلاذری اسی گروہ میں ہیں، دوسرا گروہ وہ ہے جو اس کا بالکل ذکر نہیں کرتا اور نہ اشارہ کرتا ہے جیسے طبری اور اس کے متبعین، البتہ مخالفین شیعہ اور فرقوں سے لکھی رکھنے والے حضرات نے اس میں زیادہ حصہ لیا ہے اور یہ خیال ہے کہ پارسل نے زیادتی سے کام لیا اور جتنا تھا اس سے بہت زیادہ بٹھا چڑھا کر بتایا جس طرح ابن سوار ابن سبک کے معاملے میں کہا گیا،

غالباً بنی طے کے ایک دیہاتی شاعر کے مندرجہ ذیل اشعار سے اس ہیئت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا جو لوگوں کے دلوں میں حضرت علیؑ سے متعلق اس وقت تھی یہ دیہاتی شاعر ایک بیٹا تھا، راستے میں لوگوں کا مال زبردستی چھین لیا کرتا تھا، حضرت علیؑ نے اس کو پکڑنے کے لئے دو آدمیوں کو بھیجا لیکن یہ ان سے بھاگ نکلا وہ کہتا ہے،

ولمات رأیت ابی شمیط بسکتہ طی والیاب دونی

جب میں نے شمیط کے دونوں لڑکوں کو دیکھا قبیلہ طے کا راستہ تھا اور دروازہ میرے پیچھے تھا

تجلت العصا و حلمت ا فی رہین مخیبت ان یثقونی

میں گھوڑے پر چڑھ گیا اور لعین کر لیا کہ اگر مجھے پا جائیں گے تو میری بگہ جیل میں ہوگی

فلوانظرتم شیئا قلیلا لساقونی الی شینم بطین

اگر میں ذرا بھی انتظار کرتا مجھے بڑے پیٹوں والے کے پاس لے جاتے

شدید مجامع الکتفین صلب علی الحدتات مجتمع الشوون

وہ سخت مونڈھے والا ہے حواریت اور مصائب کے لئے مضبوط اور مطمئن ہے،

یہ دیہاتی بڑے پیٹ اور بڑے مونڈھے والے اور حواریت میں بہت سخت اور بے خوف رہنے والے

شیخ سے ڈرا جس طرح کہ عام لوگ اس قسم کے افراد سے ڈرتے ہیں، علاوہ ازیں دو باتوں کے لئے حضرت علیؑ

کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے ایک یہ کہ آدمی انہیں کی مدد و حکومت میں قیام کیے چنانچہ کتنے لوگ تھے جو عراق

اور حجاز سے امیر معاویہؓ کے پاس چلے جا رہے تھے ان کو معاویہؓ کی دنیا علیؑ کے دین سے زیادہ پسند تھی حضرت

علیؑ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرتے تھے آپ کا خیال تھا کہ لوگ آزاد ہیں

لہ اسی دیہاتی کا گھوڑا تہ ایک تیرخانہ جس کی تعمیر حضرت علیؑ نے کی تھی،

جو گھرانے کے لئے مناسب ہو اس میں قیام کر سکتے ہیں چنانچہ جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپ کے ساتھ رہا اور جس کو باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی امیر معاویہ سے جا ملا۔

حضرت علیؓ کو مدینہ کے گورنر ہل بن حنیف نے لکھا کہ بہت سے لوگ خفیہ طور پر بھاگ کر شام جا رہے ہیں حضرت علیؓ نے جواب میں تسلی دی اور لکھا کہ ان جانبوالوں سے تعرض نہ کیا جائے اور نہ اپنی اطاعت میں رہنے پر مجبور کیا جائے خوارج کے ساتھ بھی آپ کا یہی طریقہ عمل تھا ان کو مال غنیمت سے حصہ دیتے تھے اور جنگ وہ آپ کے ساتھ رہتے ان کو کوئی تکلیف پہنچنے نہیں دیتے اور اگر کوئی ساتھ چھوڑ کر نکل جانا چاہتا تو اس کو روکتے نہ تھے اور نہ راستے میں ان سے تعرض کرتے کی اپنے حاکموں کو ہدایت کرتے چنانچہ وہ دارالسلام میں آزاد تھے جہاں چاہتے ٹھکانا بناتے اس شرط اتنی تھی کہ فساد نہ پھیلائیں، اور لوگوں پر زیادتی نہ کریں لیکن شرط کی خلاف ورزی پر آپ بلا کسی ترمی کے اللہ کا حکم جاری فرماتے پھر کوئی کوتاہی آپ سے ہوتی بسا اوقات بعض گستاخ اس حد تک بڑھتے کہ آپ کے منہ پر کہتے کہ ہم آپ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہوں گے اور نہ آپ کی حکومت مابین کے جیسا کہ خبر بن راشد نے کہا جس کا تذکرہ گذر گیا لیکن آپ نے اس کو پکڑا نہیں اور نہ اس سے کوئی باز پرس کی نہ اس پر کوئی پابندی عاید کی اور جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل گیا تو اس کے اور خارجیوں کے درمیان حامل نہیں ہو سکتا لیکن اس کے بعد جب انھوں نے زمین پر فساد پھیلا یا تو آپ نے اپنا آدمی بھیجا ان میں انصاف کا تقاضہ پورا کیا۔

پس حضرت علیؓ جانتے تھے کہ گنجائش کے آخری حدود تک لوگوں کو آزادی کا حق ہے اور اسی لئے وہ لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرتے تھے اور نہ ہر اطاعت کیلئے ان پر جبر فرماتے البتہ جب وہ اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سربازی کرتے اور زمین پر فساد پھیلاتے تو پھر آپ ان پر سختی کرتے،

دوسری بات جس پر حضرت علیؓ کسی کو مجبور نہیں کرتے تھے وہ لڑائی ہے آپ کا خیال ہے کہ غداروں کو گھروں اور دین سے خارج ہو جانے والوں سے جنگ کرنا آپ کا اور مسلمانوں کا اسی طرح فرض ہے جس طرح اہل کتاب اور مشرک دشمنوں سے جہاد کرنا لیکن یہ فرض آپ نے لوگوں پر جبراً لادا نہیں اور نہ اقتدار سے کام لے کر اس پر زبردستی کی بلکہ آپ نے اس کی دعوت دی جس نے اس دعوت پر لبیک کہا اس سے خوش ہوئے اور اس کی تعریف کی اور جو بیٹھے یا اس کو نصیحت کی، آادہ کیا آادہ کرنے کی انتہائی کوشش کی جبل اور صفین کے معرکوں کے لئے آپ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اور نہ خوارج کے ساتھ معرکوں کے لئے کسی پر زبردستی کی ان تمام لڑائیوں میں آپ کے ساتھ وہی لوگ تھے جو اپنی ہمت سے آپ کو جان کر آپ کا حق پہچان کر آپ کے ساتھی بنے اور رضا کارانہ خدمت پیش کی اگر آپ چاہتے تو فوجی بھرتی

کر سکتے تھے لیکن فوجی خدمت کا یہ طریقہ جو لوگوں کو اس فرض پر مجبور کرے اب تک جاری نہ ہو سکا تھا اگر آپ چاہے تو مال دیکر لوگوں کو اس طرف متوجہ کر سکتے تھے جب کہ لوگ لڑائی سے گریز کرتے تھے لیکن آپ نے ایسا بھی نہیں کیا آپ کو گوارا نہ تھا کہ اپنے ساتھیوں کا خلوص اور خیر خواہی دام دے کر خریدیں آپ تو یہ چاہتے تھے کہ دوست اور ساتھی ایمان اور بصیرت کی روشنی میں آپ کا ساتھ دیں بلکہ آپ نے تو اس سے بھی زیادہ کیا انھیں لڑائیوں میں انھیں ساتھیوں کے ساتھ گھس پڑے اور ان کو مال غنیمت بھی نہیں لینے دیا صرف دشمنوں کا گھوڑا اور ہتھیار پیش کر دیا، جس پر آپ کے ساتھی کبیدہ خاطر ہوئے اور کہا ان کا خون تو ہمارے لئے مباح کر دیا لیکن مال مباح نہیں کیا جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو، حضرت علیؓ کی رائے اس معاملے میں یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں اور کافروں کے ساتھ لڑائی میں فرق ہے مسلمانوں کیساتھ لڑائی میں اس سے زیادہ ارادہ نہیں کرنا چاہیے کہ اپنے بھائی کو مجبور کر دیا جائے کہ اپنے رب کے حکم کی طرف رجوع کرے اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس نے اپنی جان اور مال بچالیا نہ اس کو غلام بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کا مال مال غنیمت ہو سکتا ہے لیکن غیر مسلموں کے ساتھ لڑائی کا پوزیشن یہ نہیں ہے، لڑائی کے متعلق آپ کا نقطہ نظر معلوم کر لینے نیز آپ کے طرز عمل کا تجربہ کر لینے کے بعد اگر شامیوں کی لڑنے سے آپ کے ساتھی گریز کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ یہ تو ایسی جنگ ہے جو ان کو مصیبتوں میں گرفتار کر کے موت کے خطرات تک لیجاتی ہے اور پھر بے نتیجہ مال غنیمت تک کی بھی روادار نہیں اور ہم جانتے ہیں کہ عرب جب کبھی لڑائی کی سوچتا ہے تو اس کے ساتھ ہی مال غنیمت کا تصور کرتا ہے اور کسی خاص وجہ سے اٹھنے مسلمانوں کو ابھاتا ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کریں،

وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً
تَأْخُذُونَهَا
اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت زیادہ مال غنیمت کا وعدہ کیا ہے جس کو تم حاصل کرو

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت علیؓ اپنے اقتدار کے منوانے اور اپنے مسلم دشمن سے جنگ دونوں باتوں میں

اپنے ساتھیوں کو وسیع ترین معنوں میں آزادی دیتے تھے،

بلاشبہ حضرت علیؓ سے لڑنے کے لئے امیر معاویہؓ نے بھی کوئی جبری فوجی بھرتی نہیں کی اور نہ قیام پسند کرنے والوں کو سہنے پر مجبور کیا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خوب خوب عطیات دیتے تھے اور لوگوں سے اپنی اطاعت اور وفاداری خریدتے تھے اپنے مقابل سے لڑنے کیلئے لوگوں کو نہیں دیتے تھے اور یہ سب کچھ بیت المال سے کرتے تھے اس کو اپنے لئے مباح خیال کرتے تھے اور حضرت علیؓ اس کو اپنے لئے حرام سمجھتے تھے،

نظامِ خلافت

اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؓ اسلامی مقبوضات کے تمام حدود تک اپنی خلافت پھیلانے میں کامیاب نہیں ہوئے، اور نہ صرف خود ناکام رہے بلکہ آپؓ کے ساتھ پورا نظامِ خلافت ناکام رہا اور ظاہر ہو گیا کہ یہ نئی حکومت بھی جس سے توقع تھی کہ سیاسی نظاموں اور حکومت کی قسموں میں ایک نئے قسم کا نمونہ ہوگی بالآخر پہلی حکومتوں کی راہ چلنے پر مجبور ہو گئی، اسکو بھی پہلی حکومتوں کی طرح اپنی بنیاد مفاد پرستی، اقتدار پسندی اور طبقاتی نظام پر رکھنی پڑی جس میں متعدد ملتوں کی بڑی اکثریت کو ایک ملت کے لوگوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت اپنا آلہ کار بنا رکھی ہے۔ مزید برآں حضرت علیؓ اور نظامِ خلافت کے ساتھ ساتھ وہ بغاوت بھی ناکام ہو گئی جو بقول باغیوں کے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلئے کی گئی کہ اسلامی خلافت کی پاکیزگی، رواداری اور خوبی کو محفوظ رکھا جائے اور اس کے دامن سے خود غرضی، بے راہروی، سرکشی اور خرابیوں کے وجہ سے دھوئے جائیں،

ان باغیوں نے بزمِ خود اسی لئے تو شورش مچا رکھی تھی، کہ حضرت عثمانؓ ان کے مفاد اور مال کا بہتر انتظام نہیں کر سکے اور یہ ٹھیک ہے کہ وہ انتظام کرنے سے قاصر رہے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی گردلوں پر بنی امیہ سوار ہو گئے، صوبوں میں گورنروں نے حکومت اور خراج کے سلسلے میں غیر معقول روش اختیار کی خلیفہ نے بیت المال پر دست درازی کی اپنے رشتہ داروں اور خاص خاص لوگوں کو نوازنا پسند بھی چاہتے تھے کہ خلافت کا رخ پھیر کر شیخین کے عہد کی طرف کر دیں جس میں انصاف ہوتا تھا، خود غرضی اور مطلب پرستی کا نام و نشان تک مٹایا جا رہا تھا، لوگوں کے مال کی ٹھیک ٹھیک حفاظت ہوتی تھی، اور انہیں کے مفاد اور مصالح کیلئے خرچ ہوتا تھا، اور جتنا حق تھا اتنا ہی وصول کیا جاتا تھا، لیکن بغاوت کے لیڈر اور رہنما کامیابی سے پہلے تحریک کے دوران ہی میں قتل کر دیئے گئے، حکیم ابن جبلة جبل کے معرکے سے پہلے بصرہ میں مارا گیا، اس کا بصری ساتھی تھا خرقوص ابن زہیر نہروان کے معرکے میں کام آیا محمد ابن ابی بکرؓ اور کنانہ بن بشر مصر میں مارے گئے، محمد بن ابو عذیفہ کا کام شام میں تمام ہوا

اشتر کی موت مہر کے راستے میں زہر سے ہوئی اور عمار بن یاسرؓ صفین کے معرکے میں کام آئے ،
 یہ ہیں بغاوت کے لیڈران میں سے بعض تو حضرت علیؓ کے خلاف لڑائی کا سلسلہ شروع ہونے سے
 پہلے ہی قتل کئے جا چکے تھے ، اور بعض معرکوں کے دوران میں قتل ہوئے کچھ ایسے ہیں جو خلیفہ کے مخالف
 ہوئے اور اس کے مقابلے کیلئے نکلے ، اور مارے گئے بعضوں کو معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں نے کھلم کھلا
 یا چھپ کر قتل کر دیا ،

کھلی ہوئی بات ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی ان کا محاصرہ کیا اور ان
 کی جان تک لے لی ، وہ سب کے سب قتل نہیں ہو گئے تھے ، بلکہ ان میں سے کچھ لوگ باقی رہ گئے جو ان قتل
 ہونے والے لیڈروں کے تابع تھے ، قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو لیڈر بغاوت کی راہ میں مر گئے اور تحریک
 چھوڑ گئے ان کی موت سے تحریک ان دماغوں سے محروم ہو گئی ، جو غور و فکر اور تدبیریں کرتے تھے ،
 نتیجہ یہ ہوا کہ باقی ماندہ جماعت کے افراد نے ناکام اور نامراد ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور گوشہ عافیت میں
 جا بیٹھے ، وہ اپنی بغاوت سے جس ماحول کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے ، اس کی طاقت اس سے کہیں زیادہ
 تھی کہ وہ اس سے ٹٹھ مٹاتے اور مقابلہ کرتے ،

ہاں یہ ماحول کا لفظ ذرا مبہم ہے ، اس کی وضاحت ضروری ہے اس کا سب سے زیادہ قابل توجہ پہلو
 اقتصادی ہے ، خلافت کا نظام جیسا کہ شیخین پیش کرتے ہیں ایک آسان روادار نظام ہے ، جس میں کوئی
 دشواری نہیں ہے ، اس کی خاص تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ وہ اسی وقت باقی اور صحیح رہ سکتا ہے ، جب
 مسلمان اس پر گہرا اور پکا ایمان رکھیں گے ، اس نظام پر یقین کا پہلا تقاضا ایک ایسا ایمان ہے جسکو دین
 کے ساتھ خلوص ہو ، ایسا خلوص جو دلوں کی گہرائیوں تک جا پہنچے جو انسان کے باطن پر عادی ہو جس کا اثر
 انسانی عقلیں اپنے غور و فکر میں ، انسانی اعضاء اپنے اعمال میں اور زبانیں اپنی جنبشوں میں تسلیم کرتی
 ہوں ، ایسا ایمان جو شرک کو کسی رنگ میں قبول نہ کرے ، اللہ پر ایمان اس طرح کہ اس کا کوئی شریک اور
 مقابل نہیں ، دین پر ایمان کی یہ کیفیت کہ اس میں ذاتی مفاد اور خواہش کا کہیں لگاؤ نہیں ، اس قسم
 کا ایمان اگر نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی اکثریت کو حاصل بھی تھا ، تو اس میں کچھ نہ کچھ آمیزش
 ضرور ہی ان لوگوں کو چھوڑ دیکھے جو آخر میں اسلام لائے ان سے بھی قطع نظر کیجئے جن کی نبی نے مال کے
 ذریعے دلجوئی کی ہے ، اور ان بہت سے دیہاتیوں کو بھی درمیان نہ رکھیے جن کے متعلق اللہ کا اشارہ ہوا

قالت الاعرابُ أمّا قلّ لم تؤمنوا ولكن

قولوا اسلمنا ولما يدخل الایمان فی

قلوبهم -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ اور دوسرے مقامات کے منافقوں کو پہنچتے تھے، اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ان کی نشان دہی اور ان کے حالات کی اطلاع کر دیا کرتا تھا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا ہو کہ بعض ایسے منافق ہیں جن کو صرف میں جانتا ہوں، پھر جب نبی وقات پاگئے اور منافقین کے معلوم کرنے کا ذریعہ جاتا رہا تو مسلمان کلمے بالوں میں سفید بال کی طرح تھے، جیسا کہ نبی کا فرمان ہے، قلّة قلیلة یعنی چھوٹی سی اقلیت اور اس کا سب سے زیادہ روشن ثبوت و ثبات نبوی کے بعد عربوں کا مرتد ہو جانا ہے، اور صدیق اکبر کا اور آپ کے ساتھیوں کا ان سے جہاد کرنا اور ہم سب جانتے ہیں کہ کتنی مشکلوں سے ان کو راہ راست پر لایا جاسکا، اس کے بعد جب اسلام عربی حدود سے اگے بڑھا اور اپنے اقتدار کی بساط شیخین اور حضرت عثمان کے مفتوحہ علاقوں تک بچھتا چلا گیا، تو ایسے لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، جو اس اقتدار کے سامنے جھک تو گئے، لیکن وہ ایماندار نہ تھے، اور نہ ان کو اقتدار سے اخلاص تھا بلکہ ان کی وفاداری کے مظاہرے کی بنیاد صرف خوف پر تھی،

اسی طرح یہ فتوحات اس نئی حکومت کے لئے بیگ وقت قوت اور کمزوری دونوں کا سرچشمہ تھیں، قوت کا اس طرح کہ اس کے ذریعہ زمین کے بہت سے علاقے زیر فرمان ہو گئے اور کمزوری کا اس طرح کہ فتوحات ہی نے ایسے لوگوں کی اکثریت کو مطیع بنا دیا جو اس حکومت کے مخلص نہ تھے بلکہ اس سے خائف اور اس کی شوکت سے ہراساں تھے فتوحات کی قوت یہ کہ اس قدر ممالک و دولت کی فراوانی ہوئی جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا، اور فتوحات کی کمزوری یہ کہ دولت نے ایسے مفاد اور اغراض کو جنکایا جو سوزہ تھے، ایسے ایسے مقاصد اور تقاضوں کو پوشیدہ کیا جو محو غفلت تھے، ان افراد کو اپنی طرف متوجہ کر لیا جن کی فکر و نظر کا گوشہ دین تھا، پھر تو ایسی ایسی ضرورتیں پیدا کر دیں، جن سے کبھی کا انس و آشنائی نہ تھی، دولت نے عربوں کے سامنے عیش و عشرت کے ساز و سامان پیش کر کے ان کو اولاً آمادہ کیا پھر دعوت دی اور بلا آخر ان کو اس کا اس طرح عادی بنا دیا کہ فریفتہ ہو گئے، ہاں کچھ تھوڑے سے لوگ رہ گئے، جنہوں نے دنیا پر دین کو ترجیح دی اور اپنی توجہ دولت مفاد اور ساز و سامان ہا کر اللہ کی طرف کر لی

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں عربوں کو اپنی راہ چلانے میں کتنی مصیبتیں اٹھائیں خود بھی پریشان رہے ان کو بھی پریشان رکھا، عرب آپ کی سیاست سے سخت کوفت میں تھے، ان پر وہ انصاف بہت گراں تھا، جو کمزور اور قوی کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا ہے، ان پر وہ خشک اور موٹی زندگی بڑی شاق تھی، جس پر حضرت عمرؓ ان کو مجبور کر دینا چاہتے تھے، چنانچہ جب آپ کی وفات ہوئی، تو ان کو خوشی ہوئی دنیا ان کی نگاہوں میں اور یہ دنیا کی نظر میں متبسم اور شگفتہ نظر آنے لگے، لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ یہ تبسم اور یہ شگفتگی آنسو اور افسردگی بن کر ایک بڑا فتنہ ثابت ہوئی دولت کیلئے جس مکہ ہو جانا مزید دولت کی طلب پیدا کرتا ہے پھر مال کی طلب حرص و طمع کے دروازے کھولتی ہے، جس کے بند ہونے کی کوئی سبیل نہیں، اور جب حرص آئی تو ظلم و زیادتی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جس کے سلسلے میں مقابلہ کرنے کا مادہ پودش پاتا ہے، اور پھر باہم بغض و کینہ کی باتیں عام ہو جاتی ہیں، اور آدمی ہاتھ دھو کر دنیا کے پیچھے پڑ جاتا ہے، یہاں تک پہنچنے پر حسد کا جذبہ جوان ہو چکتا ہے، اور ان لوگوں کے دل جلنے لگتے ہیں، جن کو دولت مندوں کی سی خوشحالی اور ثروت میسر نہیں، پھر یہ حاسد اپنے جذبات کی تشنگی بھجانا چاہتے ہیں اور خوش نصیب اپنی حمایت میں اقدام پر آمادہ ہوتا ہے، اور اس طرح دونوں میں چھڑ جاتی ہے، یہی سب کچھ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوا اور انہیں حالات نے شہر والوں کو پہلے گورنروں کی پھر خلیفہ کی بغاوت پر آمادہ کیا، پھر خلیفہ کے محاصرے اور قتل تک نوبت پہنچی، حضرت علیؓ نے چاہا کہ عربوں کو پھر فاروق اعظمؓ کے دور میں پہنچادیں، لیکن وہ دن جا چکے تھے، اور ان کا آنا ممکن نہیں تھا، دو تمدنوں کے دلوں پر دولت کا قبضہ تھا، چنانچہ انہوں نے اسی بنیاد پر عراق میں اور شام میں جنگ کی، عراق میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی، لیکن ایسی کہ اس کو غالب اور مغلوب دونوں نے بہت جلد بھلا دیا، جمل کے معرکے کے بعد لبرہ والوں کو کس قدر جلد اپنی عثمانیت یاد آگئی، اس عثمانیت کا مطلب صرف حضرت عثمانؓ کی محبت اور ان کے قصاص کی طلب نہ تھی، بلکہ اس کا مطلب اس سے زیادہ عام اور وسیع ہے، اس کے معنی وہ نظام جس کو وہ پہچانتے تھے، اور جس سے مالوس تھے شدید حرص و طمع اور مال میں مقابلے کا نظام، حضرت عمرؓ کی لادہ ہوئی زندگی سے تنگ آجاتے والا نظام جس کو حضرت علیؓ پھر سے عربوں پر لادنا چاہتے تھے،

ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے بصرہ والوں کی شکایت کی کہ جمل کے معرکے کے بعد جب آپ یہاں سے چلے گئے تو لوگوں میں پھر انتشار سا ہو رہا ہے اور ان میں اطاعت اور سنجیدہ فرمانبرداری کی متوقع کیفیت نہیں ہے حضرت علیؓ نے جواب لکھا، اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے بصرہ والوں کی اصل حقیقت کا پتہ چلا لیا تھا، اور چاہتے تھے کہ ان کی اصلاح کی جو صورت بھی ممکن ہو لکالی جائے جواب میں فرماتے ہیں،

تمہارا خط پہنچا، میری واپسی کے بعد بصرہ والوں کے طرزِ عمل کا تم نے تذکرہ کیا ہے، وہ امیدو بیم کے عالم میں ہیں، تم امید رکھنے والوں کو رغبت دلاؤ اور خائف رہنے والوں کا خوف عمل و انصاف سے دور کرو،

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ وہ امیدو بیم کی حالت میں تھے، لیکن اس کے لئے حضرت علیؓ نے جو علاج تجویز کیا، وہ بیسرنہ تھا، وہ چاہتے تھے کہ عدل و انصاف کے حدود میں رہ کر امید رکھنے والوں کو رغبت کا موقع دیا جائے اور ڈرنے والوں کو مطمئن کیا جائے،

انصاف ڈرنے والوں کا خوف تو دل سے نکال سکتا ہے، لیکن امید رکھنے والوں کو امید نہیں دلا سکتا، اور اس سے بڑھ کر اس کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابن عباسؓ حضرت علیؓ کی سیاست کا مینا نہیں کر سکے، رغبت دلاتے ہوئے خود ہی امید رکھنے والوں کی صف میں کھڑے ہو گئے، اور جب ابولاسود نے حضرت علیؓ سے شکایت کی اور حضرت علیؓ نے ان کو ڈانٹ بتائی، تو بیت المال سے جس قدر بھی لایا سکے اپنے ساتھ لیکر مکہ بھاگ آئے اور وہیں مقیم ہو گئے پھر بصرہ والوں نے چاہا کہ زیاد کے خلاف بغاوت کر دیں اور معاویہ کی طرف جھک پڑیں، لیکن حضرت علیؓ نے خوف و دہشت کی رسی میں ایک مزید گرہ ڈال دی، اور جاریہ بن قدامہ کو بھیج دیا جس نے آکر ان کی ایک جماعت کو نظرِ آتش کر دیا،

پھر جمل کے معرکے میں حضرت علیؓ کے ساتھ فتح پانے والوں کی حالت شکست کھانے والوں سے اچھی نہ تھی، فتح پانے کے بعد جب انہوں نے چاہا کہ بصرہ والوں کے مال کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور حضرت علیؓ نے ان کو روکا تو دبی زبان کہنے لگے کہ ان کا خون تو ہمارے لئے مبارک کیا لیکن ان کا مال مبارک نہیں کیا، اسی طرح کو فہ والے حضرت علیؓ کے ساتھ صفین کے معرکے میں گئے، اور قریب تھا کہ فتح پا جاتے، لیکن مال کے خیال نے ان کے سرداروں اور افسروں کے ہاتھوں ان کا کام پوپٹ کر دیا، قرآن اٹھائے گئے

اور حضرت علیؓ کو ثالثی کی منظوری پر مجبور کیا گیا،

اسی دن یہ بات ثابت ہو گئی کہ بغاوت ناکام رہی اور حضرت علیؓ فاروق اعظمؓ کا دور واپس لانے کے لیے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور حضرت علیؓ کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری کی بھی نہ چلی جن کو بنی والوں نے اپنے خلیفہ کی مرضی کے خلاف حکم چنا تھا، اور صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنے انتخاب کرنے والوں کے خلاف چاہتے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی بیعت کی جاتی ہو اچھے باپ کے اچھے بیٹے ہیں اور جن سے فاروق اعظمؓ کا نام اور ان کی سیرت زندہ ہوتی، بنی کے لوگ نہ عمرؓ کو چاہتے تھے نہ ان کے بیٹے کو اور نہ کسی ایسے کو جو ان کے جیسا ہو، اگر یہی چاہتے تو حضرت علیؓ سے عذاری کیوں کرتے، اور کیوں ان کو اس بات پر مجبور کرتے، جو وہ نہیں چاہتے تھے،

پھر یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ حجاز کے لوگ کو فہ اور لہرہ والوں سے بہتر نہیں تھے، چنانچہ بہت سے حجازی پوری چھبے اشام جا رہے تھے، ان کو معاویہ کی دنیا زیادہ پسند تھی، یہ دیکھ کر مدینہ کے حاکم سہل بن حنیف نے حضرت علیؓ سے شکایت کی اور حضرت علیؓ نے جیسا کہ تم نے پڑھا، سہل کو متصلی کا خط لکھا، اور یہ بھی واقعہ ہے کہ مکہ کے بہت سے لوگ مدینہ والوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے، بلکہ جو لوگ مدینہ میں مقیم تھے اور شام چلے جانے سے زیادہ اچھا یہ خیال کرتے تھے کہ حجاز ہی میں رہیں ان کو معاویہ کی طرف سے تحفے اور عطیات ملتے تھے اور وہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، ہیرت کی بات ہے جب ہم بلاذری کی زبانتوں میں ان خطوط پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو حضرت علیؓ نے اپنے مشرقی علاقے کے گورنروں کو لکھے ہیں، ہمیں صرف دو خط ایسے ملتے ہیں جن میں آپؓ نے اپنے گورنروں کی ایسی تعریف کی ہے جو اگر مگر سے خالی ہے، اور ان میں سے ایک خط جو عمر بن سلمہ کے نام کا ہے ہم نقل کر چکے ہیں، جو آپؓ نے بحرین سے ان کو معزول کرتے ہوئے لکھا تھا، دوسرا خط سعد بن معوذ ثقفی کے نام ہے جو مدائن میں آپ کے گورنر تھے، خط یہ ہے،

اما بعد ، تم نے مسلمانوں کے لئے خراج کی رقم میں کافی اضافہ کیا اور ایک پاکیزہ متقی کی طرح اپنے رب کے فرماں بردار اور اپنے خلیفہ کے خیر خواہ رہے، تمہارا کام قابل تعریف ہے، تمہارا اخلاق سے میں خوش ہوں، تم نے اپنی معقولیت ثابت کر دی خدا تم پر عنایت کی نظر رکھے، وَالسَّلَام

لیکن ان دو کے علاوہ باقی تمام خطوط میں کسی حاکم کو ڈانٹ ڈپٹ سے کسی میں عتاب اور دھمکی کسی میں وعظ و نصیحت، تم پڑھ چکے ہو کہ مصنفہ ابن ہبیرہ اور منذر بن جبار و ذیاب نے کیا کیا، ایک نے مال میں تصرف سے کام لیا اور شام بھاگ گیا، اور دوسرا اسی سلسلہ میں گرفتار ہو کر قید کیا گیا اور کہ ابن عباس کی بات تو ابھی بھولی نہ ہوگی،

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فتوحات کے بعد دولت کی فراوانی سے جو بستی مسلمانوں میں پیدا ہوئی وہ اتنی عام تھی کہ اس فتنے سے جتنے لوگ کنارہ کش تھے ان کے سب افراد بھی اس سے نہ بچ سکے، اگر ایک طرف سعد بن ابی وقاصؓ عبداللہ بن عمرؓ اور محمد بن مسلمہؓ ہیں جو اپنا دیں لئے فتنے سے دور رہے، فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ لڑائی میں شرکت نہیں کی، اللہ اور اس کے دین کے لئے گوشہ نشینی کے ارادے پر قائم رہے، تو دوسری طرف معمر بن شعبہ اعتدال کی ایک مثال ہیں، طائف میں امن و عافیت کے دن گزارتے رہے لیکن یہ عافیت ان پر بڑی گراں تھی، وہ کسی کام کے شوق میں بیتاب تھے، اور غالباً عمر و بن العاصؓ کی کامیابی سے زیادہ ان کو کوئی پھیر نہیں سٹاتی تھی وہ اس جو ان گھوڑے کی طرح اپنی لگام چباتے جس کو دور سے روکیا گیا ہو ابو ہریرہؓ مدینہ میں مقیم تھے، معاویہؓ کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو عطیہ ملتا تھا، اس کے لینے میں ان کوئی تامل یا ناگواری نہ تھی، معمر بن شعبہ نے تو جب معاویہؓ کیلئے میاں ان صاف ہو گیا تو بڑی سرگرمی دکھائی، البتہ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابن عمرؓ دونوں بزرگ اپنی گوشہ نشینی اور سکون پسندی پر پوری طرح ثابت قدم رہے، حرمین کے لوگ بھی حوادث میں مبتلا ہونے کے بعد جنگ پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے، جو کچھ بھی ان کو پیش کیا جاتا قبول کر لیتے، خواہ کہیں سے آیا ہو، اور جو بھی اقتدار اور شوکت کا مالک ہوتا اسکی بیعت کر لیتے، حضرت علیؓ کی اطاعت میں تھے، لیکن جب بسرا بن ارطاة نے ڈراپ دھکایا تو مدینہ والوں نے معاویہؓ کی بیعت کر لی، اور مکہ والوں نے بلا پس و پیش اس کا استقبال کیا، اسلئے کہ معاویہؓ نے حکم دیا تھا، کہ مکہ والوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، لیکن جب حضرت علیؓ کا افسر آیا اور بسرا کو بھگا دیا تو مکہ والوں نے بلا کچھ پتہ چلائے اس طرح بیعت کی کہ کوفہ والوں نے جس کی بیعت کی ہے ہم بھی اسی کی بیعت کرتے ہیں، اور مدینہ والوں نے اس علم کے بعد کہ خلیفہ حسن بن علیؓ میں بیعت کر لی،

پس ہر بات سے پتہ چلتا ہے کہ طبیعتوں پر دین کے غالب رہنے کی وہ کیفیت جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھی، اب باقی نہ تھی تا دین کی جگہ اب دلوں پر دولت اور تلوار نے قبضہ کر لیا تھا، اور ہر بات سے معلوم ہوتا

کہ علیؑ اور ان کی راہ پر چلنے والے جو نبی اور شیخین کی سیرت کی حفاظت کرنا چاہتے تھے، زلزلے کے اس آخری دور
 میں، جب تمام باتوں پر دین غالب تھا، تو پھر بلا پس و پیش کہنا چاہیے کہ نئے مسلمانوں میں دین کی قوت کا
 زور ہو جانا اور دنیاوی اقتدار کا ان پر غالب آ جانا اس ماحول کا پہلا اثر تھا، جو حضرت علیؑ کی کامیابی کی راہ
 میں روکاؤں کا ثابت ہوا،

عرب حضرت عمرؓ کے زلزلے تک دوسروں کے حالات سے بہت کم واقف تھے، عرب تا بحر حجاز تجارت کا
 مرکز لیکر واپس آتے تو روم فارس اور حبش کے متعلق، نیز شام و مصر اور خصوصاً عراق کے بارے میں ان سے
 نہیں کرتے، اسی طرح غیر ملکی تاجروں اور غلاموں میں سے کچھ لوگ جب ان کے پاس پہنچ جاتے، تو انہیں ان ملکوں کے
 بارے میں کچھ حالات سناتے، یہ بیان کرنے والے شاید باتوں کو صاف صاف بتاتے بھی ہوں گے، لیکن سننے والے
 عربوں کیلئے وہ باتیں مبہم اور پیچیدہ ہوتیں، چنانچہ ان ملکوں کے بارے میں عربوں کی جو معلومات تھیں انہیں
 صحیح حالات اور سچے واقعات کی بجائے عجائبات اور افسانوں کا رنگ دیا جاسکتا ہے، پھر فتوحات کا دور آیا
 اسلامی فوجوں نے ان ممالک کی بہت سی چیزوں کو آنکھوں سے دیکھا، اس کے بعد ان کو وہاں قیام کا موقع ملا
 اور بہت سے عرب آباد ہوئے، تب انہوں نے ان ملکوں کو ٹھیک طور پر سمجھنا، اور ان کے بارے میں اور ان کے
 شندوں کے بارے میں وہ وہ باتیں ان کو معلوم ہوئیں جن کا وہ یقین نہیں کرتے تھے، انہوں نے جو کچھ دیکھا اور
 سنا شروع شروع میں ان پر ان کو کچھ حیرت سی ہوئی، لیکن پھر وہ اپنے مشاہدات اور معلومات سے مانوس ہو گئے
 اور رفتہ رفتہ ان کے اخلاق و عادات اور ان کی زندگی کے طور طریقوں میں سے جو بات اچھی سمجھنے اپنی طبیعت
 اپنے مزاج اور اپنے ذوق کے مطابق پاتے اس کو اختیار کر لیتے،

ابتداء میں طبیعت بہت آہستہ تغیر پذیر رہی، لیکن جیسے جیسے ان اطراف میں ان کا قیام طویل ہوتا گیا تبدیلی
 کی رفتار میں قوت اور تیزی بڑھتی گئی، انہوں نے ایک دلکش تمدن کے ساتھ خوشحالی اور عیش و عشرت کا ایسا
 تنوع دیکھا کہ آنکھوں پر جادو ہو گیا زندگی میں وہ رنگینی اور لطافت پائی جس کا تصور ان کا دماغ اب تک نہ
 کر سکا تھا، پھر تو بہنوں کا دل ان بہاروں نے موہ لیا اور ان میں دانستہ یا نادانستہ آرزو پیدا ہوئی کہ اس
 زندگی سے بہرہ اندوز ہوں، ان تمام باتوں نے ان کے گوشہ فکر و نظر کو متاثر کیا جہاں سے وہ زندگی کی
 قدروں کا اندازہ کرتے تھے، چیزوں کو دیکھتے اور اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے،
 سب سے پہلی بات جس نے عربوں کو حیرت میں ڈال دیا وہ فارس کی شان و شوکت تھی جس کا انہوں

نے خاتمہ کر دیا تھا، اور جس کی سرحدوں کو رومی حدود سے کاٹ دیا تھا، عرب کے شاطروں اور حوصلہ مندوں نے اس مفتوحہ ملک کا جب اپنی اس سرزمین سے مقابلہ کیا جو مدینہ اور دوسرے عربی شہروں اور دیہاتوں میں چھوڑ کر آئے تھے تو انہوں نے محسوس کیا کہ اس جدید کا درجہ ان کے قدیم سے اونچا ہے، اور اکثریوں تو اس فرق کے اظہار میں شرم محسوس کی اور باہم سرگوشیاں کرنے لگے، ان کے دل اس جدید کی طرف مائل ہو گئے، یہ اپنے سرپرست بوڑھے صحابہ کو بڑی عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن اس عزت و احترام میں ہمدردی اور عنخواری کا بھی پہلو ہوتا، عزت و احترام اس لئے کرتے تھے کہ ان صحابہ کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اونچا تھا اور پھر اسلام لانے میں سابق تھے، اور ہمدردی اور عنخواری جذبات اس لئے تھے کہ ایسے اہل پرانی نسل کے نمائندہ تھے جس کا دور ختم یا قریب الختم ہے،

ان میں جو بھی مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ سے ملتا تصنع کے ساتھ آپؓ جیسی کیفیت بنا کر کہیں اصلی کا پتہ نہ چل جائے، دنیا سے بیزاری کا خشک اور بے لطف زندگی کا مظاہرہ کرتا کہ وہ مطمئن ہو جائیں خوش ہوں، اور جب ان سے الگ ہوتا یا دوستوں میں پہنچتا تو اسی خوشحال زندگی سے ہم آغوش ہو جاتا ہے اب مالوں سے ہوجو کا ہے اور حضرت عمرؓ کی سادہ اور خشک زندگی پر عزت و احترام کے پورے جذبات کے اپنے درد کا اظہار کرتا،

پھر جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور آیا تو ان کو اس تصنع کی زندگی سے بھی نجات مل گئی، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ دنیا سے بیزاری اور خشک زندگی پسند نہیں کرتے تھے، پس انہوں نے کھل کر وہ کیا جو اتنا چھپا کر کرتے تھے، اور خود مدینہ میں زندگی کی لطافتوں کا آغاز ہو گیا، تنعم اور تعیش کا دور دورہ ہوا مدینہ اور اس کے اطراف میں اونچے اونچے محل اور کوٹھیاں تعمیر ہونے لگیں تو جوان ایسے ایسے کھیل کھیلا لگے جن کا عربوں کے زمانے میں کہیں پتہ نہ تھا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود حضرت عثمانؓ اپنی رواداری اور پسندی کے باوجود مجبور ہوئے کہ باہر سے آنے والے نئے نئے فتنوں کو روکیں جو لوگوں کے دلوں میں گھر گھر رہے تھے، پھر عربوں نے دیکھا کہ بوڑھے صحابہ اور سابقین اسلام کی ایک جماعت دولت جمع کر کے کچھ خوشی کی زندگی جی رہا ہے، تو وہ بھی اپنے ان رہنماؤں اور معلموں کی راہ چلنے لگے، اسی دوران میں فتوحات حجاز اور دوسرے عربی شہروں میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد بھیج دی جو فتح سے پہلے اپنے اپنے شہروں میں درجہ اور طبقہ کے لحاظ سے مختلف حیثیتوں کی زندگی گزارتے تھے، عربی حدود میں داخلے کے وقت مختلف

غلام اور لونڈیاں اپنا اخلاق اپنا ذوق اور اپنی طبیعتیں اپنے شہروں میں چھوڑ کر نہیں آئیں بلکہ یہ سب کچھ ساتھ لائیں اور اپنے مالکوں کو اپنی بہت سی باتیں بتا بھی دیں انھوں نے اپنی طبیعت اور اپنے ذوق کی بہت سی باتوں پر اپنے مالکوں کو آکسایا، راغب کیا اور دیکھا کہ وہ بے چون و چرا ہاتھ بڑھاتے ہیں، اور خوش آمدید کہتے ہیں، پھر تو انھوں نے مالکوں کو اپنی پسندیدہ اداؤں میں پھانس لیا،

اور یہ کیفیت صرف انہیں غلاموں اور لونڈیوں کی زندگی جو عربی سرزمین میں آئیں بلکہ یہی حال ان سبھوں کا تھا جو اپنے مالکوں کے ساتھ مفتوحہ ممالک میں قیام پذیر تھیں ان تمام باتوں نے مل کر عربی طبیعت میں ایک مکمل جدت پیدا کر دی جو عربوں اور ان کی قدیم خشک زندگی کے درمیان ایک وسیع خلیج بن کر حائل ہو گئی،

اب حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد جب چوتھے خلیفہ سریرا رائے خلافت ہوتے تو انھوں نے چاہا کہ قوم کو سیدھے راستے پر چلائیں اور مسلمانوں کو اس سیرت اور اس زندگی کی طرف لے جائیں جس کے وہ ہی اور شیخینؓ کے زمانے میں خوگر تھے لیکن لوگوں نے کسی سرگرمی کا اظہار نہیں کیا انھوں نے دیکھا کہ ایک قدیم خلیفہ ایک جدید نسل پر حکومت کرنا چاہتا ہے، اور وہ بھی ایسی پالیسی کے ساتھ جو عیش اور خوش حالی کی زندگی کے سخت مخالف ہے،

اس کے بعد انھوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ ایک دور امیر ہے جس کا مستقر شام ہے جس نے اس نئی نسل کیلئے اپنے اندر جدت اور اپنی رعایا کے درمیان ایک مناسبت پیدا کر لی ہے اور مزید برآں وہ اپنی رعایا کو جدت پر اکساتا ہے اور اس سلسلے میں مالی امداد بھی کرتا ہے پھر اپنے عمل پر توفیق کے مطابق دلائل بھی پیش کرتا ہے وہ رومی شہروں کے پڑوس میں مقیم ہے اور چاہتا ہے کہ رومیوں کو بتا دے کہ وہ ان سے شان و شوکت میں اور زندگی کی نعمتوں سے بہرہ اندوزی میں کسی طرح کم نہیں اور یہ کہ اس کے ساتھ اس معاملے میں اسی کے جیسے ہیں، پھر وہ رومیوں سے برسرِ بیکار تھے تو ضروری تھا کہ ان کے ہتھیار بھی حریف کے جیسے ہوں دوسری طرف وہ عراق میں اپنے ہم مقابل حضرت علیؓ سے لڑ رہے تھے اس سلسلے میں ان کے لئے ضروری تھا کہ چال بازی سے کام لیں حریف کو فریب دیں لوگوں کو ان کے تعاون سے روکیں ان کے گرد و پیش جمع ہونے والوں کو منتشر کریں پس اس کام کے لئے تمام تدبیریں مستحب بلکہ فرض ہیں اور ان کے اختیار کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیے،

چنانچہ امیر معاویہؓ اس کے لئے خروج کرنے لگے انھوں نے دولت سے لوگوں کی دلجوئی شروع کر دی،

اور مخالفین کے خلاف داؤں پچ میں مصروف ہو گئے ماحول کی یہ تمام باتیں اکٹھا ہو کر حضرت علیؓ کے دل میں
 سکتی تھیں کہ وہ زندگی کے اس دور میں ایک اجنبی کی طرح جی رہے ہیں جس نسل کی زندگی کے معاملات
 نظم کرنا چاہتے ہیں اس سے ان کا کوئی میل نہیں ہے اور اس لئے وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اس کی کوئی سبیل
 یہ ابن عباسؓ آپ کے چچا زاد بھائی آپ کے مخالفت بن کر گئے میں خوش حالی اور عیش کی زندگی بسر
 رہے ہیں یہ آپ کے گورنر بعضوں کو چھوڑ کر سب کے سب چوری چھپے مال لے لیتے ہیں اور یہ قوم کے سردار
 چودھری امیر معاویہؓ سے رقیب پاتے ہیں اور عراق میں ان کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں اور یہ عوام جنگ
 ہولناکیوں اور مصیبتوں پر امن و عافیت کو ترجیح دے رہے ہیں، حالات کا یہ نقشہ ہے اور حضرت علیؓ
 بتاتے ہیں کوئی آتا نہیں، حکم دیتے ہیں کوئی سنتا نہیں پھر تو آپ کا کام بگڑ جاتا ہے آپ قوم سے اور
 آپ سے گھبرا اٹھتی ہے پھر آپ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ خدایا ان سے اچھی مجھے رعایا اور مجھ سے برا ان
 خلیفہ دے، پھر اس بدبخت کے لئے عجلت فرماتے ہیں جس کے بارے میں آپ کو القا کیا گیا تھا کہ وہ آپ
 قاتل ہے اور جس کے لئے آپ اکثر فرمایا کرتے "مبخت نے کیوں دیر لگا رکھی ہے، بدبخت کو کس نے روک
 ہے" پھر اپنے قتل کے انتظار میں بار بار یہ اشعار دہراتے:

اشدد حیا ذیماک للموت	خاف الموت لا قیام
موت کے استقبال کی تیاری کر لو	وہ تم تک پہنچنے والی ہے
ولا تجزع من الموت	اذا حلّ بوا دیک
موت سے نہ گھراؤ جب اس نے	تھارے صحن میں قدم رکھ دیا ہے

پھر دھوکے درمیان بسا اوقات اپنی ڈاڑھی اور پیشانی کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ
 سے یہ رنگین ہوگی، اگر حضرت علیؓ دل کی اندرونی آواز پر کان دھرتے تو اپنے ساتھیوں
 بیعت سے مستعفی ہو کر زندگی کے باقی دن اللہ کی عبادت اور آخرت میں گزار دیتے، لیکن
 یہ نہ ہو سکا آپ حق پر ایمان رکھتے تھے، اور حق کی ادا سے بیٹھ رہنا بزدلی اور معصیت
 تھا، اور پھر آپ کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ بہت جلد ایسے ہو جائے اور دشمن کے مقابلے سے
 جائے خواہ حالات کیسے ہی ہوں یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنے ساتھیوں کی نافرمانی اور کنارہ
 سے تنگ آ گئے تو صاف صاف ان کو کہہ دیا کہ تمہیں میرے ساتھ شاہیوں سے جنگ کے لئے چلنا پڑے

ورنہ میں خود چلا جاؤں گا چاہے میرے ساتھ بہت کم ساتھی ہوں،
پس جدید زندگی کے حالات سرسرمعاویہ کے حق میں تھے اور حضرت علیؓ کے خلاف، لیکن اس
کے باوجود ماحول آپ کو کمزور نہیں بنا سکا اور نہ کسی دن آپ کو آپے سے باہر کر سکا، چنانچہ آپ
زندگی بھر تمام حالات میں اعتدال کے ساتھ اپنی طبیعت مزاج اور سیرت پر قائم رہے،
آپ کے اور امیر معاویہ کے درمیان ایک فرق اور ہے جو آپ کے خلاف لوگوں کو امیر معاویہ
تک پہنچا دیتا، آپ اپنے ساتھیوں کے معاملات کی تدبیریں ان کی موجودگی میں کرتے تھے اپنے دباؤ
اور جبر سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان سے مشورہ لیتے اور اپنی رائے پیش کرتے
لیکن آپ کے ساتھی آپ کی رائے سے اختلاف کرتے اور آپ کو مجبور کرتے کہ ان کے مشورے
پر عمل کیا جائے اور آپ اپنی رائے اپنے ساتھ رکھیں، آپ کا یہ طرز عمل ان کو آپ کے خلاف آمادہ
کرتا تھا اور اس سے ان کا حوصلہ بڑھتا تھا،

امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کی طرح اپنے ساتھیوں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے نہ ان سے
مشورہ لیتے تھے ان کے تو مقربین میں سے خاص خاص مشیر تھے نتیجہ یہ تھا کہ جب وہ حکم دیتے تو
تمامی بلا پس و پیش بجالاتے اعتراض کی تو مجال ہی نہ تھی پھر یہ کہ امیر معاویہؓ اپنا بھید پوری طرح
چھپا رکھتے تھے اسی کو بتاتے جس کو اپنے مقربین میں سے بتانا چاہتے، اور حضرت علیؓ کے تمام
معاملات لوگوں کے سامنے پاتے بات خواہ کیسی ہی اہم ہوتی آپ کے تمام ساتھیوں کو معلوم ہو
جاتی، حضرت علیؓ خلافت چلا رہے تھے اور معاویہؓ حکومت خلافت کے دن بیت چکے تھے اور
حکومت کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا، ✖

سازش

✓ حضرت علیؑ اپنی اس تلخ زندگی پر غالب آنسکا کوششوں میں مصروف تھے، ایک طرف وہ اپنے ساتھیوں کو شام کی لڑائی پر چلنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے، دوسری طرف عراق، حجاز اور یمن کی سرحد پر چھوٹے چھوٹے دستے بھیج رہے تھے کہ امیر معاویہ کی طرف سے بوٹ و غارت کے حملوں کی دانت ہو سکے تیسری طرف ان خارجیوں سے برسہا برسہا تھے جو دشمنی اور مقابلے کی دعوت دے کر لوگوں میں دہشت پھیلاتے تھے اور ساتھ ہی آپ کی طرف سے ان خوارج کے ساتھ نرمی کا برتاؤ بھی جاری تھا، جو کوفہ میں آپ کے ساتھ تھے اور تاک میں رہا کرتے کہ کب موقع ملے اور نکل پڑیں پھر کوفہ کے لئے آپ کی یہ کاوش کہ وہ اپنے کاموں میں صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ دیں، اس طرح آپ کی زندگی مختلف کوششوں اور کاوشوں میں گذر رہی تھی، انہی دنوں کچھ خارجی حج کے لئے نکلے انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کے حامی خارجیوں میں باہم اختلاف کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کے اقتدار میں تازہ تک پڑھنے کو تیار نہیں چنانچہ لوگوں کو ایک ایسے امیر کا انتخاب کرنا پڑا جو کسی جماعت کا نہ تھا، اور پھر نماز ادا کی گئی

یہ دیکھ کر ان خارجیوں کو بہت برا معلوم ہوا پھر ان کو نہروان اور دوسرے معرکے یاد آگئے اور وہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیوں نہ اُمت کو اس اختلاف کی بدبختی سے نجات دلائی اور کیوں نہ ان تین آدمیوں کو قتل کر دیا جائے جو اس جھگڑے کی جڑ ہیں، حضرت علیؑ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ، اس طرح اُمت اختلاف سے بھی بچ جائے گی اور حضرت علیؑ سے اپنی جماعت کے خون کا بدلہ بھی لے سکیں گے، ✓

چنانچہ ان میں سے ایک نے حضرت علیؑ کو قتل کر دینے کے لئے اپنا نام پیش کیا، عبدالرحمن ابن ملجم حمیری تھا، قبیلہ مراد کا حلیف دوسرے نے معاویہؓ کے لئے اپنا نام دیا، یہ حمیر ابن عبداللہ صرمی تھا جس کا تعلق قبیلہ بنی تمیم سے ہے تیسرے نے عمرو بن عاص کے لئے اپنے کو

اس کا نام عمرو بن بکر یا ابن بکر ہے یہ بھی نسلاً یا ولہ کے اعتبار سے میمی ہے، یہ تینوں اس بات پر متفق ہوئے کہ ایک مقررہ دن اپنا کام پورا کر دیں گے، ان لوگوں نے قتل کا وقت اور تاریخ بھی مقرر کر دی یعنی ۲۷ رمضان کی صبح کو نماز کے لئے نکلنے کے موقع پر

یہ لوگ اس کے بعد چند ماہ مکہ میں مقیم رہے اور پھر رجب میں غمہ ادا کر نیے بعد الگ الگ نکلے کہ جو ارادہ کر چکے ہیں اس کو پورا کر دیں،

امیر معاویہؓ کا حملہ اور مقررہ تاریخ میں ٹھیک اپنے وقت پر پہنچا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا اس لئے کہ معاویہؓ نے بقول مورخین اس دن ذرہ پہن رکھی تھی، وار بھر پور نہ پڑ سکا اور حملہ آور قتل کر دیا گیا، عمرو بن عاص کا قاتل بھی ٹھیک وقت پر پہنچا لیکن وہ بھی ناکام رہا، اس لئے کہ اس دن بیماری کی وجہ سے عمرو بن عاص نماز کے لئے نہیں آسکے تھے اور اپنے محافظ افسر خارجہ ابن حذافہ عدوی کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا، چنانچہ حملہ آور کا دار اس پر پڑا اور وہ مر گیا، بعد میں عمرو بن عاص نے حملہ آور کا کام تمام کر دیا اب رابعہ بن الجهمؓ تو اس نے کوفہ میں قیام کیا اور وقت اور تاریخ کا انتظار کرنے لگا وقت قریب آنے پر رات کے آخری حصے میں اپنے ایک معادل کی معیت میں موقع پر پہنچا اور حضرت علیؓ کے نکلنے کا انتظار کرنے لگا، آپ نکلے اور نماز کے لئے لوگوں کو آواز دینے لگے اتنے میں دونوں نے اپنی تلواروں سے حملہ کر دیا، ابن الجهمؓ کی تلوار اپنے کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک پہنچ گئی اور ساتھی کی تلوار گھر کی دیوار پر پڑی وار گتے ہی حضرت علیؓ گر گئے اور فرمایا، حملہ آور بھاگنے نہ پائے عبد الرحمن بن الجهمؓ کو پکڑ لیا گیا لیکن اس کا ساتھی بھاگنے کی کوشش میں قتل کر دیا گیا حضرت علیؓ کو لوگ گھر کے اندر لائے جہاں وہ دو دن اور ایک رات رہ سکے دوسری رات انتقال کر گئے، مورخین روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے قاتل نے جب وار کیا تو وہ کہہ رہا تھا اللھم انزل علیہ العذاب اور خود حضرت علیؓ الصلوٰۃ یا عباد اللھ الصلوٰۃ قرار ہے تھے

اسی طرح مورخین کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے گود و پیش والوں کو کہا کہ ابن الجهمؓ کو اچھا کھانا کھلانا اور عورت کے ساتھ رکھنا اگر میں اچھا ہو گیا تو اس معافیے پر غور کروں گا، معاف کر دوں گا یا قصاص لوں گا اور اگر جانبر نہ ہو سکے تو اس کو بھی مار ڈالنا اور کوئی زیادتی نہ کرنا اللہ زیادتی کرنے

لے فیصلہ کرنا اللہ کا حق ہے اے علیؓ تمہارا حق نہیں

والوں کو پسند نہیں کرتا،

مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ مرنے سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے آخری کلام جو سنا گیا وہ ارشاد خداوندی تھا، فمن یحمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یحمل مثقال ذرۃ شر یرہ لہ
اہل جماعت راویوں کا خیال ہے کہ حضرت علی نے کسی کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر نہیں کیا، آپ نے آپ کے صاحبزادے حسن کی بیعت کیلئے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، میں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں شیعوں کا خیال ہے کہ آپ نے حسن کے لئے بیعت کا صریح حکم دیا یہ ایک اختلافی بات ہے میں گفتگو بہت طویل ہے اور پھر اس سے بحث، ہمارے پیش نظر ہے بھی نہیں،
لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وارثوں نے قاتل کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل نہیں کیا، حضرت علی نے حکم دیا تھا کہ اس کو بھی مار ڈالنا اور کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا لیکن وارثوں نے کو بڑی طرح کاٹا اور آگ میں جلا دیا،

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قبر کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر کوفہ کے ایک مقامِ حصبہ میں ہے اور اس کو چھپا دیا گیا ہے تاکہ خارجی اس کی بے حرمتی نہ کریں، ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس کے بعد آپ کی لاش مدینے لے گئے اور قاطرہ کے بازو میں دفن کیا، مخالفین شیعہ میں سے کئی راویوں کا بیان ہے کہ آپ کی لاش ایک تابوت میں رکھ کر اونٹ پر حجاز لیجا رہے تھے لیکن راہ میں گم ہو گیا چند دیہانوں کو وہ اونٹ لانا انھوں نے سمجھا کہ تابوت میں کچھ مال و دولت ہے پھر جب انہوں نے دیکھا کہ اس میں ایک مقتول کی لاش ہے تو اس کو جنگل میں ایک نامعلوم جگہ دفن کر دیا ان مختلف روایات پر کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور پھر اس میں کوئی خاندان بھی نہیں،

مدینہ والوں تک یہ اطلاع پہنچی اور حضرت عائشہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے یہ شعر پڑھا

والقت عصاها واستقرت بها النوی
حکما قرعینا بالایاب المسام
اس نے اپنی لاشی ٹیک دی اور جدائی کو قرار مل گیا
جس طرح مسافر کی آنکھیں واپسی سے ٹھنڈی ہوتی ہیں

گویا آپ کہنا چاہتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی موت سے خود بھی آرام پائے اور لوگوں کو بھی آرام پہنچایا، اس میں ہمیں کہیں شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک بڑی مشقت سے آرام مل گیا لیکن اس میں تو شک ہی شک ہے کہ لے جو شخص دنیا میں ذرہ برابر شکی کرے گا وہاں اس کو دیکھ لیگا، اور جو ذرہ برابر بدی کہے گا اس کو دیکھ لے گا

موت سے لوگوں کو آرام ملا بلکہ یقین کامل ہے کہ آپ کی موت نے کسی کو آرام نہیں پہنچایا اس نے تو مسلمانوں کو ایک ایسی مصیبت اور ایسے اختلاف میں مبتلا کر دیا، جس کا اثر آج تک باقی ہے، اور خدا ہی کے علم میں ہے کہ اس کی مدت کتنی ہے۔

حضرت علی رضامیوں اور دشمنوں کے درمیان

جہاں تک حضرت علیؓ کی تاریخ کا تعلق ہے یہاں پہنچ کر وہ ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد افسانہ نویسی اور داستان سرائی کا آغاز ہوتا ہے، قصہ کہنے والوں نے بڑھانے چڑھانے اور واقعات کو ہولناک اور ہولناک بنا کر لئے جو راستہ چاہا اختیار کیا، انہوں نے تاریخ کو اپنے اصنافوں سے کچھ اس طرح جوڑا ہے کہ مورخ کو حضرت علیؓ سے متعلق کسی معمولی بات کو بھی ایک کھلی حقیقت کے رنگ میں پیش کرنا انتہائی دشوار ہو گیا ہے ان لوگوں نے اپنی طبیعت کے رجحانات اور اپنے دلی جذبات سے لگ ہو کر حضرت علیؓ کے واقعات نہیں لکھے، خیال آرائی نے تاریخی حقائق سے ان کو دور رکھا اور جذبات نے ان کی فکر و نظر کی اس غلط کر دیں ان میں کچھ تو ایسے ہیں جو حضرت علیؓ سے تعلق اور محبت میں حد سے آگے بڑھ گئے اور اس پر ہی ہوئی محبت نے ان کو راہ سے بہت دور ہٹا دیا، ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے جو واقعات اور حالات بیان کئے اس میں عقل کی رہبری نہیں خیال اور جذبات کی ترجمانی ہے اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو حضرت علیؓ سے دشمنی میں حد سے آگے بڑھ گئے اور یہی بات ان کی گمراہی کا باعث بنی، ان لوگوں نے مستند مورخین کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے اپنی آنکھیں بند کر کے وہ سب کچھ لکھ دیا جو حد سے بڑھے ہوئے بغض نے املا کر دیا انھیں لوگوں میں وہ عراقی اہل قلم ہیں جو نہ صرف حضرت علیؓ کے حامی اور محب ہیں بلکہ ان کے دلوں میں عام عراقیوں کے لئے عصبیت کا ایک جذبہ ہے اور وہ اپنی تمام تحریروں اور روایتوں میں پوری کوشش کرتے ہیں کہ عراق والے شامیوں سے ہر قول و فعل اور ہر معرکہ میں بڑھ چڑھ کر رہیں، انھیں لوگوں میں وہ شامی ہیں جنہیں نہ صرف حضرت علیؓ سے بغض ہے بلکہ وہ شامیوں کے طرفدار بھی ہیں اور تفوق اور برتری کے سارے انبیاء صرف شامیوں کا حصہ تصور کرتے ہیں،

انقلابات کے ہاتھوں جب معاویہؓ اور ان کے جانشینوں کے لئے میدان صاف ہو گیا تو شامیوں نے

زیادتی کی انتہا کر دی تھی، لیکن جیسے ہی تاریخ کا دھارا بدلا، امویوں کے ہاتھ سے اقتدار نکل کر ہاشمیوں کے ہاتھ میں آیا، شامی زیادتیوں کا نشان تک باقی نہ رہا،

اسی طرح آخر آخر میں جب حکومت کے مالک بنی عباس ہوئے تو عراق والوں نے بھی زیادتی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اپنے جدید اقتدار کے تقاضوں کے رنگ سے پوری تاریخ رنگین کر دی، پھر یہ بات بھی اگر پیش نظر رکھی جائے کہ شامی اور عراقی بہر حال عرب تھے ان کا دامن جاہلی عصبیت کے داغ سے کبھی پاک نہیں رہا، تو یہ پوری طرح واضح ہو جائے گا کہ خاندانی عصبیت کی تاثیر کا کیا عالم ہے؟ اور جنگ ہو یا صلح دونوں حالتوں میں قبائل کی بہادری اور برداشت کے بیان میں عصبیت کتنا دخل رکھتی ہے؟ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ امتیاز اور اولیت میں سب سے زیادہ حصہ اپنا بتائے،

اور ہاں ایک بات اور بھی تھی کہ اس زمانے میں فرقہ پرستی اور مذہب میں فرق نہیں کر سکے، عراقی علیؓ کی محبت کو اللہ کی رضامندی تصور کرتے تھے، ان کی نگاہ میں علیؓ کی محبت دین کا درجہ رکھتی تھی اس لیے حضرت عثمانؓ سے بے لادت کی تحریک میں حصہ لینا بھی ان کے خیال میں ایک فی سبیل اللہ بات تھی چنانچہ باغی ہو کر انہوں نے خدا کو خوش کیا، انہوں نے اس خلیفہ کو قتل کر کے اللہ کو راضی کیا جس نے خلافت کا کام ان کے خیال میں جیسا چلانا چاہئے نہیں چلایا، شامی حضرت علیؓ سے بغض رکھنے کو اللہ کی رضامندی خیال کرتے تھے اس لئے کہ ان کے رہنماؤں نے انکو ہٹایا تھا کہ حضرت علیؓ معصوم خلیفہ کے قتل میں شریک تھے انہوں نے حرمت کے مہینے میں اور حرمت والے شہر میں اللہ کا حرام کیا ہوا خون حلال کیا اور اس کے تودہ بہر حال مجرم ہیں، کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو ان کے وارثوں کے حوالے کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس طرح باغی مجرموں کے حامی بنے ہوئے ہیں،

میں کہتا ہوں کہ اگر ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس فتنے کے مغالے میں مشتعل اور بے لگام جذبات نے تاریخ کو بڑی طرح مسخ کر دیا ہے قبیلے، خاندان اور وطن سے عصبیت کا جو دیتی تاثرات کا جذبہ، پھر حرص و طمع کا جذبہ جو خلفائیک رسائی حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور تاریخ خلافت جھوٹے افسانے اور بے سرو پا غلط بیانیوں کو کر کے حکومت سے دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بننا ہے اس کے بعد معاملات حیرت انگیز طریقے پر پیچیدہ ہوتے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بات کی تر تک پہنچنا نہ دشوار ہے نہ پیچیدہ حضرت علیؓ کے بعد عراق کے لوگ بڑی سخت آزمائش میں مبتلا کئے گئے۔

اموی خلفاء کا جب عراقیوں نے مقابلہ کرنا چاہا تو خلفاء نے اپنی زبردست قوت سے ان کو کچل کر رکھ دیا اور وہ مظلومیت اور بے بسی کے عالم میں زندگی کے دن گزارنے لگے،

بے بسی اور مظلومیت جس سے دلوں میں خوف اور بے چینی پیدا ہوتی ہے اور جو آگے چل کر انسانی طبیعتوں کو بعض وکینہ سے لبریز کر دیتی ہے، پھر زبانوں اور قلموں سے وہ کچھ نکلنے لگتا ہے جس کا حق اور صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، بلاشبہ پروپیگنڈے اور بے بنیاد باتوں کیلئے اس بے بسی اور مظلومیت سے زیادہ موثر اور کوئی حربہ نہیں ہو سکتا،

اقدار کی لگام جب عہد سبوں کے ہاتھ میں آئی تو عراقیوں کی طرح شامی بھی سخت مصائب میں مبتلا کئے گئے اور انھوں نے بھی وہ سب کچھ کیا جو عراقی اس سے پہلے کر چکے تھے، اس طرح ناپسندیدہ حقائق پر موٹے موٹے پردے پڑے ہوئے ہیں جن کی موجودگی میں ایک سچے مورخ کا کام انتہائی دشوار اور سخت پیچیدہ ہو گیا ہے،

کیا خیال ہے آپ کا اس قوم کے بارے میں، جو صفین کے معرکے کے بعد حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ کر بیٹھ رہی، جس نے آپ کی زندگی تلخ کر دی، جس نے آپ کی راہ میں مشکلات پیدا کر کے آپ کو مجبور کر دیا، لیکن جب موت نے آپ کو اور آپ کی رحمدل خلافت کو اس سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تو اب وہی قوم عشق کے درجے میں آپ سے شیفتگی کا اظہار کرنے لگتی ہے، جنوں کے درجے میں آپ سے محبت کا دم بھرنے لگتی ہے آپ کی عظمت اور برتری کے اظہار کے لئے بڑی سے بڑی بات منہ سے نکالتی ہے بعضوں نے تو اس درجہ غلو کیا کہ آپ کی ذات میں ان کو فدائی عنصر نظر آنے لگا جس نے تمام انسانوں پر آپ کو ان کی نگاہوں پر فائق کر دیا،

اور پھر کہا فرماتے ہیں آپ ایک دوسری قوم کے بارے میں جو سزاق والوں کی یہ ساری حرکتیں دیکھتی ہے وہ دیکھتی ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ سے جو اوصاف منسوب کرتے ہیں وہ حدود اعتدال سے سراسر تجاوز ہیں پھر دیکھتے اور سن لیتے اور دوسروں سے اس کی روایت کر دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ ستم یہ کرتی ہے کہ ان حد سے بڑھے ہوئے اوصاف پر اپنی طرف سے اور امانت سے اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام باتوں کی ذمہ داری خود حضرت علیؓ اور ان کے معاصرین پر ڈال دیتی ہے، چنانچہ بیان کرتی ہے کہ کوفہ والوں کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ کو خدا تصور کیا اور اپنے اس تصور کا خود حضرت علیؓ سے اظہار بھی کر دیا

پھر صالحین اور استباز جو دوسرے صحابہ کی طرح حضرت علیؓ کو کب تک نہیں رکھتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ اس جماعت سے حضرت علیؓ اس قدر ناراض ہوتے کہ ان کو آگ میں جلا دیا،

حیرت کی بات ہے کہ حضرت علیؓ کی موت ہو چکی، انہوں نے اپنی زندگی میں خدا کہنے والوں کو آگ میں جلا دیا، لیکن اس کے بعد بھی آپ کو خدا تصور کرنے کی بات باقی رہتی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ حامیان حضرت علیؓ کی جماعت جانتی تھی کہ آپ اس سے ناراض ہوتے ہیں، اسکو بغور رکھتے ہیں اس پر آگ میں جلا دینے کی سزا دیتے ہیں، لیکن پھر بھی آپ کو خدا تصور کرتی تھی،

اب اس کے بعد مخالفین شیعہ کا عمل ملاحظہ ہو ان کا خیال ہے کہ آگ میں جلنے کی سزا پانے والے، حضرت علیؓ میں خدائی تسلیم کرنے میں اور زیادہ سخت ہو گئے، چنانچہ جب انہوں نے آگ کو دیکھا اور سمجھا کہ اب وہ اس میں ڈالے جانے والے ہیں تو کہنے لگے سچ ہے آگ کا عذاب آگ کا پیدا کرنے والا ہی دے سکتا ہے،

یہ سب کھینچ ناں، بات کی سچ اور بکرا اس ہے اور اس کا سبب حد سے بڑھا ہوا بغض اور گروہ پڑی ہوئی دشمنی ہے۔ حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں کا معاملہ ایک سیدھی سی بات ہے، تکلف اور تصنع سے خالی تم کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو ایسی لڑائیوں پر آمادہ کیا جو تباہ کن ہونے کے ساتھ ہی انہیں بھرتی

پھر امیر معاویہ نے اپنی دولت اور جاہ بازی کے ذریعے حضرت علیؓ کے سرداروں کا دل آپ کی طرف سے خراب کر دیا اور وہ آپ کا ساتھ چھوڑ بیٹھے تھے، اس پر حضرت علیؓ نے ان کو متنبہ کر دیا تھا کہ ان کی بزدلی اور عداوتی ان کے لئے بڑے ذلیل کا سبب بنے گی، اور بہت جلد وہ ایسی ذلت اور خرابی کا شکار ہوں گے جس کی کوئی حد

نہ ہوگی، لیکن ان سرداروں نے آپ کی ایک نہ سنی، پھر جب آپ شہید ہو گئے اور عراق کی حکومت کی لگام امیر معاویہ اور ان کے اموی ہاشمیوں کے ہاتھ میں آئی تو آپ کے بتائے ہوئے خطرات کا ظہور ہونے لگا آپ کی پیش گوئیاں سچی ہونے لگیں، اموی حکمرانوں نے ان کو ذلت و خواری کے شدید ترین عذاب میں مبتلا کیا

ان پر جو جو باتیں بڑی گراں تھیں ان پر ان کو مجبور کیا، ان کی جان و مال کے لئے، ان کے دین و دنیا کے لئے علانیہ اور پوشیدہ مصیبتیں پیدا کر دیں، تب ان کو حضرت علیؓ کے دن یاد آئے، آپ کے بارے میں اپنی زیادتی اور کوتاہی پر افسوس کیا اور نادام ہوتے پھر جو رنج پلٹا تو تعلق اور محبت کی حد کر دی اور حد سے بھی آگے

بڑھ گئے حضرت علیؓ کی تعظیم و تکریم اور ان کی والہانہ عقیدت میں جنون کی سی کیفیت پیدا کر لی اور یہ سب کچھ اس لئے کہ زندگی میں حضرت علیؓ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اس کی یاد دلوں سے مٹا سکیں، اور اس لہجے

کے لئے تسلی کا کچھ سامان فراہم کریں،

یہ تو تم نے دیکھ لیا کہ عراق میں حضرت علیؑ کی زندگی سراپا ابتلا اور مصیبت تھی خیال کرو کہ حجاز میں حضرت علیؑ خود محسوس فرماتے تھے کہ وفات نبوی کے بعد سے ان کے دن مصائب اور آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں، وہ اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق خیال کرتے تھے لیکن خلافت کا رخ سابق میں خلفاء کی طرف پھیر کر ان کو آزمائش میں ڈالا گیا، آپ نے اس آزمائش پر صبر سے کام لیا تینوں خلفاء کی باحسن وجہ اطاعت اور خیر خواہی کرتے رہے، پھر جب تخت خلافت پر بیٹھے یا یوں کہتے کہ خود خلافت آپ تک پہنچی تب بھی اس کے ماتحتوں آپ مصیبت ہی مصیبت میں رہے جیسے جیسے دن گزر رہے تھے عراق میں آپ کی مصیبتیں بڑھتی ہی جا رہی تھیں، قریب تھا کہ آپ مایوس ہو جاتے لیکن آپ نے حجاز کی طرح عراق میں بھی صبر سے کام لیا،

اپنی زندگی کے تیس سال تک حضرت علیؑ کڑی سے کڑی آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور انجام یہ ہوا کہ ایک دن جبکہ نماز کے لئے نکل رہے تھے راستے میں ان کو تلوار سے قتل کر دیا گیا، قاتل کوئی طحی اور قبیدی غلام نہ تھا بلکہ ایک آزاد عرب تھا جس نے اپنے جیسے آزاد عربوں کی ایک جماعت سے سازش کر کے یہ اقدام کیا، پس آپ کا اقدام حضرت عمرؓ کے قتل سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور رسوا کن ہے، آپ کے بعد آپ کے صاحبزادوں پر بھی مصیبتیں آئیں جیسا کہ تم آگے پڑھو گے پھر عراق والوں پر بھی مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور یہ بھی تم آگے پڑھو گے، پس یہ سخت اور مسلسل مصیبتیں عراق اور عراق سے وابستہ لوگوں پر غیر معمولی شدت کے ساتھ اگر نازل ہو جائیں اور ان کو حضرت علیؑ اور ان کے صاحبزادوں میں وہ جلوے نظر آنے لگے جو اندوں میں نظر نہ آتے ان مصائب کی وجہ سے اگر وہ ان کو احترام اور امتیاز کے زنبق بلند پہنچائیں یا پھر ان میں غلو کرنے والے یہودیوں عیسائیوں اور ایرانیوں کی دیکھا دیکھی اگر مبالغے سے کام لیں اور حضرت علیؑ اور آپ کے صاحبزادوں سے تقدس کے لیے اوصاف وابستہ کر دیں جو عام طور پر لوگوں میں نہیں ہوتے، پھر مخالفین بھی تاک میں ہوں جو ان کے ہر قول و فعل پر کان آنکھ لگا رکھیں بلکہ اس پر اپنی طرف سے حاشیے بھی چڑھائیں اور طرح طرح کے عجیب و غریب بیانات اور کارنامے ان سے منسوب کریں، تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے اور تعجب کا کیا مقام؟

اس کے بعد زمانہ آگے بڑھتا ہے قتل و قاتل کرنے والوں کی کثرت ہوتی ہے بوسبب و مباحثہ کرنے

والے جدال کے سبھی راستوں پر قدم بڑھاتے ہیں، اس طرح معاملہ پچیدہ سے پچیدہ تر ہو جاتا ہے، پھر واقعات سے زمانہ کی دوری اور بھی زیادہ الجھاؤ پیدا کر دیتی ہے اور بحث و نظر کی بات خواص سے گذر کر عوام تک پہنچ جاتی ہے اب تو اس میں جاننے والوں کے ساتھ جاہلوں نے بھی حصہ لیا نتیجہ یہ ہوا کہ بات بالکل مبہم رہ کر انتہائی تاریکیوں میں دب گئی اور پورا قدیم بحر بہت کم لوگوں کے ایک تیز و تارفتے میں بھٹس گئی،

جہاں تک میں سمجھتا ہوں فقہاء متکلمین اور متوہین لفظ شیعہ سے جو ایک مقررہ جماعت مراد لیتے ہیں وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں موجود نہ تھی، ہاں آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد ظہور میں آئی آپ کے زمانے تک اس لفظ کے وہی لغوی معنی تھے جس کا استعمال اللہ عزوجل نے قرآن مجید کی سورہ قصص میں کیا ہے،

اور موسیٰؑ شہر میں کہیں باہر سے ایسے وقت میں پہنچے جب دہاں کے باشندے بے خبر پڑے سو رہے تھے تو انھوں نے دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک ان کی برادری میں کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا برادری والے نے مخالف کے لئے موسیٰؑ سے مدد چاہی تو موسیٰؑ نے ایک گھونسا مارا جس سے اس کا کام تمام ہو گیا،

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتُلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَرَهُ مُوسَىٰ نُقْمَنِي اٰیٰتِط ۱۰۱ اسی طرح سورہ صافات میں ہے
وَاِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لِبٰرِاۡهِيْمٍ

اور نوحؑ کے طریقے والوں میں ابراہیمؑ بھی تھے

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ دوسری آیتوں میں شیعہ کے معنی معاونین اور تبعین کی ایک جماعت کے چورائے اور مسلک میں متفق اور مشترک ہو، وہ شخص جو موسیٰؑ کی جماعت میں سے تھا بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا اور وہ شخص جو موسیٰؑ کے دشمنوں میں سے تھا مصر لوہوں میں سے ایک آدمی تھا، قدیم مفسرین نے یہی تصریح کی ہے جہنوں نے صحابی فقہاء سے تفسیر سیکھی اور یہی مفسرین کہتے ہیں ابراہیم کان من شیعۃ نوح یعنی ابراہیم نوحؑ کے طور طریقے پر تھے ان کے ہم خیال تھے اور ہم مذہب ہیں

علیؑ کے شیعہ ان کی خلافت کے دوران میں آپ کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی اتباع کرتے رہے آپ کے ساتھ مل کر لڑائی میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو، پھر یہ لفظ شیعہ حضرت علیؑ کے زمانے میں صرف آپ کے ساتھیوں کے لئے مخصوص نہ تھا، بلکہ یہی لفظ امیر معاویہؓ کے حامیوں کے لئے بھی تھا یعنی وہ شامی اور غیر شامی لوگ جو امیر معاویہؓ کے متبع تھے اور جو مطالبہ کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے خون کا قصاص لینا چاہیے، اور ان سے لڑ کر قاتلوں پر حد جاری کرنا چاہیے اور اس بات کا سب سے بڑا ثبوت شامی کے معاہدے کی وہ تخریب ہے جو صفین میں قرآن مجید اٹھائے جانے کے بعد لکھی گئی اس تخریب میں ہے،

قاضي علي اهل الحراق ومن كان من شيعتهم من المؤمنين والمسلمين

قاضي معاوية اهل الشام ومن كان من شيعتهم من المؤمنين والمسلمين ،

یہاں لفظ شیعہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، علیؑ اور معاویہؓ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت اہل عراق اور اہل شام کی طرف ہے معاہدے کے کاتب کا مطلب ان لوگوں کا تذکرہ کرنا ہے جو عراق میں اور کل اسلامی بلاد میں حضرت علیؑ کے معاون تھے اسی طرح وہ لوگ جو شام اور کل اسلامی بلاد میں معاویہؓ کے حامی تھے، غرض یہ ہے کہ معاہدہ دونوں جھگڑا کرنے والے فریق کو پابند بنا دے البتہ وہ مختصر سی جماعت آزاد ہوگی جو اس کشاکش میں شرکت سے باز رہی اور نزدیک دور کہیں سے اس میں حصہ نہیں لیا،

پس فقہا اور مشرکین کے نزدیک لفظ شیعہ کا وہ مشہور مفہوم حضرت علیؑ کے عہد سے نہیں ہے آپ کے عہد میں دوسرے الفاظ کی طرح اس لفظ کا لغوی مفہوم تھا اور اسی معنی میں اس کا استعمال بھی ہوتا تھا یعنی دو بالمقابل فریق میں سے ایک، اور کوئی ایسی قدیم عبارت مجھے نہیں ملتی جس میں اس فتنے سے قبل اس لفظ کی نسبت حضرت علیؑ کی طرف کی گئی ہو، اس لئے کہ فتنے سے پہلے حضرت علیؑ کی کوئی ایسی جماعت نہ تھی جس کو عام امت میں کوئی امتیازی درجہ حاصل ہو،

اس کے برعکس راویوں کا بیان ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے جب حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ ہاتھ بڑھائیے کہ میں آپ کی بیعت کر لوں تو مسلمانوں میں گروہ بندی کا خطرہ محسوس کر کے حضرت علیؑ نے اس سے انکار کر دیا اسی طرح راویوں کا بیان ہے اور خود حضرت علیؑ نے معاویہؓ کے نام اپنے ایک خط میں لکھا ہے، کہ ابو سعید ان نے چاہا تھا کہ حضرت علیؑ خلافت کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ یہ منصب عید مناسک کی اولاد سے باہر نہ جانے پائے تو حضرت علیؑ نے اپنے چچا عباسؓ کی طرح ابو سعید ان کی درخواست کو بھی مسترد کر دیا،

لیکن کسی نے عباسؓ یا ابوسفیان کو علیؓ کے شیعہ نہیں لکھا، اسی طرح راولوں کا بیان ہے کہ مقداد ابن اسودؓ اور عمار ابن یاسرؓ اور شاید سلمان فارسیؓ بھی شوریٰ کے موقع پر حضرت علیؓ کے لئے متحرک کرتے تھے اور شوریٰ کے ارکان کو مسلمانوں میں بھوٹ کا خطرہ محسوس ہوا اس لئے انہوں نے عبدالرحمن ابن عوفؓ سے فیصلے میں جلدی کرنے کی تاکید کی، اس کے بعد جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی تو مقدادؓ اور عمارؓ نے بھی کر لی اور خود حضرت علیؓ نے بھی کر لی اس موقع پر بھی کسی نے مقدادؓ اور عمار ابن یاسرؓ کو علیؓ کے شیعہ میں سے نہیں بتایا، ان دونوں صحابہوں کا جو کچھ خیال تھا وہ ان کی رائے تھی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنے کے پیش نظر اپنی رائے سے باز آگئے،

ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ فتنے سے پہلے حضرت علیؓ کی کوئی جماعت نہ تھی اور آپ کی خلافت کے دوران میں آپ کے حامیوں کا کوئی ایسا گروہ نہ تھا جو فقہا اور متکلمین بتاتے ہیں، ان آپ کے حامی اور ہمنوا تھے اور مسلمانوں کی اکثریت آپ کے ساتھ تھی تا آنکہ صفین کا معرکہ پیش آیا، امیر معاویہؓ نے مصر فتح کر لیا اور عراق و یمن اور حجاز کی سرحدوں پر لوٹ اور غارت کے حملے شروع کر دیئے،

حضرت علیؓ نقل کر دیئے گئے اُس وقت بھی آپ کی کوئی منظم اور ممتاز جماعت نہ تھی، علوی جماعت کی تنظیم اور ایک ممتاز شیعہ جماعت اس وقت وجود میں آئی جب حکومت کی لگام امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں آگئی اور حسن ابن علیؓ نے ان کی بیعت کر لی، جیسا کہ تم آئندہ پڑھو گے،

حضرت حسنؓ

حضرت حسنؓ ایک راست باز آدمی تھے، پھوٹا اور اخلاص کی بات ان کو پسند نہ تھی وہ باہمی اتفاق کے خواہاں تھے غالب گمان یہ ہے کہ فتنے کی باتوں میں وہ اپنی طبیعت کے خلاف حصہ لیتے رہے ان سے جہاں تک ہو سکا انھوں نے عہد عثمانی کی کشمکش کا مقابلہ کیا نہ لوگوں کی طرح فتنہ و فساد کی باتیں کہیں اور نہ شہزادت بہت بڑھ جانے پر مخالفت کا ساتھ دیا، حسنؓ ان لوگوں میں تھے جو حضرت عثمانؓ کے گھر دوڑے ہوئے آئے اور خلیفہ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اس کے باوجود خلیفہ شہید ہوئے اس لئے کہ باہمی دیوار چڑھ کر گھر میں اتر آئے، حضرت حسنؓ کو سیاست بھی پسند نہ تھی کہ ان کے والد بزرگوار نزدیک یا دور سے فتنے کی کسی بات میں شریک ہوں، انھوں نے تو حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ وہ لوگوں سے کنارہ کشی کر لیں، اور مدینہ چھوڑ کر اپنی بیٹیج والی زمین پر چلے جائیں، لیکن حضرت علیؓ نے ان کی بات نہیں مانی اور خیال کیا کہ مدینہ ہی میں قیام کریں تاکہ نبی کا حکم میں پابندی سے روک سکیں یا پھر لوگوں میں مصالحت کرا دیں،

جب حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے تو حضرت حسنؓ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ مدینہ میں رہیں اور نہ بیعت کے لئے پیش ہوں بلکہ اگر بیعت پیش بھی کی جائے تو قبول نہ کریں، اگر حسنؓ کے بس میں ہوتا تو وہ کنارہ کش صحابہ کی طرح اس کشمکش سے اپنے آپ کو دور رکھتے لیکن وہ جانتے تھے کہ باپ کا ان پر حق ہے اس لئے ان کے ساتھ رہے اور تمام معرکوں میں باپ کا ساتھ دیا، پھر حسنؓ اس کے بھی خلاف تھے کہ حضرت علیؓ دارالہجرۃ یعنی مدینہ چھوڑ کر طحہ، ذہیر اور عائشہؓ سے ملاقات کے لئے عراق روانہ ہوں بلکہ وہ آپ کے لئے یہی بہتر سمجھتے تھے کہ نبی ﷺ کے احکام سے اپنے جوار میں رہیں اور مسافرت کی راہ ہرگز اختیار نہ کریں جہاں بے بسی کے عالم میں موت آجائے، لیکن حضرت علیؓ نے حسنؓ کی ایک نہ سنی ایک دن حضرت حسنؓ یہ دیکھ کر کہ حضرت علیؓ عراق جانے کے لئے پابند ہیں اسکا بار ہو گئے جس پر ان کے باپ نے ان سے کہا تم تو نوٹڈیوں کی طرح آہ و زاری کرتے ہو،

حضرت حسنؓ کے دل سے حضرت عثمانؓ کا غم نکل نہ سکا کہنا چاہئے کہ وہ پوری طرح عثمانی تھے البتہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی اس لئے کہ وہ خود کو اس کا مستحق خیال نہیں کرتے تھے اور شاید وہ کبھی کبھی اپنی عثمانیت میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے، چنانچہ ایک دن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کو ناگوار جواب دیا، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ گذر رہے تھے اور حسنؓ و ضو میں مصروف تھے حضرت علیؓ نے دیکھ کر کہا وضو اچھی طرح کرو حسنؓ نے کہا۔ کل ہی آپ نے ایک شخص کو مار ڈالا جو وضو بہت اچھی طرح کرتا تھا، حضرت علیؓ یہ سن کر اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے، خدا عثمانؓ سے غمخواری کا جذبہ اور بڑھائے حضرت حسنؓ اپنے باپ کے ساتھ لہرہ صفین اور نہروال کے تمام معرکوں میں شریک رہے، لیکن اس کے باوجود میں یقین کرتا ہوں کہ وہ اور ان کے بھائی حضرت حسینؓ نے ان لڑائیوں میں علیؓ حصہ نہیں لیا اور ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ان کے والد بزرگوار ان دونوں کو خطرات سے بچانے میں بڑے محتاط تھے اس ڈر سے کہ ان پر اگر کوئی زد پڑی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل کے منقطع ہو جانے کا اندیشہ ہے چنانچہ خود آگے ہو کر یا محمد بن حنفیہ کو آگے کر کے ان دونوں کو بچاتے تھے اور اگر لڑائی میں محمد بن حنفیہ سے کوئی کوتاہی یا کسر دیکھتے تو ان پر بڑی سختی کرتے اور اس سلسلے میں ساتھیوں تک بات پہنچتی

پس تعلق نبوی کے پیش نظر حضرت علیؓ اور حسینؓ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور آپ کے ساتھی اس معاملے میں آپ ہی کی طرح دونوں پر خصوصی عنایت اور توجہ کی نظر رکھتے تھے اور اپنے حسن سلوک سے نوازتے تھے،

روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حسنؓ اور حسینؓ کے لئے کچھ تحفہ پیش کیا اور محمد بن حنفیہ کو نظر انداز کر دیا، حضرت علیؓ نے جب یہ دیکھا تو اس کا ہاتھ محمد کے کندھے پر رکھ کر کہا،

وما شرت لثلاثہ ام عمرو بما جک الذی لاتصبحینا

یہ سن کر وہ شخص محمد بن حنفیہ کے لئے بھی ویسا ہی تحفہ لا کر پیش کر گیا، حاصل کلام یہ کہ فتنے کے آغاز ہی سے حضرت حسنؓ کو جھگڑے کی بات پسند نہ تھی صحابہ میں سے ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ بنی کریم نے حضرت حسنؓ کو جب وہ صعب بن تھے ایک دن اپنے پہلو میں منبر پر بٹھا یا پھر ایک نظر حضرت حسنؓ پر ڈالتے اور دوسری لوگوں پر ایسی طرح اپنی بار بار کیا اور فرمایا، میرا یہ لڑکا بے درار ہے اور شاید خدا اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرانے کے لئے مشہور مطلقہ کا شعر ہے اشارہ اس طرف ہے کہ محمد بن حنفیہ حسن رضہ حسین رضہ سے کم نہیں ہیں،

اگر یہ حدیث صحیح ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ صحیح ہے تو کہنا چاہئے کہ یہ لڑکا اس حدیث سے کس قدر متاثر تھا، گویا فتنے کے بادل دیکھ دیکھ کر آپ کو یہ حدیث یاد آ جا یا کرتی تھی اور کہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا مختلف مواقع پر اپنے والد معظم کو مشورے دیکر آپ نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے ان دو بڑے گروہوں میں مصالحت کرادیں اور اپنے نانا کی پیشین گوئی پوری کر دیں، اور آپ کا لہ پڑنا صرف اپنے باپ سے ہمدردی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس غم میں بھی تھا کہ نانا کی فرست نے جو کچھ تاڑا تھا اس کے اظہار پر قدرت نہ پاسکے، اور مسلمان جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، مختلف خیالات رکھتے ہیں، اہل سنت مورخین اور محدثین کہتے ہیں کہ زخمی ہو جانے کے بعد جب لوگوں نے حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ وہ اپنا جانشین مقرر کر دیں تو آپ نے اس سے انکار کر دیا، ایک جماعت کہتی ہے کہ لوگوں نے حضرت حسنؑ کو جانشین بنا دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا، میں اس سے تم کو نہ روکتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ لوگوں کی درخواست پر آپ نے انکار کیا اور فرمایا، میں تم کو اسی طرح چھوڑتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا تھا،

اب رہے شیعہ تو ان کا خیال ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت حسنؑ کو اپنا جانشین بنانے کا حکم دیا بات جو بھی رہی ہو، بہر حال حضرت حسنؑ نے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا اور نہ لوگوں سے اپنی بیعت کیلئے کہا، البتہ قیس بن سعد بن عبادہ نے آپ کی بیعت کی تحریک کی، لوگ اس پر رو پڑے اور اس کو منظور کر لیا، حسنؑ کو لایا گیا اور بیعت کے لئے بٹھایا گیا، بقول زہریؒ حسنؑ اپنی بیعت کے موقع پر اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ اپنی یہ شرط بار بار دہراتے رہے کہ جس سے وہ لڑیں گے اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے وہ صلح کریں اس سے صلح کرنا پڑے گی صلح کا لفظ بار بار سن کر لوگوں کو شک ہونے لگا اور خیال کرنے لگے کہ حسنؑ صلح کرنا چاہتے ہیں، اور آپس میں کہنے لگے یہ اپنا آدمی نہیں یہ تو صلح کا آدمی ہے،

بیعت کے بعد حضرت حسنؑ دو ماہ باکچہ کم بیٹھے رہے نہ لڑائی کا نام لیا اور نہ لڑائی کی تیاری کی کوئی بات ظاہر کی تا آنکہ قیس بن سعد اور عبید اللہ بن عباس نے نہ زور دیا اور نہ سے عبداللہ بن عباس نے ان کو جنگ پر آمادہ کرنے کا خط لکھا جس میں تاکید کی کہ اپنے باپ کی راہ چلنے کے لئے تیار ہوں، تب آپ لڑائی کے لئے آمادہ ہوئے اور بارہ ہزار فوج جمع کی قیس بن سعد کو افسر مقرر کیا اور عبداللہ بن عباس کو ان کے ساتھ کیا ایک عیلت کا کہنا ہے کہ اس فوج کا افسر اپنے عم زاد بھائی عبید اللہ بن عباس کو بنایا اور ان کو ہدایت کی کہ قیس بن سعد

اور سعید بن نہیں ہمدانی سے مشورہ لیا کریں اور ان کی مرضی کے خلاف نہ چلیں،

یہ فوج نکلی اور ان کے پیچھے حضرت حسنؑ بھی عراقیوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ نکلے ایسا معلوم

ہے کہ بظاہر تو وہ جنگ کے ارادے سے نکلے لیکن اندرونی طور پر وہ اپنے مقربین اور مصاحبوں کے ذریعے

صلح کا معاملہ ٹھیک کرنے میں مصروف ہوئے۔ جب مدائن پہنچے تو فوج میں بعض باتیں پہنچ چکی تھیں

پھر تو لوگوں میں ہیجان اور اضطراب پیدا ہو گیا، لوگ حضرت حسنؑ کے خیمے میں گھس پڑے اور ان کے

ساتھ بڑی سختی سے پیش آئے یہاں تک کہ گداز گاہ کے سامنے لوٹ لیا تب آپ نے مدائن کا رخ کیا،

اس وقت ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا، لیکن یہ وار جھٹک نہیں تھا، بعض مورخین کہتے

کہ حملہ آور آپ کے ساتھیوں میں سے تھا اور بعضوں کا خیال ہے کہ یہ کوئی خارجی تھا، حملہ کرتے ہوئے حملہ

سے کہہ رہا تھا کہ اپنے باپ کی طرف سے تم بھی مشرک ہو گئے،

حسنؑ زخم کے اچھا ہونے تک مدائن میں ٹھہر رہے اس دوران میں مصالحت کی رفتار تیز کر دی

کو فہ واپس آئے جہاں امیر معاویہؓ کے سفیروں نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کے سارے مطالبات مان لئے آپ

کو مال دی اسی طرح آپ کے تمام ساتھیوں کو مال دی، کو فہ کے بیسے مال میں ۵ لاکھ درہم تھے اور

کو عقیقہ دیا اور زندگی بھر کے لئے بصر کے دو علاقوں کا خراج معاف کر دیا،

ادھر حضرت حسنؑ صلح کی گفت و شنید میں مصروف تھے ادھر عبید اللہ بن عباسؓ اپنی مصالحت کے

صلح میں عجلت سے کلام رہے تھے انہوں نے اپنی فوج بلا کسی افسر کا تقریر کئے حضرت معاویہؓ کی چھوڑ دی

حضرت معاویہؓ نے دولت کی رشوت پیش کی اور وہ اس کا انکار نہ کر کے، جس طرح عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت

بیونانی کی عبید اللہ بن عباسؓ نے بھی حسنؑ سے آنکھیں پھیریں دونوں نے بڑے نازک اور مشکل وقت میں اپنے

صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا،

اب قیس بن سعد نے اس فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اتنے میں حضرت حسنؑ کا حکم ملا کہ معاویہؓ کی اطاعت

کر لو، قیس نے لوگوں کو اس حکم سے یاخیر کر دیا اور ان کو اختیار دیدیا کہ چاہیں تو اپنے امام کی اتباع کریں اور چاہیں

امام کے بغیر حق کے لئے دشمن کا مقابلہ کریں لوگوں نے عاقبت میں خیر دیکھی اور رطائی بند ہو گئی اب حضرت معاویہؓ

لئے کو فہ تک کا راستہ صاف تھا چنانچہ وہ بڑی شان کے ساتھ کو فہ میں داخل ہوئے لوگوں نے ان کی بیعت

پھر قیس بن سعد نے بھی بیعت کر لی لیکن بڑی بڑی مشکلوں کے بعد،

صلح

یہ حضرت حسن اور حضرت معاویہ کے درمیان صلح اور صلح کی گفت و شنید کا موقع ہے، ضرورت ہے کہ ہم اس پر غور و فکر کے چند لمحات صرف کریں تمام معاملات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا رخ اس وقت دین سے کہیں زیادہ دنیا کی طرف ہو گیا تھا، حضرت حسن ان کے باپ اور ان کے جیسوں کی مختصر جماعت مسلمانوں کی اس نئی نسل میں ایک اجنبی کی طرح زندگی گزار رہی تھی، پھر اس چھوٹی سی جماعت میں بھی کچھ تو وہ لوگ تھے جنہیں فتنہ و فساد ناگوار تھا، اور وہ مائتوں سے مایوس اپنا دین اپنے ساتھ لئے گوشہ نشین ہو گئے لوگوں سے منہ موڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہو گئے اور کچھ وہ تھے جن کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا یہ حکم نہیں ہے کہ خرابیوں سے بھرے ہوئے سماج سے اپنی ذات کو الگ کر لیں اور علیحدہ ہو جائیں دین نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی ہے کہ لوگوں میں جو خرابیاں پیدا ہو گئیں ہیں، ان کو دور کیا جائے زندگی میں ہوا لجاؤ اور سچیدگی پڑ گئی ہے، اس کو سلجھایا جائے لوگوں کو صبح راہ دکھائی جائے اور ان کو صبح راہ پر یہ قرار دکھا جائے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے اس حکم پر عمل کیا، وہ غار حرا میں جا کر بیٹھ نہیں رہے اور نہ اہل مکہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی بلکہ قوم کے سامنے آئے اور ایسی باتیں پیش کیں جو قوم کو پسند نہ تھیں، آپ نے سخی تہمتی قوم نے بھی آپ کے ساتھ سخی کا سلوک کیا آپ نے زور دیکر ان کو بھلائی کی دعوت دی، انہوں نے آپ کو ستا دیا، لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانے میں کوئی ٹکی نہیں کی، یہاں تک کہ آپ کو آپ کے وطن سے نکال دیا، مگر اس پر بھی آپ نے ہمت نہ ہاری، تیزی اور سرگرمی میں کمزوری نہ آنے دی، دعوت دین کی راہ میں اس بات کو ذرا بھی اہمیت نہ دی کہ آپ کے حریف اگر کر سکتے تو آپ کے دامن ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب پیش کر دیں گے، نتیجہ آپ کے حق میں رہا، چنانچہ آپ نے لوگوں کو نیکی پر آمادہ کیا، ان کو دین کا راستہ بتایا نہ کسی معیبت سے ڈرے نہ انجام کی پرواہ کی،

حضرت علیؓ اور آپ کے جیسوں کی مختصر اقلیت نے دیکھا کہ اللہ کا حکم جاری کرنے اور لوگوں کو حق پر

آبادہ کرنے کا بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک طریقہ بتایا ہے، پس وہ اسی پر گامزن ہو گئے، اور وہی راہ چلنے لگے، پھر اس راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا سب برداشت کیا، ہر قسم کی مصیبتیں آئیں، لڑائیوں کے معرکے رہے، نماز کیلئے نکل رہے تھے، کہ قاتلانہ حملہ بھی ہوا،

اس کے بعد جو کچھ ہونا تھا ہوا، عربوں کا مقابلہ دوسری قوموں سے ہوا، عرب ان کے ملک کے وارث بنے، ان کی تہذیب و تمدن سے آشنا ہوئے، ان کی زندگی کی خوبوں کو اور شرابیوں کو ان کے تلخ و شیریں کو آزمایا، پس قدرتی بات تھی کہ اس صورت حال کا دو میں سے ایک انجام ہو، یا تو غالب آجوائے فاتح اپنی قوت سے ان قوموں کو عرب بنالیں یا پھر یہ مفتوح قومیں عرب فاتحین کو اپنالیں، واقعہ یہ ہے کہ عرب فاتح اپنی بہت سی باتوں سے دست بردار ہو گئے، انہوں نے اپنی سنت راشدہ اور خلافت سے روگردانی کی، وہ شاہی کی طرف چل پڑے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین سے زیادہ انہوں نے قیصر و کسریٰ کی پیروی کی،

پھر میں نے ابھی ابھی تو کچھ پیش کیا، وہ آپ کے غور کیلئے کافی ہے، کہ عراق کے رئیسوں اور سرداروں کا حضرت معاویہ سے تعلق حضرت علیؓ کے زمانے ہی سے تھا، وہ حضرت معاویہ سے رنجیں پاتے تھے، اور ان کیلئے راستہ ہموار کرتے تھے، مزید یہ بھی پیش نظر رکھیے کہ حضرت کسین کی بیعت کے بعد ہی عراقی سرداروں کی ایک جماعت امیر معاویہ کے پاس پہنچی، اس میں بعض ایسے تھے کہ شام جا کر ٹھہر گئے بیعت کر لی اور پھر ان کو ساتھ لیکر ہی عراق واپس ہوئے، اور کچھ عراقی ایسے تھے، جنہوں نے حضرت معاویہ کو خطوط لکھے کہ حضرت حسن کا معاملہ بہت کمزور ہے اور ڈھیللا، لوگ ان سے اختلاف رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ بہت جلد عراق آجائیں، تب حضرت معاویہ نے کچھ توجیح نہیں سمجھا کہ اپنے شامی ساتھیوں سے عراق جانے کی اجازت مانگیں،

سالانہ یہ رخ دیکھ کر امیر معاویہ نے فوراً اپنی پالیسی میں تبدیلی کر دی، تشدد اور سخت گیری کی جگہ نرمی اختیار کی اور نرمی کی بھی حد کر دی، کہنا چاہئے کہ وہ حضرت حسن کی عثمانیت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ فتنہ و فساد اور قتل و خونریزی کو بہت برا خیال کرتے ہیں، پھر اوروں کی طرح امیر معاویہ بھی جانتے تھے کہ نبی کی نگاہ میں حسن کا کیا درجہ ہے اور یہ کہ حسن بھلائی کی طرف مائل اور برائی سے گریزاں ہیں پھر ناچہ جیسے ہی حسن نے جناب بن عبد اللہ ازوی کو یہ خط دیکر بھیجا کہ لوگوں نے میری بیعت کر لی

ہے آپ بھی کر لیجئے تو حضرت معاویہ نے اس کا نہایت نرم جواب دیا، حضرت علیؓ کے جوابات کی طرح سخی اور
 سخی سے کام نہیں لیا،
 حضرت معاویہ نے اپنے جواب میں لکھا کہ اگر انہیں اس بات کا یقین ہوگا کہ آپؓ میں انتظامی قابلیت
 زیادہ ہے، اور لوگوں کو اچھی طرح کنٹرول میں رکھ سکیں گے دشمن کے لئے بڑے مہربان اور مسلمانوں کیلئے بڑے
 محتاط ثابت ہوں گے نالیات اور سیاسیات میں آپؓ کی قدرت مجھ سے زیادہ ہے، تو میں ضرور منظور کرتا
 اسلئے کہ آپؓ تمام خوبوں کے اہل ہیں، آگے چل کر لکھتے ہیں کہ میرا اور آپؓ کا معاملہ قریب قریب ایسا ہی
 ہے جیسا نبی کی وفات کے بعد ابو بکرؓ اور آپؓ حضرات کا تھا، امیر معاویہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابو بکرؓ اور
 ان کے ساتھی صحابہؓ جانتے تھے کہ اہل بیت ہر بزرگی کے مستحق ہیں اور ان کا نبی کے نزدیک بڑا درجہ ہے لیکن
 پھر بھی انہوں نے خلافت ان کو سپرد کی جو ان سے زیادہ اس کا بار سنبھالنے کی طاقت رکھتا تھا،
 آج پھر وہی نقشہ ہے جو نبی کی وفات کے بعد درپیش تھا، اہل بیت کا درجہ اتنا ہی بلند ہے اور
 وہ ہر بزرگی کے مستحق بھی ہیں، لیکن غیر اہل بیت یعنی امیر معاویہ اہل بیت سے زیادہ خلافت کے
 اقتدار کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی طاقت رکھتے ہیں،
 علاوہ ازیں امیر معاویہ نے وعدہ کیا کہ وہ عراق کے بیت المال کا کل اندوختہ پیش کر دیں گے،
 اور جو علاقہ بھی وہ پسند کریں گے ان کی جاگیر میں دیدیں گے تاکہ زندگی بھر معاش کی ضرورتوں کے لیے نیاز رہیں،
 جنڈب امیر معاویہ کا جواب لیکر حسنؓ کے پاس آئے اور بتایا کہ شامی بڑی تعداد میں ایک ساتھ آپؓ کی
 طرف چل پڑنے پر تیار ہیں، جنڈب نے مشورہ دیا کہ ان کی چڑھائی سے پہلے آپؓ ہی حملہ کر دیجئے، لیکن حسنؓ
 خاموش رہے، کسی قسم کی جنگی سرگرمی نہیں دکھائی، تاآنکہ معلوم ہو گیا کہ امیر معاویہ نکل پڑے اور عراقی
 حدود کے قریب آچکے، اب حسنؓ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور جو کچھ پیش آیا اس کو تم پڑھ چکے ہو،
 حضرت حسنؓ نے کسی بزدلی یا تفرقہ کے پیش نظر جنگ سے پہلو ہتی نہیں کی، بلکہ ایک طرف تو وہ
 خود زہری پسند نہیں کرتے تھے، دوسری طرف ان کو اپنے ساتھیوں پر بھروسہ نہ تھا اور دائیں پیچھے
 تک لوگوں نے ان کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا اس سے واضح ہو گیا کہ وہ غلطی پر نہ تھے، خصوصاً جب
 انکو معلوم ہوا کہ کوفہ کے سرداروں کا ایک وفد امیر معاویہ کی خدمت میں پہنچا اور جو لوگ وفد میں شرکت
 نہیں کر سکے، انہوں نے خطوط لکھے، حضرت حسنؓ عراقیوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے، تمہیں نے میرے پاس

کو جنگ پر مجبور کیا اور تمہیں نے ان سے ثالثی قبول کر دانی پھر تمہیں نے مخالفت کر کے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا، اور یہ تمہارے سردار اور چودھری امیر معاویہ کے پاس وفد لیکر پہنچتے ہیں، اور بیعت کے لئے خطوط لکھتے ہیں، تم مجھ کو اپنے فریب میں مبتلا نہیں کر سکتے، اس کے بعد صلح میں عجلت کی گئی، امیر معاویہ نے عبداللہ بن عامر کو بولبرہ میں حضرت عثمان کے گورنر رکھنے کے لئے حضرت حسن کے پاس بھیجا اور عبدالرحمن بن سمرہ کو بھی ساتھ کر دیا، دونوں نے آپ پر صلح کی بات پیش کی اور اس پر اصرار بھی کیا، پھر تیس طرح دونوں نے آپ کو رغبت دلانی وہ سبکو معلوم، تب آپ نے صلح کی تحریک سے اتفاق کا اظہار کیا اور امیر معاویہ کے پاس اپنے دو سفیر بھیجے، عمرو بن سلمہ ہمدانی اور محمد بن اشعث کندی تاکہ وثوق کے ساتھ ان کی رائے معلوم کریں، امیر معاویہ نے ان سفیروں کو اپنا یہ خط دیا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ خط حسن بن علی کے نام ہے، معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف سے میں نے آپ سے اس شرط پر صلح کی کہ میرے بعد آپ ولیعہد ہوں گے اور آپ کے لئے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں عہد کرتا ہوں نہایت پختہ عہد کہ کسی فریب اور بدی کا خواہاں نہیں بنوں گا، اور یہ کہ آپ کو سالانہ بیت المال سے دس لاکھ درہم دیوں گا اور بسا اور دار بگرد کے دونوں علاقوں کا خراج آپ کے لئے ہے، اپنے عامل بھیج کر ان دونوں علاقوں کا جیسا چاہیں انتظام کر لیں، اس کے گواہ عبداللہ بن عامر، عمرو بن سلمہ کندی، عبدالرحمن بن سمرہ اور محمد بن اشعث کندی تاریخ تحریر ربيع الآخر ۱۰ھ،

ہم دیکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے اس خط کے آغاز میں اپنا نام مقدم نہیں کیا، جس طرح حضرت علی کے جوابات میں کیا کرتے تھے، کہ معاویہ کی طرف سے علی ابن ابی طالب کے نام، بلکہ حسن کا نام پہلے لکھا گیا یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ حسن کی بڑی عزت کرتے ہیں، اور ان کے ساتھ ان کا برتاؤ وہ نہیں ہے، جو ان کے باپ کے ساتھ تھا،

امیر معاویہ نے حضرت حسن کیلئے تین باتیں پیش کی ہیں، ان کو ولیعہد بنانا، بیت المال سے ان کے لئے سالانہ دس لاکھ درہم کا وظیفہ مقرر کرنا، فارس کے دو علاقوں کی جاگیر دینا، جہاں وہ اپنے عامل مقرر کر کے من مانا انتظام کر لیں،

علاوہ ازیں امیر معاویہ نے بڑی پختگی اور قطعیت کے ساتھ اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ وہ حضرت حسنؓ کی ہر طرح حفاظت کریں گے اور ان پر کوئی تمسیت نہیں آنے دیں گے، حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کی ان پیش کردہ باتوں کو کافی نہیں سمجھا اس لئے کہ ان کے خیال میں ایک بات تو ایسی ہے، جس پر امیر معاویہؓ کو کوئی اختیار نہیں، یعنی ولی عہدی، اور دوسری باتیں ایک قسم کا فریب ہیں، اور ان کی کوئی وقعت نہیں، عراق کا بیت المال خود حضرت حسنؓ کے قبضے میں ہے، فارس کے کل علاقے بھی انہیں کے ہاتھ میں ہیں، پھر امیر معاویہؓ نے اس تحریر میں ایک سب سے اہم بات کا کچھ تذکرہ نہیں کیا، یعنی حضرت حسنؓ کے ان تمام ساتھیوں کو امان دینے کی بات جو حضرت علیؓ کے ساتھ جو امیر معاویہؓ سے لڑتے رہے، اور جو حضرت حسنؓ کے ساتھ رہ کر امیر معاویہؓ سے لڑنے کا ارادہ رکھتے تھے، اس لئے حضرت حسنؓ نے یہ شرط اپنے پاس رکھا اور امیر معاویہؓ کے پاس ایک آدمی بھیجا جو ایک طرف عبدالمطلب کے خاندان سے متعلق تھا، اور دوسری طرف امیر معاویہؓ کا بڑا قریبی رشتہ دار بھی تھا، یعنی عبداللہ بن عاص بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جس کی ماں امیر معاویہؓ کی بہن ہے، حسنؓ نے اس سے کہلا بھیجا کہ اپنے ماموں سے کہو اگر وہ لوگوں کو امان دینا منظور کر لیں، تو میں بیعت کر لوں گا،

گویا حضرت حسنؓ نے طراقت کے رنگ میں ایک مزید اقدام کیا اور امیر معاویہؓ کی سابقہ پیش کش کو محفوظ رکھتے ہوئے لوگوں کی امان کا مطالبہ بھی کر دیا، لیکن امیر معاویہؓ کی ہوشیاری ان سے بھی دو قدم آگے تھی انہوں نے اپنے بھانجے کو ایک سادہ کاغذیے دستخط کر کے دیدیا کہ جو چاہو لکھ لو،

عبداللہ بن عاص یہ سادہ کاغذ لیکر حضرت حسنؓ کے پاس آئے آپ نے اس پر لکھا، یہ حسنؓ ابن علیؓ کا معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ سے صلح نامہ ہے حسنؓ اس شرط پر معاویہؓ کو مسلمانوں کی حکومت سپرد کرنے میں، کہ وہ اللہ کی کتاب نبیؐ کی سنت اور خلفائے صالحین کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے، اور یہ کہ معاویہؓ

اپنی طرف سے کسی کو ولیعہد نہیں بنا سکتے بلکہ یہ بات شوریٰ کے تولے ہوگی، اور لوگ جہاں کہیں بھی ہوں ان کو ان کے بال بچوں کو امان ہوگی، ان کے مال و دولت محفوظ ہوں گے، علانیہ یا خفیہ کسی طرح بھی حسنؓ ابن علیؓ کی بدخواہی نہیں کی جائے گی، ان کے کسی ساتھی کو ڈرا یا دھمکا یا نہیں جلتے گا، عبداللہ بن عاص نے یہ خط امیر معاویہؓ کو دیدیا، کہ اس پر اپنے جس آدمی سے چاہیں دستخط کر لیں، پناہ پختہ بعد میں دستخط ہو گئے، صلح تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اختلافات

رائے کا ایک پہلو باقی رہ گیا جس کو آج کل کی زبان میں غلط فہمی کہا جاتا ہے یعنی پہلا خط جو امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے نام لکھا تھا جس میں حضرت حسنؓ کو ولی عہدی کے علاوہ بعض اور حقوق دئے گئے تھے، وہ اپنی جگہ باقی ہے یا حضرت حسنؓ کے اس خط کے بعد کا عدم ہو گیا، یہ سب باتیں اس خط میں لکھی ہیں۔ حضرت حسنؓ اس خیال میں تھے کہ وہ پہلا خط اپنی جگہ باقی ہے، اور امیر معاویہؓ ان کا سوال نہ و لطفہ اور زندگی بھر دو علاقوں کا خراج دینے کے پابند ہیں، اور امیر معاویہؓ خیال کرتے تھے کہ دو مرتبے خطوں پہلے خط کو منسوخ کر دیا، اور اب حسنؓ کا ان سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ ان کی موت کے بعد حکومت شوریٰ کے حوالے کی جائے اور یہ کہ لوگوں کو ان کی جان و مال اور اہل و عیال کو امان دی جائے اور حضرت حسنؓ کے خلاف بغیہ یا علانیہ کوئی کارروائی نہ کی جائے اور مسلمانوں کے معاملے میں اللہ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفاء کی سیرت راہ عمل ہو،

اس غلط فہمی کی بنا پر حضرت حسنؓ نے معاملات ٹھیک ہو جانے پر تریب امیر معاویہؓ سے مالی حقوق کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہہ دیا مجھ پر تو آپ کا بجز آپ کی حفاظت کے اب کوئی مطالبہ نہیں رہتا تب حضرت حسنؓ نے ثالثی سے اس کا فیصلہ چاہا، اور چاہا کہ سعد بن ابی وقاصؓ حکم ہوں لیکن معاویہؓ نے یہ منظور نہیں کیا، پھر بھی مقررہ مال دیکر انہوں نے حسنؓ کو راضی کر لیا، یہاں پہنچ کر مورخوں اور راویوں نے طرح طرح کی باتیں لکھی ہیں، ایک جماعت کہتی ہے کہ امیر معاویہؓ نے معاہدہ کی تمام شرطیں پوری کر دیں، لیکن بصرہ والوں کو خفیہ طور پر درغلا یا اور انہوں نے دونوں علاقوں سے حضرت حسنؓ کے عاملوں کو مانک دیا، اور خراج دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا، یہ تو ہمارا خراج ہے، ہمارے سوا اس میں کسی کا حق نہیں،

حالانکہ بات جیسا کہ تم نے دیکھا بالکل سیدھی ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور مال و دولت دیکر ان کو اس طرح خوش کیا کہ بعد میں کوئی معاشرتی تنگی اور تکلیف پیش نہیں آئی، بلکہ وہ مدینے میں ایک دولت مند فیاض کی طرح فراخی اور سیر چستی کی زندگی گزارتے تھے، ان کی نگاہ میں دولت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، ان کی بات کچھ ہی رہی ہو، امیر معاویہؓ بہر حال خوش خوش امن و سکون کی فضا میں کوفہ آئے، حضرت حسنؓ نے ان کا استقبال کیا، اور بیعت کی اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی، پھر امیر معاویہؓ نے چاہا کہ حسنؓ اس بیعت

سے اپنی رضامندی کا اعلان کریں، اور جدید نظام سے اپنے اطمینان کا اظہار فرمائیں، یہ ایک طبعی تقاضا ہے اسکے سمجھنے کیلئے کسی تفسیح کی ضرورت نہیں جو مورخین پیش کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کو آمادہ کیا کہ اس موت پر حسن سے کچھ بلوانا چاہئے، تاکہ لوگوں پر عیاں ہو سکے کہ وہ کس قدر بے بس اور مجبور ہیں، اور اسلئے بھی کہ اس طرح وہ اپنے ساتھیوں اور حامیوں کے سامنے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوں لیکن حضرت حسن نے یہ صلح پوری چھپے نہیں کی تھی، پھر انہوں نے لوگوں کے سامنے بار بار اپنے باپ کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد تقریریں کی تھیں، اور کبھی کسی کو محسوس نہیں ہوا کہ وہ رک رک کر پرتے ہیں یا پرتے پرتے نہیں رکھتے، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس گھرانے کے ہیں، بہاں گویائی کے عیب کا گزر نہیں، جو انتہائی فضاوت بلاغت کا معدن ہے، جہاں بیان اور فصل خطاب کی حیثیت ان کے گھر کی لونڈی کی سی ہے، چنانچہ حضرت حسن نے تقریر کی اور حق و صداقت کی بہتر سے بہتر ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا،

لوگو! سب سے بڑا دانشمند متقی ہے اور سب سے بڑا اسحق بدکار ہے، یہ معاملہ جو میں نے معاویہ کے سپرد کیا ہے، یا تو مجھ سے زیادہ حقدار کا حق تھا اور اب اس کو پہنچ گیا، یا یہ کہ وہ میرا ہی حق تھا، لیکن محمد کی امت کی بہتری اور اس کو خونریزی سے بچانیکے لئے میں نے اپنا حق چھوڑ دیا، پس حمد کے لائق وہ خدا ہے جس نے تمہارے اگلوں کو ہماری وجہ سے معزز کیا اور تمہارے پھلوں کو خونریزی سے بچا لیا،

راویوں کا خیال ہے کہ اس تقریر نے امیر معاویہ کو غضبناک کر دیا، اور اس نے عمرو بن العاص کو سرزنش کی، اسلئے کہ اسی نے اصرار کیا تھا کہ حضرت حسن سے کچھ بلوایا جائے،

اس کے بعد راویوں نے حضرت حسن کی تقریر میں اضافے کئے ہیں جس کے صحیح ہونیکے ساتھ غلط ہونیکا امکان بھی ہے جو کچھ بھی ہو بہر حال حضرت حسن سے ایسے دوستوں کی ایک جماعت ناراض ہو گئی جو ان کے اور ان کے باپ کے مخلص تھے اور جن کو علوص کے ساتھ امیر معاویہ اور اہل شام سے بغض تھا، انہوں نے صلح میں ہتھیار ڈال دینے کی کیفیت محسوس کی جو ان قربانیوں سے میل نہیں کھاتی، جو وہ حضرت علی کے زمانے سے کر رہے تھے اور نہ اس قوت کے مناسب تھی جس کے وہ مالک تھے، یہی وجہ تھی کہ ان میں سے بعض حضرت حسن کو ایمانداروں کو ذلیل کرنے والا، عربوں کو ذلیل کرنے والا، کے الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے، اور بعض عربوں کا منہ کالا کرنے والا، کہا کرتے تھے،

لیکن حضرت حسنؓ نے ان الفاظ کا کچھ خیال نہیں کیا، وہ اپنی پالیسی سے بالکل مطمئن تھے، ان کو اس میں خون کی حفاظت اور جنگ کی بندش نظر آتی تھی، وہ خیال کرتے تھے کہ اس طرح امت میں اتحاد ہوگا اور مسلمانوں کو اس کا موقع ملے گا کہ اپنے معاملات کا مقابلہ کرتے وقت متحد اور متفق ہوں، منتشر اور پراگندہ نہ ہوں، پھر ان کو ایسی فرصت نصیب ہو کہ اپنی سرحدوں کیلئے دشمنوں کے جوھلے پست کر دیں، اور فتوحات کی جہاں اس جگہ سے آگے بڑھائیں جہاں سے فتنوں نے ان کا راستہ روک لیا ہے،

رادیلوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ خدا کی ان پر رحمت ہو، اپنے بھائی کے ہم خیال نہ تھے، ان کا رجحان صلح کی طرف نہ تھا، انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اور اصرار سے کہا کہ ضبط سے کام لیں، اور جنگ بدستور جاری رکھیں، لیکن بھائی نے انکار کر دیا، اور دھمکی دی کہ اگر اطاعت نہ کی تو پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں گے، اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، خود حضرت علیؓ نے بعض باتوں کی اطلاع دیدی تھی، فرمایا کرتے تھے کہ حسنؓ اس معاملے سے الگ ہو جائے گا، اور یہ کہ حسینؓ مجھ سے زیادہ مشابہ ہے اور غالباً اپنے حضرت حسینؓ کے حق میں یہ جملہ بہت سخت کہا، وہ لڑنے والوں میں سے ایک لڑنے والا ہے تلوار کے آدمی ہیں، اور دسترخوان کے بھی،

ان تمام باتوں سے فراغت پا کر حضرت حسنؓ نے اپنے گھر والوں کو لیکر مدینہ روانہ ہوئے، اور امیر معاویہؓ کو فونہ میں چھوڑ دیا، کہ اپنی نئی حکومت جس طرح چاہیں منظم کریں، لیکن حضرت حسنؓ ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہوں کہ امیر معاویہؓ کا قاصدان کو فارسیوں کی ایک حملہ آور جماعت سے مقابلے کے لئے بلانے آیا تو اپنے جانے سے انکار کر دیا، اور کہا، میں نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی ہے، اور اس کا مقصد ہی خون کی حفاظت اور جنگ سے گریز ہے، حضرت حسنؓ مدینہ پہنچے تو چوٹی ملا کو فونہ والوں کی طرح سب نے اس صلح پر ان کو ملامت کیا، لیکن آپؓ نے ان کو جواب دیا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اللہ سے اس حالت میں ملوں کہ ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کے نر خروں سے خون بہ رہا ہوں اور ہر ایک یہ کہہ رہا ہو کہ اے خدا میں کس گناہ میں قتل کیا گیا ہوں،

امیر معاویہؓ کی سیاست عراق میں

ادھر حضرت حسنؓ نے کوفہ چھوڑ کر مدینے کی راہ لی، ادھر امیر معاویہؓ نے عراقیوں پر نرمی کے بعد سختی شروع کر دی، پہلے ہی اعلان کیا کہ جب تک وہ ان حملہ آور خارجہوں کو دفع نہیں کریں گے، اور جب تک اپنی فتنہ پردازیوں سے باز نہیں آئیں گے، ان کی بیعت تسلیم نہیں کی جاسکتی، پھر تو کوفہ والے خارجہوں تک پہنچے اور ان سے اسی طرح جنگ شروع کر دی، جس طرح حضرت علیؓ کے زمانے میں لڑتے تھے، اب ان کو پتہ چلا کہ ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، پہلے وہ حضرت علیؓ کی اطاعت میں، اپنے بیٹوں، بھائیوں اور دوستوں سے لڑتے تھے، اب وہ یہی کام امیر معاویہؓ کی اطاعت میں کر رہے ہیں، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے عراقیوں کو بتایا کہ انہوں نے کام کا کیا نقشہ تیار کیا ہے اور وہ کس پالیسی پر عمل درآمد کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ وہ کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پہنچے ہیں کہ لوگوں کی اصلاح اور درستی کیلئے تین باتوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ اسلامی شہروں پر دشمنوں کے حملے سے قبل مسلمانوں کو خود دشمنوں کے شہروں پر حملہ کر دینا چاہیے، اور اس کام کیلئے وقت پر پتے وظیفے حاصل کر لیں دوسری یہ کہ قریب کی سرحدوں پر جانوالی فوجوں کو چھ ماہ قیام کرنا ہوگا، البتہ دور کی سرحدوں پر قیام کی مدت ایک سال ہوگی، تیسری بات یہ کہ شہروں کی درستی اور ذرائع آمدنی پر توجہ کی جائے کہ افلاک اور تنگدستی کی نوبت نہ آئے، اس کے بعد اعلان کیا کہ ان کی بڑی خواہش تھی کہ لوگوں کو فتنہ و فساد سے روکیں، لڑائی کا خاتمہ کر دیں، عوام ایک دوسرے سے بچوف اور مطمئن ہو کر باہم متحد ہو جائیں، اور اس سلسلہ میں انہوں نے بہت کچھ امیدیں دلائی تھیں، بہت کچھ وعدے کئے تھے، لیکن اس وقت وہ ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہیں،

آخر میں اعلان کرتے ہوئے کہا، تین دن کی مہلت ہے اس کے اندر جس بیعت کرنے والے نے یہ باتیں منظور نہیں کیں، میں اس کا ذمہ دار نہیں، پھر تو ہر طرف سے لوگ بیعت کیلئے دوڑ پڑے، ان باتوں سے اگر کوئی نتیجہ نکلتا ہے تو وہ یہی کہ عراقیوں کے ساتھ امیر معاویہؓ نے نرمی اور اخلاق

کا برتاؤ اس لئے کیا تھا کہ صلح کی بات پوری ہو جائے حکومت پر اچھی طرح قبضہ ہو سکے، اور حسنؓ کو ذمے نکل جائیں، اور جیسے ہی یہ سب کچھ ہو گیا، وہ سخت ہو گئے، تن گئے، پھر تو عراقیوں کو وہ مزہ چکھایا جس سے وہ پہلے کبھی آشنا نہ تھے، ان کو چین اور سکون کی زندگی سے باہر نکالنا، ان کو بتایا کہ امیر کی اطاعت و فرض ہے جس میں پس و پیش یا ٹال مٹول کی گنجائش ہی نہیں اور جو اطاعت نہیں کرنا چاہتا اس کیلئے امان کا سوال بے معنی ہے، اور وہ امیر کی ذمہ داری سے باہر ہے، اب عراقیوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی زندگیاں بدل چکی ہیں، اور مستقبل کی شدت ان کے لئے دہم و گمان سے بھی زیادہ ہے، امیر معاویہ نے میزہ ابن شعبہ کو کوفہ کا اور عبداللہ ابن عامر کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا، اور خود دمشق اگر حکومت کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے،

اب عراقیوں کو حضرت علیؓ کے زمانے کی یاد آنے لگی، وہ مغموم اور غمزدہ ہوتے تھے اور کھپتے تھے کہ انہوں نے اپنے خلیفہ کے ساتھ بڑی زیادتی سے کام لیا، وہ شامیوں کے ساتھ صلح پر بھی ندامت محسوس کرتے تھے، جب کبھی ایک دوسرے کی ملاقات ہو جاتی باہم ملامت کرتے اور اس پر بھت کرتے کہ اب کیا کیا سکتا ہے؟ ابھی اس حالت پر چند ہی برس گزرے تھے کہ ان کے وفد دینہ جہنہ لگے کہ حضرت حسنؓ سے کہیں اور کچھ ان کی سین،

ایک دن کوفہ کے رئیسوں اور سرداروں کا ایک وفد حضرت حسنؓ کی خدمت میں آیا، ملاقات کے دوران میں سلیمان ابن ضر و خزاعی نے آپؓ سے کہا، اب تک ہماری ہیرت اپنی جگہ باقی ہے، کہ آپؓ نے امیر معاویہ کی بیعت کرنی حالانکہ کوفہ کے چالیس ہزار بردار آپؓ کے ساتھ ہیں سب سب وظیفہ یاب اور پایہ رکاب اور اتنی ہی تعداد میں ان کے لڑکے اور ساتھی، پھر حجاز اور بصرہ میں آپؓ کے جو حامی ہیں وہ مزید بے آں علاوہ از یہ ہیرت کی بات یہ ہے کہ آپؓ نے معاویہ سے میں اپنے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی اور نہ وظیفہ میں کوئی حصہ جو کچھ آپؓ نے کیا اگر اس میں مشرقی اور مغربی علاقوں کے ممتاز افراد کو اس کا شاید بنا لیتے اور یہ بھی لکھ لیتے کہ آپؓ ویسجد ہیں تو بھی معاملہ ہمارے لئے آسان ہوتا، اور معاویہ نے تو جو کچھ آپؓ کے اور ان کے دربار میں ہوا ہے اس کی بھی پابندی نہیں کی، اور کچھ ہی دنوں بعد یہ ستر عام اعلان کر دیا کہ میں نے جو کچھ علیؓ اور شرطیں کی تھیں، لڑائی کی آگ بھلنے اور فتنے کا سلسلہ منقطع کرنے کیلئے کہا تھا، اب جب اللہ نے ہماری پراگندگی دور کر دی، اور چھوٹے اور بزرگ سے بے خوف کر دیا، تو میں ان وعدوں اور شرطوں کو ٹھوکر مارا

ہوں، مجھ کو اس بات سے جو خدشہ ہو رہا ہے وہ یہ کہ امیر معاویہؓ نے آپؓ سے جو قول و قرار کیا تھا اس کو توڑ دیا، پس اگر آپؓ چاہیں تو از سر نو لڑائی شروع کر سکتے ہیں، اور مجھے اجازت دیجئے کہ آپؓ کے کوفہ تشریف لانے تک کوفہ سے معاویہؓ کے گورنر کو نکال باہر کروں اور اس کی بیعت توڑ دینے کا اعلان کروں اور آپؓ بھی اس کے عہد کو توڑ پھینکے اللہ خاتونوں اور غداروں کو دوست نہیں رکھتا،

وفد کے دوسرے ارکان نے بھی سلیمان ابن عمروؓ کی بیہوشی کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ مدینہ اس غرض سے آئے تھے کہ حضرت حسنؓ سے ملیں گے اور ان پر معترضین ہوں گے قوت اور تیاری کے باوجود انہوں نے کیوں صلح کر لی؟ پھر یہ کہ جب صلح نامے پر دستخط کئے تھے تو ممتاز مغربی اور مشرقی افراد کو شاید کیوں نہیں بنایا، اور اپنے لئے ولی عہدی کی شرط کیوں نہیں لکھوائی؟ اس کے بعد ان کو مطلع کریں گے کہ امیر معاویہؓ نے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی ہے، اور ایک مجمع عام میں اس خلاف ورزی کا اعلان بھی کیا ہے، اس کے بعد ان سے درخواست کریں گے کہ لڑائی از سر نو جاری کر دیں اور اس بات کی اجازت دیں کہ وہ پہلے کوفہ جا کر معاویہؓ کی بیعت توڑ دینے کا اعلان کر دیں، اور جب یہ سب کچھ ہو لے تو وہ خود بھی معاہدہ کی طرح معاہدہ توڑ دیں اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا،

حضرت حسنؓ نے ان کی بعض باتیں مان لیں اور بعض سے انکار کر دیا، اور اس تسلیم و انکار میں وہ ان کے مخلص اور بھروسہ تھے، امن و صلح ان کی نگاہ میں مقدم تھا، پھر بھی انہوں نے ان کو مایوس نہیں کیا ان کی ڈھارس بندھائی، بلاذریؓ کی روایت ہے کہ آپؓ نے ان سے کہا، تم ہماری جماعت ہو ہم سے محبت کرتے ہو، اگر میں دنیا کیلئے شدت سے کام لیتا، اور میرے پیش نظر دنیاوی اقتدار ہوتا، تو معاویہؓ مجھ سے زیادہ شان و شوکت والے نہ تھے، اور نہ مجھ سے زیادہ خود دار اور ارادے کے پکے، لیکن میری نگاہ تم سے جدا ہے، میں نے جو کچھ کیا اس سے میرا مقصد خونریزی روکنا تھا اور کچھ نہیں، پس اللہ کے فیصلے پر رضا مند رہو، اور معاملہ اسی کے حوالے کرو اپنے گھروں میں بیٹھے رہو اور رکے رہو، اور اپنے ہاتھ کو روکے رکھو تاکہ مرد تیک چین پائے یا پھر بدکار سے لوگوں کی نجات مل جائے،

آپؓ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت حسنؓ ان کو اہل بیت کا حامی اور محب مان کر ان سے اپنی رضامندی اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، ایسی حالت میں ان کا فرض ہے کہ وہ آپؓ کی فرمانبرداری کریں، آپؓ کا حکم مانیں آپؓ کی مرضی کے تابع ہوں، اس کے بعد آپؓ نے ان پر واضح کیا کہ امیر معاویہؓ سے صلح کسی در ماندگی اور کمزوری

کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ آپؓ کا مقصد اس سے خونریزی روکنا ہے، اور اگر آپؓ جنگ کا ارادہ کرتے تو معاویہؓ کچھ زیادہ طاقتور اور سخت ثابت نہ ہوتے اس کے بعد آپؓ نے ان سے چاہا کہ اللہ کی مشیت پر راضی رہیں اقتدار کی اطاعت کریں، اس کی مخالفت سے اپنا ہاتھ روکیں، پھر ان کو بتایا کہ یہ روش آخر تک باقی نہیں رہے گی، اور نہ وہ بلا مقابلہ دشمن سے دبے رہیں گے، یہ تو ایک وقت کا انتظار ہے، جب اہل حق کو چین نصیب ہو گا، یا اہل باطل سے نجات مل جائے گی،

گویا حضرت حسنؓ ان کو تیار کر رہے تھے، کہ جب موقع آئے گا تو جنگ ہوگی، اور ابھی ایک ہنگامی صلح کے دن ہیں جس میں آرام کریں، اور تیاری، شاید اللہ معاویہؓ سے نجات دیدے پھر امت صالحین کی منتشا کے مطابق اپنا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے گی،

میرا ذاتی خیال ہے کہ جس دن کوفہ والوں کا وفد حسنؓ سے ملا، حضرت حسنؓ نے انکی باتیں سنیں ان کو اسی سنائی اور ان کے لئے ایک پروگرام بنایا، وہ پہلا دن تھا جس میں حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے حامیوں کی ایک منظم سیاسی جماعت بنائی گئی، اسی مجلس میں مدینہ میں یہ جماعت بنی اور حضرت حسنؓ اس کے صدر ہوئے، کوفہ کے سرداروں نے واپس آکر اپنے متبعین کو ایک نئے نظام اور ایک مقررہ پروگرام کی اطلاع دی، اور اس ہنگامی صلح اور اس امکانی جنگ کیلئے لوگوں کو تیار کرنے لگے جو شریک کے امام کے اشارے سے چھیڑی جاسکتی ہے،

پارٹی کا پروگرام اس کے ابتدائی دور میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، بالکل سیدھا سادا ہے حضرت علیؓ کے بیٹوں میں سے امام کی اطاعت، امن و اطمینان کے ساتھ انتظار، اور حکم پاتے ہی جنگ چھیڑ دینا، پارٹی کا یہی حال رہا شیعہ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت اپنے معاملات کا تذکرہ کرتے، معاویہؓ اور ان کے حاکموں کی خلاف ورزیوں اور انصاف باتوں کو ریکارڈ کرتے اور اس کا انتظام کرتے کہ امام حکم دے اور وہ نکل پڑیں،

حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ

لیکن امام نے جنگ کیلئے نکلنے کا حکم نہیں دیا، ہاں، امن و عافیت سے رہنے کی تاکید کرتے رہے اور

وقتا تو قتا جب ان کے وفود آتے رہے، ان کو یہی ہدایت کی کہ بچے ہوئے لوگوں کو غنیمت جانو یا ہم حسن سلوک رکھو اور اپنے آپ کو حکومت کی گرفت کیلئے پیش نہ کرو،

اہل بیت کے حامی کو نہ تک محدود نہ تھے، بلکہ تمام شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، بعض جگہ کم اور بعض جگہ زیادہ، ان حامیان اہل بیت کی طبیعتیں حکومت کی مخالفت میں اپنی قلت اور کثرت کے اعتبار سے نیز حاکموں کے طرز عمل کے پیش نظر مختلف تھیں، لیکن اس بات میں سب متفق تھے کہ امیر معاویہؓ کی حکومت ایک ایسی برائی ہے، جس پر سر دست صبر کے سوا چارہ نہیں، تا آنکہ اس سے نجات کی صورت نکل آئے، خواہ اس طرح کہ صالحین کو دلجمعی حاصل ہو، اور وہ پوری طرح تیاری کر کے کامیاب بغاوت کر دیں، یا پھر فاجروں ہی کو موت آجائے اور معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ کے سپرد ہو، شیعہ پوری سرگرمی کے ساتھ یہ دعوت پیش کر رہے تھے کہ امام اہل بیت میں سے ہوتا کہ جب مسلمانوں سے مشورہ ہو تو خلافت حضرت حسن کے حصے میں آئے، وہ صلح کی حالت میں اپنے امام کیلئے تحریک کرتے تھے، کبھی نرمی سے کبھی شدت کے ساتھ اپنے مزاج و طبیعت اور اپنے حالات اور مواقع کے ماتحت، اور خود حضرت حسن امیر معاویہؓ کے وفادار تھے، ان کی بیعت اور ان کے عہد پیمان پر قائم، اور جس قسم کی بھی امداد کی بھی ضرورت ہوتی ان سے حاصل کرتے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ امیر معاویہؓ کے مخالف تھے، اور اپنی مخالفت پھیلانے نہ تھے، اپنے مقام مدینہ میں جس طرح چاہتے اس کا اظہار کرتے، جب کبھی حج کے زمانہ میں مکہ آجاتے تو اس سے باز نہ رہتے، فرصت آپ کو آسانی کے ساتھ اس کے بہترین مواقع پیدا کر دیتی، یوں بھی آپ بڑے شیریں کلام، شگفتہ طبع، ملنسار، مجتبیٰ، اور لوگوں میں ہرگز عزیز تھے انہیں خوبیوں کی وجہ سے قریش اور انصار کے نوجوان آپ کے گرد بیدہ تھے، اور بڑے بوڑھے صحابہؓ بھی آپ سے ہی لئے محبت کرتے تھے اور اسلئے بھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں آپ کا ایک درجہ تھا،

پھر عام لوگ آپ سے اس لئے بھی محبت کرتے تھے کہ آپ بڑے دریا دل اور فیاض تھے سوال کرنے پر اور بلا سوال بھی لوگوں کو عطیات دیتے تھے، صبح ہوتی تو نماز ادا کر کے اپنی جگہ بیٹھے رہتے، جب سوزج کچھ اور پڑھتے تو اہم بات المومنین کی ملاقات کیلئے جاتے، ان سے باتیں کرتے، بطور تحفہ انہیں کچھ دیتے، کچھ وہ انہیں پیش کرتے، اس کے بعد ضروری کاموں میں لگ جاتے، پھر جب ظہر کی نماز ہو جاتی تو مسجد میں لوگوں کی ملاقات کے لئے بیٹھ جاتے، اور دیر تک بیٹھے رہتے، ان کی باتیں سنتے، ان کو اپنی سناتے، جن کو پڑھانا سکھانا ہوتا ان کو سکھاتے پڑھاتے، پھر بوڑھے صحابہؓ سے علم و ادب کی باتیں سنتے، اور ان تمام باتوں کے درمیان جہاں کہیں

حکومت کا ذکر آجائے تو اس کی اچھائی یا بُرائی بڑے دلکیش انداز میں بیان کرتے ہیں لیکن اگر کسی نے آپ کے والد کا تذکرہ خلاف طبیعت انداز میں کر دیا یا کسی ایسے آدمی سے ملاقات ہو گئی، جس نے حضرت علیؓ سے دشمنی کی یا ان کو تکلیف پہنچائی تو پھر آپ سخت ہو جاتے اور سنگدلی تک نوبت پہنچ جاتی، ان تمام باتوں کے باوجود وہ لوگوں کو نوازتے تھے، جس طرح اللہ نے ان کو نوازا تھا، اسی طرح وہ دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہیں کرتے، مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ آپ بہت زیادہ نکاح کرتے تھے، اور طلاق بھی بکثرت دیتے تھے، خود حضرت علیؓ نے اس بات سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور لوگوں کو رشتے سے روکا، لیکن ایسا نہ ہو سکا لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور امیر المؤمنین کے لڑکے سے رشتہ جوڑنے میں اپنے لئے غیر محمود شرف اور بزرگی خیال کرتے تھے،

امیر معاویہؓ حضرت حسنؓ پر بڑی کرم کی نگاہ رکھتے تھے، ان کو عطیات سے نوازتے تھے، پھر بھی جب حضرت حسنؓ کی مخالفت کی اطلاعات ان کو پہنچتی تو وہ ان پر کبھی نرم کبھی گرم نکتہ چینی کرتے تھے، لیکن حضرت حسنؓ کی طرف سے مطمئن نہ تھے، وہ بڑے دور بین تھے، جیسے ہی انہیں محسوس ہوا کہ خلافت اب ان تک پہنچ چکی ہے، انہوں نے اس کو ابوسفیانؓ کے خاندان کیلئے ایک درانت بنالینے کی فکر شروع کر دی، ان کو اپنے بیٹے زید کا ہر وقت خیال زما کرتا تھا، وہ دیکھتے تھے کہ ان کے ارادے کی راہ میں حضرت حسنؓ حائل ہیں تو ان سے صلح کرنے میں جلدی کی، اور ان کیلئے ولی عہدگی کا منصب بھی پیش کر دیا، یہ صحیح ہے کہ حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کی یہ پیشکش قبول نہیں کی، اور اپنی طرف سے یہ شرط رکھی کہ خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ سے طے ہو، جس کو چاہیں انتخاب کریں، حضرت حسنؓ غالباً یہ خیال کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ کے بعد لوگ کسی کو ان کی عہدگی کا درجہ نہیں دیں گے اور شیعہ تو اس بات کا پختہ یقین رکھتے تھے، اور اس کے لئے الحاح کے ساتھ دعائیں مانگتے تھے،

یہاں پہنچ کر مورخین اور راویوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، اسلئے کہ حسنؓ شیعہ میں دناپا جاتے تھے شیعہ خیال کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کو زہر دیا یا ناکہ ان کے اور ان کے بیٹے کیلئے خلافت کا راستہ صاف ہو جائے، اہل سنت مورخین اسی خیال کی بکثرت روایت کرتے ہیں، لیکن یہ ان کا قطعی فیصلہ نہیں ہے، محدثین میں جو لوگ اس قسم کی روایت کرتے ہیں وہ اس کو محض اسلئے امر بعید خیال کرتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے بعض وعدہ کا یہ کام کسی طرح ان کی شان کے شایا نہیں

اہل سنت مورخین اس کے ساتھ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسنؑ نے اپنی آخری بیماری کے بعض عیادت کرنے والوں سے خود کہا، "مجھے بار بار زہر دیا گیا، لیکن اس مرتبہ جو زہر دیا گیا ہے اس سے زیادہ شدید کسی وقت نہیں دیا گیا ابھی ابھی میرے کلیجے کا ٹکڑا میرے منہ سے نکلا ہے،" یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ کے بھائی حضرت حسینؑ نے ان سے پوچھا کہ زہر کس نے دیا ہے، تو آپ نے نام بتانے سے انکار کر دیا، مبادا بلا کسی قطعی دلیل کے اس سے قصاص لیا جائے، حضرت حسنؑ اپنی زندگی سے یلوس تھے، اور نہیں چاہتے تھے کہ وہ خدا سے ایسی حالت میں ملیں کہ شبہ کی بنا پر ان کا قصاص لیا گیا ہو، اس لئے انہوں نے یہی مناسب جانا کہ اللہ ہی اس کا قصاص لے، بعض مورخین خیال کرتے ہیں کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کو جو حضرت حسنؑ کی بیوی تھیں، امیر معاویہ نے تیار کیا کہ حضرت حسنؑ کے کھانے پینے کی چیز میں زہر ملا دیں اور اس کے لئے ایک لاکھ دینار کی رشوت پیش کی، بعضوں کا خیال ہے کہ معاویہ نے اس سے شادی کر لینے کا بھی وعدہ کیا تھا، پھر جب حضرت حسنؑ وفات پا گئے تو مال کا وعدہ تو پورا کر دیا، لیکن شادی نہیں کی، اس ڈر سے کہ کہیں میرے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش نہ آئے، اس روایت کا تصنع بالکل کھلا ہوا ہے، اس کے بیان کرنے والوں کے پیش نظر یہ ہے کہ اشعث بن قیس نے حضرت علیؑ کو فریب دیا تھا تو اس کی لڑکی نے حضرت حسنؑ کو موت کے گھاٹ اتار دیا بعض مورخ کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کو حضرت حسنؑ کی بیویوں میں سے انتخاب کیلئے اتنی زور جانے کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ اس نے ایک قریشی عورت ہی کو منتخب کیا اور وہ ہند بنت سہیل ابن عمرو ہے جو قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بن کر آیا تھا، میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ معاویہؓ کے ہاتھوں حسنؑ کو زہر دیا گیا، لیکن اسی طرح قطعیت کے ساتھ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ امیر معاویہؓ نے ایسا نہیں کیا، اس لئے کہ ان کے زمانے میں زہر دیکر مار ڈالنے کی بات حیرت انگیز اور مشکوک طریقہ پر عام ہو چکی تھی، بقول مورخین، اکثر مصر جاتے ہوئے راستے میں زہر دیکر مار ڈالے گئے، اس طرح مصر کی حکومت کا راستہ امیر معاویہؓ کے لئے صاف ہو گیا، پھر امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کا یہ کہنا، "بلاشبہ اللہ کی ایک فوج شہد کی بھی ہے،" علاوہ ازیں حمص بن عبد الرحمن بن خالد بن ولید زہر دیکر مارے گئے جس کی ایک طویل داستان ہے، غالب گمان ہے کہ اسی طرح حضرت حسنؑ بھی امیر معاویہؓ

اِدھِ عَمْرُو بنِ عَاصِ مَثَلِ کِے دَر مِیَآنِ زَہْرِ دِیکَرِ مَارِ سَکے مَٹِ جِس سَے اِن کَے بیٹے کھیلے خِلافتِ کَا رِاسَمَہ صَاف ہُو گیا،
 یہاں حَسینُ بنِ اَبی عَلیؑ کا تَذکِرہ ضروری نہیں اِس لَئے کہ اِنہوں نے نہ اِپنے کو بیعت کیلئے مَقْرر کیا نہ
 وہ مسلمانوں کَے اِمَام تھے، اَوْر نہ مَعَاوِیہ نے اِن سَے کوئی عَصَلِجِ کِی تھی، نہ وَعَدہ نہ شَرَط، مَگر پھر بھی اِہم
 مَعَاوِیہ نے چاہا کہ حَضْرَتِ حَسینُؑ کو اِن کِی جِگہ سَے دُور بٹا دیں تاکہ فَاطمَہ کَے دونوں بیٹوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کَے نواسوں سَے فَرصتِ مِل جِلائے چِنانچہ اِیکِ دُونِ عَبدِ اللہ بنِ عَبَّاسِؑ سَے مذاقِ کَے زَنگِ مِی حَقِیقتِ مِیشتِ نَظَر
 رَکھتے ہوئے کہا، تُو حَسینُؑ کَے بَعْدِ اِپنی تُو م کَے سَر دَارِ اِپ ہی ہیں؛ لَیکِن عَبدِ اللہ فَرِیْبِ مِی نہیں آسکے
 اَوْر دُو لُوکِ بُو اَبِ دِیا کہ جَب تَنگِ اَبُو عَبدِ اللہ زَندہ ہیں اِیسا نہیں ہو سکتا،
 اِس کَے باو جُودِ مَعَاوِیہ نے بلا پس و پیش جِیسا کہ اِپ آگے پڑھیں گے اِپنے بیٹے یزید کَے لَئے
 دلی عہدی کِی بیعت لینی شروع کر دی، اَوْر حَضْرَتِ حَسینُؑ کو اَوْر دُوسرے مہاجرین نو جوانوں کو مجبور کیا
 کہ اِس بیعت کَے بارے مِی خَا موشی اِختیار کریں، جِس کو وہ اِپنے دِل سَے بڑی مَذْمُومِ حَرکتِ خِیال
 کرتے ہیں،

بِالآخِرِ شِیخوں کِی سَر رَہی بَھائی کِی وَفَاتِ کَے بَعْدِ حَسینُ بنِ عَلیؑ تَنگِ سَہمی، اللہ اِن پَر اِپنی رَحْمَتِ کِی بَارشِ بَر سَئے



حضرت حسینؑ

دونوں بھائیوں میں طبیعت مزاج اور سیرت کے اعتبار سے کوئی میل نہ تھا، دونوں ایک دوسرے سے کوئی میل نہ تھا، دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے، حضرت حسنؑ جیسا کہ تم نے دیکھا غور و فکر کے آدمی تھے، بامروت اور سنجیدہ، لڑائی اور خونریزی سے بیزار، ان کی اسی طبیعت نے ان کو آمادہ کیا کہ مصالحت کی راہ اختیار کریں، اور خلافت سے دست بردار ہو جائیں جو باپ کی طرح ان کو بھی ہونا جنگ کے مصائب میں مبتلا کر دے گی،

حضرت حسینؑ حق کے معاملے میں باپ کی طرح سخت تھے اور تیز، وہ کسی طرح غیر مناسب معاملات میں نرمی اور حشیم پوشی پسند نہیں کرتے تھے، بھائی کی صلح سے وہ سخت ناراض تھے، اور چاہتے تھے کہ اس کی مخالفت کریں، لیکن حضرت حسنؑ نے صلح کی بات مکمل ہونے تک پاؤں میں پیری ڈال دینے کی دھمکی دے دی تھی،

حضرت حسینؑ اس صلح کو اس لئے بھی برا جانتے تھے کہ اس میں ان کے باپ کی سیرت مجروح ہوتی تھی، پھر یہ کہ وہ خود نہ بڑے شادی باز تھے نہ طلاق باز نہ بہت خوش حال، نہ بڑے بولنے والے نہ لوگوں میں ہر دل عزیز، وہ تو اپنی ذات کیلئے اور دوسروں کے لئے ایک سخت آدمی تھے، ناگوار باتوں پر صبر کے گھونٹ پیئے انہوں نے بھائی کی وفاداری کو اپنا فرض جانا، اس لئے ان کی اطاعت کرتے رہے جس صلح اس سے پہلے باپ کی اطاعت کرتے رہے ابلاشبہ بھائی کی صلح کے بعد مدینہ میں وہ جتنے دن بھی رہے میرے خیال میں ایسے موقع کے لئے بیتاب رہے جس میں باپ کے جہاد کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر شروع کر دیں،

شیعوں کی صدارت ملنے سے آپؑ کو کچھ موقع تو میسر آیا، میں نے کچھ کا لفظ کہا ہے اس لئے کہ حالات نے پیدا موقع نہیں دیا، آپؑ اپنی قوم کے سردار اور پارٹی کے لیڈر تو بن گئے، لیکن ادھر امیر معاویہؓ کی بیعت بھی کر چکے تھے، پس ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ بیعت توڑ دیں، عہد و پیمان سے انحراف کریں، حضرت حسینؑ بڑے مطمئن تھے معاملات پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی، انہوں نے دیکھا کہ حکومت

امیر معاویہ کی تالیح فرمان ہے، بڑے بڑے شہران کے اشاروں پر چل رہے ہیں، ان کی پالیسی چشم پوشی، نرمی اور سخاوت کی پالیسی ہے، شہروں پر انہوں نے ایسے حاکم مقرر کر دیئے ہیں جو داناں کے باشندوں کو تشدد اور دہشت آفرینی سے مرعوب کئے ہوئے ہیں، ایسی حالت میں آپ نے بغاوت کا ارادہ نہیں کیا، حالانکہ امیر معاویہ کی طرف سے بیعت کی غلاورزی نے آپ کے لئے ایسا موقع پیدا کر دیا تھا کہ اس سے فائدہ اٹھاتے اور بغاوت کا اعلان کر دیتے،

امیر معاویہ کی طرف سے بیعت کی خلاف ورزی میں کسی شک کی گنجائش نہیں، انہوں نے ایک بار نہیں دو بار خلاف ورزی کی، ایک مرتبہ تو کوفیوں کو قتل کر کے، بیٹھا کہ آپ آگے پڑھیں گے ورنہ بار اپنے لڑکے یزید کو ولی عہد بنا کر اس طرح انہوں نے خلافت کوراثت بنا دیا جو ان کی دولت کی طرح ان کے لڑکے کو ملے گی، حالانکہ خلافت خلیفہ کی کوئی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے، علاوہ ازیں مسلمانوں کے مال میں، امیر معاویہ کی فضول خرچی ان کا صولوں پر ڈکٹیٹر قسم کے افراد کا تقرر، پھر ان ڈکٹیٹر حاکموں کا عوام کی جان و مال کے بارے میں حدود سے بڑھا ہوا تصرف، یہ تمام باتیں اس بیعت کے خلاف تھیں، جن کا امیر معاویہ نے عوام سے عہد کیا تھا اور جو حضرت حسین کو بری الذمہ قرار دیتیں اگر وہ امیر معاویہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے، خود حضرت عائشہ نے کوفیوں کا قتل دیکھ کر خروخ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن وہ ڈریں کہ پھر پھر ایک بے نتیجہ فساد نہ ہو، جیسا کہ حضرت عثمان کے خون کا قصاص طلب کرنے کے موقع پر ہوا تھا، چنانچہ وہ نکلنے سے باز رہیں، حضرت حسین نے دیکھا بغاوت کرنے سے معاملہ ان کے حق میں ٹھیک نہیں ہوگا، تو انہوں نے صبر سے کام لیا، لیکن اپنے تھائی کی پالیسی میں تہدیلی کر دی اور امیر معاویہ اور ان کے حاکموں کے بارے میں سخت تنقیدی شروع کر دیں، جن پر امیر معاویہ نے دھمکی دی، لیکن آپ نے اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حق کے معاملہ میں تشدد سے کام لیں اور امیر معاویہ کے حاکموں کی مذمت اور ان کی مخالفت کریں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اس وقت معاویہ اور ان کے گورنر زیاد کی شدید مخالفت کا مرکز کوفہ تھا، ان دنوں کوفہ میں ایک ایسی حالت تھی کہ

حضرت حسن اور حضرت حسین کی دو مختلف سیاستوں کے اثرات ہم نمایاں طور پر دیکھ سکتے ہیں

حضرت حسنؑ جب تک زندہ رہے شیعوں کو کسی قسم کا جانی اور مالی نقصان نہیں پہنچا ان کے زمانے میں ان کی عبادت کے لوگ مخالفت اور ناگواری کا اظہار نرمی سے کرتے تھے، امیر معاویہؓ اور ان کے حاکم بھی ان کی باتیں سنتے تھے، دوران سے درگزر کرتے تھے اور لمبا اوقات اپنے قول و فعل سے ان کی اصلاح بھی کر دیتے تھے، لیکن جب شیعوں کا تعلق حضرت حسینؑ سے ہوا تو مخالفت میں شدت کا رنگ پیدا ہو گیا اور کوفہ میں بات بعادت کی حد تک پہنچ گئی، تب معاویہؓ اور ان کے حاکموں نے شدت کا مقابلہ شدت سے کیا، ایسی شدت جس میں مخالفت کا قلع قمع کر دینے کے لئے کسی معقول بات کی پروا نہیں کی گئی،

حضرت حسینؑ کی سیاست پارٹی کے لئے بیک وقت کمزوری اور قوت دونوں کا باعث تھی، کمزوری کا باعث اس طرح کہ اس کی وجہ سے اہل بیت کے بہت سے حامیوں اور ہمدردوں کی جانیں سخت مصائب کا شکار بنیں اور قوت کا باعث اس طرح کہ سیاست نے شیعوں کو حد درجہ مظلوم اور مقہور بنا دیا اور انسانی سیاست میں لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے اور اپنا پروپیگنڈہ کرنے کی خاطر، مظلومیت سے بڑھکر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی، مظلومیت ہی دلوں میں گرفتار ان مصائب کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے اور حکومت کے اقتدار سے لوگوں کو متنفر بناتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی حکومت کے آخری دس سال میں شیعوں کے مسئلے نے بڑی اہمیت اختیار کر لی، اور ان کی تحریک اسلامی حکومت کے مشرقی حصوں میں اور عرب کے جنوبی حصوں میں بڑی قوت سے پھیلی، چنانچہ امیر معاویہؓ کی موت کے وقت لوگ عموماً اور عراق کے عوام خصوصاً اہل بیت سے محبت اور اپنی اہلیہ سے بعض وعداوت اپنا دین و ایمان تصور کرنے لگے تھے۔

امیر معاویہؓ کے گورنر اور شیعہ

۱۱۱

عراق میں شیعوں کو جو راحت اور مصیبت پہنچی اس کی وجہ صرف حضرت حسنؑ کی نرمی اور حضرت حسینؑ کی گرمی نہ تھی بلکہ اس میں امیر معاویہؓ کے گورنروں کا بھی ہاتھ رہا ہے، بصرہ اپنے خیالیت کے اعتبار سے عثمانی تھا ناظرین وہاں کے حالات اور واقعات کا مشاہدہ کر چکے ہیں اور جانتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا معاملہ بصرہ میں ناگواری اور بددلی کے ساتھ باقی رہ سکا، البتہ کوفہ شیعوں کا وطن اور ان کی تحریک کا مرکز بنا، جب حکومت کی لگام پوری طرح امیر معاویہؓ کے ہاتھوں میں آچکی تو ان دونوں شہروں میں انھوں نے ایسے دو عالم مقرر کئے جو برابر اور متشدد نہ تھے، بصرہ پر عبداللہ بن عامر کو حاکم بنایا اس نے وہی پہلی روش شروع کی جس کا وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں پابند تھا یعنی اپنے مفاد کو مقدم رکھا اور لوگوں کے مفاد سے بے توجہی برتی، چنانچہ اس نے اپنے بس بھرے دولت جمع کر لی اور لوگوں کے لئے ان کی لگام ڈھیلی کر دی، کہ برائیوں اور آوارگیوں کی طرف چل پڑیں صورت حال یہ تھی کہ فتنہ و فساد نے لوگوں کے اخلاق میں پستی پیدا کر دی تھی، بصرہ اس دنت دیہاتیوں اور غلاموں سے بھر گیا تھا اور ایک نئی مخلوط نسل پیدا ہو گئی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ فسق و مجور پھیلا حکومت کے اثرات میں خرابی آئی، حکمران کا رعب اور وقار رعایا کی نگاہوں میں اس لئے گر گیا کہ اس کو اپنی اور اپنے باپ اور بھائی کی پڑی تھی اور اس لئے بھی کہ بزرگم خود وہ نرمی اور دلجوئی کی پالیسی پر عمل کر رہا تھا، وہ چور کا ہاتھ کاٹنا پسند نہیں کرتا تھا اپنی اس روش پر قائم رہ کر وہ اللہ اور حاکم وقت کی کھلی ہوئی تافرمانی کرتا رہا، تا آنکہ بصرہ کے لوگوں نے گھرا کر امیر معاویہؓ سے اس کی شکایت کی اور وہ معزول کر دیا گیا اور یہ ایک مستقل طویل داستان ہے، امیر معاویہؓ نے بصرہ پر ایک دوسرے حاکم مقرر کیا لیکن وہ چند ماہ سے زیادہ کام نہ کر سکا اس کے بعد زیاد کا تقرر ہوا اس نے برائی کا مقابلہ برائی سے کیا یعنی برائی اس طرح دور کی کہ اسکی جگہ دوسری برائی لا کر رکھ دی کوفہ پر امیر معاویہؓ کی طرف سے مغیرہ بن شعبہؓ ایک تجربہ کار اور چالاک حاکم تھے ان کی شخصیت

بھی عجیب و غریب اخیر و تازہ سے مرکب، ایک عقدہ لائیکل ہے، اپنی جوانی کے عالم میں انھوں نے طائف کی ایک ٹولی سے بیوفائی کی، ساتھیوں کو اتنی پلاوی کہ وہ بیہوش ہو کر بے حس و حرکت ہو گئے اس کے بعد سبھوں کو قتل کر دیا، یہ کل بارہ بائع آدمی تھے مصر سے بہت سا مال اپنے ساتھ لائے تھے مغیرہ ان سبھوں کی دولت لیکر اپنے وطن طائف تو نہ جا سکے، البتہ مدینہ چلے آئے یہاں آکر اسلام قبول کر لیا، اور ساری دولت آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کر دی، آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس لئے کہ وہ قدری سے حامل کیا ہوا مال تھا، اور عذاری میں بھلائی نہیں، تب مغیرہ نے آنحضرت ﷺ سے اپنے انجام کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا، اسلام اپنے پہلے کی باتوں کا صفایا کر دیتا ہے، مغیرہ اس کے بعد نبی ﷺ کے سچے خیر خواہ ہوتے، ردت کی روایتوں اور شام کی فتوحات میں بڑی جلا نشانی بتائی، یرموک کے معرکے میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی، اس کے بعد فارس کے معرکوں میں شرکت کی، اور زبائشوں میں ثابت قدم رہے حضرت عمرؓ نے ان کو لیفرہ کا حاکم بنایا، شاید اسلام نے مغیرہ کے دل میں گہرا اثر نہیں کیا تھا اس لئے کہ ان کے خلاف کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس زنا کی شہادت دی حضرت عمرؓ نے جاری کر دیتے اگر ایک شاہد یعنی زیاد گواہی میں لٹ پٹا نہ جاتے، اس بنا پر دوسرے گواہوں پر، بہت تراشی کی حد جاری کی گئی اور بصرہ سے مغیرہ کو معزول کر دیا گیا، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو پھر کوفہ کا حاکم بنایا، اور یہ حضرت عمرؓ کے قتل تک بصرہ کے حاکم رہے حضرت عثمان نے ٹھوڑے دنوں تک ان کو باقی رکھا، پھر معزول کر دیا، مغیرہ فتنے سے دور رہے یا یوں کہنا چاہئے کہ ابتدا میں فتنے سے کنارہ کش رہے، چنانچہ حضرت عثمان کے خلاف نہ بغاوت میں شرکت کی نہ حضرت علیؑ کی بیعت میں اور نہ جمل اور صفین کے معرکوں میں حصہ لیا، لیکن بحکم کے موقع پر دو ڈالٹوں کے اجتماع میں شریک رہے اور بہت مکن ہے کہ اس اجتماع میں کوئی پارٹ بھی ادا کیا ہو، جب دونوں حکم جدا ہو گئے اور مغیرہ کو معلوم ہو گیا کہ دنیا نے حضرت علیؑ سے منہ موڑ لیا ہے تو بظاہر کنارہ کشی کا اظہار کرتے رہے لیکن طبیعت کا رجحان نمایاں طور پر امیر معاویہؓ کی طرف تھا، پھر جب حضرت علیؑ نے قتل کر دیئے گئے تو وہ سب سے پہلے امیر معاویہؓ کی طرف دوڑ پڑے پھر شام سے ساتھ ہی کوفہ آئے اور حضرت حسنؓ کے ساتھ صلح اور امیر معاویہؓ کے لئے بیعت کی تقریبات میں حاضر رہے اور جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں مغیرہ نے کوفہ کی حکومت اوپر ہی اوپر اچکی لی، راویوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے کوفہ پر عبداللہ ابن عمرو بن العاص کو

حاکم بنانے کا ارادہ کیا تھا، یا ابن عباس کو کوفے کا اور ان کے لڑکے کو مصر کا حاکم بنا دینا چاہتے تھے اس پر معاویہ نے امیر معاویہ سے کہا: لو کیا آپ شیر کے دونوں جبروں کے بیچ میں رہیں گے یہ عراق میں اور وہ مصر میں "یہ شکر امیر معاویہ نے اپنی رائے بدل دی اور معاویہ کو کوفہ کا حاکم بنا دیا۔

راویوں کا خیال ہے کہ عمرو بن العاص کو جب معاویہ کی اس بات کا پتہ چلا تو انھوں نے بھی اس کا بدلہ لے لیا امیر معاویہ سے کہا کہ آپ معاویہ کو محاصل پر مقرر فرماتے ہیں، کیا کوئی اور نہیں ہے جو خراج کی وصولی اور اس کے نظم و انداز پر اس سے زیادہ قدرت کا مالک ہو، اس میں یہ تعریفیں تھی کہ معاویہ مہابت کے سلسلے میں کمزوری رکھتے ہیں، چنانچہ امیر معاویہ نے جنگ اور امامت پر ان کو رکھا اور خراج پر کسی اور کا تقرر کر دیا، عمرو بن العاص جب معاویہ سے ملے تو کہا، اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے،

کوفہ والوں کے لئے معاویہ کی پالیسی ایسی ہی تھی جیسی بصرہ والوں کے لئے عبداللہ بن عامر کی معاویہ نے بھی اول خویش پر عمل کیا اور دوسروں کو نظر انداز کیا لوگوں سے چشم پوشی کی، رواداری برتی تھی امیر معاویہ کے مخالفین کو چاہے خارجی ہوں چاہے حضرت علیؑ کے حامی ایک حد تک آزادی کا موقع دیا،

حضرت معاویہ نے ہدایت دے رکھی تھی کہ حضرت علیؑ کے حامیوں پر نظر رکھا اور ان پر سختی کرنا، لیکن وہ اپنی امن پسندی اور امیر معاویہ کی خواہش کے بین بین رہا کرتے تھے ان کے اور عبداللہ بن عامر کے متعلق مورخین کی خیال آرائیاں بے محل ہیں، سیدھی سی بات ہے کہ دونوں سابق خلفاء کی طرف سے ان شہروں کے حاکم رہ چکے تھے، اور اس کے عادی تھے کہ لوگوں کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور دانشمندی کا پیراؤ کریں پس یہ کچھ آسان نہ تھا کہ یکایک اپنی عادت بدل دیتے

علاوہ ازیں حضرت معاویہؓ بھی صحابی تھے، قدرتی بات تھی کہ ان کی اور ان کے گورنروں کی روش لوگوں کے روزمرہ کے معاملات میں بڑی حد تک سابق خلفاء اور ان کے حاکموں کے جیسی ہو، یہی کیفیت مصر میں عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے عبداللہ کے زمانے میں تھی اور یہی حالت عراق کے دونوں شہروں کی بھی تھی لیکن لوگوں نے طرح طرح کی جدتیں کیں، جیسا کہ زیاد نے کہا، پس معاویہؓ اور ان کے حکمرانوں نے بھی ایسا جدید طرز عمل اختیار کیا جو حالات کے مناسب ہو، کوفہ کے خارجیوں کے متعلق معاویہ کی روش میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ حضرت علیؑ کا سلوک کرتے رہے ان کو آزاد چھوڑ دیا وہ ایک دوسرے سے ملتے تھے اکٹھا جمع ہوتے تھے آپس میں تبادلہ خیالات کرتے تھے اور جب تک وہ کوئی شرارت یا معاندانہ اقدام

نہ کرتے ان سے تعرض نہیں کرتے تھے

مغیرؓ حضرت علیؓ سے بھی زیادہ محتاط تھے انہوں نے ایسے آدمی مقرر کئے تھے جو ان کو خواہ مخواہ کی نقل و حرکت کی اطلاع کرتے تھے، چنانچہ خرون سے پہلے ہی وہ انسدادی کارروائی کر دیتے اور بعض اوقات تو وہ ان کی میٹنگ ہی میں گرفتار کر لیتے اور جیل بھجوا دیتے لیکن اس پر بھی اگر کوئی جماعت نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جاتی اور مقابلے کی دعوت دیتی یا کسی شورش کا باعث بنتی تو کوفہ والوں میں سے کچھ آدمی بھیج کر ان کا خاتمہ کر دیتے،

شیعوں کے ساتھ ان کا طرز عمل اس سے بھی زیادہ ترمی اور درگزر کا تھا، ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، بعض اوقات شیعوں نے ان سے سخت کلامی کی تو ان کو سمجھا دیا اور ترمی سے پیش آئے ان کو امن و عافیت کی طرف متوجہ کیا اور حکومت کی گرفت کا خوف دلایا نہ ایذا پہنچائی نہ دولت میں نقصان کا باعث بنے،

اس نرم اور روادار پالیسی سے شیعوں نے فائدہ اٹھایا، انہوں نے اپنی تنظیم کی اور کھل کر بتی ایسی کی مخالفت کی، امیر معاویہؓ اس سے ناراض تھے لیکن وہ مخالفین پر قابو نہیں پاتے تھے، کوفہ میں مغیرہ دس سال تک امیر معاویہ کے گورنر رہے اس عرصہ میں شیعوں کو ان کی کوئی بات غیر معمولی طور پر ناگوار نہیں ہوئی سوائے حضرت علیؓ کو بڑا بھلا کہنے کے جس پر وہ جدید حکومت کے ماتحت مجبور تھے اس حرکت پر شیعہ کبھی چشم چمپا کرتے کبھی اظہار ناراضی،

مغیرہؓ شدید حرص کے درجے میں چاہتے تھے کہ امیر معاویہؓ کو راضی رکھیں تاکہ کوفہ کی گورنری ان کے لئے مستقل ہو جائے، چنانچہ وہ امیر معاویہؓ اور زیاد کے درمیان واسطہ بنے زیاد کی طرف سے امیر معاویہؓ کو اطاعت کا اور معاویہؓ کی طرف سے زیاد کو امان دینے کا اطمینان دلایا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیاد اور معاویہؓ کے درمیان رشتے کے اعلان میں بھی انہیں کا ہاتھ رہا ہو، اس طرح کہنا چاہئے کہ مغیرہؓ نے زیاد کے اس اعلان کا بدلہ چکا دیا جو اس نے ترو و آمیز گوہی دے کر ان پر کیا تھا، اور حضرت عمرؓ مرادینے سے رک گئے تھے، بہر حال مغیرہؓ نے زیاد کی چالبازی اور چالاکی کا خطرہ دور کر کے ایک مکار اور قریبی دشمن کو مخلص خیر خواہ بنا کر امیر معاویہؓ کو رضامند کر لیا، پھر مغیرہؓ ہی نے امیر معاویہؓ کے دماغ میں ولی عہدی کا تخیل پیدا کیا اور نہ صرف اس طرف متوجہ کیا بلکہ اس کے اعلان پر امیر معاویہؓ کو آمادہ کیا اور اس کی گاڑی بھی کی کہ

کوفہ کے لوگ اس کو منظور کریں گے اس کے بعد مغیرہؓ ہی نے خود یزید کے دل میں بھی بیخوبیز اُٹا کر دی اور اس طرح انھوں نے یزید کے سامنے آرزوؤں کا ایک ایسا دروازہ کھول دیا، جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا،

مغیرہ نے یہ دس سال اس طرح گزارے کہ خود بھی خوش رہے دوسروں کو بھی خوش رکھا، حکومت بھی ان سے راضی رہی اور رعایا بھی مطمئن، ہر چند کہ اپنے آپ کو مطمئن رکھنا ان کے لئے آسان نہ تھا اس لئے کہ وہ ایک لذت آشنا اور لطیف اندونادی تھے اس معاملے میں وہ اپنے لئے اور لوگوں کے لئے بڑے بڑے ہوئے تھے، بڑے شادی باز اور بڑے طلاق باز تھے، ایک ایک شادی نہیں کرتے تھے اور نہ چاہتے ہو جانے پر مزید کے لئے ایک کو طلاق دیتے تھے بلکہ بسا اوقات چاروں کو طلاق اور پھر چار سے بیک وقت نکاح، پھر مورخین نے بعد میں اس بڑا مبالغہ کیا، چنانچہ زیادہ سے زیادہ اندازہ کرنے والوں نے لکھا ہے کہ مغیرہ نے اپنی طویل عمر میں ایک ہزار عورتوں سے شادیاں کیں اور کم سے کم اندازہ کریں تو اس کا یہ ہے کہ انھوں نے ایک سو تالیس عورتیں کیں درمیانی اندازہ کرنے والے کہتے ہیں کہ انھوں نے تین سو شادیاں کیں اس میں شک نہیں کہ مغیرہ ان عورتوں کو ان کی ہر س ادا کر دیا کر دیا کرتے تھے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ ان میں سے بہتوں کو اس قدر جلد طلاق دینے پر راضی کر لیا کرتے تھے اس خیال ہے کہ ان کی ذاتی دولت اتنے بڑے معارف کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی پس مغیرہؓ کی زندگی جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اچھے اور بے اعمال کی ایک مرکب زندگی ہے ان کا اور ان کی زندگی کا معاملہ خدا کے حوالے ہے لیکن توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے حکمران جب وہ ہوں تو شیعوں کے لئے ان کی پالیسی بڑی نرم رہی، ایسی نرم کہ بعد کے حکمرانوں کے مظالم دیکھ کر کوفہ والوں کو مغیرہؓ کو کلمہ خیر سے یاد کیا،

حضرت امیر معاویہؓ کے گورنر اور شیعہ

۲۱

لیکن ۳۵ھ میں جب زیاد بصرہ کا والی ہوا تو وہاں کے حالات نے پلٹا دکھایا اسی طرح جب شیعہ معیرہ کی موت کے بعد کوفہ بھی زیاد کی حکمرانی میں آگیا تو کوفہ کے حالات بھی بدل گئے جس طرح زیاد کی زندگی کی بوا لعجبی معیرہ سے کسی طرح کم نہ تھی اسی طرح خود زیاد چالاک اور چال بازی میں معیرہ سے کم نہ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زیاد معیرہ سے ہر بات میں دو قدم آگے تھا،

زیاد اپنے اندر دو مختلف شخصیتیں رکھتا ہے ایک وہ جو خلفائے راشدین کے عہد میں اس کی زندگی کی آئینہ دار ہے اور دوسری وہ جو امیر معاویہ سے مصالحت کے بعد اس کی زندگی کی نمائندگی کرتی ہے یہ دونوں شخصیتیں ایک دوسرے سے حد درجہ مختلف ہیں، جب تک وہ خلفائے راشدین کے لئے کام کرتا رہا، ہدایت کی راہ پر رہا، لیکن معاویہ کے ماتحت ہونے کے بعد وہ ایک سفاک اور جابر حکمران بن گیا، مگر وہ دونوں حالتوں میں اپنے آپ کو مسلمانوں کا مخلص اور خیر خواہ تصور کرتا تھا، سفاکی کے ذہن میں وہ خیال کرتا تھا کہ حضرت عمرؓ کی سیاست زندہ کر رہا ہے، حالانکہ فاروقی سیاست نے لوگوں کی اصلاح کر دی تھی اور زیاد کی سیاست نے امیر معاویہ کے دور میں لوگوں کے دلوں اور ان کی زندگیوں کو خرابیوں اور برائیوں سے لبریز کر دیا،

خلفائے راشدین کے دور میں زیاد بنی ثقیف کے غلاموں میں سے ایک غلام تھا عمارت ابن کلدہ کی ایک لونڈی سمیہ سے پیدا ہوا یہ سمیہ غالباً ایرانی یا ہندی تھی، اس کا باپ عمارت بن کلدہ کی بیوی صفیہ بنت عبید کا ایک رومی غلام تھا جس کا عربی نام عبید ہے، پس زیاد عمارت بن کلدہ کے خاندان کا ایک غلام تھا، وہ عہد نبوی میں بالکل نوخیز تھا اس لئے کہ اس کی پیدائش ہجرت کے سال یا ہجرت کے تھوڑے دنوں بعد بتائی جاتی ہے، اور بعض لوگ فتح مکہ کے سال میں بتلاتے ہیں،

زیاد کی ابتدائی زندگی اور آغاز شباب کا حال ہمیں کچھ معلوم نہیں، وہ عقبہ بن مغزوہ ان کے ساتھ جس

نے عارث بن کلدہ کی لڑکی سے شادی کر لی تھی عراق آیا اور فتح میں شریک ہونے والے غلاموں کے ساتھ قیام کیا، اور جس طرح ہوسکا زندگی کے دن گزارے، البتہ ابو موسیٰ اشعریؓ جب بصرہ کے امیر تھے تو ہم نے زیاد کو ان کا پیشی پایا، اور دیکھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس بعض حساب کے کاغذات لے جا رہا ہے، پھر ہم نے پڑھا کہ حضرت عمرؓ اس کی ذہانت اور فصاحت پر اعداد و شمار میں اس کے حافظے اور تصرف پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں، اور اس کو حکم دیتے ہیں کہ تو نے جس طرح مجھے حسابات بتائے ہیں اسی طرح علوم کے سامنے بھی پیش کر دے، چنانچہ زیاد ایسا کرتا ہے، صحابہ اس جری اور فصیح لوجوان سے حیرت میں تھے، جو اعداد کے ساتھ اس طرح کھیلتا ہے جس کا ان کو کبھی زندگی میں سابقہ نہیں رہا، اور جس پر اظہار تعجب حضرت عمرؓ چھپانہ کے،

بعض راویوں کا خیال ہے کہ ابوسفیان نے اسی دن دبی زبان اس کا اظہار کیا کہ زیاد ان کا بیٹا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے خوف سے کھل کر نہ بول سکے لیکن غالب گمان یہ ہے کہ یہ بات بعد کی من گھڑت ہے، مورخین ہم سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے زیاد کو ایک ہزار درہم دیا اور دوسرے سال جب وہ واپس آیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ اس ہزار کا کیا کیا؟ زیاد نے جواب دیا کہ اس سے اپنے باپ عبید کو خرید کر آزاد کر دیا،

تب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ زیاد کا باپ ہے عبید، لیکن وہ ایسا گنہگار ہے جس کو لوگ جانتے نہ تھے اور اسی لئے اس کے نام کے ساتھ اس کی ماں کا اہفاقہ کر دیتے تھے، یعنی زیاد بن سمیہ اور بعض اوقات نہ باپ کا اہفاقہ کرتے اور نہ ماں کا صرف زیاد الامیر کہتے تھے، لیکن اس کے شیعہ اور خوارج دشمن، امیر معاویہ کی ماتحتی کے بعد زیاد بن ابیہ کہا کرتے تھے یعنی اپنے باپ کا بیٹا زیاد،

بصرہ میں زیاد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے تک ان کے حاکموں کی محوری کرتا رہا پھر جب جبل کا معرکہ پیش آیا اور حضرت علیؓ نے فتح پائی تو انھوں نے زیاد کے متعلق دریافت کیا، بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے، تو اس کی بیمار پرسی کے لئے گئے اور باتوں سے یہ اندازہ کر کے کہ وہ آپ کا مخلص ہے آپ نے چاہا کہ اس کو بصرہ کا حاکم بنا دیں، لیکن زیاد نے مشورہ دیا کہ اس شہر پر آپ ہل بیت کا کوئی آدمی مقرر کیجئے جس سے لوگ مرعوب ہوں اور مطمئن بھی، اور ابن عباسؓ کا نام لیا چنانچہ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا اور ابن زیاد سابق حاکموں کی طرح ابن عباسؓ کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرتا رہا، پھر جب ابن عباسؓ بصرہ سے روانہ ہو گئے جس کا قصہ ہم ابھی آپ سے کہ چکے ہیں

تو زیاد ان کی جگہ بصرہ کا حاکم مقرر ہوا اور اپنے حسن تدبیر اور ثابت قدمی سے امیر معاویہ کی چالوں کے باوجود اس شہر کو حضرت علیؓ کی حکومت سے نکلنے نہیں دیا،

پھر حضرت علیؓ کے قتل کے بعد جب یہ نظر آنے لگا کہ حکومت کا رخ معاویہ کی طرف سے زیاد اور فارس چلا گیا جس کو اس نے بڑی ترقی دی تھی اور جہاں کے لوگ اس سے محبت کرتے تھے فارس پہنچ کر وہ وہاں کے ایک قلعہ میں جا بیٹھا جو بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہو گیا، اور انتظار کرتا رہتا تھا کہ معاملات امیر معاویہ کے حق میں ٹھیک ہو گئے اور لوگوں نے اس کی بیعت کر لی، زیاد قلعہ میں تنہا بحالت انتظار نہیں چاہتا تھا، کہ امیر معاویہ سے پروا نہ امان حاصل کئے بغیر عوام کی طرح اس کی بیعت کر لے یا اس کے سامنے سر جھکا دے، ادھر اس قلعہ میں زیاد کا قیام خود امیر معاویہ کے لئے بڑی کدورت کا باعث تھا، وہ جانتے تھے کہ یہ بڑا گہرا گھلاسی ہے ان کو اس کا بھی پتہ تھا کہ زیاد کے پاس بہت کافی دولت ہے اور فارس کے لوگ اس کے حامی اور طرفدار بھی ہیں ان کو اندیشہ تھا کہ زیاد کہیں کسی اہل بیت کی بیعت کر کے ان کے خلاف ٹوٹ نہ پڑے کہیں وہ قوم کو ان سے برگشتہ نہ کر دے اور نتیجہ یہ نکلے کہ ان کو گوشہ عاقبت سے میدان جنگ میں آنا پڑے پھر نوبت خونریزی تک پہنچے،

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں زیاد نے معیرہ بن شعبہ پر ایک احسان کیا تھا، یعنی ان کے بارے میں تردد آمیز گواہی دے کر ان کو سزا پانے سے بچا لیا تھا پس معیرہ درمیان میں پڑے اور زیاد اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کرادی زیاد کو معاویہؓ کی طرف سے مطمئن کیا اور معاویہؓ کو زیاد سے خراج کی کچھ رقم دلا کر سمجھا دیا کہ اس پر قناعت کریں اس کے بعد امیر معاویہؓ نے زیاد کو اجازت دے دی کہ اسلامی شہروں میں سے جہاں چاہے سکونت اختیار کرے چاہے تو عراق میں رہے اور چاہے نوشام چلا آئے اور کسی وجہ سے بھی کہئے زیاد کو یا امیر معاویہؓ کو یا معیرہؓ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زیاد کا نسب بنی اُمیہ سے ملا دیا جائے غاص طور پر ابوسفیان سے اور وہ اس طرح کہ طائف کے بعض سفروں میں ابوسفیان کا سہمیہ سے تعلق ہو گیا تھا،

کہا جاتا ہے کہ زیاد کی تدبیروں سے امیر معاویہؓ کے کانوں تک یہ بات پہنچائی گئی کہ عراق کے لوگ زیاد کو ابوسفیان سے منسوب کرتے ہیں، امیر معاویہؓ نے یہ موقع غنیمت جانا اور زیاد کو اپنے پاس بلا کر پھر لوگوں کو جمع کیا اور گواہوں نے شہادت دی کہ ابوسفیان کے تعلقات سہمیہ سے تھے، امیر معاویہؓ نے

اسی پر اکتفا کیا اور زیادہ کو اپنا بھائی بنالیا

بالکل کھلی بات ہے کہ اس رشتے کے قیام میں کس قدر تصنع اور عیاری سے کام لیا گیا ہے، جب امیر معاویہؓ نے اس کا اعلان کیا تو نیک مسلمانوں نے اس کو بہت برا خیال کیا زیادہ کی توبہ دلی تمنائی لیکن بنی ثقیف کے غلام اس پر بڑے ناراض ہوئے،

بلاذری کا بیان ہے کہ صفیہ کے بھائی سعد بن عبیدہ کو امیر معاویہؓ نے کچھ دے دلا کر اس نسبت پر راضی کر لیا تھا، لیکن یونس بن سعد نے یہ منظور نہیں کیا اور چاہا کہ امیر معاویہؓ سے مل کر اس رشتے پر بحث اور حجت کرے لیکن اس کو ملاقات کا موقع نہیں مل سکا پھر جب جمعہ کے دن نماز میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو اس نے امیر معاویہ کو خطبہ میں ٹوکا اور کہا،

معاویہؓ! خدا سے ڈرو، اس لئے کہ اللہ کے رسول رصلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کیا ہے کہ لوہا کا صاحب فراش کا ہے اور زانی کو سنگسار کیا جائے اور تم نے تو زانی کو لوہا کا دلادیا اور صاحب فراش کو سنگسار کر دیا، زیاد میری چچی کا غلام اور اس کے غلام کا لڑکا ہے، پس ہماری میراث ہم کو دیدو، اس پر امیر معاویہ نے جواب دیا۔ یونس! اب زبان بند کر لو ورنہ قسم خدا کی اس طرح اڑادوں گا، کہ ٹھکانا لگنا دشوار ہوگا، یونس نے کہا تو کیہ اس کے بعد ہم اور تم اللہ کے پاس اکٹھا نہ ہونگا شاعر نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

وقائلہ اماہلکت وقائل فضی ماعلیہ یونس بن عبیدہ

بہتوں نے کہا تو ہلاک ہوا اور بہتوں نے کہا کہ یونس ابن عبیدہ نے اپنا فرض پورا کر دیا

فضی ماعلیہ شعور مع ماجدا وکل فتی سمح الخلیقہ مودی

اپنا فرض ادا کر کے ایک صاحب مجد نے مجھ کو رخصت کیا اور ہر طریق نوجوان جانے ہی والا ہے

یزید بن مقررغ امیر معاویہؓ کی برائی کرتے ہوئے کہتا ہے،

الابغ معاویہ بن حوب ایک یعنی آدمی کا پیغام معاویہ بن حوب کو پہنچا دو

مخلفۃ عن الرجل الیمان کہ کیا تم اس بات پر غصہ ہوتے ہو کہ تمہارے باپ

التخضبان یقال البرک عفت کو پا کباز کہا جائے اور اس بات سے خوش ہوتے

وترونی ان یقال ابوک مزانی ہو کہ اس کو زانی کہا جائے،

معاویہؓ زیاد کا بے حد خیال رکھتے تھے اس کی پروا نہ تھی کہ زیاد کو کوئی ناگوار بات کہہ دے ایک دن ان کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عامر نے اس کو کچھ کہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میرا توجی چاہتا ہے کہ میں قریش کے پچاس آدمیوں کو جمع کر دوں جو سب کے سب گواہی دیں گے کہ ابوسفیان کا سیمہ سے کوئی تعلق نہ تھا، یہ سن کر امیر معاویہؓ کو بہت غصہ آیا اور اپنے دربان سے کہہ دیا کہ عبداللہ بن عامر جب آئے تو اس کی سواری کو ٹھکی سے باہر کر دینا، اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ اس کو محل میں آنے سے روک دینا، دربان نے حکم کی تعمیل کی، عبداللہ اس زیادتی پر بڑا جربز ہوا اور بزدلی سے اس کی شکایت کی پھر یزید بیچ میں پڑا لیکن امیر معاویہؓ نے اس سے اسی وقت راضی ہوئے جب اس نے زیاد سے معذرت کر کے اس کو راضی کر لیا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہؓ کی نظر میں عبداللہ بن عامر کا کیا درجہ تھا،

امیر معاویہؓ سے کہیں زیادہ خود زیاد اس نئے نسب کا خواہشمند تھا مورخوں کا بیان ہے کہ ایک شخص عبدالرحمن بن ابوبکر اس کے پاس آیا اور درخواست کی کہ مجھے زیاد سے ایک جزوت ہے آپ سفارش لکھ دیجئے، عبدالرحمن نے تحریر لکھی لیکن زیاد کو ابوسفیان سے منسوب نہیں کیا تو اس شخص نے تحریر لے جانے سے انکار کر دیا اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور انھوں نے لکھا ام المومنین عائشہؓ کی طرف سے زیاد بن ابی سفیان کے نام — جب زیاد نے یہ رقعہ دیکھا تو اس سے کہا کہ کل آنا، دوسرے دن جب وہ آیا تو زیاد نے لوگوں کے سامنے اس رقعہ کو پڑھنے کا حکم دیا، اس سے زیاد کا یہ مقصد یہی تھا کہ بصرہ کے لوگ یہ جان لیں کہ ام المومنین نے اس کے لئے

نصب کا اعتراف کر لیا،

ابوبکرؓ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، مال کی طرف سے زیاد کے بھائی تھے، حارث بن کلدہ سے پیدا ہوئے تھے لیکن حارث نے نفی کر دی تھی اس لئے وہ غلام ہی رہ گئے، طائف کے معر کے میں غلاموں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے اور غلاموں کے ساتھ ان کو بھی آزاد کر دیا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ ہیں چنانچہ وہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں،

ابوبکرؓ زیاد سے اسی دنت سے متنفر تھے جب اس نے حضرت عمر کے سامنے شہادت دینے

میں تردید سے کام لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ معجزہ تو سزا سے بچ گئے خود ابو بکرؓ تہمت تراشی کی سزا کی زد میں آگئے، جب ان کو معلوم ہوا کہ زیاد کی فرزندگی کے لئے اس نسبت کی کوشش ہو رہی ہے اور معاویہؓ اور زیاد دونوں اس دوڑ دھوپ میں ہیں تو انھوں نے زیاد کو اس سے منع کیا اور کہا کہ یہ گناہ ہے لیکن زیاد نے ایک نہ سنی پھر جب یہ کام ہو گیا تو ابو بکرؓ نے قسم کھالی کہ کبھی زیاد سے بات نہیں کریں گے چنانچہ مر گئے اور بات نہیں کی

راویوں کے خیال کے مطابق ابو بکرؓ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سُمیہ زانیہ نہ تھی اور نہ اس نے کبھی ابوسفیان کا منہ دیکھا، بلاذری کی روایت ہے کہ ابو بکرؓ کو جب معلوم ہوا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا بننے کے بعد حج کرنے کی خواہش رکھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کو امیر الحج بنا دیا جائے چنانچہ اس نے امیر معاویہؓ سے اجازت چاہی، امیر معاویہؓ نے اجازت دے دی، تب ابو بکرؓ زیاد کے پاس آئے اس وقت زیاد کے بعض لڑکے موجود تھے، ابو بکرؓ نے ایک لڑکے کو مخاطب کر کے زیاد کو ستانے کے لئے کہا، تمہارا یہ احمق باپ اسلام میں نافرمانی کی تین باتیں کر چکا ہے، ایک بات معجزہ کی گواہی میں حق کا چھپانا، اور خدا جانتا ہے کہ اس نے ہماری طرح واقعے کا مشاہدہ کیا تھا دوسری بات غلاموں سے اپنے کو الگ کرنا اور ابوسفیان سے غلط رشتہ جوڑنا، اور خدا گواہ ہے کہ ابوسفیان نے سُمیہ کو کبھی نہیں دیکھا، تیسری بات یہ ہے کہ وہ حج کا ارادہ رکھتا ہے، اور ام المومنین ام حبیبہؓ وہاں ہیں، اب اگر انھوں نے اس کو اس طرح اجازت دیدی جس طرح ایک بہن بھائی کو دیتی ہے تو یہ ام المومنین کے لئے کتنی بڑی مصیبت اور ان کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی کیسی بڑی خیانت ہوگی اور اگر انھوں نے پردہ کیا تو یہ زیاد کے خلاف کیسی زبردست دلیل ہوگی زیاد نے سکر کہا آپ نے کسی حالت میں اپنے بھائی کی خیر خواہی میں دریغ نہیں کیا، اور اس سال حج کا ارادہ منوی کر دیا، اور معاویہؓ سے معذرت کر کے حج کا انتظار کرتا رہا، اور حجاز اسی وقت آیا جب ام حبیبہؓ اللہ کی رحمت کو پہنچ گئیں،

زیاد کی نسبت فرزندگی

اس نئے رشتے کی راہ میں امیر معاویہؓ اور زیاد دونوں کو بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں امیر معاویہؓ کو اس کے تسلیم کرنے میں اپنی قوم بنی امیہ کے ساتھ خصوصاً اور قریش کے ساتھ عموماً بڑی سختی کا برتاؤ کرنا پڑا میراجیل ہے کہ لوگوں نے امیر معاویہؓ کی گرفت سے ڈر کر یا پھر ان سے مالی منفعت کی لالچ میں اس کو منظور کر لیا، بہت سوں نے تو بظاہر قبول کیا لیکن دل سے انکاری رہے اور بہتوں نے غیر جانبداری برتی اس طرح کہ زیاد کو ابوسفیان کی طرف منسوب نہیں کیا صرف اس کا نام لکھ دیا یا پھر اس کی سمیٹہ کی طرف منسوب کر دیا،

جس دن دمشق کے مجمع عام میں اس نسبت کا اعلان کیا گیا، زیاد بھی حد درجہ حیران و پوچھنے والا رہا، امیر معاویہؓ نے اس کو میریجہ اپنے بازو میں بٹھایا، اس کے بعد گواہوں کو بلایا جنہوں نے شہادت دی کہ سمیٹہ کا ابوسفیان سے ناجائز تعلق تھا، اس طرح زیاد نے اپنی ماں کے بارے میں وہ کچھ سنا جو ایک شریف آدمی کسی طرح سنا گوارا نہیں کر سکتا، اس وقت وہ آپے سے باہر ہو گیا اور گواہوں سے کہنے لگا دوسروں کی ماں کو گالیاں دو گے تو تمہاری ماں کو بھی گالیاں دیجائیگی، ایک گواہ سے اس نے کہا تم کو گواہی دینے کے لئے بلایا گیا ہے گالی دینے کے لئے نہیں، لیکن ان باتوں کے باوجود زیاد اس رشتے سے پوری طرح خوش تھا بلکہ اس کے لئے اس نے کوشش کی تھی، اس نے بصرہ میں خطیبہ دیتے ہوئے کہا، اس خدا کی حمد جس نے گرائے ہوئے کو اونچا کیا، گویا اس نے اشراف قریش میں سے ایک کے ساتھ اپنی نسبت کو ایک رومی غلام کی نسبت سے بہت اہم اور ارفع تصور کیا اور پھر یہ قریشی بھی کون؟ ابوسفیان، جس کے بیٹے کے ہاتھ میں اس وقت مسلمانوں کی حکومت کی لگام ہے زیاد کی سیرت میں یہ پہلی نمایاں تبدیلی تھی اور یہ اس کا پہلا اعلان تھا جس سے مسلمان ابندگے اسلام سے آج تک مانوس نہ تھے، اس لئے کہ اسلام کی بنیاد جیسا کہ نم جانے ہو آقا اور غلام کی مسابقت پر ہے اور اس بات پر کہ لوگوں میں امتیاز اور فرق صرف تقویٰ کا ہے،

زیاد کی بات حیرت انگیز ہے اس نے اپنے خطبے میں جس کا نام تبرا ہے یعنی ناقص اس لئے کہ اس نے اس کا آغاز حمد و ثنا سے نہیں کیا تھا اور جس کو تم عنقریب پڑھو گے کہا ہے، میں جاہلیت کی تباہی برداشت نہیں کر سکتا، ایسا جو مدعی میرے پاس لایا جائے گا میں اس کی زبان کاٹ لوں گا حالانکہ وہ خود اس قسم کا پہلا مدعی ہے بلکہ وہ اور امیر معاویہؓ شاید ایسے پہلے دو شخص ہیں جنہوں نے اسلامی شرع سے انحراف کیا، قرآن و سنت کے احکام سے روگردانی کی اور عہد جاہلیت کے طوطی قلعے جدید مسلمانوں کے نام سے اختیار کر لئے،

یہ رشتہ جس کو معاویہؓ کے اقتدار نے مسلمانوں سے تسلیم کرایا، ہمارے لئے گہرے غور و فکر کا مسئلہ ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات جس پر ہماری نظر جانی ہے وہ یہ کہ مورخوں اور محدثوں نے زیاد کی جو سیرت بتائی ہے اس میں کچھ نقص اور چھپدگی ہے، زیاد حارث ابن کلدہ کا غلام پیدا ہوتا ہے جو اس کی ماں سمیہ کا آقا ہے یا یوں کہئے کہ زیاد کا باپ حارث کی بیوی صفیہ کا غلام تھا، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، مگر تاریخ میں تو ہم زیاد کو کہیں غلام نہیں پڑھتے پھر یہ کب آزاد ہوا اور کس نے اس کو آزاد کیا اور یہ آزادی اس کو کہاں حاصل ہوئی؟ اس نے تو خود حضرت عمرؓ کو جب انہوں نے ہزار درہم دے کر دوسرے سال اس سے پوچھا کہ وہم کہاں خریدا گئے؟ جو آج دیا اس رقم سے میں نے اپنے باپ عبید کو خرید کر آزاد کر دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ عبید بہت بعد میں آزاد ہوئے تو کیا زیاد اپنے باپ سے پہلے آزاد ہو چکا تھا، ان باتوں پر محدثین اور مورخین نے توجہ نہیں کی اور یہ باتیں زیاد کی سیرت پر ہلکا سا پردہ ضرور ڈال دیتی ہیں،

پھر زیاد کی سیرت میں واقعی اور سخت مشکل اس کے متنی ہونے کی ہے ہم جانتا چاہتے ہیں کہ اس رشتے کی بنیاد دین یا دنیا کے کس اصول پر رکھی گئی ہے؟ دین کے متعلق ہم کو معلوم ہے کہ فقہانے ثقیفی کے لئے متعدد شرطیں مقرر کی ہیں پہلی شرط تو یہ ہے کہ باپ بننے والے سے اس کی ولادت ہو سکے، یعنی باپ اور بیٹے میں عمر کی مناسبت ہو، اس میں تو کچھ شک نہیں کہ زیاد ابوسفیان سے چھوٹا تھا اور اس کا بیٹا ہو سکتا ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ اس بیٹا بننے والے کا کوئی مشہور باپ نہ ہو، اس لئے کہ آدمی کا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نام سے پکارا جانا برا ہے حدیث نبویؐ ہے کہ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسبت کا دعویٰ کیا اس پر جنت حرام ہے

اور زیادہ کا تو باپ تھا اور لوگوں کو معلوم بھی تھا، یعنی وہی عبید رومی، پھر خود زیاد نے اسی مجلس میں اس کا اعتراف کیا ہے جو اس رشتے کے اعلان کے لئے بلائی گئی تھی اچھا پنجہ زیاد نے مجلس کو خطا کرتے ہوئے کہا تھا، — لوگو! تم نے امیر المومنین کی بات سن لی اور گواہوں کے بیانات بھی سن لئے میں اس میں حق و باطل کی تمیز نہیں کر سکتا، یہ لوگ مجھ سے زیادہ باخبر ہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ عبید بلا شبہ باپ اور قابل شکر یہ مالک تھا،

پھر ابوبکرؓ کی گفتگو سے جو مال کی طرف سے زیاد کا بھائی ہے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک یہ کہ زیاد نے ابوسفیان سے رشتہ جوڑ کر عبید کی نفی کر دی دوسری یہ کہ ابوبکرؓ قسم کھا کر کہتا ہے کہ ابوسفیان نے سب سے کو کبھی نہیں دیکھا،

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوسفیان سے نسبت کر کے زیاد نے اپنے معلوم باپ کا انکار کر دیا اور یہ کہ امیر معاویہؓ نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا، حالانکہ زیاد کو نہ اس انکار کا حق تھا نہ امیر معاویہؓ کو اس جبر کا،

اور ہاں تپنی کے صحیح ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ بیٹا بننے والا اس کو قبول بھی کرے اور زیاد کا یہ حال ہے کہ گو اس نے رشتے کی کوشش کی بلکہ اس کے لئے امیر معاویہؓ کو آمادہ کیا، لیکن جب اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنی منظوری کا اعلان کر دے تو اس نے بڑے شرمیلے انداز میں تردید کی تھ کہا جیسا کہ اس کے الفاظ بتا رہے ہیں، پھر خود ابوسفیان کا ایسا کوئی قطعی اقرار نہیں جس میں زیاد کی فرزندگی کا اظہار ہو، جو کچھ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے گمان کیا ہے وہ یہ کہ ابوسفیان نے اشاروں میں یہ بات کہی ہے وہ حضرت عمرؓ کے خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکے لیکن ابوسفیان تو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی دور تک زندہ تھے کم از کم اندازہ لگانے والوں نے چھ سال بتایا ہے اور زیادہ سے زیادہ تخمینہ کرنے والوں نے دس سال کہا ہے،

پھر حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ سے بہت زیادہ نرم تھے اور بنی امیہ کے ساتھ ان کی نرمی قریش اور عام مسلمانوں سے زیادہ تھی اگر ابوسفیان سبائی کے ساتھ اس کا یقین رکھتے تھے کہ زیاد انہیں کا لڑکا ہے تو حضرت عثمانؓ کے دور میں وہ ضرور اس کا اقرار کر لیتے الا یہ کہ وہ خود اس

اقرار کو جائز تصور نہ کرتے ہوں اور حضرت عثمانؓ سے اس کی تصدیق کی توقع نہ رکھتے ہوں اس لئے کہ زیاد کے ایک پاپ تھے جن کو سب جانتے تھے یعنی وہی عبید رومی، شاید امیر معاویہؓ اس رشتے کے لئے زیاد کے پاپ کے مرنے کا اختیار کرتے رہے لیکن عبید کی موت کے بعد بھی انہوں نے یہ رشتہ نہیں چوڑا جب زیاد حضرت عثمانؓ کا مقرب تھا اور ایک شان کا مالک بلکہ حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی یہ اقدام نہیں کیا جب زیاد بصرہ میں عبد اللہ ابن عباسؓ کا نائب تھا، پھر اس وقت بھی جب وہ عبد اللہ ابن عباسؓ کی جگہ بصرہ کا گورنر ہو گیا، امیر معاویہؓ نے اس کی جرات نہیں کی، حد یہ کہ حضرت حسنؓ کے دور خلافت میں بھی امیر معاویہؓ نے یہ نہیں کہا اور صلح کے لئے اس کا سہارا نہیں لیا ہاں اس رشتے کا خیال ان کو آپا تو اس وقت آیا جب ایک طرف حضرت حسنؓ کی بیعت کے بعد اقتدار پر قبضہ ہو گیا اور دوسری طرف زیاد فارس میں اپنی جگہ محفوظ ہو گیا،

بہت ممکن ہے کہ امیر معاویہؓ اور زیاد کے درمیان شرائط صلح میں سے ایک شرط اس رشتے کا اظہار بھی ہو، ایسی حالت میں اس کی حیثیت ایک سیاسی اتفاق کی ہوگی جس کی بنیاد دین یا دین کے کسی اصول پر نہیں ہوتی بلکہ اس سے دنیا اور سیاسی مصلحت کا حصول پیش نظر ہوتا ہے۔ امیر معاویہؓ کی سیاسی مصلحت شاید بے نقاب ہے اس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں، زیاد عراق والوں کو خوب جانتا تھا ان پر حکمرانی کرنے کی اور ان کو بہ چیر یا برضا بہر حال آمادہ اطاعت بنا رکھنے کی مقدرت رکھتا تھا، امیر معاویہؓ اس کی تیزی اور چالاکی سے واقف تھے اور لوگ بھی اس کو خوب جانتے تھے پس امیر معاویہؓ نے اس کو اپنی حکومت کے شرقی علاقوں کے لئے تیار کیا تاکہ وہ خود مغربی علاقوں کے لئے فرصت پاسکیں، اس سیاسی اتحاد کے لئے اس کی بھی ضرورت تھی کہ امیر معاویہؓ کے دوسرے بھائی اور ابوسفیان کے بقیہ وارثین اس کی منظوری دیتے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے تمام لوگ دل سے باہر ناخوار ستہ اس کے تسلیم کرنے پر مجبور تھے، کسی دنیاوی مصلحت کے لئے اس قسم کے رشتے کا رواج عہد جاہلیت میں بھی تھا جس کو قرآن مجید نے سورہ احزاب کی حسب ذیل آیتوں سے حرام ٹھہرایا ہے،

ما جعل اللہ لوجہ من قلبین اور نہیں رکھا اللہ نے کسی مرد کے لئے دو دل

فان جوفه دما جعل ازواجکم اللاتی
تظاہرون منہن امہاتکم دما
جعل ادعیاتکم ابناءکم ذالکم قولکم
بافواہکم واللہ یقول الحق ویہدی
السبیل ادعوہم لا بالظہر ہو
اقتط عند اللہ فان لم تعلموا
اباءہم فاخوانکم فی الدین
وموالیکم ولیس علیکم جناح
فیما اخطاتہم بہ ولکن ما تعدت
قلوبکم دکان اللہ غفوراً رحیماً

اور نہیں کیا تمہاری بیویوں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے
ہو، سچی ماںیں تمہاری، اور نہیں کیا تمہارا لگو
کو تمہارے بیٹے پر تمہاری اپنے منہ کی بات ہے
اور اللہ ٹھیک بات کہتا ہے اور وہی راستہ
دکھاتا ہے ان کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے
پکارا کرو پھی پورا انصاف ہے اللہ کے ہاں پھر
اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی
ہیں دین میں اور رفیق ہیں، اور اگر تم سے
خطا سرزد ہو تو تم پر گناہ نہیں ہے، لیکن وہ جس کا
دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ انہیں دو لون آیتوں سے زید ابن حارثہ کی اہنیت رسول اللہ سے باطل
رہ لوگوں نے زید بن محمد سے زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا، آپ نے نبوت سے قبل ان کو بتنی کیا تھا جو ایک
شہور واقعہ ہے، اس رشتے سے آپ کسی دنیاوی مصلحت کے خواہاں نہ تھے، بلکہ محض مہربانی اور محبت
کے جذبے سے ایسا کیا تھا، اسلئے کہ عربوں میں یہ رسم رائج تھی، انہیں دو لون آیتوں نے سالم کی اہنیت
بی ابو حذیفہ سے باطل کر دی، لوگ سالم کا کوئی باپ نہیں جانتے تھے، خود سالم کو بھی اس کا پتہ نہ تھا اس
ٹے عوام نے ان کو سالم مولیٰ ابی حذیفہ کہنا شروع کر دیا، ابو بکرہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنا کوئی باپ نہیں،
بانتا، پس میں تمہارا دینی بھائی ہوں، کبھی کبھی وہ اپنے کو مولیٰ رسول اللہ کہا کرتے تھے اور کبھی مولیٰ اللہ
رسولہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو غزوہ طائف میں ثقیف کے غلاموں کے ساتھ،
زاو کیا تھا،

متنی کرنے کی رسم رومیوں میں بھی رائج تھی، اور بہت سے قیصرہ نے بہتوں کو بتنی بنا کر ان کو اپنا
بیچہ بنا لیا، اور کون جانے شاید امیر معاویہ نے رومیوں کی ادب باتوں کے ساتھ اس رواج کو بھی دیکھا ہو
یہ پیوند اپنے ساتھ تو نہیں اپنے باپ کے ساتھ دگا کر زیاد کو اپنا سا تھی بنا لیا ہو اور عراق اور اس سے
نصل علاقوں کی حکمرانی میں اس سے امداد حاصل کی ہو،

میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ رشتے کی اس کارروائی سے خدا راضی ہے یا ناراض ہے کہ یہ صرف اسی کے قبضہ قدرت کی بات ہے، اس قسم کی بحثوں سے میں ہمیشہ پرہیز کرتا ہوں، میں تو سیاست اور تاریخ کے حدود سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لوگ یہی جانتے ہیں کہ حسن کے باپ کو لوگ جانتے ہوں اس کو متنبی نہیں کیا جاسکتا، یہی حکم قرآن مجید کا ہے، حضور نے بھی مسلمانوں کے لئے اس میں شدید حرج بتایا ہے، عبداللہ ابن عمرؓ اور ابو بکرہ کی روایت سے تم کو معلوم ہو چکا کہ اپنے باپ کے سوا کسی اور کی نہبت کرنے والا جنت سے محروم ہے، پھر اس سلسلہ میں ایک پیچیدگی کا مزید اضافہ یہ ہے کہ امیر معاویہ نے اس کو یونہی گول رکھنا نہیں چاہا، بلکہ حروف پر نقطے لگا دیئے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زیاد ابو سفیان کی صلیبی اولاد میں ہے، چنانچہ گواہوں سے شہادت دلائی کہ ابو سفیان نے سُمیہ کو گناہ کے موقع پر دیکھا، اور بعض گواہوں نے تو یہ بھی اضافہ کیا کہ سُمیہ کو ابو سفیان سے ملنے کیلئے دروازہ گیا، جس پر اس نے کہا، عبید حب بکریاں چرا کر آجاؤ گے اور سو جاؤ گے تو میں آؤں گی، اس پر امیر معاویہ نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ زیاد کو ایک بڑی برائی سے آلودہ کر دیا، یونس ابن عبداللہ نے امیر معاویہ سے یہ کہنے کی جرأت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا بستر والے کا ہے اور زانی کیلئے پتھر ہے، اور تم نے زانی کو لڑکا دیا اور فرزند والے کو پتھر،

اس کے معنی یہ ہیں کہ امیر معاویہ نے ایک دینی حکم کی جس سے مسلمان آشنا تھے، سخت مخالفت کی اور اس مخالفت میں زیاد کو بھی شریک کر لیا، مسلمانوں نے ان کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ وہ کتاب اور سنت کے مطابق عمل کریں گے، متنبی کہے کی یہ کارروائی انہوں نے اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف کی پس کوئی تعجب کی بات نہیں اگر سبک اور متنبی مسلمانوں کی ایک جماعت اس خیال کی ہو جائے کہ ان کی بیعت اس کے لئے ضروری نہیں اور یہ کہ وہ رضامندی سے نہیں، بلکہ حیراناً اطاعت کریں اور منتظر رہیں، اور حرج موقع مل جائے ان کے خلاف نکل پڑیں،

﴿﴾

زیاد بصرہ کا گورنر

بصرہ کا گورنر ہو جانے کے بعد زیاد نے لوگوں کے ساتھ اپنی وہ پالیسی جس پر حضرت علیؓ کے ذمے میں کار بند تھا، سرے سے بدل دی اور ٹھیک اس کے مخالف سمت چلنا شروع کیا، اس نے اپنی سیاست کی بنیاد اب لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور خوفزدہ بنانے پر رکھی،

مجھے ذرا بھی شک نہیں کہ پالیسی میں اس تبدیلی کا سبب صرف یہ نہ تھا کہ وہ اور امیر معاویہؓ نے عراق کو منظم اور اپنا اولاد علاقہ دیکھنا چاہتے تھے، بلکہ اس میں ایک نفسیاتی پیچیدگی کو بھی دخل تھا، جس کا زیاد شکار تھا اور جس نے رشتے کی انتسابی کارروائی کے بعد اس کا توازن بگاڑ دیا، زیاد جانتا تھا، کہ مسلمان اس کے اس جدید نسب کو بری نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اسے اس کی بھی خبر تھی کہ عرب غلط باپ کی طرف منسوب شخص کا حسب قدر تمسخر کرتے ہیں اور کسی کا نہیں کرتے، یہ بات تھی جس نے اس کو ڈرا اور خوفزدہ بنانے والی پالیسی پر آمادہ کیا، اور اس نے چاہا کہ اپنی تشدد آمیز کارروائیوں سے لوگوں کی زبانیں بند کر دے اور کوئی اس کے طور طریقوں اور اس کے نسب کے خلاف نہ بولے، زیاد کی یہ خواہش طرح مسلمانوں کے معاملات میں امیر معاویہؓ کی روش کے خلاف بھی کوئی کچھ نہ بولے، زیاد کی یہ خواہش بری طرح پوزی ہوئی، اس نے اس کیلئے جو نیریزیاں کیں، لوگوں کے حقوق پامال کئے، ان کی بے عزتی کی اور ایسے ایسے احکام جاری کئے، جن پہلے نام و نشان تک نہیں ملتا، زیاد کا خیال تھا جیسا کہ آپ اس کے خطبے میں پڑھیں گے، کہ لوگوں نے نئی نئی باتیں پیدا کر دی ہیں تو اس نے بھی ہر جہم کیلئے نئی سزا ایجاد کی اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کیلئے جن سزاؤں کا اعلان کیا، اور خلفائے راشدین نے لوگوں کے معاملات کیلئے جو نظم پیش کیا ہے وہ بصرہ والوں کو ٹھیک راہ پر لائے اور چلانے کے لئے کافی نہ تھا،

ہمیں لوگوں کی بعض وہ حدیں معلوم ہیں جن کے لئے زیاد نے نئی نئی سزائیں بنوئیں کیں، اس نے لوگوں کو دیکھا کہ گھروں میں آگ لگا کر گھر اور گھر والوں کا خاتمہ کر دیتے ہیں، تو اس نے یہ تجویز کی کہ

جو کسی کو جلائے گا ہم اس کو جلا دیں گے، لیکن زیادہ شاید اس آگ لگانے میں شریک تھا، جو بصرہ میں جاریہ ابن نذامہ نے اس گھر میں لگائی جس میں عبداللہ بن عامر اور اس کے ساتھی پناہ لے گئے تھے، اسی طرح اس نے دیکھا کہ بعض لوگ بعضوں کو عزیق کر دیتے ہیں تو اس نے تجویز کی کہ، جو کسی قوم کو عزیق کرے گا، ہم اس کو بھی عزیق کر دیں گے، اس نے دیکھا کہ لوگ قبریں اکھاڑتے ہیں تو سزا مقرر کی کہ جو کوئی قبر اکھاڑے گا ہم اس کو اسی قبر میں زندہ دفن کر دیں گے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے معاملات کیلئے جو سزائیں مقرر کی ہیں، اس پر عمل اور عمل درآمد میں شدت ان تمام شرمناک زیادتیوں سے بے نیاز کر سکتی تھی، لیکن زیادتی ایسے ہنگامی قوانین جاری کئے جن کا اسلام میں نہ کہیں ثبوت ہے اور نہ مسلمان اس سے آشنا۔ اس نے اپنی جان پر اور لوگوں کی جانوں پر کیسی زیادتی کی کہ رات میں نکلنے پر موت کی سزا دیدی اور کسی کو کوئی عذر قبول نہیں کیا، چاہے عذر کی سچائی اس پر ظاہر ہو چکی ہو،

جی چاہے تو اس کا وہ خطبہ پڑھ لیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک حاکم پہلی بار ایسی سزاؤں کا اعلان کرتا ہے کہ جس سے اسلام کا کوئی واسطہ نہیں، بلکہ امیر معاویہ کے دوسرے گورنر بھی اس سے واقف نہیں، زیادہ کا منادی جب کوئی تحدید آمیز اعلان کرتا تو لوگ اس کو واقعہ خیال نہیں کرتے اس خیال سے کہ یہ تو بڑی بات ہے، شاید ڈرنے کیلئے ایسا اعلان کیا جا رہا ہے، حالانکہ زیاد نے اس خطبے میں لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ منبر کی غلطی (مقرر کی غلط بیانی) سفیدی پر سیاہ داغ ہے لوگوں میں پھیل جاتی ہے، اگر تم نے میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کیے مجھے بدنام کیا تو یاد رکھو میرے پاس اس کا جواب ہے، بہر حال لوگوں نے دیکھا کہ زیاد اعلان کے مطابق عمل کر رہا ہے، رات میں نکلنے والوں کو سچی مخدوم کی بعد بھی قتل کر دیتا ہے، پڑوسی کے ساتھ پڑوسی کو، دوست کے ساتھ دوست کو اور گنہگار کے ساتھ بیگناہ کی گرفت کرتا ہے، پھر قتل کرنے میں بڑی زیادتی سے کام لیتا ہے، حد ہو گئی کہ بعضوں نے بعضوں سے کہا، سید بن کر جان بچالو، سعید تو ہلاک ہو چکا،

سید ہجری میں مغیرہ کا انتقال ہوا تو زیاد کو مغیرہ کی جگہ کوفہ کا بھی والی بنا دیا گیا، اس نے کوفہ میں بھی بصرہ جیسی روش اختیار کی اور لوگوں کے دل خوف اور دہشت سے بھر دیئے، ہجرت کی بات سے یہ جملہ ایک ضرب المثل ہے جو مسلسل مصیبت کیلئے کہا جاتا ہے بنیاد اس کی یہ ہے کہ سعد اور سعید دو بھائی اپنے گمشدہ اونٹ کی تلاش میں گھر سے نکلے سعد تو واپس آگیا، لیکن سعید واپس نہ آسکا،

یہ ہے کہ زیاد اس خوش فہمی میں تھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چل رہا ہے اس کی نرمی میں کمزوری اور اس کی شدت میں خبر نہیں ہے، حالانکہ بنی امیہ سے اپنا رشتہ توڑ لینے کے بعد عراق والوں نے اس سے بجز سنگینی اور شدت کے نرمی نہیں دیکھی اور اس نے حقوق اور خون کے بارے میں ایسی زیادتی کی جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں،

پھر زیاد اپنے اعمال کا اتنا ذمہ دار نہیں بنا بلکہ اس نے بنی امیہ کے دوسرے گورنروں کے لئے خصوصاً حجاج کے لئے عراق میں شرمناک اور بدترین مثالیں قائم کر دیں، اس کا وہ خطبہ جس کا میں بار بار نام لے رہا ہوں پڑھتے مورخوں نے اس کی مختلف روایتیں کی ہیں، اکثروں نے تو اس کے ادھر ادھر کے فقرے مختصراً نقل کر دیے ہیں، لیکن جاہل نے اس کو ایک ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے، جو تصحیح سے تو خالی نہیں لیکن زیاد کی سیرت کا تمام کمال آئینہ دار ہے، جاہل کا طریقہ اس خطبے کی روایت میں وہی ہے اور اس عہد کے بہت سے خطبات کی روایت میں تمام دوسرے عراقی راویوں کا ہے زیاد کہتا ہے،

اصابعنا ، تمہارے احمق اور عقلمند جن بڑے کاموں میں مصروف ہیں وہ شاید زمین جہالت ہے ، اندھی گمراہی ہے ، اور ایسی ہلاکت جو اپنے ساتھی کو آگ تک پہنچائے بغیر نہیں رہے گی ، اسی جہالت اور گمراہی میں چھوٹے ، بڑے ہو رہے ہیں ، اور بڑے اپنے آپ کو اس سے بچتے نہیں ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہی نہیں ، اور نہ یہ سنا کہ اس نے اپنی افاعت کر تیرا والوں کو تو اب عظیم اور نافرمانی کرنے والوں کو ہمیشہ کیلئے عذاب الیم منور کیا ہے ، کیا تم وہ ہو جس کی دونوں آنکھوں کو دینے بند کر دیا ہے ، جس کے کانوں میں نفسانی خواہشات نے ردی ٹھونس دی ہے ، جس نے باقی کو چھوڑ کر فانی کو پسند کیا ہے ، تمہیں احساس نہیں کہ تم اسلام میں ایسی نئی بات پیدا کر دی جو کوئی نہ کر سکا ، تم نے کمزور کو چھوڑ دیا ، اس پر زیادتی کی جا رہی ہے اس کا مال لوٹا جا رہا ہے ، یہ برائی کے اڑے کیا ہیں ، دن کی روشنی میں کمزور عورت لوٹی جا رہی ہے ، واقعات کی بہتات ہے ، کیا تم میں ایسے روکنے والے نہیں جو سرکشوں کو رات کی گشت اور دن کی غارتگری سے باز رکھ سکیں ، تم نے دین کو دور اور رشتہ داری کو نزدیک کر لیا ہے ، بلاد جو معذرت کرتے ہو ، اور اچکھینے والے سے چشم پوشی ، تم میں کا ہر آدمی انجام سے بے پرواہ کی طرح اپنے تا والوں کی حفاظت کرتا ہے ، تم سنجیدہ اور عقلمند نہیں ہو ، تم آوارہ اور احمق افراد کے پیچھے چل رہے ہو ، تمہاری حمایت کی بدولت انہوں نے اسلام کی بے حرمتی کی ، برائی کے اڑے قائم

کئے، جب تک میں ان لوگوں کو گرا، یا جلا کر زمین کے برابر نہ کر دوں گا۔ مجھ پر کھانا پینا حرام ہے مجھے یقین ہے کہ معاملے کا آغاز جن باتوں کی وجہ درست ہوا تھا، انجام بھی انہیں باتوں سے اصلاح پذیر ہو گا، یعنی ایسی نرمی جس میں کمزوری نہ ہو، اور ایسی سختی جس میں زیر دستی نہ ملی ہو، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ غلام کے ساتھ آفا کو، مسافر کے ساتھ مقیم کو، جانے والے کے ساتھ آنے والے کو، نماز مان کے ساتھ فرمانبردار کو اور بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا، اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ آدمی اپنے بھائی سے ملکہ کہے گا، سعد بن کرعبو سعید تو ہلاک ہو گیا، یا پھر تم سب کے سب سیدھے ہو جاؤ، منبر کی غلط بیانی شہرت پا جاتی ہے وہ سفیدی پر سیاہ دلغ ہے، اگر تم نے میرے خلاف کوئی حاشیہ چڑھایا اور میری نافرمانی کی تو یاد رکھو میرے پاس اس کے بہت سے جواب ہیں، جس کے گھر میں نقب لگائی گئی میں اس کے گٹے ہوئے مال کا حنا من ہوں، خبردار راتوں کو گشت نہ لگانا، اگر اس کی خلاف ورزی کرنے والا کوئی میرے پاس لایا گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا، اس کے لئے میں تم کو اطلاع پہنچانے تک کی مدت دیتا ہوں، خبردار جاہلیت کے عہد کی خاندانی انکسٹ مت کرنا، جس نے اس قسم کی کوئی بات منہ سے نکالی میں اس کی زبان کاٹ لوں گا، تم نے نئی نئی باتیں پیدا کیں ہیں، تو ہم نے بھی ہر گناہ کی نئی سزا مقرر کی ہے، پس اگر کوئی کسی کو ڈبے گا تو ہم اس کو عرق کر دیں گے، اگر کوئی کسی کو بتائے گا، ہم اس کو آگ میں جھونک دیں گے، جو کسی گھر میں نقب لگائے گا، ہم اس کے دل میں نقب لگائیں گے جو کوئی قبر اکھاڑے گا، ہم اس کو قبر میں زندہ گاڑ دیں گے، لہذا تم اپنے ماتھ اور اپنی زبانیں مجھ سے روک لو میں بھی اپنا ماتھ اور اپنی زبان تم سے روک لوں گا، جس نے بھی عوام میں شورش اور بے چینی کی کوئی بات پیدا کی میں اس کو قتل کر دوں گا، میرے اور متعدد قبیلوں کے درمیان بغض و عداوت کی بات تھی، لیکن میں نے ان سب پر لات مار دی ہے، پس تم میں سے جو بھلا ہو اس کو اپنی بھلائیوں میں اضافہ کرنا چاہیے اور جو بُرا ہے اس کو برائی سے باز آجانا چاہیے، اگر مجھے پتہ چلا کہ تم میں کا کوئی میری دشمنی کی وجہ سے سل کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے تو میں اس کا اظہار نہیں کروں گا اور نہ اس کی پردہ دری کروں گا۔ تاکہ وہ خود اپنی بدگذر کا اظہار کر دے ایسا کرنے پر میں اس کا مقابلہ نہیں کروں گا، پس تم اپنے معاملات کو از سر نو شروع کرو اور اپنی مدد آپ کر دو بہت سے مایوس بہاری آمد پر سرور اور بہت سے سرور مایوس ہوں گے اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور محافظ ہیں، خدا نے ہم کو جو اقتدار دیا ہے اس کی بدولت ہم تم پر حکمرانی

کہتے ہیں اور جس خراج کا خدائے ہمیں مقدار بنایا ہے اس کے بدلے میں ہم تمہاری حمایت اور حفاظت کر رہے ہیں
 ایسی حالت میں تمہارا فرض ہے کہ ہماری مرضی کے مطابق تمہاری اطاعت اور وفاداری کرو اور ہمارا فرض
 ہے کہ ہم حکومت کرنے میں تمہارے ساتھ انصاف کریں، لہذا ہماری خیر خواہی کر کے ہمارے انصاف اور
 عنایت کے مستحق بنو اور یاد رکھو مجھ سے اور چاہے جتنی کوتاہی ہو، مگر میں تین باتیں ضرور کروں گا، تمہارا
 کوئی بھی ضرور تمند چاہے وہ اسی رات میں آئے ہمیں سے ملاقات کروں گا، کسی کا وظیفہ اور روزی مقرر
 وقت سے ملنے نہ دوں گا، اور تم کو مقررہ مدت سے زیادہ لڑائی نہ رہنے نہ دوں گا، پس اللہ سے اپنے امانوں
 کے لئے خیریت کی دعا مانگوں گا، اس لئے کہ وہ تمہارے حاکم ہیں، تم کو تمیز سکھاتے ہیں اور تمہارے لئے
 پناہ کی جگہ ہیں، اگر وہ خیریت سے رہے تو تم بھی خیریت سے رہو گے، اپنے دلوں میں انکی طرف سے
 بغض رکھ کر غصے کی آگ تیز نہ ہونے دو، اس سے تمہارا غم بڑھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری نہ
 ہوں گی، اور اگر لوگوں نے ان کے خلاف تمہارا کہنا مان لیا تب تو نتیجہ تمہارے حق میں بہت ہی
 خراب ہو گا، میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہر طرح مدد کرے، جب تم دیکھ لو کہ میں تمہارے لئے کوئی
 حکم صادر کرتا ہوں تو اس کی تکمیل کی راہیں نکال لو، قسم خدا کی تم میں میرے بہت سے لشکار ہیں پس
 ہر شخص کو پھینا چاہیے کہیں وہ میرا نشانہ بن جائے ،

یہ دلکش خطبہ جو متاثرین نے مرتب کیا ہے اس میں جیسی بھی شاعری کی گئی ہے وہ باہم متضاد کیفیتوں
 کی تصویر پیش کرتا ہے، ایک تو وہ فن کے حمال کا منظر ہے الفاظ نہایت خوبصورت اور زیادہ کے مفاد
 کے ٹھیک ٹھیک ترجمان، ہن سے لوگ ایک طرف خوف و دہشت سے گھبرا اٹھیں اور دوسری طرف اپنے
 دلوں میں توفعات اور امیدوں کے جذبات محسوس کرنے لگیں، دوسری وہ قابل نفرت سیاست کا اعلان
 کرتا ہے، جس پر وہ آئندہ عمل کر نیوالا ہے جس کا نہ اسلام سے واسطہ ہے اور نہ مسلمان اس سے آشنا ہیں
 اور جس سے اگر کسی بات کا پتہ چلتا ہے تو اس کا کہ اس سیاست کا چلانے والا ایک ظالم اور حد سے بڑا
 سرکش ہے، جو دلوں کو مظالم سے مرعوب اور خوف زدہ بنا کر لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے اور اقتدار
 کیلئے عوام کی اطاعت زبردستی غصب کرنا چاہتا ہے ،

پھر گھر میں نقب لگاتا ہے، لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ پورے دل میں نقب لگائی
 جائے، کچھ لوگ مردوں کی قبریں اٹھاڑتے ہیں، لیکن اسلام ان کو زندہ درگور کر دینے کا حکم نہیں دیتا

اسلام شیعہ کی بنا پر سزائیں نہیں دیتا، بلکہ شیعہ سے سزا کا تدارک کرتا ہے، اسلام شک کی وجہ سے لوگوں کو قتل نہیں کرتا اور نہ اقتدار کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ دلوں کی سوچ اور مانگوں کی فکر پر سزا دیکر البتہ اسلام اقتدار کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہاتھوں نے جو کچھ کمایا ہے اس کی سزا دے اور دلوں کا حساب اس خدا کیلئے چھوڑ دے جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں سے واقف ہے جو لوگ ہوں کی خیانت جانتا ہے، اسلام کسی حاکم یا خلیفہ کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ لوگوں پر اسلئے حکومت کر رہا ہے کہ اللہ نے اس کو طاقت اور خرچ کا حقدار بنایا ہے، بلکہ اسلام تو اس سے یہ کہلانا چاہتا ہے کہ وہ اللہ کی اس طاقت کی بنا پر حاکم بنا ہوا ہے جو عوام نے اپنی رضامندی سے اس کو دی ہے اس میں زبردستی اور جبر کو کچھ دخل نہیں ہے، اسلام حاکم یا خلیفہ سے یہ کہلوانا چاہتا ہے کہ خرچ اور غنیمت کی رقم امت کی ملکیت ہے، اس کے امین خلفاء اور اس کے گورنر ہیں، جو اس کو حفاظت سے رکھیں اور حق مصرف میں خرچ کریں اسلام کسی خلیفہ اور حاکم کو یہ قسم کھانے کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمانوں میں اس کے بہت سے شکار ہیں اس لئے کہ جب تک لوگ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کریں جس سے ان کے شکار ہونے کی نوبت آئے اسلام اس قسم کی باتوں کا بالکل روادار نہیں،

سننے والوں پر اس خطبے کے جو مختلف اثرات پڑے ذرا اس کا اندازہ کیجئے عبد اللہ ابن ابیہم نے زیاد سے کہا امیر! مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اللہ نے آپ کو حسن بیان کی نعمت سے نوازا ہے، سنا اپنے ان حضرت پر خطبے کی دلکشی اور بلاغت کا جادو چل گیا، اور یہ دیکھنے کی فرصت ہی نہ پاسکے کہ الفاظ کے جام میں انڈیلا کیا ہے، اور لوگوں کے لئے کیسی الوکھی سیاست پیش کی ہے یا کہنا چاہیے کہ عبد اللہ نے زیاد کی خوشامد کرنی چاہی، اور پسند و ناپسند سب پر رضامندی کا اظہار کر دیا، یا پھر دونوں باتیں ایک ساتھ جمع کر دیں، زیاد نے اس داد و تحسین کا بہت تلخ جواب دیا، اس نے کہا، تم جھوٹے ہو حسن بیان تو اللہ کے نبی داؤد کو عطا ہوا تھا،

حنف بن قیس نے ان غیر جانبداروں کا پارٹ ادا کیا، جو اپنی طرف سے کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے، تو حاکم کی ناگواری کا باعث بنے نہ حاکم کی بات دہراتے ہیں نہ بے تکلفی میں فضول باتیں کرتے ہیں، چنانچہ خطبہ کے بعد حنف نے زیاد سے کہا، تعریف آزمائش کے بعد اور شکر یہ نوازش کے بعد، ہماری تعریف ہی وقت ہوگی جب ہم آزمائش سے

Marfat.com

یہ ایک صلح جو یا نہ بات تھی جس کو سن کر زیاد نے کہا سچ کہتے ہو ،
 ابو بلال مرداس ابن ادویہ ایک دیندار بزرگ تھے ، سختی کے ساتھ دین پر قائم رہنا چاہتے تھے اور اللہ
 کی راہ میں جہاد کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے ، اس راہ میں مرجانے سے کبھی پس و پیش نہیں کیا ، چنانچہ بعد میں
 دین کی راہ میں جان دیدی ، وہ بصرہ میں خوارزم کے لیڈر تھے ، انہوں نے خطبہ سنکر زیاد سے کہا ،
 ہمیں تو اللہ نے اس کے خلاف حکم دیا ہے اس کا ارشاد ہے *وَابِراھمید الذی وحی ان لا تنزروا رزقہ*
 و زرکھا لخری وان لیس للاحسان الاماسی اور آپ تو گویا اس دنیا کے ہیں کہ تندرست کو بیمار کے ساتھ فرما ہر دار
 کو گنہگار کے ساتھ آگے بڑھنے والے کو پیچھے بھلگئے والے کے ساتھ گرفت کریں گے ، زیاد نے کہا تمہارے
 اور تمہارے ساتھیوں کے بارے میں ہمارا مقصد اسی وقت پورا ہو گا جب ہم باطل پر عمل پیرا ہوں گے ،
 لیکن ابو بلال اور ان کے ساتھیوں پر اسی طرح حضرت علیؓ کے حامیوں اور دوسرے راستباز مسلمانوں
 پر زیاد کا کچھ بس نہ چل سکا ، ہاں وہ باطل پر عمل کرتے ہوئے ، ناحق طریقے پر خون کی ندیاں بہاتا رہا ،

حجر ابن عدی کا قتل

بصرہ میں زیاد نے جو سفاحیاں دکھائیں اور اس کے نائب سمیرہ بن جندب نے بصرہ کا امیر ہو جانے
 کے بعد جو خونریزیریاں کیں ، میں اس کی تفصیلات کی ضرورت نہیں سمجھتا اس لئے کہ یہ ادب اور تاریخ
 کی کتابوں میں مذکور ہیں ، ان کے تذکرے کی تفصیل غیر مفید ہے ، لیکن ایک حادثے پر میں مختصر اس وقت
 ضرور لوں گا ، جس میں زیاد نے اسلام اور مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا رکھا ، اس حادثے میں امیر
 معاویہ کا بھی ہاتھ ہے ، اور اس کا اثر اس وقت کے لوگوں پر بہت برا پڑا ، اس زمانے میں جو بھی راستباز
 اور پرہیزگار لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو اس سے سخت صدمہ پہنچا یہ حجر ابن عدی اور ان کے کوئی رفقاء کا حادثہ ہے
 محدثین اور مورخین نے اپنی کتابوں میں اس دردناک اجلا کی پوری تفصیل لکھی ہے ، جس میں سے کچھ تو
 شائع ہو چکی ہے ، اور کچھ اب تک شائع نہ ہو سکی ہیں اس کے اہم حصے کو بہت اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں
 کہ یہ تفصیل سے زیادہ وسیع ہے ،

حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت سے لیکر امیر معاویہ کے استیقام حکومت تک اس فتنہ کبریٰ میں لوگ

بکثرت مارے گئے، پھر امیر معاویہ کے والی ہو جانے کے بعد اس قتلے کے نتیجے میں، نیز مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے سلسلے میں بہتوں کی جانیں گئیں، لیکن حجر کا درونناک سانحہ حکومت کی تصویر کا ایک نیارخ پیش کر رہا ہے، جبکہ خلافت بادشاہی بن گئی، امراء اور عمال نے اپنی سیاست بدل دی، دین کے ساتھ خلوص اور مسلمانوں کی بقا سے کہیں زیادہ مقدم اور اہم کام ان کے لئے حکومت اور اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرنا اور نظام کو قائم رکھنا قرار پایا،

ہم نے دیکھا ہے کہ خلفائے راشدین شبہے کی بنا پر سزا دینے سے رکتے تھے اور اپنے حاکموں کو سخت تاکید کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو مالی اور جسمانی نقصان بھی نہ پہنچائیں، خونریزی اور قتل کی بات تو الگ ہی ہم نے فاروق اعظم کو دیکھا، خدا کی ان پر رحمت ہو کہ وہ تردد آمیز گواہی پر خود زیاد کی جو صلہ افزائی کر رہے تھے، جب بعض لوگوں نے میخراہ ابن شعبہ پر الزام لگایا تھا محض اس خوف سے کہ رسول اللہ ﷺ کا صحبت یافتہ کہیں رسوا نہ ہو اسی طرح ہم نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ ہرمزان کے قتل کے معاملے میں عبید اللہ ابن عمر کو معاف کرنے کیلئے تکلفات سے کام لیا، جس پر بہت سے مسلمان اور بعض خاص صحابہ آپ سے ناراض ہوئے،

لیکن آج امیر معاویہ اور زیاد کے زمانے میں لوگ شبہے کی بنا پر ماخوذ اور گمان کی بنا پر قتل کر دیے جاتے ہیں، آج نظام کا درجہ گورنروں اور بادشاہوں کی نگاہ میں ان ایماندار انسانوں سے بڑا ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ناحق ان کا خون نہ بہایا جائے،

حجر ابن عدی حضرت علی کے حامیوں میں سے ایک شخص تھے جنکو حضرت علی کے ساتھ خلوص تھا، جمل صفین اور نہروان کے معرکوں میں شریک تھے، حضرت حسن کی صلح ان کو ناگوار تھی، انہوں نے حضرت حسن پر اس اقدام کے سلسلے میں اعتراض بھی کیا تھا، لیکن حُجراوروں کی طرح امیر معاویہ کی بیعت کر چکے تھے اور نواداری کے ساتھ اس بیعت پر قائم بھی تھے، پھر ان کے نزدیک ضروری نہ تھا کہ حضرت علی کی محبت چھوڑ دیں یا ان سے الگ ہو جائیں، بلکہ ان کے نزدیک تو یہ بھی ضروری نہ تھا کہ امیر معاویہ اور ان کے گورنر جو کچھ کریں وہ سب تسلیم کر لیں حجر ایک متقی مسلمان تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بھائی ثانی ابن عدی کو لیکر اپنی قوم کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تھے، اس کے بعد شام کی جنگ میں شریک رہے اور مصائب برداشت کئے، کہنا چاہیے کہ وہ اس مقدمۃ الجیش میں تھے، ہود مشق کے قریب مرنج غدر میں داخل ہوا تھا اس کے بعد عراق

کی طرف رخ کیا اور فارس کے معرکوں میں شریک رہے اور ہماوند کے معرکے میں بڑی ثابت قدمی دکھائی، اور فتح کے بعد کوفہ کے پڑاؤ میں قیام کیا وہ ایک آزاد منش اور دین کے سچے تھے، اچھی باتوں کی طرف بلاتے تھے، بری باتوں سے روکتے تھے، حاکم کی اچھی بات پسند کرتے تھے، بری بات پر بے ہم ہوتے تھے، حضرت حسن کی صلح کے بعد سے امیر معاویہ اور ان کے گورنر مغیرہ ابن شعبہ کے مخالف ہو گئے تھے، لیکن بیعت نہیں توڑی تھی وہ کوفہ کے عام مسلمانوں کی طرح تھے حکومت کے فرمانبردار اور وقت کے منتظر جیسا کہ حضرت حسن نے کہا تھا، نیکو کار کے آرام کرنے اور ناجبر کے مرنے تک آرام کرو، حجر بن امیہ کی اس بدعت کے سخت مخالف تھے کہ منبر سے حضرت علی اور ان کے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہا جائے، اور اپنی اس مخالفت کو چھپاتے نہ تھے بلکہ مغیرہ بن شعبہ کے منہ پر اس کا اظہار کرتے تھے، مغیرہ ان سے مد لگڑ کرتے اور حکومت کی گرفت کا خون دلاتے، کہنا چاہیے کہ حضرت حسن کی موت اور حضرت حسن کے ماتھے میں معاملے کا پہنچنا ان دونوں باتوں نے کوفہ والوں کی مخالفت میں پہلے سے زیادہ شدت پیدا کر دی، حجر حزب مخالف کے لیڈر تھے، ایک مغیرہ نے خطبہ دیا، اور عادت کے مطابق حضرت علی اور ان کے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا، حُر اپنی جگہ سے کود پڑے اور بڑی سخت کلامی سے پیش آئے اور مغیرہ سے کہا، اپنے لوگوں کا جو وظیفہ روک رکھا ہے، وہ دیدیکھے یہ آپ کے حق میں بزرگوں اور نیکوں کو بُرا بھلا کہنے سے زیادہ اچھا ہے، اس کے بعد حجر کے ساتھی بھی اپنی اپنی جگہوں سے کود پڑے اور چلا چلا کر حجر کی باتیں دہرا دیں، اب تو مغیرہ مجبور ہو گئے کہ خطبہ ادھورا اچھوڑ کر منبر سے اتر آئیں اور گھر میں چلے جائیں، اس کے بعد مغیرہ کو ان کے دوستوں کی ایک جماعت نے اس نرمی پر ملامت کی مغیرہ نے خیال کیا کہ انہوں نے اپنی سنجیدگی اور بدداری سے حجر کا کام تمام کر دیا، اسلئے کہ آئینوالے گورنر کے لئے بھی ان کی جرأت اسی طرح بڑھی ہوئی ہوگی اور وہ پہلی ہی بار میں انکو قتل کر دے گا، پھر مغیرہ کو یہ پسند نہ تھا کہ کوفہ کے بزرگوں کو قتل کر کے امیر معاویہ کی دنیا سدھاریں اور اپنی آخرت بگاڑیں،

زیادہ کوفہ کا گورنر بن کر آیا وہ حجر کا دوست تھا، چنانچہ اس کو اپنا مقرب بنایا اور نصیحت کی کہ عیبت پسند بنو اور فتنے سے دور رہو، اور میری زد میں آنے سے خبردار رہو، لیکن حجر اور زیادہ کی بنی نہیں اور بہت جلد تعلقات میں خرابی پیدا ہو گئی، اور بات اس طرح سلنے آئی کہ ایک مسلمان عرب نے ایک ذمی کو قتل کر دیا زیادہ ذمی کے خون کا قصاص مسلم عرب کے مناسب نہیں جانا اور خونہا ادا کرنے کا فیصلہ کر دیا، ذمی کے

رشتہ داروں نے خون بہا لینے سے انکار کر دیا، اور کہا ہمیں تو بتایا جاتا ہے کہ اسلام لوگوں میں مساوات کا قائل ہے، وہ عرب کی غیر عرب پر کوئی برتری تسلیم نہیں کرتا۔ حجر زیاد کے اس فیصلے سے ناراض ہوئے اور اس کے نفاذ پر خاموش رہنے سے انکار کر دیا، لوگوں نے بھی حجر کا ساتھ دیا، زیاد کو خطرہ ہوا کہ فیصلہ نافذ کرنے سے فتنہ ہو گا، تب اس نے قصاص کا حکم دیا اور امیر معاویہؓ کو حجر اور ان کے ساتھیوں کے طرز عمل کی شکایت لکھی امیر معاویہ نے جواب دیا کہ موقع کے منتظر ہو اور پہلی فرصت میں ان کا کام تمام کر دو،

مورخین کہتے ہیں کہ حجر اور ان کے تمام ساتھیوں نے زیاد کی بصرہ کو واپسی غنیمت جانا، اور اس کی غیر حاضری میں اس کے نائب عمرو بن سمیرہ کی کاروائیوں پر اپنی شدید ناراضگی کا مظاہرہ کرنے لگے، جب وہ خطبہ پڑھتا اور حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہتا تو شور و غوغا کرتے، نائب نے جب دیکھا کہ معاملہ نازک ہوتا جا رہا ہے، تو اس نے زیاد کو لکھا کہ وہ حسب قدر جلد ہو سکے کو فہ واپس آجائے، نائب نے اپنے خط میں مخالفین کی کاروائیوں کی تفصیل بھی لکھی تھی، زیاد نے جب خط پڑھا تو اس کی زبان سے نکلا حجر ذلیل ہوتی رہی ماں، تیری رات صبح کا ذب سے ہم آغوش ہو چکی،

اس کے بعد زیاد بڑی تیزی سے کو فہ واپس آیا، اور لوگوں کو دریا یاد ہمکایا، لیکن حجر اور ان کے ساتھیوں سے تعرض کرنے میں جلدی نہیں کی، ایک دن جب وہ خطبہ دینے لگا تو اس میں بڑی دیر لگائی جس سے شیعہ اکتا گئے، حجر نے چلا کر کہا الصلوٰۃ، لیکن زیاد خطبہ ہی دیتا رہا، حجر دوسری مرتبہ چلائے، اور ان کے ساتھی بھی چلا اٹھے، الصلوٰۃ الصلوٰۃ، پھر بھی زیاد چاہتا تھا کہ خطبہ اور لمبا کرے لیکن حجر کھڑے ہو گئے اور چلا کر کہا الصلوٰۃ اب تو ان کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے اور حجر کی طرح چلانے لگے تب زیاد خطبہ ادھورا چھوڑ کر منبر سے اتر اور نماز پڑھائی اور لوگ ادھر ادھر چلے گئے،

زیاد نے کو فہ کے سر پر آوردہ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حجر کے پاس جائیں اور ان کے پاس جمع ہوئے والے اپنے آدمیوں کو باز رکھیں اور خود حجر کو اس راستے سے ہٹائیں جس پر وہ چل رہے ہیں، لیکن کو فہ نے یہ بڑے لوگ حجر کو باز نہ رکھ سکے، اور زیاد سے اگر ان کے بازے میں کہا، اور کچھ بقول مورخین چھپا رکھا اور مشورہ دیا کہ معاملہ زیر غور رکھئے، لیکن زیاد نے ان کی بات نہیں مانی، اور حجر کو بلانے کیلئے آدمی بھیج دیا حجر نے آنے سے انکار کر دیا،

اب تو زیاد نے پولس کو ان کے حاضر کرنے کا حکم دیا، پولس والوں اور حجر کے ساتھیہ میں ہاتھ پائی

ہونی حجر روپوش ہو گئے اور زیادہ کا کچھ بس چل نہ سکا، تب اس نے محمد بن قیس ابن اشعث کو پکڑا جو بنی
کنزہ کا سردار تھا اور اس کو جیل بھیجا دیا، اور دھکی دی کہ اگر حجر کو حاضر نہیں کیا تو قتل کر کے ہاتھ پاؤں
کاٹ دیگا، تو محمد بن قیس نے اس شرط پر کہ حجر کو امان ہوگی اور زیادہ حجر کو امیر معاویہ کے پاس فیصلے کے
لئے بھیج دیگا، ان کو حاضر کر دیا، زیادہ نے ان کو جیل بھیج دیا۔ اور ان کے ساتھیوں کا بڑی سرگرمی سے کھوج
لگایا، چنانچہ بڑی بڑی دقتوں سے تیرہ آدمیوں کو قید خانے بھیج دیا،

اس کے بعد زیادہ نے کوفہ والوں سے مطالبہ کیا کہ وہ حجر اور ان کے ساتھیوں کے خلاف بیان دیں،
چنانچہ ایک جماعت نے کہا کہ، یہ لوگ علیؑ سے محبت رکھتے ہیں اور عثمانؓ کی برائی بیان کرتے ہیں، اور امیر معاویہؓ
کو برا بھلا کہتے ہیں، زیادہ اس بیان پر مطمئن نہیں ہوا، اور کہا، یہ ناکافی ہے، اس کے بعد ابو موسیٰ اشعری
کے بیٹے ابو یزید نے یہ بیان لکھا کہ حجر اور ان کے ساتھیوں نے اطاعت چھوڑ دی ہے اور جماعت سے الگ
ہو گئے ہیں، اور امیر معاویہؓ کی مخالفت سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، اور پھر سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے
ہیں، پس یہ لوگ کھلے کافر ہیں،

اب زیادہ مطمئن ہوا اور حکم دیا کہ لوگ اس بیان پر دستخط کریں، چنانچہ بہت سے لوگوں نے دستخط
کر دیے، بقول مورخین کے دستخط کرنے والوں کی تعداد ستر تک پہنچ گئی جس میں مہاجرین کے صاحبزادگان
کے تین لڑکے سعد بن ابی وقاصؓ کے بیٹے عمرؓ، ابن زبیر کے لڑکے منذر بھی تھے، زیادہ نے اس میں کچھ مزاج
نہیں سمجھا کہ بیان پر ایسے کچھ لوگوں کے نام بھی لکھا دے جنہوں نے خود دستخط نہیں کئے تھے اور نہ اس کا روایا
میں حاضر تھے، بعضوں نے تو لوگوں کے سامنے اپنی بے تعلقی کا اظہار کر دیا، اور بعضوں نے امیر معاویہؓ کو لکھ
کہ اس بیان سے اپنی براءت کا اعلان کر دیا، جیسے قاصی شریح انہوں نے لکھا کہ حجر ایک اچھے مسلمان ہیں
صوم و صلوٰۃ کے پابن مزج زکوٰۃ عمرہ سب ادا کرتے ہیں، ان کا خون حرام ہے، معاویہؓ نے جب یہ
تخریر پڑھی تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا، ان حضرت نے تو بیان سے اپنے آپ کو الگ کر لیا،

حجر اور ان کے ساتھی امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دئے گئے، امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ ان کو دمشق نہ لایا جائے،
بلکہ مریح عذرا میں مقید رکھا جائے، مورخین کا بیان ہے کہ حجر کو جب مقام کا نام معلوم ہوا تو انہوں نے
کہا، خدا کی قسم میں پہلا مسلمان ہوں جس کو اس دیہات کے کتوں نے بھونکا تھا، اور میں پہلا مسلمان ہوں جس
کے نعرہ تکبیر سے مریح عذرا کی وادیاں گونج اٹھی تھیں،

امیر معاویہ نے زیاد کا خط اور دستخط کرنے والوں کا بیان پڑھا، اور حکم دیا کہ یہ لوگوں کو سنایا جائے اس کے بعد اعیان دولت میں سے جو شامی اور قریشی حاضر تھے، ان سے مشورہ لیا بعضوں نے قید میں رکھنے کا مشورہ دیا، اور بعضوں نے کہا کہ ان کو شام کے دیہاتوں میں منتشر کر دیا جائے، امیر معاویہ کچھ دنوں تک فیصلہ نہ کر سکے، اور زیاد کو لکھا کہ وہ اس معاملے میں کچھ توقف کرے تب زیاد نے امیر معاویہ کے تردد پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا، اگر آپ کو عراق کی ضرورت ہے تو ان کو میرے پاس نہ بھیجنا، اب معاویہ پر راہ کھل گئی اس نے ان قیدیوں پر اپنے آدمیوں کے ذریعے دو باتیں پیش کیں حضرت علیؑ سے برائت اور ان پر لعنت اور حضرت عثمانؓ سے محبت، جس نے یہ منظور کر لیا چھوڑ دیا اور جس نے ان سے انکار کیا اس کی گردن اڑادی،

شام کے سربراہ اور وہ حضرات کی ایک جماعت نے ان قیدیوں میں سے بعض کی سفارش کی معاویہ نے ان کی سفارش منظور کر لی، اب ان میں سے صرف آٹھ آدمی رہ گئے، جن پر علیؑ سے بیزاری پیش کی گئی، اور انہوں نے اس سے انکار کر دیا، ان کے قتل کا ایک طویل قصہ ہے دو نے دیکھا کہ تلواریں کھچی ہوئی ہیں قبریں تیار ہیں، اور کفن کی چادریں پھیلی ہوئی ہیں، جیسا کہ اپنی موت سے کچھ پہلے مجھے نے کہا تھا تو انہوں نے درخواست کی کہ ان کو امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا جائے، وہ علیؑ اور عثمانؓ کے بارے میں امیر معاویہ کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی اور باقی چھ آدمیوں کو قتل کر دیا گیا، بہادری کے ساتھ قتل ہونے والوں میں یہ پہلے مسلمان ہیں،

اس کے بعد ان دونوں کو امیر معاویہ کے پاس لے گئے ایک نے اپنی زبان سے علیؑ سے بیزاری کا اظہار کیا اور کسی شامی نے اس کی سفارش بھی کر دی، معاویہ نے اس کو ایک ماہ جیل میں رکھا اور پھر اس شرط کے ساتھ رہا کر دیا کہ شام کے کسی حصے میں بھی قیام کرے، عراق نہ جائے، چنانچہ اس نے موصل میں اقامت کی اور وہیں مرا،

دوسرے نے علیؑ سے برائت کا انکار کر دیا، بلکہ عثمانؓ اور خود معاویہ کے بارے میں ناگوار باتیں سنائی معاویہ نے اسکو زیاد کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اس کو بڑی طرح قتل کیا جائے اسکو زندہ درگور کر دیا اس طرح یہ شرمناک المیہ اپنی انتہا کو پہنچا جس میں مسلمانوں کے ایک گورنر نے لوگوں کو ایسی مخالفت پر سزا دی جو گناہ نہ تھی، اور سربراہ اور وہ اور ممتاز لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ بہتان طرازی کریں اور چھوڑ

بیان پر دستخط کریں، پھر قاضی کے دستخط بغیر اس کے علم و خواہش کے ثبت کر دیئے اور جب حجر کو ان کی گردن مارنے کیلئے لایا گیا تو انہوں نے کہا، ہمارے اور امت کے درمیان خدا ہے، عراق والوں نے ہمارے خلاف گواہی دی اور شام والوں نے ہماری گردن ماری،

ایک مسلمان حاکم نے اس گناہ کو مباح اور اس بدعت کو حلال سمجھا اور اپنے لئے جائز رکھا کہ ان لوگوں کو موت کی سزا دیدے جن کے خون کی اللہ نے حفاظت چاہی تھی اور پھر موت کا یہ حکم بھی امام نے ملزموں کو بلا دیکھے بلا ان کی کچھ سنے اور ان کو مدافعت کا بلا حق دیئے دیدیا، حالانکہ انہوں نے بار بار مطلع کیا کہ وہ بیعت پر قائم ہیں انہوں نے امام کی بیعت نہیں توڑی اور نہ توڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس سانحے نے دور دور کے مسلمانوں کے دل ہلا دیئے، حضرت عائشہ کو جب معلوم ہوا کہ اس عداوت کو شام بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے عبدالرحمن بن عمارت ابن ہشام کو امیر معاویہ کے پاس بھیجا کہ ان کے بارے میں ان سے گفتگو کریں، لیکن عبدالرحمن جب پہنچے تو یہ جماعت قتل کی جا چکی تھی، عبدالرحمن نے امیر معاویہ سے کہا، ابوسفیان کی بدداری اور برداشت تم نے کب سے چھوڑ دی؟ امیر معاویہ نے جواب دیا، جب سے تم جیسے حلیم الطبع مجھ سے دور ہو گئے اور اس کا روٹی پر زیادہ نم مجھے آمادہ کیا اور میں کر گزرا!،

اسی طرح عبداللہ ابن عمرؓ کو جب اس دردناک واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے عمامہ سر سے اتار کر لوگوں سے اپنا رخ پھرا لیا اور رونے لگے، لوگوں نے آپ کے رونے کی آواز سنی، معاویہ ابن خدیج کو جب افریقیا میں اس کی خبر پہنچی تو اپنی قوم بنی کنذہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا، کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ہم تو قریش کیلئے لڑ رہے ہیں اور اپنی جانیں دیکر ان کی حکومت مضبوط کر رہے ہیں اور وہ ہمارے چچا زاد بھائیوں پر حملے کرتے ہیں اور ان کو قتل کرتے ہیں،

خراسان میں بھی اس حادثے کی صدائے بازگشت اس کے حاکم ربیع ابن زیاد تک پہنچی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان کا ارادہ ہو چکا تھا کہ حجر کے معاملے کیلئے میدان میں نکل آئیں لیکن اس بات سے ڈریں کہ کہیں حمل کا موقع نہ ملے اور نادان پیش پیش ہو کر کہیں اصلاح کے مقصد کے خلاف کچھ اقدام نہ کر دیں اسلئے باز میں کوئی شعرا نے اس حادثے سے متاثر ہو کر بیت کچھ اشعار نظم کئے ہیں جو ہم سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ حجر اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا صدمہ خود امیر معاویہ کو بھی ہوا

شروع شروع میں وہ ان کے قتل کے بارے میں متروک تھے، لیکن جب حکم دے چکے تو خیال کرنے لگے کہ ان کا بڑا کڑا امتحان لیا گیا، اور یہ کہ وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے، لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا انکو مذمت ہوتی ہی رہی، اور ان کا دلوز تعلق بڑھتا ہی گیا،

بلاذری کہتا ہے، امیر معاویہ نے زیاد کو لکھا کہ حجر کے متعلق میرے سینے میں خلیجان کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تم کو ذمہ سے کسی ایسے آدمی کو بھیجو جو فاضل دیندار در عالم ہو، اس نے عبدالرحمن ابن ابولیبی کو بھیجا اور ہدایت کر دی کہ حجر کے بارے میں ان کی رائے کی مذمت نہ کرنا ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے، ابن ابولیبی کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہ کے پاس گیا تو اس نے مرعبا کہا اور کہا کہ سفر کا لباس اتار کہ شہر کا لباس پہن لو، چنانچہ میں لباس بدل کر حاضر ہوا، انہوں نے کہا، نجد امیر سے دلیں آتا ہے کہ کاش حجر کو میں قتل نہ کرتا اور کاش میں ان کو اور ان کے ساتھیوں کو پابند رکھتا، شام کے علاقوں میں انکو ادھر ادھر بھیج دیتا، میرے لئے کافی تھا کہ وہ میری اطاعت میں رہتے ان کو قبیلوں کے حوالے کر دیتا، میں نے کہا قسم خدا کی میرے دل میں بھی یہی ہے کہ کاش آپ ان میں سے کوئی بھی بات اختیار کرتے، اس کے بعد معاویہ نے مجھے انعام سے نوازا اور میں واپس آیا، اس وقت میرے لئے زیاد کی ملاقات سے زیادہ کوئی بات مبغوض نہ تھی اور میں نے طے کر لیا کہ روپوش ہو جاؤں گا پھر جب میں کو فہ پہنچا اور کسی مسجد میں نماز پڑھی تو امام کی واپسی پر ایک شخص کو سنا زیاد کی موت کا ذکر کر رہا تھا، میرے لئے اس وقت اس کی موت سے زیادہ خوش کن کوئی اور بات نہ تھی،

راوی تو یہاں تک خیال کرتے ہیں کہ حجر کی موت کی صدا خود معاویہ کے گھر کے اندر تک پہنچ چکی تھی، بلاذری ہمکو بتاتا ہے کہ معاویہ نے ایک دن نماز پڑھی اور پڑھنے میں بڑی دلیر لگائی، انکی بیوی ان کو دیکھ رہی تھی، جب نماز پوری کر چکے تو اس نے کہا، امیر المؤمنین تمہاری نماز کتنی اچھی ہے، اگر تم حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرتے، پس حجر کا قتل ایک زبردست سانحہ ہے، امیر معاویہ کے زمانے کے بزرگوں میں سے کسی نے اس بات پر شک نہیں کیا کہ یہ حادثہ اسلام کی دیوار میں ایک شکاف تھا، خود معاویہ کو بھی اس کا اعتراف ہے چنانچہ وہ اپنے آخری دنوں تک حجر کو بھولے نہیں اور مرض الموت میں اسے سب سے زیادہ یاد کیا، مورخوں اور راویوں کا بیان ہے کہ معاویہ مرض الموت میں کہا کرتے تھے، ”حجر تمہارے ہاتھوں میں رہا ہو اسی طرح کہا کرتے تھے، ابن عدی کے ساتھ میرا حساب بہت لمبا ہے“

یزید کی جانشینی

امیر معاویہؓ نے اسلام میں ایک نئی بات پیدا کر کے سنت موروثہ میں بڑی تبدیلی کر دی یعنی مسلمانوں کی حکمرانی کے لئے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنا دیا، حالانکہ صدر اول میں مسلمان خلافت میں وراثت بڑی بڑی بات خیال کرتے تھے، چنانچہ صدیق اکبرؓ نے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا اور کبھی آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اپنے لڑکے کو مقرر کر دیتے، اس طرح حضرت عمرؓ نے اس شخص کو ڈانٹا، جس نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے لڑکے عبداللہ کو خلیفہ بنا دیں، حضرت عثمانؓ کے دل میں بھی کبھی نامزدگی کا تصور نہیں آیا، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ معروفتوں نے ادھر توجہ کرنے کی فرست نہیں دی، اس لئے کہ بارہ سال تک تخت خلافت پر بیٹھ رہے، حضرت علیؓ نے بھی اپنا جانشین بنانے سے انکار کیا، اور جب آپ کے ساتھیوں نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ہول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح تم کو چھوڑا اسی طرح میں بھی چھوڑتا ہوں، لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا ہم حضرت حسنؓ کی بیعت کر لیں، آپ نے جواب دیا، نہ میں تم کو اس کا حکم کرتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں۔

مسلمان کسرویت اور قیصریت کا تذکرہ کیا کرتے تھے اس سے ان کا مطلب قیصرہ اور اکابرہ کا طرز حکومت ہوتا تھا اور یہ حکومت کی وراثت بھی عجمی حکومت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے، امیر معاویہؓ کا معاملہ اگر ہمیں تک ہوتا تو شاید لوگ کہتے کہ انھوں نے اجتہاد کیا جس میں غلطی اور صحت دونوں کا احتمال ہے، لیکن زیادتی تو یہ ہے ایک طرف انھوں نے حضرت عثمانؓ کے نقائص کے نام سے حضرت علیؓ سے جنگ کی اور دوسری طرف یہ بتایا کہ اس جنگ کا مقصد مسئلہ خلافت مسلمانوں کی ثبوتی کے حوالے کرنا ہے، لیکن جب اقتدار پر قبضہ ہو گیا تو بھول گئے کہ یہ لڑائی کیوں کی تھی؟ اور اپنی بات سے پٹ گئے اور جب حضرت حسنؓ سے مصالحت کا ارادہ کیا تو حسنؓ پر یہ بات ہنس کی کہ میرے بعد ولی عہد آپ ہوں، لیکن حضرت حسنؓ نے اس سے انکار کیا اور اپنے شرائط میں یہ

بات رکھی کہ امیر معاویہؓ کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ میں پیش ہو اور وہ جس کو پسند کریں اپنا خلیفہ بنا لیں، چنانچہ امیر معاویہؓ نے دوسری شرطوں کے ساتھ اس کو بھی منظور کر لیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہؓ اپنے لئے فقنا ساز گار پانے سے پہلے خلافت کے لئے شوریٰ کے قائل تھے، اور مصالحت کے دوران میں بھی جب وہ اپنے لئے معاملات ٹھیک کر رہے تھے شوریٰ کی بنیاد تسلیم کرتے تھے، لیکن اس کے بعد انھوں نے اپنا خیال بدل دیا، اور یہ سب کچھ بھول گئے، کہا جاتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے ان کے دل میں یزید کی ولی عہدی کا خیال پیدا کیا جس پر وہ متوجہ ہوئے اور زیاد سے مشورہ لیا، زیاد نے چندے توقف کرنے اور یزید کی چال و چلن ٹھیک کرنے کا مشورہ دیا یزید ایک قریشی نوجوان تھا، اہرولعب کا ولد اور، سیر و شکار کا شوقین، شوخ، بے باک اور ہوسناک، نمازوں سے یکسر غافل امیر معاویہؓ نے اس کو لگام لگائی اور رومی معرکوں میں بھیجا، امیر الحج بھی مقرر کیا، یہ سب ولی عہد ہونے کی تہیاری تھی، جب دیکھا کہ اب یزید کی روش ٹھیک ہو گئی ہے تو دورانہنسی سے کام لیتے ہوئے اس کے ولی عہد ہونے کا اعلان کر دیا، اور اطراف اکناف میں اس کے لئے خطوط لکھے سب جگہ سے حسب منشا جوابات آئے اور کس کی مجال تھی کہ اختلاف کرتا، اس کے بعد امیر معاویہؓ نے صوبوں سے وفود طلب کئے، چنانچہ لوگوں کے وفود آئے اور یزید کی بیعت کا اعلان کر دیا گیا، قریش کے صرف چار آدمی ایسے تھے جو بیعت سے رُکے رہے، حسین بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، تب امیر معاویہؓ نے حکم کرنے کی نوبت سے جہاز آئے اور ان چاروں سے ملے لیکن ان پر امیر معاویہؓ کے وعدے اور وعید کا کچھ اثر نہیں ہوا بعضوں نے تو صفات صاف کہہ دیا اور بعضوں نے ٹال مٹول سے کام لیا، پھر بھی امیر معاویہؓ نے انہیں سنا دیا اور ان سے کہہ دیا کہ ان کے حکم کی اگر خلافت وزری ہوئی تو ٹھیک نہ ہوگا، بعض مورخوں کا خیال ہے کہ خطبہ دینے سے پہلے امیر معاویہؓ نے ان چاروں کے پاس پولیس متعین کر کے اس سے کہہ دیا کہ جو کچھ میں کہوں ان میں سے جو بھی اس کی تردید کرنا چاہے اس کی گردن اڑا دینا، اس کے بعد تقریر شروع کی اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا تذکرہ کیا اور کہا، میں نے لوگوں کے لئے جو تجویز پسند کی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے اور قریش کے یہ سردار اور بزرگ بھی لوگوں کے ساتھ اس تجویز سے متفق ہیں، اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی اور یہ چاروں اٹھ کر واپس

چلے آئے اور اپنے معترضین کو قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ انھوں نے نہ بیعت کی اور نہ بیعت کے لئے اپنی منظوری دی

یہ روایت صحیح ہو یا غلط تہی بات بہر حال قطعی ہے کہ امیر معاویہؓ جب ان کو بیعت پر راضی نہ کر کے تو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا، اس کے بعد انھوں نے امت سے کسی قسم کا مشورہ نہیں لیا، البتہ اپنے مصاحبوں اور جی حضوریوں سے مشورہ لیا سبھوں نے ان کی حوصلہ افزائی اور تائید اور تحسین کی اور عوام و خواص میں سے ایک آدمی بھی ان کے اس اقدام سے راضی اور ناگواری کا اظہار نہ کر سکا، اس طرح اسلام میں شاہی کے قدیم جے، جس کی بنیاد دباؤ، دھمکی اور خوف و دہشت پر تھی اور وراثت میں باپ سے بیٹوں کو ملنے لگی، اور امت بادشاہ کی ملکیت بن گئی جس کو وہ اپنے جس لڑکے کو بھی چاہے اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی طرح منتقل کرنے لگا،

۱۲ھ میں یہ سب کچھ ہو چکا یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ابھی پورے پچاس سال بھی نہیں گزرے، اللہ کی رحمت ہو حسن بصری پر وہ بقول طبری فرمایا کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ میں چار باتیں تھیں جن میں سے ایک بھی ان کے لئے ہلک ہے،

۱، بڑی عجلت سے امت کو تاوانوں کے حوالے کر دینا، بلا مشورہ امت کی لگام زبردستی اپنے ہاتھ میں لے لینا، حالانکہ متعدد صحابہ اور اہل فضل موجود تھے،

۲، اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنا دینا جو بڑا شرابی اور نشے باز تھا، ریشمی کپڑے پہنتا تھا اور طبقہ بالا جاتا تھا،

۳، زیاد کو اپنا جانشین بنا دینا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لڑکا صاحب فراش کا ہے اور زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے،

وہی سحر کو قتل کر دینا سحر اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے امیر معاویہؓ کا برا ہو،

ہن میں حسن بصری کی تائید کرتے ہوئے ایسا نہیں کہنا چاہتا کہ ان چار باتوں نے ان میں سے بعض نے امیر معاویہؓ کو ہلاکت میں ڈال دیا اس لئے کہ یہ صرف اللہ کے قبضہ قدرت کی بات ہے اور اس کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَیَعْلَمُ اَنْ یَّشْرَکَ بِہٖ وِیَخْفٰی مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لَمَنْ یَّشَآءُ اور مجھے یہاں یزید کے کاموں سے بحث نہیں اس لئے کہ میں نہ یزید کی تاریخ لکھ رہا ہوں اور غفلت

کے لئے اس کی صلاحیت اور اہلیت سے بحث کر رہا ہوں مجھے تو یہ بتانا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اسلام میں ایک ایسی بدعت جاری کر دی جس کو پہلے سے بہت بُرا خیال کیا گیا یعنی حکمرانی کو موروثی بنا دینا اس بدعت کا انجام مسلمانوں کے حق میں کیسے ہولناک و بال کی شکل میں نکلا اور بادشاہوں نے ولی عہدی کے لئے کیسے کیسے حرام حلال کئے، کتنی خوں ریزیاں کیں، کتنے حقوق پامال کئے اور قوم کی کیسی کیسی مصلحتوں کو خاک و خون میں ملا دیا، اس وراثت کو حاصل کرنے کے لئے بعض گورنروں نے بعض شہزادوں کے لئے انھیں کے بھائیوں سے کیسی کیسی مکاریاں کیں، مگر فریب کے کیسے کیسے جال بچھائے اور پھر قرآن و حدیث سے اس وراثت کا کہیں ثبوت نہیں، منتقی مسلمانوں کے معمولات میں کہیں اس کا پتہ نہیں،

امیر معاویہؓ اور ان کی حکمرانی پر تبصرہ تو وہ ہے جو فتنے سے دوڑ رہنے والے ایک منتخب صحابہ نے کیا ہے یعنی سعد بن ابی وقاصؓ اللہ کی ان پر رحمت ہو، بلا ذری اپنے راویوں کی زبانی بیان کرتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ ایک دن امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے اور کہا: ہاؤ شاہ سلامت السلام علیکم، امیر معاویہؓ ہنستے اور کہنے لگے: ہاؤ شاہ کی جگہ امیر المومنین کہہ دیتے تو کیا خرچ تھا سعد نے کہا: آپ مسرت کے عالم میں خوش ہو کر یہ کہہ رہے ہیں قسم خدا کی امیر المومنین بننے کے آپ کے جو عذبات ہیں انھیں کی بنا پر میں نے غلبہ ہونا کبھی پسند نہیں کیا،

زیاد اور خوارج

جس جوش اور سرگرمی کے ساتھ، خارجی، حضرت علیؓ کے زمانے میں اپنا کام کر رہے تھے، امیر معاویہؓ کا دور آیا تو اس میں کوئی کمزوری اور کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ وہ بدستور اپنی راہ چلتے رہے، نہ خود آرام کیا نہ دوسروں کو چین سے رہنے دیا، حضرت علیؓ کے زمانے میں جیب وہ کوزے نکلتے اور جنگ کے لئے تیار ہو جاتے تو بصرہ کے خارجی، بصرہ کے حاکموں کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے امیر معاویہؓ کے ابتدائی دور حکومت تک خارجی مسلسل اپنا کام کرتے رہے، اگرچہ ان کی سرگرمیاں حضرت علیؓ کے دور کی طرح مختصر اور معمولی رہیں، مغیرہؓ اور عبداللہ بن عامر کی پالیسی ان کے متعلق حضرت علیؓ کی طرح یہ تھی کہ اگر وہ سکون سے رہیں تو ان کو پریشان نہ کیا جائے اگر وہ غداری اور فساد کی باتیں نہ کریں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے، لیکن جب عراق کی لگام زیاد کے ہاتھ میں آئی تو اس نے شدت سے کام لیا اس نے ان کے خروج کا انتظار نہیں کیا بلکہ نکلنے سے پہلے ہی احتیاطی تدبیریں کر دیتا چنانچہ ان کی کڑی نگرانی شروع کی ان کے افراد کا پتہ چلایا کہ کون کون کہاں کہاں ہے پھر جن کو بھی پالیا، شبہ کی بندہ پر ان کو گرفتار کیا اور گمان کی بنا پر قتل کر دیا،

یہ دیکھ کر خارجی بچنے کی اور اس کے جاسوسوں اور مخبروں سے چھپنے کی تدبیریں کرنے لگے زیاد کی گرفت بہت سخت اور اس کی چال بہت گہری تھی، اس نے تمام لوگوں کو بری طرح مرعوب کر دیا لوگ بھی انتہائی تیزی کے ساتھ روپوش ہو گئے اور اس کے خلاف سخت خفیہ تدبیریں کرنے لگے زیاد کے زمانے میں بہت سے خارجی لڑائی سے بیٹھ رہے ان میں باہمی اختلافات بھی پیدا ہو گئے لیکن ان کا مسلک بڑی تیزی سے ان لوگوں میں پھیلنا جن میں اب تک نہ پہنچ سکا تھا، خواتین میں بھی اس کا حوصلہ پیدا ہوا اور وہ اس طرف مائل ہوئیں اور شریک ہو کر بعض مواقع پر کوفہ والوں کے ساتھ خروج کیا اور بصرہ میں تو بعض عورتیں قتل کی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے گئے،

پھر خارجیوں کے انجام سے لوگ ناواقف نہ تھے سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ کوفہ یا بصرہ سے جب کبھی خارجیوں کی کسی ٹولی نے خروج کیا شہر کے حاکم نے اس کے مقابلے کے لئے اس سے بڑی اور قوی فوج بھیج دی، تھوڑی دیر مقابلہ رہا اس کے بعد فوج سبھوں یا اکثروں کا خاتمہ کر کے شہر واپس چلی آئی،

اس کے معنی یہ ہیں کہ خارجیوں کا نکلنا ان کا اپنی جہاں قرآن کرنا تھا وہ نکلے تھے اور مانتے تھے کہ انجام کیا ہوگا اور پھر پورے شوق اور اطمینان کے ساتھ نکلے تھے، انھوں نے اپنی جہاں اللہ کو جنت کے بدلے میں فروخت کر دی تھیں پس ان کی پارٹی نہ فنا ہونے والی قربانی کی پارٹی تھی، وہ اپنے مقتولوں کو شہید جانتے تھے، حالانکہ ان کے حریف شیعہ اور اہل جماعت ان کو مذہب سے خارج تصور کرتے تھے، جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان کے متعلق ایک مشہور حدیث کا حکم سنایا تھا لیکن یہ معاویہ کے ظالم حاکموں نے بعض خارجیوں کو واقعی شہید بنا دیا، صرف خارجیوں کے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ دوسرے خیال کے لوگوں سے بھی انھوں نے ان کو شہید کی بنا پر گرفتار کیا اور گمان کی بنا پر قتل کیا ان سے لڑائی میں غداری کی ایسی ایسی چالیں چلے جس کی اسلام نے بڑی شدت سے مخالفت کی ہے، مثال کے طور پر ابو بلال مروان بن اویبہ کا واقعہ ہے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا قتل نہایت درد انگیز سا منظر ہے، صرف خارجیوں کے لئے نہیں بلکہ بہت سے غیر خارجیوں کے لئے بھی اچھا نچہ بُتر دکھنا ہے کہ ابو بلال کو متعدد فرقے اپناتے ہیں، معتزلہ ان کو اپنے متقدمین میں شمار کرتے ہیں شیعہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ان کے آدمی ہیں، اور میں یقین کرتا ہوں کہ ابو بلال اپنے معاصر بزرگوں کی نگاہ میں ایک متقی اور قابل احترام مسلمان تھے،

ابو بلالؓ ایک زاہد دنیا سے بے رغبت بزرگ تھے، بھلائی کے خواہاں، مسلمانوں کے خیر خواہ اجنبی اور ملاقاتی سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے بڑے عبادت گزار، فضولیات سے دور، صنہین کے معرکے میں حضرت علیؓ کے ساتھی تھے، ثالی کے مخالفت بن کر نہروان جانے والوں کے ساتھ چلے آئے اس کے بعد جھگڑے سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے شہر بصرہ میں رہنے لگے خارجی رجحانات رکھنے تھے ان کی بعض کارروائیوں پر تنقید یہ بھی کرتے تھے اور زمین پر فساد پھیلانے کے سخت مخالف تھے، لوگوں سے تعرض اور بغیر گناہ ان کے قتل کو مذہب اور معیوب

جانتے تھے چنانچہ جب زیاد بصرہ کا والی ہوا اور وہ خطبہ دیا جو تبرک کے نام سے مشہور ہے تو ابو بلال ہی ایک مرد تھا جس نے اس کے اس کہنے پر — کہ میں گنہگار کے ساتھ نیکو کار کو بیمار کے ساتھ تندرست کو پکڑوں گا، — اعتراض کیا اور اس کو اللہ کے قول ابراہیم الذی دنی ان لا تزوروا زرتہ و نزلنا بحری و ان لیس للانسان الا ما سعی، کی یاد دلائی اور اس کے بعد بھی اپنے شہر میں قیام کے لوگوں کو اچھی باتوں کی ہدایت کرتے اور بڑی باتوں سے روکتے رہے اور اپنے حلقہ سے بھلائی پھیلاتے رہے تا آنکہ زیاد مر گیا اور اس کا لڑکا عبداللہ بن زیاد بصرہ کا والی مقرر ہوا جس نے خارجیوں کا پتہ چلانے میں بڑی زیادتی سے کام لیا، ان کو ڈرایا، ان کے لئے جاسوس مقرر کئے، ان کو جیلوں میں بند کیا، جن پر قابو پایا ان کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء کاٹ دیئے ابو بلال اپنے تقویٰ طہارت اور حسن میرت کی بنا پر لوگوں میں بڑے ہرول عزیز تھے ایک مرتبہ خارجیوں کے ساتھ ان کو بھی جیل بھیجا گیا جہاں ان کی عبادت اور قرآن مجید کی بہترین تلاوت کی وجہ سے جیل کا داروغہ ان کا بڑا گرویدہ ہو گیا، چنانچہ جب رات آتی تو وہ ان کو چھوڑ دیتا بلکہ دن میں بھی جاتے کی اجازت دے دیتا اور آپ گھر والوں سے مل جمل کر جیل خانہ واپس آجاتے ایک دن آپ کو معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن زیاد جیل کے تمام خارجی قیدیوں کو قتل کر دینے کا ارادہ کر چکا ہے اور آپ جیل سے باہر تھے تو رات میں بھیس بدل کر قید خانے پہنچ گئے، اور اپنا قتل ہو جانا اچھا سمجھا، کہ داروغہ خائن بن کر حکومت کے غصے کا شکار ہو جائے، ابن زیاد نے ان قیدیوں کو باہر نکالا کچھ کو تو قتل کر دیا، اور بعضوں کو سفارش کرنے والوں کی وجہ سے چھوڑ دیا، چھوٹنے والوں میں ابو بلال بھی تھے جیل سے نکلنے کے بعد پھر اپنی اسی روش پر قائم ہو گئے، لیکن حاکم کے مظالم سے آپ کا غصہ اپنی حد کو پہنچ چکا تھا، پھر ایک دن یہ دیکھ کر کہ ابن زیاد نے ایک خارجی عورت کو پکڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بازار میں چھوڑ دیا، بے تاب ہو گئے اور ظالموں کے درمیان مزید زندگی گزارنے کی طاقت اپنے اندر نہ پاسکے، چنانچہ اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد تیس سے زیادہ تھی بصرہ سے باہر نکلے اور اس خروج کا مقصد اپنے لئے اور ساتھیوں کے لئے اچھی طرح واضح کر دیا، کہ وہ ظلم و زیادتی سے بیرواری کا اعلان کریں گے، عدل و انصاف کی دعوت دیں گے، اور لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے لوگوں

کا مال نہیں لیں گے، نہ زمین پر لوٹ و غارت گری کریں گے، لڑائی میں پہل نہیں کریں گے البتہ کسی نے حملہ کیا تو مدافعت کریں گے، ان کے ساتھیوں میں دس اور بھی آکر مل گئے اب یہ سب چالیس ہو گئے اور بڑھے راستے میں خراسان سے ابن زیاد کے پاس کچھ مال آ رہا تھا، ابوبلال نے اپنا اور ساتھیوں کا اتنا حصہ لیا جو بصرہ کے قیام کی حالت میں تقسیم کرنے پر ملتا، اس کے بعد مال لانے والوں کو محافظت بصرہ جانے کا راستہ دیدیا،

ابن زیاد کو جب ان کے خروج کا پتہ چلا تو اسلم بن زرعہ کو ان کے پیچھے دو ہزار کا لشکر ساتھ کر کے بھیجا جس نے مقام آسک پر ان کو پالیا اور واپسی کی اور اطاعت پر باقی رہنے کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے ایک ایسے ظالم قاسم کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا جو شہے کی بنا پر ماخوذ کرتا ہے اور گمان کی بنا پر قتل کر دیتا ہے اور لوگوں پر ان کی دولت اور عزت کے معاملے میں سختی کرتا ہے اس کے بعد وہ ابن زیاد کے لشکر سے الگ رہے، اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی تا آنکہ خود لشکر والوں نے لڑائی شروع کر دی پھر تو ابوبلال اور ان کے ساتھی بہادر باغیوں کی طرح حملہ آور ہوئے اور حریف کو شکست دیدی، اسلم بن زرعہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ انتہائی رسوائی اور ذلت کی حالت میں بصرہ واپس آیا، یہ دیکھ کر ابن زیاد نے اس کو سخت ملامت کی اور لوگوں نے شکست کا طعنہ دیا، حد یہ ہوئی کہ شرکوں پر لڑنے کے اسلم کو ابوبلال سے ڈرانے لگے ایک خارجی شاعر نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

ألفامون فیما زعمتم ویقتلکم بآسک اربحون

کیا تمہارا خیال ہے کہ دو ہزار ایماندار تمھے جنکو آسک میں صرف چالیس آدمیوں نے قتل کیا

کذبتم لیس ذاک کما زعمتم ولكن الخوارج مومنون

تم غلط کہتے ہو واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھتے ہو بلکہ خارجی ایماندار تمھے

هم الفئة القلیة قد علمتم علی الفئة الکثیرة منصرفون

وہ چھوٹی سی اقلیت تمھے اور تم جانتے ہو کہ چھوٹی سی اقلیت اکثریت پر فتح باب ہوتی ہے

شاعر اللہ عزوجل کے ارشاد کہ من فئة قلیلة خلبت فئة کثیرة باذن

اللہ - کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے بعد ابن زیاد نے عباد بن احضر کو چار ہزار کی جمعیت کے

ساتھ روانہ کیا اور جب راہ میں مقابلہ ہوا تو فوج نے ان سے واپسی کا اور اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا ان لوگوں نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے سلم کو دے چکے تھے، تب عباد نے ان سے جنگ شروع کر دی، بڑی سخت اور لمبی معرکہ آرائی رہی اتنے میں ابو بلال نے دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت فوت ہو رہا ہے تو انھوں نے حریف سے ایک وقفے کی اجازت مانگی کہ فریقین نماز پڑھ لیں، عباد نے اجازت دیدی چنانچہ فریقین نماز میں مشغول ہو گئے لیکن عباد اور اس کے ساتھیوں نے نماز میں جلدی کی یا توڑ دی اور خارجیوں پر حملہ کر دیا دیکھا کہ کچھ قیام اور رکوع میں ہیں اور کچھ سجدے میں، سبھوں کو قتل کر دیا، ابو بلال کے آدمیوں میں سے کسی نے حملہ آوروں کا رخ نہیں کیا، نماز کو جنگ پر مقدم جانا، مٹھی بھر آدمیوں سے اتنی بڑی جماعت کی اس طرح غداری اور ان کو نماز کی حالت میں قتل کر دینا لوگوں کے دلوں پر اس کا بہت بُرا اثر ہوا، خارجیوں میں تو اس حادثہ سے بڑا ہیجان پیدا ہوا اور انھوں نے اپنے بھائیوں کے انتقام میں اپنی کوششیں تیز کر دیں، البتہ عام لوگ ناراض ہونے کے بعد یہ تلخ گھونٹ پی گئے،

مسلمان امیر معاویہؓ کی سیاست سے خوش تھے یا ناراض؟ ہم کو اس سوال کا جواب مختلف فرقوں کے متاخرین کی زبان سے نہیں سنا چاہیے کہ یہ لوگ تاریخی حقائق سے کہیں زیادہ اپنے مذاہب سے متاثر ہیں، پس قابلِ دُتوق بات یہ ہے کہ حکومت کے مشرقی اور مغربی علاقوں کے وہ مسلمان جو امیر معاویہؓ کے معاصر تھے اگر معاملہ ان پر چھوڑ دیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے لئے ایک امام کا انتخاب کریں اور یہ انتخاب بلا کسی جبر اور دباؤ کے بالکل آزادانہ ہو ان کے پیش نظر اپنے دین کی فلاح و بہبود کے سوا کچھ نہ ہو تو وہ کسی حالت میں بھی امیر معاویہؓ کو اپنا امام منتخب نہیں کرتے اس لئے کہ انھوں نے ان کی سیاست کا تجربہ کر لیا ہے، اور ان کے گورنروں کو بھی آزما لیا ہے اپنی ماضی قریب کی تاریخ کے پیش نظر وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا حال بُرا ہو رہا ہے ان پر رضامندی کی نہیں، زبردستی کی حکومت کی جا رہی ہے، کتاب و سنت کی نہیں ڈرانے دھکانے اور امیریں دلانے کی سیاست چلائی جا رہی ہے ان کی دولت عوام کی دولت نہیں بلکہ ان کے بادشاہ اور اس کے حاکموں کی ہے وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں اس میں حق اور انصاف اور بھلائی کے تقاضوں کا کوئی دخل نہیں،

بڑی بڑی رقموں کے عطیے لوگوں کو اس لئے دیتے جاتے جاتے ہیں کہ وفاداری پر ان کی حوصلہ افزائی ہو اور بہتوں کو حق بات کہنے اور حق کے لئے اٹھ کھڑے ہونے سے روکا جائے۔ حجاز کے بڑے بڑے لوگ انہیں عطیات کی بدولت دولت سے مالا مال ہیں جس سے کمزوروں کے ہاتھ اور طاقت والوں کی زبان خریدی جاتی ہے، شام کے لوگ ثروت سے ہم آغوش ہیں حکومت میں اقتدار کا دروازہ ان کے لئے کھلا ہوا ہے اس لئے کہ وہ بادشاہ کی فوج اور اس کی حکومت کے طرفدار ہیں، عراق کے لوگ مصیبتوں میں مبتلا ہیں اس لئے کہ وہ یا تو حضرت علیؓ کے حامی ہیں یا جماعت کے باغی اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن پر شامیوں اور حجازیوں کی سی عنایت کی زبردستی اب رہے دوسرے علاقے کے لوگ تو وہ پامال اور آلہ کار ہیں انہیں سے خراج اور ریل وصول کیا جاتا ہے تاکہ شام بھیجا جائے اور بادشاہ جس طرح چاہے خرچ کرے ان کا خون بادشاہ اور اس کے حاکموں کے لئے حرام نہیں بلکہ بادشاہ اور اس کے کارندوں کو حق ہے کہ وہ اللہ کے حرام کو حلال سمجھیں اور وہ بھی دین قائم کرنے کے لئے نہیں، حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے کیلئے میں مانتا ہوں کہ امیر معاویہؓ عرب کے چالاک مدبرین میں سے ایک تھے اور سیاست میں غیر معمولی دل و دماغ کے مالک تھے، لیکن ان کے زمانے کے مسلمانوں نے ان سے پہلے کے امام بھی دیکھے تھے جنہوں نے سیاسی کجالی میں دشمن کو بے بس کر دینے کا جوڑا ملا یا اور اس طرح ملا یا کہ لوگوں کا انصاف بھی ہوا، ان کی خیر خواہی بھی ہوئی، اچانک سال بھی محفوظ رہا اور پھر دین کی راہ سے بال برابر بھی انحراف نہیں کیا،

اسی طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ امیر معاویہؓ کے گرد و پیش کے حالات نے ان کی مدد کی اور ان کو اس سیاست پر مجبور کیا لیکن جیسا کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں میں معاویہؓ کی موافقت یا مخالفت کرنا نہیں چاہتا میں تو ان کے عہد کی زندگی کے حقائق تک پہنچنا چاہتا ہوں انہیں حقائق میں سے ایک بات جو قطعی ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا یہ ہے کہ فتوحات کے بعد جب مسلمان مفتوح قوموں کے ساتھ اچھی طرح گھل مل گئے تو ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو ان مفتوح قوموں کی طبیعتوں کو پوری طرح بدل دیتے اور ان کے دل و دماغ کو عربی کر دیتے اور اس کی کوئی صورت نہ تھی انسانوں کے معاملات کا دھارا اس طرح نہیں بہتا، اور کسی

زمانے میں کسی وقت بھی ایسا نہیں ہوا یا پھر یہ مفتوح لوگ فاتحوں کا دل و دماغ بدل دیتے اور ان کی طبیعتوں کو تمدنِ طبیعتیں بنا دیتے، اور اس کی بھی کوئی صورت نہ تھی اور ہم نے ایسا بھی کبھی نہیں دیکھا،

پس اب صرف تیسری صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ ان دونوں کی درمیانی منزل یعنی یہ کہ فاتح مسلمان معجزوں کو اپنی طبیعت کا کچھ حصہ دیں اور مغلوب قومیں اپنی طبیعتوں کا کچھ حصہ فتح کرنے والوں کو دیں اور اس لین دین سے دونوں طبیعتوں کا ایک ایسا قوام تیار ہوتا جو نہ خالص اسلامی یا عربی اسلامی کہا جاتا اور نہ خالص رومی یا فارسی، بلکہ بیچ کی ایک چیز ہوتی،

اور یہ فتنہ الکبریٰ جس سے ہم اس کتاب میں بحث کر رہے ہیں اور اس سے پہلے کے حصے میں بحث کر چکے ہیں، درحقیقت اسی عربی اسلامی طبیعت اور مغلوب طبیعتوں کے درمیان ایک معرکہ آرائی ہے، اسلام چاہتا ہے کہ لوگوں میں ایسی آزادی اور ایسا انصاف پیدا ہو جس کے بعد محتاجی کمزوری اور گم نامی کی وجہ سے کوئی مصیبت زدہ نہ رہ سکے اور نہ کوئی محض قوت، دولت اور ناموری کی بنا پر اچھا بنا رہے بلکہ سب لوگ باعزت زندگی بسر کریں، سمجھوں کے تقاضے عمدگی سے پورے ہوں، برتری اور امتیاز کی بات اور تیار رہیں، تقویٰ اور ثابت قدمی کی بنا پر ہو،

اسلام چاہتا تھا کہ خلفاء اور حکام لوگوں کے حقوق، ان کے مال اور ان کے مفاد کے امین ہوں لوگوں کے سامنے ان کے صلاح و دستور سے ان کے معاملات کا نظم کریں پھر ان کی کارروائیوں میں جبر و غور نہ ہو خود پسندی اور مفاد پرستی نہ ہو، اور یہ سب کچھ اس لئے نہ کریں کہ وہ سردار ہیں نہ ان کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہے بلکہ اس لئے کریں کہ وہ رہنما ہیں، لوگ ان پر بھروسہ کرتے ہیں ان سے ان کی دل جمعی ہوتی ہے اور ان کو اپنے معاملات کی نگرانی کا اہل سمجھتے ہیں اور اس لئے اپنی مرضی سے ہلاسی زیر دستی اور دباؤ کے ان کو یہ سب کام سونپتے ہیں اور جب ان میں سے جس کا جی چاہے گا ان کی کارروائیوں کے بارے میں باز پرس کر سکے گا اور اگر پتہ چلا کہ خلفاء نے یا حکام نے غلطی کی ہے تو ان کو درست کر دینی ہوگی، اسلام اس قسم کی حکومت

کا اور عالم و محکوم میں اس قسم کے تعلق کا خواہاں تھا اور جب تک نبی کریم ﷺ زندہ رہے اسی راہ پر چلتے رہے اور جب خدا نے آپ کو اپنے جوار رحمت کے لئے پسند کر لیا، تو آپ کے خلفاء آپ کے طریقے پر چلتے رہے اس سے ذرا بھی انحراف نہیں کیا ہاں حضرت عثمانؓ کی تھوڑی سی بات ضرور ہے خدا ان کو اپنی رحمت سے نوازے جب بنی امیہ ان کی رائے پر غالب آگئے پھر بھی آپ نے لوگوں کے کہنے پر ان کی مرضی کے مطابق رجوع کیا اور بار بار اپنا اور اپنے اعمال کا انصاف کیا اور اپنے توبہ اور استغفار کا اعلان مسلمانوں کے مجمع میں کیا رسول اللہ ﷺ کے منبر پر بھی کیا،

پس حضرت عثمانؓ حق کے خواہاں تھے کبھی کر گزرتے اور کبھی آپ کے گورنر اور خواص آپ کو مجبور کر دیتے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قصداً نہ زبردستی کی نہ خود پسندی اور برتری جتائی، نہ خود غرضی سے کام لیا، زیادہ سے زیادہ ان کے متعلق جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ بعض مرتبہ ان سے غلطی ہوتی لیکن ان کا ارادہ غلطی کرنے کا نہ تھا، لیکن اس کے بعد بھی مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کے خلاف بغاوت کی اور مطالبہ کیا کہ جب وہ اپنے گورنروں اور خاص آدمیوں کی سرکشی کا ٹھیک طور پر مقابلہ نہیں کر سکتے تو خلافت سے دست بردار ہو جائیں اس پر جب آپ نے انکار کر دیا تو اس نے آپ کو قتل کر دیا،

حضرت علیؓ نے فیئین رضی کی راہ اختیار کی اور شاید بعض معاملات نے سابق خلفاء سے کہیں زیادہ آپ کے لئے نزاکت پیدا کر دی، آپ پوری شدت کے ساتھ بیت المال میں آنے والی چیزوں کو تمام و کمال تقسیم کر دینے پر اڑے رہے اور چاہا کہ لوگ دیکھا کریں کہ ان کا بیت چاندی سونے سے خالی پڑا ہے بلکہ جھاڑو دے کر صاف کر دیا گیا ہے اور اس میں ان کے امین نے دو رکعت نماز بھی پڑھی ہے ان کا امین کوئی چیز بچاتا نہیں، اور نہ اپنی ذات کے لئے کچھ رکھتا ہے فلاق کے والی ہونے سے پہلے آپ کے قبضے میں ایک زمین تھی جس سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی آپ نے اس کو صدقہ کر دیا اور دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ چند درہم کے سوا کچھ نہیں چھوڑا اور یہ درہم بھی اس لئے بچائے تھے کہ اس سے ایک خادم خریدنا چاہتے تھے جیسا کہ حضرت حسن نے اپنے باپ کی موت کے بعد والے خطبے میں ظاہر کیا ہے،

اور ہم نہیں جانتے کہ چاروں خلفاء میں سے کسی نے شہے اور بدگمانی کی بنا پر کسی مسلمان کو قتل کیا ہو، البتہ اس کا ہم کو علم ہے کہ یہ خلفاء اپنے گورنروں سے قصاص لیا کرتے تھے حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ پر جو آپ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا، جب گواہوں نے گواہی دی تو اس پر شراب کی حد جاری کی حضرت عمرؓ نے اپنے ایک لڑکے پر شہادت ملنے پر شراب کی حد جاری کی، حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کو سنگسار کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اگر زیاد شہادت دینے میں متردد نہ ہو گیا ہوتا، چنانچہ شہے کی وجہ سے آپ رک گئے،

یہ اور اس سے بھی زیادہ باریکی پر خلفاء کی نظر تھی پھر کہاں وہ اور کہاں ہم؟ راویوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے ایک دن اپنے بیٹے یزید سے سوال کیا کہ تمہاری پالیسی کیا ہوگی؟ یزید نے جواب دیا کہ وہ حضرت عمرؓ کی پالیسی اختیار کرنا چاہتا ہے، امیر معاویہؓ سننے اور کہا میں نے تو عثمانؓ کی چال چلیا چاہی اور افسوس وہ بھی نہ چل سکا تو عمرؓ کی راہ کا کیا ذکر؟ یہ واقعہ ہے کہ سابق خلفاء میں سے کسی نے تلوار سے اقتدار حاصل نہیں کیا کسی نے حجر اور

حجر جیسوں کو قتل نہیں کیا، کسی نے اپنے بیٹے کو خلافت کا وارث نہیں بنایا، کسی نے زیاد اور زیاد جیسوں کو متبنی نہیں کیا کسی نے امیر معاویہؓ کی طرح صعصعہ بن صوحان کی موجودگی میں یہ نہیں کہا، "زمین اللہ کی ہے میں اللہ کا خلیفہ ہوں میں جو کچھ لے لوں میرا ہے جو کچھ چھوڑ دوں وہ میرے طغیل میں دوسروں کا ہے" — اہل حضرت عثمانؓ نے منبر پر اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ وہ بیت المال میں سے جتنا چاہیں گے لیں گے کوئی ناراض ہوتا ہو تو ہوا کرے اس کے جواب میں عمار بن یاسرؓ نے کہا تھا کہ سب سے پہلا ناراض میں ہوں، اور حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ آپ کو ایسا کرنے سے روکا جائے گا، صعصعہ بن صوحان نے امیر معاویہؓ کو جو جواب دیا وہ حضرت علیؓ کے جواب سے ملتا جلتا ہے، انھوں نے کہا اس معاملے میں تو آپ کی اور کوسوں دور کے ایک اُمّی کی حیثیت ایک ہے لیکن بات یہ ہے کہ جو مالک بن جاتا وہ دوسروں کو نظر انداز کرتا ہے، امیر معاویہؓ نے غضبناک ہو کر کہا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے، صعصعہ نے کہا ہر ارادہ پورا نہیں ہوتا، امیر معاویہؓ نے کہا میری راہ میں کون حائل ہو سکتا ہے، صعصعہ نے کہا وہ ذات جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے، یہ کہا اور اٹھ کر چلے گئے،

جانتے ہوئے ان کی زبان پر یہ شعر تھا،

اربعون اراعتکم فان
وخذفۃ کالشجاعت الوریث

شیعہ اسی سیاست سے ناراض تھے اور انہوں نے بہت کچھ شورش کر کے مقابلہ کیا تا آنکہ حجر اور ان کے ساتھی قتل کر دیئے گئے، خوارج کو اسی سیاست پر غصہ تھا اور انہوں نے اپنی زبانوں اور تلواروں سے مقابلہ کیا، چنانچہ قتل کیا اور قتل کئے گئے، اسی سیاست پر صحابہ اور تابعین برہم تھے لیکن یہ لوگ دلوں میں ناراضی کے جذبات رکھتے تھے، بسا اوقات زیر لب کچھ کہتے بھی تھے، عام مسلمان، صحابہ اور تابعین کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سنکر انہیں کچھ ہم خیال تھے، اور وہی زبان کچھ نہ کچھ کہتے بھی تھے اور کون جانتے شاید خود امیر معاویہؓ سنجیدگی کے عالم میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کی سیرت پر غور کرتے ہوں اور پھر اپنی سیرت کا مقابلہ کرتے ہوں تو اپنی بہت سی باتوں کو پسند نہ کرتے ہوں،

مورخوں کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ اپنی موت کے وقت مطمئن نہ تھے اور درد اور گھبراہٹ کا اظہار کرتے تھے، وہ حجر کا اور مسلمانوں کے مال میں اپنے تصرف کا بازو ڈگر کرتے تھے لیکن اس پر بھی مسلمانوں کو ان کے بعد ایسے بادشاہوں سے پالا پڑا کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش امیر معاویہؓ ان کے لئے آخری زمانے تک زندہ رہتے، ان کا بیٹا یزید اس قسم کے بادشاہوں میں پہلا بادشاہ تھا،



لے یعنی بہرے کے خواہی جا رہی پوش من انداز قدرت را می شناسم

بزمِ بزمید

امیر معاویہؓ تو عہد جاہلیت کی قریشی آب و ہوا میں پل کر بڑے ہوئے تھے جس میں زیادہ تر تنگدستی کا دور دورہ رہا اور جو قوم بھی بے آب و گیاہ چٹیل داویوں میں سکونت رکھتی ہے وہ نفع بخش تجارت کے باوجود زندگی کے دن تنگی ترشی ہی میں گزارتی ہے اس کے بعد وہ سلام لائے نبی ﷺ کو دیکھا اور آپ کے کاتب بنے، آپ کی اور دوسرے متقی مسلمانوں کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے پھر حضرت عمرؓ کے عامل بن کر ان سے بہت کچھ ادب و اخلاق سیکھا جب قوم کی لگام آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ کی زندگی ان صحبتوں کے فیض سے ایک حد تک متاثر تھی لیکن بعد میں لوگوں کو آپ پر انگلی اٹھانے کا موقع ملا اور بتایا گیا کہ آپ کے قدم مسلمانوں کی جانی بوجہی سیدھی راہ سے ہٹ گئے۔ لیکن آپ کے بیٹے یزید کی نشوونما ٹھیک آپ کے مخالف ماحول میں ہوئی وہ شام میں پیدا ہوا اور گورنر کی کونھی میں پیدا ہوا جہاں خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا، خدمت کے لئے بہت سی لونڈیاں اور غلام حاضر تھے، مال کی طرف سے اس کو قبیلہ بنی کلب کی کچھ سختی اور بددیت ملی تھی، لیکن باپ کی طرف سے وہ ایک حد تک قریش کی خصوصیات کا وارث تھا، یعنی ذہین، چالاک، چالباز، اور دولت و اقتدار کے لئے سرگرم، اور مسائل میں آجانبہ پر لطف و لذت اندوزی کے لئے وقف ہو جانے والا اس دنیا میں یہ قریشی نوجوان بڑا ہوا نہ تنگدستی دیکھی نہ کبھی روکھے پھیکے کی نوبت آئی زندگی کے لئے نہ کبھی دوڑ دھوپ کی نہ اس راہ میں کبھی کوئی مشقت اٹھائی، ہاتھ پاؤں مارا تو طبیعت بہلانے کے مشاغل میں اور دوڑ دھوپ کی توجہی خوش کرنے کی خاطر،

اس ماحول میں جب مسلمانوں کی لگام یزید کے ہاتھ میں آئی تو اس کی سیرت اس کے باپ سے بالکل جدا تھی، اسی طرح بنی ﷺ اور خلفائے راشدین کی سیرت سے بھی اس کو کوئی نسبت نہ تھی،

اپنے باپ کے زمانے میں دلی عہد ہونے سے پہلے کی زندگی میں یزید عیش کوشتی اور بواہوسی میں حدود سے متجاوز تھا، اتنا کہ لوگوں میں بات عام ہو گئی اور زیادہ کو احتیاط کا مشورہ دینا پڑا، اور معاویہ کی توجہ مبذول کرانی پڑی کہ لڑکے کے چال و چلن پر نظر رکھیں، اس کے لئے زندگی میں رہنمائی کا وہ سامان فراہم کریں جو دلی عہد کی امیدواری کے مناسب ہو اور جو اس میں ایسی اہلیت پیدا کر دے کہ بعد میں اتنی بڑی حکومت وہ سنبھال سکے، چنانچہ امیر معاویہ نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور رؤیوں سے معرکوں میں اس کو مقابلے کے لئے بھیجا اور اس پر نگرانی رکھی، لیکن جیسی اصلاح وہ چاہتے تھے نہ کر سکے، ادھر حکمرانی کے معاملات نے ان کو مصروف رکھا اور ادھر بے لگام ہونے سے خود صاف جزا دے فرصت نہ پاسکے،

باپ کا انتقال ہوا تو وہ کہیں کسی دور مقام پر تھا، اور ضحاک ابن قیس کو امیر معاویہ کی قائم مقامی کرنی پڑی، جس نے بعد میں امیر کی موت کا اعلان کیا اور بتایا کہ اب حکومت کی لگام ان کے بیٹے یزید کے ہاتھ میں ہوگی،

اب یہ نوجوان آتا ہے اور ایک طویل و عریض سلطنت پا جاتا ہے، جس کا دامن تو دولت سے مالا مال ہے لیکن اس کی سیاست پیچ در پیچ ہے اس عظیم الشان سلطنت کے بنانے میں اس نوجوان کا کوئی حصہ نہیں، اس نے اس کے قیام اور استحکام میں نہ کوئی محنت کی نہ مشقت اٹھائی، حاکم بن گیا، لیکن حکومت کی خاطر نہ اس نے لطف و لذت کے مشاغل چھوڑے نہ لہو و لعب کی بیہودگیوں سے باز آیا، تخت حکومت پر بیٹھ جانے کے بعد یقین کر لیا کہ دنیا اس کی تابع فرمان ہے اور تمام کام بدستور چلتے رہیں گے، اس نے یہ حقیقت اپنے دل سے بالکل بھلا دی کہ باپ نے اس کی حکومت کے لئے دنیا کو ہموار کرنے میں کیسی کیسی محنت برداشت کی اور کن کن مشکلات کا مقابلہ کیا،

یزید کے لئے برداشت کی بات نہ تھی کہ اس کی اطاعت میں کوئی پس و پیش کرے، وہ خیال کرتا تھا کہ اس کی اطاعت تمام لوگوں کا فرض ہے، مال مٹول کرنے والا تو اس کے نزدیک گردن زدنی تھا، ناظرین ان چار آدمیوں سے واقف ہیں، جن کو یزید کی ولی عہد کی بیعت کے لئے رخصا مندرہ کر سکنے پر امیر معاویہ نے خاموشی پر مجبور کر دیا تھا، ان میں سے ایک

عبدالرحمن بن ابوبکرؓ تو امیر معاویہؓ سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے، باقی تین مدینے میں موجود تھے،
حسین ابن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور عبداللہ بن عمرؓ،

ولید بن عقبہ نے جب یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا تو حسینؓ اور ابن زبیرؓ نے معذرت کی اور
ٹالتے رہے، تاآنکہ رات میں مکہ بھاگ آئے، اب رہے عبداللہ بن عمرؓ تو وہ جماعت سے علیحدگی
پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے انھوں نے مدینہ والوں کے ساتھ بیعت کر لی اس کے بعد یزید
اور ابن زبیرؓ میں سخت کشمکش اور طویل آویزش رہی جس کا سلسلہ یزید کی موت کے بعد تک جاری
رہا، اور اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک مسلمان پوری طرح مشکلات کے پنجے میں پھنس نہیں
گئے، لیکن اس واقعہ کا اس کتاب سے کوئی تعلق نہیں اس لئے ہم اس سے بحث نہیں کر سکتے،
حسین ابن علیؓ مکہ میں ٹھہرے اور یزید کی بیعت سے انکار کرتے رہے اس دوران میں حسینؓ
اور کوفہ کے حامیان اہل بیت کے درمیان جن کی کوفہ میں اکثریت تھی قاصدوں کی آمد و رفت
برابر ہوتی رہی، اہل بیت کے حامیوں نے حضرت حسینؓ کو لکھا، مردخوں کا بیان ہے کہ انھیں
حامیوں نے ابتدا کی اور حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دی کہ یزید کی بیعت توڑ دینے
کے مقصد کی رہنمائی کریں، اسی طرح یزید کے گورنر نعمان ابن بشیر کو نکال باہر کرنے کی کارروائی
میں سربراہی کریں، یہ خطوط بڑی تعداد میں آئے، اور کوفہ کے علماء سرداران قبائل اور سربراہان اور وہ لوگوں
میں سے بہنوں نے ان خطوط پر دستخط کئے اب تو حضرت حسینؓ نے بھی اس دعوت کو غیر معمولی اہمیت دی اور
چاہا کہ ان لوگوں کی بات کو اچھی طرح جانچ لیں، چنانچہ اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقبہ کو کوفہ بھیجا کہ وہاں کے
لوگوں سے بلیں اور ان کے خیالات معلوم کریں، اگر وہ بیعت کے سچے، ارادے کے پکے اور اولاد علیؓ کے مخلص
معلوم ہوں تو ان سے خفیہ طور پر بیعت لے لیں پھر جب اتنے لوگوں کی بیعت کا یقین ہو جائے جن سے
یزید کی بیعت توڑ دینے کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو خط سے مطلع کریں وہ کوفہ آجائیں گے، مسلم بادل
نخواستہ لنگے، راستہ میں بعض دشواریاں پیش آئیں اور حضرت حسینؓ کو لکھا، کہ اب ان کو معذوری کہیں
لیکن آپ نے ان کو معاف نہیں کیا،

چلتے چلتے مسلم کوفہ پہنچے اور اپنی بات بعضوں سے راز میں رکھی اور شہر کے سرداروں اور بڑے
بڑے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے لگے اور جب ان پر اعتماد ہو گیا، تو حضرت حسینؓ کے لئے بیعت لینے لگے،

نعمان ابن بشیر کو اس کی کچھ بھنگ لگی لیکن انہوں نے مسلم کی طرف کوئی توجیہ نہیں کی اور لوگوں کے ساتھ
 بھی کوئی سختی نہیں برتی بلکہ ایک صحابی کا سا طرز عمل اختیار کیا، جیسا حضرت علیؑ نے خوارج کے ساتھ
 اور مغیرہ ابن شعبہ نے خوارج اور شیعہ دونوں کے ساتھ اختیار کیا تھا، انہوں نے لوگوں کو سمجھایا بھجایا
 اس وعافیت کی ترغیب دی، ان کے ساتھ نرمی برتی یزید کی بیعت کے ذرا وار رہنے کی تاکید کی اور اپنے
 ان خواص کی بات نہیں مانی جو دور اندیشی اور محتاط رہنے کی ہدایت کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے یزید
 کو سارے معاملات کی اطلاع کر دی، جیسے ہی یزید کو اس کا پتہ چلا اس نے باپ کے غلام سر جان سے مشورہ
 لیا، اس نے کہا کہ کوفہ بھی بسرہ کے حاکم ابن زیاد کی نگرانی میں کرود اور اس کو فوری کوفہ پہنچنے کا
 حکم دیدو، یزید نے ایسا ہی کیا، عبید اللہ ابن زیاد کوفہ آیا آتے ہی شہر میں سخت ہیجانی کیفیت پیدا
 ہو گئی، نعمان بن بشیر کو ٹھی میں بیٹھ رہنے پر مجبور ہو گئے، ابن زیاد نے معاملات کی لگام اپنے ہاتھ
 میں لے لی اور پھر ایسی شدت سے کام لیا، جس میں قاتل، رحم اور تردد کا کہیں گزرنہ تھا، مسلم بن عقیل
 اب تک اٹھارہ ہزار سے زیادہ آدمیوں کی بہت لے چکے تھے اور اس کی اطلاع کے ساتھ حضرت حسینؑ
 کو کوفہ پہنچنے کی سخت تاکید بھی لکھ دی تھی

نئے اختیارات ہاتھ میں لیتے ہی ابن زیاد نے خفیہ اور علانیہ مسلم کی تلاش شروع کر دی اور
 بڑی جدوجہد کے بعد پتہ چلا لیا کہ نہج کے ایک رئیس کے ہاں مسلم موجود ہیں، جس کا نام ہانی بن
 عروہ ہے پس ہانی کا پیچھا کیا تا آنکہ وہ حاضر ہوا بالآخر اس کو اقرار کرنا پڑا کہ مسلم اس کے گھر میں چھپے
 ہوئے ہیں، اس کے بعد ابن زیاد نے ہانی کو قید کر دیا، لوگوں نے اس پر بڑی شورش بپا کی لیکن
 بات کچھ بن نہ پڑی،

آخر مسلم مشتعل ہو کر نکلے اور اپنا نعرہ بلند کیا جس کے بعد ہزاروں کوفی مشتعل ہو کر
 نکل پڑے اور مسجد تک گئے، لیکن ثابت قدم نہ رہ سکے، جیسے جیسے رات بڑھتی گئی سب
 چھٹ گئے اور مسلم کو کوفہ کی گلیوں میں اکیلا چھوڑ دیا، وہ جگہ تلاش کرتے پھرے کہ باقی رات کسی
 طرح کاٹ لیں بالآخر ان کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا دیا گیا، جس نے کوفی کی چھت پر قتل کر
 کے ان کا سر نیچے پھینک دیا اور لاش لوگوں کی طرف ڈال دی اس کے بعد ہانی کو بھی قتل کر
 دیا، اور دونوں کی لاش لوگوں کی عبرت کے لئے سولی پر لٹکا دی،

حسینؑ

حضرت حسینؑ کو مسلم کا خط لگے میں ملا اور وہ کوفہ جانے کی تیاری کرنے لگے، لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ نہ جائیں، لوگوں نے ان کو یزید کے خوف سے ڈرایا، ابن زیاد کی گرفت اور کوفہ والوں کی غداری کا تذکرہ کیا، ابن عباسؑ نے نصیحت کی کہ کوفہ کی جگہ میں چلے جائیں، اور اس کی ایک لگائی میں حکومت کے اقتدار سے دُور اپنی جماعت کے درمیان قیام کریں، عبداللہ بن جعفرؑ نے بھی آپ کو سمجھایا، خود سعید بن عاص نے بھی کہا سنا، جو یزید کی طرف سے مکہ کے گورنر تھے، اور آپ کو چاتے ہوئے دیکھ کر کچھ لوگوں کو بھیجا کہ وہ اصرار کے ساتھ سمجھا بھجا کر واپس لائیں، ان کی جان و مال اور ان کے اہل بیت سب امن و امان کے ساتھ محفوظ ہوں گے، عطیات اور وظیفوں کی رغبت دلائی لیکن حضرت حسینؑ نکل چکے تھے اور تنہا نہیں بلکہ گھر والوں کے ساتھ جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے ابن عباسؑ کا یہ مشورہ بھی نہیں مانا کہ جانا ہی ضروری ہے تو گھر والوں کو محفوظ چھوڑ جائیے اور جب معاملات آپ کے حق میں استوار ہو جائیں تو بلوالینا لیکن آپ نے ایک نہ سستی، میرا خیال ہے حضرت حسینؑ نے صدر میں ایسا نہیں کیا نہ اپنے ہاتھوں اپنی جان مصیبت میں ڈالی وہ جانتے تھے کہ یزید بیعت کے لئے ان پر تشدد کرے گا اگر بیعت کرتے ہیں تو اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں، اپنے ضمیر کی خیانت اور دین کی مخالفت کرتے ہیں، اس لئے کہ آپ کے خیال میں یزید کی بیعت گناہ کی بات تھی، اور اگر بیعت نہیں کرتے تو یزید ان کے ساتھ من مانی کا روائی کرے گا،

حضرت حسینؑ کا اندازہ غلط نہ تھا وہ دیکھ چکے تھے کہ ابن زبیرؑ جب بیعت سے رکے رہے تو ان پر یزید کی غضب ناک کی کیا عالم تھا، یزید نے قسم کھا لیا تھا کہ اب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ ابن زبیر کو ایک مجمع کے ساتھ قیدیوں کی طرح لایا جائے، حضرت حسینؑ کی یہ بات بھی غلط نہ تھی کہ انہوں نے گھر والوں کو حجاز میں نہیں چھوڑا اس لئے کہ حکومت کے باغی بن کر عراق چلے جانے پر

یزید ان کے گھر والوں کو امن سے بہتے نہیں دیتا،

حضرت حسینؑ کے ساتھ ان کے بعض بھائی اور بھائی حسنؑ کے لڑکے تھے، عبداللہ ابن جعفر کے دو لڑکے اور آپ کے چچا عقیل کے بعض لڑکے بھی تھے، اور کچھ دوسرے لوگ جو دل سے آپ کی مدد کرنا چاہتے تھے اور بہت سے دیہاتیوں نے جب دیکھا کہ آپ یزید کی مخالفت میں عراق جا رہے ہیں تو آپ کی صحبت کو غنیمت جان کر آپ سے اپنی بھیلائی کی امیدیں وابستہ کر کے ساتھ ہو گئے،

حضرت حسینؑ عراق کے قریب پہونچے، ابن زیاد راستوں پر اپنے آدمی مقرر کر چکا تھا، اس نے کوفہ کے سربراہ اور وہ لوگوں میں سے ایک شخص حُرّ ابن یزید کو ایک ہزار کا افسر بنا کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ حسینؑ کو راستے ہی میں روکو اور کسی طرف جانے نہ دو، اور جب تک دوسرا حکم نہ پہونچے ان کو چھوڑو مت، دیہاتیوں نے جب دیکھا کہ یہ تو لڑائی کی بات ہے، تو وہ سب کے سب چھنٹ گئے ایک بھی باقی نہ رہا،

حُرّ بن یزید اور اس کے ساتھیوں سے ملنے کے بعد حضرت حسینؑ کو جب ان کے ارادے کا علم ہوا تو آپ نے چاہا کہ ان کو نصیحت کریں اور عبرت دلائیں تو انہوں نے آپ کی باتیں سنیں اور خوش بھی ہوئے، لیکن اطاعت آپ کی نہیں کی بلکہ اپنے امیر ابن زیاد کا کہنا مانا، اس کے بعد ابن زیاد نے حسینؑ سے لڑائی کے لئے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جو ان سے بہت زیادہ قریب تھا یعنی عمر ابن سعد ابن ابی وقاصؓ، عمر نے معذرت چاہی لیکن ابن زیاد نے منظور نہیں کیا چنانچہ تین یا چار ہزار کی فوج کے ساتھ ان کو بھیجا، عمر نے آکر حسینؑ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آنے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ کوفہ کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلوایا ہے وہ میری مدد کرنا چاہتے ہیں، آپ نے لکھنے والوں کے خطوط پیش کئے، عمر نے بعض ایسے لوگوں کو وہ خطوط دکھائے جنہوں نے لکھا تھا اور اس وقت حاضر تھے، سبھوں نے انکار کر دیا، اور قسم کھا کر کہا ہمیں ان خطوط کا کوئی علم نہیں،

حضرت حسینؑ نے عمر کے سامنے اپنی تین باتیں پیش کیں یا تو وہ ان کو حجاز جانے دے تاکہ جہاں سے آئے ہیں واپس چلے جائیں یا پھر ان کو یزید کے پاس شاملے چلے یلان کو مسلمانوں کی کسی سرحد پر جانے دے تاکہ وہ سرحد کے ایک فوجی بن جائیں جہاد کریں، اور وظیفہ پائیں۔ عمر نے منظور کر لیا، اور کہا میں اس کے متعلق ابن زیاد سے مشورہ کرتا ہوں،

عمر نے ابن زیاد کو حضرت حسینؓ کی پیش کردہ باتیں لکھیں لیکن ابن زیاد اس کے سوا کسی ہت پر تیار نہ تھا کہ حضرت حسینؓ کو مجبور کرے، چنانچہ اس نے جواب لکھ کر ثمر بن ذی الجوشن کو دیا اور کہا یہ خط عمر کو پڑھ کر سنانا اور دیکھنا وہ کیا کرتا ہے اگر حضرت حسینؓ سے لڑنے کے لئے اٹھ کر باہر تو تم بھی اس کے ساتھ ہو اور حسینؓ سے فرصت پالینے تک اس کی نگرانی کرتے رہو اور اگر لڑنے سے انکار کرے یا تاخیر کرنا چاہے تو اس کی گردن مار کر تم اس کی جگہ فوج کے افسر بن جانا، عمر بن سعد نے جواب پڑھنے اور ابن زیاد کا حکم معلوم کرنے کے بعد ہی حضرت حسینؓ سے لڑنے کی تیاری شروع کر دی اس نے حضرت حسینؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ ابن زیاد کی اطاعت قبول کر لیں، حضرت حسینؓ نے انکار کیا اور کہا اس سے تو موت اچھی، اس کے بعد عمر نے فوج کے ساتھ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا، حسینؓ کے ساتھ کل بہتر آدمی تھے، دو پہر تک جنگ جاری رہی، حضرت حسینؓ ان کے بھائیوں اور بھتیجیوں کو اور مٹھی بھر ساتھیوں کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور اکثر قتل کر دیئے گئے، حضرت حسینؓ نے جگر خراشی کے انتہائی مناظر دیکھے انہوں نے دیکھا کہ ان کے بیٹے، بھائی اور بھتیجے ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کئے جا رہے ہیں اور آزمائش کی ساری تلخیاں برداشت کر لینے کے بعد قتل ہونے والوں میں وہ آخری مقتول ہوں گے،

عمر بن سعد کے کچھ تھوڑے سے ساتھی جو ابن زیاد کی بیرونی برداشت نہ کر سکے کہ اس نے حضرت حسینؓ کی پیش کردہ باتوں کو ٹھکرا دیا، اپنی فوج سے الگ ہو کر حسینؓ کے ساتھی بن گئے تھے، انہوں نے بھی حسینؓ کے ساتھ لڑ کر جنگ کی اور ان کے سامنے قتل ہوئے اب مسلمانوں نے انکے اٹھائی تو انہیں نظر آیا کہ انہیں کی قوم ہے اور اس کا سردار ایک قریشی ہے، جہا جبر کا بیٹا ہے اس کا باپ اسلام کی راہ میں پہلا تیر انداز جنت کی بشارت پانے والے دس جنیتوں میں سے ایک، فارس کی فتوحات میں مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار اور قتلے کی باتوں سے دور رہنے والا محتاط مسلمانوں نے دیکھا کہ انہیں سجد بن ابی وقاص کے بیٹے کی ماتحتی میں لڑنے والی فوج، رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ کے بیٹوں کو قتل کر رہی ہے، علیؓ کے بیٹوں کو قتل کر رہی ہے، غزوہ موتہ کے شہید عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب طبیار کے دونوں لڑکوں کو قتل کر رہی ہے اور ان کو لوٹ رہی ہے، حضرت حسینؓ کو لوٹی ہے اور اس طرح کہ آسمان کے نیچے انہیں نرنگا چھوڑ جاتی ہے، یہ فوج ان کے ساتھ وہ

سلوک کرتی ہے جو مسلمان مسلمان کے ساتھ نہیں کر سکتا، اس کے بعد عورتوں کو غلاموں کی طرح قید کرتی ہے، ان عورتوں میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ کی بیٹی زینب بھی ہیں، پھر ان کو ابن زیاد کے پاس لایا جاتا ہے جو شرم اور رسوائی کے مارے صرف اتنی رواداری کرتا ہے کہ جب علی ابن حسینؓ نے جو ابھی چھوٹے تھے اور جن کو ابن زیاد قتل کر دینا چاہتا تھا، اس سے کہا: اگر تمہارے اور ان عورتوں کے درمیان کوئی رشتہ ہے تو کسی قتل آدمی کے ساتھ ان کو شام بھجوادو، تو اس کو یاد آیا کہ اس کا باپ ابوسفیان کا بیٹا بنتا تھا، پھر تو بڑا شرمندہ ہوا اور اس لڑکے کے قتل سے باز رہا، اور حسینؓ کے گھر والوں کے ساتھ اس کو بھی یزید کے پاس بھجوادیا، اس کے بعد مقتولوں کے سر جس میں حضرت حسینؓ کا سر بھی تھا یزید کے سامنے پیش کیا، یزید نے حضرت حسینؓ کے دانتوں پر اپنی ہاتھ کی ہیدرگڑھی اور کہا،

يفلتن هاما من رجال اعزجة عليا وهم كانوا اعقوا ظلمنا

وہ تلواریں بڑے بڑے سرکشوں اور ظالموں کے سر توڑ دیتی ہیں جو ہم پر بہت گراں ہیں

راویوں کا خیال ہے کہ نبی ﷺ کے ایک صحابی ابو بزرہؓ اس مجلس میں حاضر تھے انھوں نے یزید سے کہا: ایسا مت کرو میں نے ان دانتوں پر رسول اللہ ﷺ کے گناہ کو بارنا ہونٹ رکھتے دیکھا ہے، یہ کہہ کر وہ کھڑے ہو گئے اور مجلس سے چلے گئے، قیدیوں کو یزید کے سامنے پیش کیا گیا، ابتدا میں تو اس نے سختی برتی لیکن پھر نرم ہو گیا اچھا سلوک کیا اور اپنے گھر والوں کے پاس بھیج دیا، اس کے بعد انکو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا راویوں کا خیال ہے کہ یزید اس طرح حضرت حسینؓ کے قتل سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہے اور اس کے گناہ کا سارا بوجھ مرجانہ کے لڑکے عبید اللہ ابن زیاد پر ڈال دیتا ہے، لیکن ہم نے نہیں دیکھا کہ اس نے ابن زیاد کو بڑا بھلا کہا تو، اس کو سزا دی ہو، یا اس کو معزول کر دیا ہو اسی طرح اس سے پہلے امیر معاویہ نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا اور اس کی ذمہ داری زیاد پر ڈال دی، اور کہہ دیا کہ سببہ کے لڑکے نے یہ سب کچھ مجھ سے کر دیا،

یہ شعر حسین ابن الحجاج کا ہے اس سے پہلے کا شعر یہ ہے،

البي قومنا ان ينصفونا فانصفت قواضب في ايماننا تقطروا الدم

قوم نے ہمارا انصاف کرنے سے انکار کر دیا تو ہماری تلواروں نے انصاف کر دیا جن سے خون پگھلتا تھا،

حسین کے بعد

— ۱۱ —

شیعہ، خارجیوں سے اس لیے بوجھ تھے اور ان سے قصاص کے خواہاں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اور خارجی شیعوں کے خلاف اس لئے انتقامی جذبات رکھتے تھے کہ نہروان اور دوسرے معرکوں میں حضرت علیؓ نے ان کو تہ تیغ کیا تھا، پھر شیعہ بنی امیہ سے دو انتقام لینا چاہتے تھے ایک حُجر اور ان کے ساتھیوں کا جن کو امیر معاویہؓ نے قتل کر دیا تھا، دوسرا حسینؓ کا ان کے اہل بیت کا اور ان کے حامیوں کا جن کو یزید نے قتل کیا تھا،

بنی امیہ کے دماغ میں یہ بات تھی کہ ان کو شیعوں سے یا شیعوں اور خارجیوں دونوں سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا ہے، جن کو باغیوں نے قتل کیا ہے جو حضرت علیؓ کے وفادار تھے ان میں سے بعضوں نے خود حضرت علیؓ سے بغاوت بھی کی، علاوہ ازیں بنی امیہ عام مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور عداوت کے جذبات رکھتے تھے اس لئے کہ بدر کے معرکے میں ان کے آدمی قتل ہوئے تھے اور جیسا کہ بعض راویوں کا خیال ہے ایک دوسرے موقع پر حرہ کے معرکے کے بعد یزید کو مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات کی یاد آئی اور اس نے یہ شعر پڑھا،

جزع المفزوح من وقع الاسل

جب نیزوں کے وار سے خزر جج کے لوگ چلائے

لیت اشیاخی بیدر شہد دا

کاش میرے بٹے بڑھے معرکہ بڈیں حاضر تھے

بہر حال ان جماعتوں میں صرف اس لئے اختلاف نہیں تھا کہ جن کی بانوں میں ایک دوسرے سے دور تھے بلکہ انتقامی جذبات اور باہمی دشمنی بھی ان کے اختلافات کی بنیاد تھی،

ان میں سے ہر جماعت دوسری دونوں جماعتوں سے قصاص اور انتقام کی خواہاں تھی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خاندانی عصبیت فتنے کا ایک عنصر بن چکی تھی جس نے مسلمانوں کو بہت سی خرابیوں کی طرف ڈھکیں دیا، جس کا سلسلہ نہ قتل حسینؓ سے منقطع ہوا نہ مرگ یزید سے رُکا بلکہ برابر جاری رہا

اور آج بھی مسلمانوں کی زندگی میں ان خرابیوں کے اثرات موجود ہیں، یہ واقعہ ہے کہ قرابت کی طرف جھک پڑنے اور دین کو دور رکھنے کے مجرم صرف عراق کے لوگ نہیں، جیسا کہ زیاد نے اپنے خطبے میں عراقیوں پر اس کا الزام عاید کیا ہے، بلکہ یہ مصیبت عام ہوئی اور اس میں عراقیوں کے ساتھ شامی، مصری، حجازی بھی شامل ہیں، جیسا کہ آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہا جاتا ہے کہ حسینؑ نے یزید کی بغاوت کی، اس کی بیعت کو ٹھکرا دیا اور کوفہ چل کر آئے، کہ یہاں کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کریں اور جماعت میں تفریق ڈال کر مسلمانوں میں جنگ و جدال کی وہی کیفیت پیدا کر دیں جو ان کے باپ کے زمانے میں تھی، پس یزید نے اور اس کے عراق کے حاکم نے نہ کوئی فتنہ جگایا نہ خرابی پھیلانے میں پہل کی البتہ انھوں نے اپنے اقتدار کی مدافعت کی اور امت کے اتحاد کی حفاظت

یہ بات صحیح ہوتی اگر حضرت حسینؑ جنگ پر اصرار کرتے، اور کسی قسم کی گفت و شنید اور دلیلی پر تیار نہ ہوتے، لیکن حضرت حسینؑ نے جو کچھ کہا اس میں تین باتیں پیش کی تھیں اور ہر ایک ان میں سے اپنے اندر امن و عافیت کی راہ رکھتی تھی اگر ان کو حجاز واپس جانے کی اجازت دیدی جاتی تو مکہ چلے آتے جہاں خوں ریزی نہیں ہو سکتی تھی اس لئے کہ وہ حرمت کا مقام ہے اور جہاں رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی اس کی اجازت دن میں صرف ایک گھنٹہ کے لئے مل سکی، اور اگر ان کو یزید تک پہنچنے کی اجازت دیدی جاتی تو بہت ممکن تھا کہ یزید ان کو کسی طرح راضی کر لیتا یا ان کو کسی وزنی دلیل سے ساکت کر سکتا، اور پھر بحث و شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اور اگر ان کو کسی اسلامی سرحد پر چلے جانے کی اجازت دیدی جاتی تو وہ عام آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتے دشمنوں سے جنگ کرتے، فتوحات میں شریک ہوتے نہ کسی کو تکلیف پہنچاتے نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچاتا لیکن یزید کے آدمیوں کو تو اس کی ضد تھی کہ آپ کو نیچا دکھایا جائے اور آپ کو ایک ایسے شخص کی حکومت پر راضی کیا جائے جس کو آپ اپنا مقابل یا برابری کا نہیں جانتے تھے، پس وہ کچھ ہوا جو انتہائی جبر اور سنگدلی کا نتیجہ ہو سکتا تھا ابن زیاد نے شاید یہ سمجھا کہ حضرت حسینؑ کو قتل کر کے وہ فتنے کی جڑ اکھاڑ دے گا، اور شیعوں کو بالوں کر کے مجبور کر دے گا کہ وہ امیدوں اور آرزوں کی دنیا سے نکل کر ایک دوسرے یقین کے میدان میں آجائیں، جہاں آنے کے سوا چارہ نہیں،

لیکن اس کتاب کے تیسرے حصے میں آپ پڑھیں گے کہ ابن زیاد نے فتنے کی آگ کو اور زیادہ بھڑکا دیا، خرابی، خرابی کو دعوت دیتی ہے اور خون کو خون بلاتا ہے، پھر قتل و خون ریزی کی یہ انتہا مشتعلوں اور لہجہ بازوں اور عورتوں کو اس طرح کی اذیت اور ایسا عذاب، اندازہ کیجئے پڑی ہوئی لاشوں کو لوٹا گیا، جس میں فاطمہؓ کا بیٹا اور ان کے پوتے تھے، حضرت علیؓ کے لڑکوں اور حسینؓ کے ساتھیوں کو لوٹا گیا، عورتوں سے ان کے زیور، کپڑے اور دوسرے سامان چھینے گئے، بزرگ و جوان ہو گیا کہ جو کچھ ان سے چھینا گیا ہے اس کا عوض دیدے،

حضرت علیؓ خدا کی اُن پر رحمت ہو اپنی لڑائیوں میں اپنے ساتھیوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ بھاگنے والے کا تعاقب اور زخمیوں پر حملہ نہ کیا جائے، شکست خوردہ لوگوں سے ان کے ہتھیار اور گھوڑوں کے سوا کچھ نہ لیا جائے، صفین کے معرکے میں انہیں ہدایتوں پر عمل ہوا،

پس ابن زیاد کی یہ روش جو اس نے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے روا رکھی بدترین گمراہی کا عمل تھا، جس سے مسلمان اپنے رسوا کن فتنے کے زمانے میں بھی آشنا نہ تھے، پھر ان کاموں پر ابن زیاد، بزرگ سے کوئی سزا یا سزائش نہ پاسکا، بلکہ اور زیادہ اس کا محبوب اور مقرب بن گیا، بیٹوں کے بارے میں حضرت علیؓ کی آزمائش کا سلسلہ اس سانچے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، ایسی آزمائش آج سے قبل کسی مسلمان سے نہیں لی گئی اس میں آپ کے لڑکوں میں سے حسین ابن فاطمہؓ کو عباس اور جعفر کو عبداللہ اور عثمان کو محمد اور ابوبکر کو قتل کر دیا گیا یہ ساتوں آپ کے بیٹے تھے ایک ہی دن ایک ساتھ مارے گئے اور حسینؓ کے بڑے لڑکے علیؓ اور ان کے بھائی عبداللہ قتل کر دیئے گئے پھر حسنؓ کے لڑکے عبداللہ اور ان کے دونوں بھائی ابوبکر اور قاسم بھی قتل کر دیئے گئے یہ پانچوں حضرت فاطمہؓ کے پوتے تھے، عبداللہ ابن جعفر طیار کے لڑکوں میں سے محمد اور عون قتل کر دیئے گئے عقیل ابن ابی طالب کے لڑکوں میں سے بھی بعض معرکے میں کام آئے اور مسلم بن عقیل تو جیسا کہ آپ نے پڑھا کہ وہ میں مارے گئے،

ان لوگوں کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ساتھ جتنے بھی ساتھی تھے عربی عجمی سب کے سب مارے گئے پس طالبیوں کے لئے عمر یا اور فاطمہؓ کے بیٹوں کے لئے خصر صا یہ مصیبت کیسی دل دوز مصیبت تھی اور خود اسلام کے لئے یہ کتنا بڑا سانحہ تھا جس میں رواداری خیر خواہی اور خون کی حقانیت

کے مقررہ اور مشہور اصولوں سے روگردانی کی گئی جس میں اس آبرو کا خیال نہیں رکھا گیا جو رعایت کی سب سے زیادہ مستحق تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ کی آبرو جو مسلمانوں کو مجید کرتی ہے کہ وہ حد سے زیادہ احتیاط برتیں اور اہل بیت میں سے کسی پر بھی لب کشائی سے پہلے گناہ سے بچیں، یہ سب کچھ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات پر ابھی صرف پچاس سال گزرے تھے پھر اگر یہ سبھی پیش نظر رکھا جائے کہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اور اصرار کے ساتھ کہتے تھے کہ حضرت حسنؓ کو زہر دیکر مارا گیا ہے تاکہ یزید کی ولی عہدی کا راستہ صاف ہو جائے تو کو اندازہ ہوگا کہ امیر معاویہؓ اور ان کے لڑکے یزید کے عہد میں مسلمانوں کے معاملات خرابی کی انتہا تک پہنچ گئے تھے،



حسینؑ کے بعد

(۲)

اس مذموم حرکت کے بڑے نتائج بہت جلد اپنے اثرات دکھانے لگے، اس سانحے کی اطلاع جب حجاز پر پہنچی وہاں کے لوگوں کو اور خصوصاً صالحین کو سخت صدمہ ہوا عام طور پر لوگ اس کا چرچا کرنے لگے اور واقعے کی اہمیت بڑھنے لگی، دلوں میں تاثرات پیدا ہوئے، لوگ اکٹھا ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یزید کا اقتدار اب اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں حد سے بڑھ گیا ہے اس کی اطاعت اب ہم پر ضروری نہیں بلکہ موقع تو اس سے بغاوت کرنا ہمارا فرض ہے۔

حجاز میں عبداللہ بن زبیرؓ کی طاقت بڑھ چکی تھی، ان کے ہمدردوں اور حامیوں کی جماعت میں کافی لوگ شریک ہو گئے تھے، یزید اس فکر میں تھا کہ حسینؑ کی طرح عبداللہ بن زبیرؓ سے بھی فرصت پالے اور جب اس کو معلوم ہوا کہ مدینہ کی فضا بہت خراب ہے، وہاں کے لوگ علانیہ اس کی مذمت کرتے ہیں تو اس نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مدینہ سے ایک وفد بھیجے اس نے حکم کی تعمیل کی اور ایک وفد بھیجا، یزید نے اس وفد سے بڑی خذہ بیشانی کے ساتھ ملاقات کی اور وفد کے ہر رکن کو پچاس پچاس سے نوازا اور بزم خود سمجھا کہ ایک ہاتھ سے اس نے جو زخم پہنچایا تھا دوسرے ہاتھ سے اس کو بھردیا، لیکن وفد کے لوگ جب واپس آتے ہیں تو مدینہ والوں سے علانیہ کہتے ہیں کہ ہم ایک فاسق کے پاس سے آرہے ہیں جو شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا نفسانی خواہشوں کا غلام ہے، ظنور بجاتا ہے اور معنی غورتوں کے گانے سنا ہے،

یہ باتیں کہہ کر میں عبداللہ بن زبیرؓ تک پہنچتی ہیں اور وہ بہت کچھ سمیں اپنی طرف سے بڑھا کر یزید کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے ہیں اس کے بعد مدینہ کے لوگ بغاوت کرتے ہیں اور یزید کے گورنر کو اپنے یہاں سے نکال دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبداللہ بن حنظلہ غنویل کو اپنا عالم مقدر کرتے ہیں اور بنی امیہ کا محاصرہ کر لیتے ہیں بالآخر مجبور ہو کر یزید، نعمان بن بشیر انصاری کو بھیجتا ہے کہ باہم صلح و صفائی ہو جائے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوتی، پھر یزید نے ایک فوج بھیجی جس میں بارہ ہزار شامی تھے، اس فوج کا افسر مسلم بن عقبہ حری

یہاں اور نیک حکم دیا جس کا ابتدائی حصہ صحیح تھا اور آخری حصہ غلط، حکم یہ تھا کہ وہ مدینہ جا کر
ان سے لوگوں کو اطاعت کی دعوت دے اور اظہار معذرت کے بعد تین دن کی مہلت، اگر اس میں
طاعت کر لیں تو ٹھیک ورنہ بزن بول دے،

یہاں تک یزید حد کے اندر تھا، اس کو حق تھا کہ اپنے باغیوں کو اپنی اطاعت کی از سر نو
دعوت دے لیکن وہ اسی حد پر رکھا نہیں بلکہ آگے بڑھا اور باطل کی حد میں قدم رکھ دیا، چنانچہ مسلم
کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ مدنی باغیوں پر غالب آجائے تو تین دن تک مدینہ شامی فوجیوں کے
حوالے کر دے کہ ان کا جو جی چاہے کریں، جس طرح چاہیں لوٹیں، ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہو،
چنانچہ مسلم مدینہ آئے اور معذرت پیش کرنے کے بعد مدینہ والوں سے مقابلہ کرتا ہے اور
ان سے لوگوں کو قتل کر دینے کے بعد مدینہ تین دن کے لئے اپنی فوج کے حوالے کر دیتا ہے جس سے
ان وغارت کا بازار گرم رکھا لوگوں کی عزت و آبرو پر ہاتھ بڑھایا اس کے بعد جو لوگ باقی رہ گئے
ان سے بیعت لی گئی، کتاب و سنت پر نہیں جیسا کہ مسلمانوں کا معمول تھا بلکہ اس بات پر کہ وہ سب
کے سب یزید کے غلام اور حاشیہ بردار ہیں، جو شخص بھی اس بیعت سے انکار کرتا، اس کی گردن اڑا
دی جاتی،

۴

اس طرح مدینہ النبی ﷺ میں علانیہ اللہ کے احکام کی نافرمانی اور دین سے سرتابی
کی گئی، اور یزید اور اس کے حامی یہ سمجھتے رہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لے
لیا، اس کے بعد یہ فوج مدینہ چھوڑ کر مکہ گئی اور ابن زبیر کا محاصرہ کیا، مسلم تو راستے ہی میں مر گیا،
اس کی جگہ حصین بن نمیر سکونی فوج کا افسر مقرر ہوا، شامیوں نے مکہ کے محاصرے میں شدت کر دی اس
سے بھی بڑھ کر یہ کہ منجین کا استعمال کیا اور کعبے میں آگ لگا دی اور ابھی محاصرہ باقی تھا کہ یزید کے
مرنے کی خبر پہنچی اور وہ سب کے سب شام واپس ہو گئے اور ابن زبیر محفوظ رہے،

ابن زبیر کا مکہ میں محاصرہ کئے رہنا تا آنکہ وہ اطاعت قبول کرے یزید اور اس کے ساتھیوں کے
کا قی تھا لیکن یزید کی فوج بصد تھی کہ مدینہ کی طرح وہ مکہ کی حرمت بھی خاک میں ملائے گی اس طرح یزید
نے قتل حسینؓ کے بعد پھر ایک بار عام مسلمانوں کو اور خصوصاً حجاز والوں کو سخت ناراض کیا،
یہ غلو اور گناہ میں حد سے بڑھ جانا سخت مذموم اور قابل ملامت ہے، سیاست کا تقاضہ تھا کہ یزید

بخلوت کرنے والوں سے جنگ کی جائے، ان کو قتل کر دیا جائے یا پھر وہ اطاعت قبول کر لیں، لیکن ان کے اعضاء کاٹ لینا ان کی بے حرمتی کرنا یہ تو ایسی شرمناک حرکتیں ہیں، جن سے نہ صرف دین بیزار ہے بلکہ یہ سیاست کے لئے بھی ناگوار ہیں، نیز عربی طور طریقوں کے بھی خلاف، پھر یہی باتیں بعد میں مسلمانوں پر دلوں میں بغض و کینہ بھردیتی ہیں، چنانچہ انھیں باتوں کی وجہ سے یزید نے شیعہوں اور خارجیوں کے ساتھ اہل جماعت کے دلوں میں بھی اپنی طرف سے بغض اور عداوت پیدا کر دی تھی، انھیں باتوں کا انجام یہ نکلا کہ حکومت ابوسفیان کی اولاد میں باقی نہ رہ سکی اور نکل کر دوسرے کے ہاتھوں میں چلی گئی اور یزید ابھی چارہ ہی سال حکومت کر پایا تھا، کہ لطف اندوزی کے ہاتھوں ہی موت مرا، رادیوں کا بیان ہے کہ وہ ایک بندر سے دوڑ میں مقابلہ کر رہا تھا کہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور مر گیا،



فتنہ کا خاتمہ

جس فتنے کی آگ حضرت عثمانؓ کے قتل سے مدینہ منورہ میں ۳۵ھ میں بھڑکی تقریباً تیس سال تک بہت سے سطروں سے گذرتا ہوا یہاں پہنچ کر وہ فتنہ ختم ہو گیا، آپ نے پڑھا اس نے کیسے کیسے ہر لڑاکا مصائب نازل کئے کتنی خوزیریاں کیں کتنی جانیں لیں رسوائی اور بے عزتی کے کیسے کیسے سامان کئے اسی کے لئے میں خلافت راشدہ برباد ہوئی مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور ایک تبدلوی شاہی کا قیام عمل آیا جس نے بنیاد دین پر نہ تھی بلکہ سیاست اور مفاد پرستی پر تھی، خیال کیا جاتا تھا کہ بیس سال تک جس ہانی سلطنت کو حکومت کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھتے کا موقع ملے وہ کم از کم ایک عرصہ کیلئے ابوسفیان کے خاندان میں حکومت کی جڑیں مضبوط کر دے گا، لیکن ایسا نہیں ہو سکا حکومت نے بہت جلد اس خاندان کا ساتھ چھوڑ دیا، لیکن یہ ساتھ بھی نرمی اور آسانی سے نہ چھوٹ سکا، اس لئے کہ فتنہ یزید کی موت کے ساتھ ختم نہیں گیا بلکہ ایک حد پر پہنچ کر اس نے پھر سر اٹھایا اور بڑی شدت اور قوت کے ساتھ ظاہر ہوا اس نے حکومت اور مسلمانوں کو ایسے مشکلات اور مصائب سے دوچار کر دیا جو خرابی اور گہرائی کے اعتبار سے اس کتاب میں ذکر کر وہ بعض واقعات سے کسی طرح کم نہیں،

اسلام نے جن بہت سے اعلیٰ امتوں کی دعوت دی ہے انہیں میں کے ایک اعلیٰ نمونہ تک پہنچنے کیلئے یہ ساری کشمکش ہوئی مفسد تو حال نہ ہو سکا البتہ خوزیریاں ہوئیں جانیں گئیں رسوائیاں ہوئیں اور لوگوں کا دین خراب اور دنیا برباد ہوئی یہ اعلیٰ نمونہ وہ عدل و انصاف تھا جو دنیا کو ان دعائیت سے معمور کر دیتا، جس کے حصول میں مسلمانوں کی گردنیں برسہا برس تک مسلسل کٹی رہیں اور کامیابی نہیں ہو سکی یہاں تک کہ بعض شعبہ اس عدل کے آنے سے تو نہیں لیکن اس کے جلد آنے سے بائوس ہو گئے اور اپنا عقیدہ بنا لیا کہ ان کے اماموں میں سے کوئی امام کسی دن آئے گا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح آج وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے،

طہ حسین، قاہرہ، مئی ۱۹۵۳ء